کاروانِ شہادت

مدینہ تا مدینہ منزل بہ منزل

تالیف

علامہ محمد علی فاضل

قال سیّد الشّہدآء ابوعبد اللہ الحسین علیہ السلام :

............اِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلَاحِ فِی اُمَّۃِ جَدِّی ....

کاروانِ شہادت

مدینہ تا مدینہ، منزل بہ منزل

HadiTV

تالیف

حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ محمد علی فاضل مدظلہ العالی

ناشر:

مکتبۃ الہادی

جامعۃ الکوثر۔ اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف کتاب

نامِ کتاب: کاروانِ شہادت، مدینہ تا مدینہ، منزل بہ منزل

تالیف: حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ محمد علی فاضل،

پیشکش: ہادی ٹی وی اسلام آباد مرکز

ناشر: مکتبۃ الہادی _ جامعۃ الکوثر اسلام آباد

تعاون: جامعہ امام جعفر صادق علیہ السلام (رجسٹرڈ)
راجن پور، پنجاب پاکستان

فنی تعاون: مہدی فاضل

ملنے کا پتہ: مکتبۃ الہادی - جامعۃ الکوثر سیکٹر H-8/2
اسلام آباد فون:0333-6446072

اشاعت دوم: 2010ء

ہدیہ: 350/-روپے

انتساب

حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ الشیخ محسن علی نجفی دامت برکاتہ
کی مذہب تشیع کی خدمات اور علوم محمد و آلِ محمد علیہم السلام
کی نشرو اشاعت کے سلسلے میں مساعی جمیلہ کے اعتراف
کے طور پر یہ کتاب انہیں کے نام منسوب کرتا ہوں،
خداوند عالم موصوف کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔
آمین۔

محمد علی فاضل

فہرست کتاب

راہیانِ شہادت

کاروانِ حریت منزل بہ منزل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض حال:

مفکرِ اسلام حجۃ الاسلام والمسلمین جناب آقای شیخ محسن علی نجفی دام عزہ کی زیرسرپرستی علوم و معارف محمد وآل محمد علیہم السلام کا نشریاتی ادارہ ''ہادی ٹی وی'' جہاں پر اسلام اور تشیع کے تعارف کے سلسلے میں اور زبردست دینی اور مذہبی خدمات انجام دے رہا ہے وہاں پر ہر ماہ کے مخصوص دنوں کے پروگراموں کو خصوصیت کے ساتھ نشر کر رہا ہے، چنانچہ ۱۴۲۹ھ کے محرم اور صفر کے خصوصی پروگراموں کی نشریات کے سلسلے میں راقم الحروف کو یہ شرف عطا کیا گیا ہے کہ حضرت سید الشہداء ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کے فلسفہ شہادت کو تفصیل کے ساتھ بیان کروں، چنانچہ یکم محرم الحرام سے لے کر آٹھ ربیع الاول تک تقریباً پچاس پروگرام پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اس سلسلے میں ''مدینہ سے مدینہ تک'' کے حالات کو ''کاروانِ شہادت'' اور ''کاروانِ حریت'' کی صورت میں پیش کیا گیا۔

قارئین کی خدمت میں اس کی تفصیل یوں عرض کی جاسکتی ہے کہ حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام نے دین اسلام کی حفاظت اور اس کی سربلندی کیلئے مدینہ سے کربلا کا جو سفر اختیار کیا اسے ''کاروانِ شہادت، منزل بہ منزل'' کے عنوان سے پیش کیا گیا، اور یہ ۲۸/رجب ۶۰ھ سے لے کر ۲/محرم ۶۱ھ کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے، اور منزل بہ منزل پیش آنے والے حالات کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، اور ۲/محرم سے ۹/محرم کی شام تک پیش آنے والے حالات کو ''کاروانِ شہادت روز بروز'' کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے، اور نو محرم کی شام سے دس محرم کی شام تک کے واقعات کو ''لحہ بہ لحہ'' کے عنوان سے نذرِ قارئین و ناظرین کیا گیا ہے، اور دس محرم کی شام کو بتایا گیا کہ:

''لٹ گیا کاروانِ شہادت، کٹ گیا بتول کا کنبہ.....'' پھر گیارہ محرم کی شامِ غریباں کی رات کے حالات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا، اور گیارہ محرم الحرام سے آٹھ ربیع الاول تک کے حالات کو ''کاروانِ حریت منزل بہ منزل'' کے عنوان سے پیش کیا گیا، اور بتایا گیا کہ دشمن کی رسیوں میں جکڑے ہوئے مظلوم درحقیقت بطلِ حریت اور پیغام رسان آزادی تھے جبکہ تخت پر بیٹھے ہوئے ظالم شیطان اور ہوائے نفسانی کے قیدی تھے کاروانِ حریت میں کوفہ سے شام کے درمیان پیش آنے والے مختلف حالات و واقعات کو پیش کرنے کے ساتھ، شام شہر اور دربار یزید میں پیش آنے والے دردناک واقعات پر

تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، اور دربار سے رہائی کے بعد مدینہ کے لئے روانگی اور کربلا میں اربعینِ شہداء اور پھر مدینہ تک کے تفصیلی حالات کو بیان کیا گیا ہے، کربلا کے واقعات کو بیان کرنے کیلئے یہ کتاب جہاں ایک دستاویزی حیثیت رکھتی ہے اور تمام مومنین کو استفادہ کے یکساں مواقع فراہم کرتی ہے وہاں پر مقررین، واعظین اور ذاکرین کے لئے بھی ایک انمول تحفہ ہے، کیونکہ حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ گفتگو کے دوران ہر بات کو حوالے سے پیش کیا جائے تاکہ ایک مستند تاریخی حیثیت کی حامل ہو لہٰذا ہماری تمام گفتگو اور تحریر کتابوں کے حوالے سے مزین ہے، اور پروگرام کی تیاری اور ترتیب کے سلسلے میں جہاں بہت سی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے وہاں پر مندرجہ ذیل علماء کرام حجج الاسلام والمسلمین کی کتب ہمارے لئے نہایت ہی مفید اور معاون ثابت ہوئی ہیں باقر شریف قرشی کی کتاب ''حیاۃ الامام الحسینؑ بن علیؑ''، علی نظری منفرد کی کتاب ''قصہ کربلا''، شیخ علی ربانی خلخالی کی کتاب ''چہرہ درخشان حسینؑ بن علیؑ''، ''محمد صادق نجمی کی کتاب ''سخنان حسینؑ بن علیؑ از مدینہ تا کربلا'' اور دانشمند گرامی عمادالدین حسینی معروف بہ ''عمادزادہ اصفہانی'' کی کتاب ''تاریخ زندگانی امام حسین علیہ السلام'' ان حضرات نے اپنی کتابوں کیلئے جن مختلف کتب سے استفادہ کیا ہے ان کی فہرست بہت طویل ہے، البتہ چند ایک کتب کا نام یہاں پر ذکر کئے دیتے ہیں:

ابصار العین، الاخبار الطّوال، الارشاد مفیدؒ، الاستیعاب، اسد الغابہ، امالی شیخ صدوقؒ، الامام الحسینؑ واصحابہ، الامامۃ والسیاسۃ، انساب الاشراف، بحار الانوار، البدایۃ والنہایۃ، تاریخ ابن عساکر (مختصر) تاریخ الخلفاء، تاریخ طبری، تاریخ کامل ابن اثیر، تاریخ یعقوبی، تظلم الزہراؑ، دلائل النبوۃ، ریاض الاحزان، سفینۃ البحار، سیر اعلام النبلاء، عمدۃ ابن بطریق، العقد الفرید، کشف الغمہ، کتاب سلیم بن قیس، اللہوف، مثیر الاحزان، مروج الذہب، مسند احمد بن حنبل، معجم البلدان، معجم کبیر طبرانی، مقتل الحسین خوارزمی، مقتل الحسین مقرم، الملہوف، ناسخ التواریخ، نہج البلاغہ، وقائع الایام خیابانی۔

چونکہ کتاب میں شہدائے کربلا کی شہادت کو تفصیل سے بیان کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ کاروانِ شہادت کی تفصیل مقصود تھی، لہٰذا اس میں شہداء کی فہرست اور شہادت کا اجمالی ذکر تو ہے مگر تفصیل کے ساتھ شہادتوں کو بیان نہیں کیا گیا، انشاء اللہ اس کی دوسری جلد میں کربلا کے عدیم المثال اور بے نظیر شہداء کی شہادت کو ''راہیانِ شہادت'' کے عنوان سے پیش کیا جائے گا، اور ساتھ ہی حتی الامکان ان شہداء کے تاریخی پس منظر پر بھی روشنی ڈالی جائے گی، اور اگر موقع ملا تو واقعات کربلا کے بعد پیش آنے والے تاریخی حالات خصوصاً ''مختارِ آلِ محمدؑ'' کے انتقام کی داستان کو بھی تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا انشاءاللہ۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ادارہ ''ہادی ٹی وی'' کا خصوصیت کے ساتھ شکریہ ادا کروں کہ اس نے

کتاب کی اشاعت کے ساتھ موافقت فرمائی، اور اپنے عزیز فرزند محمد مہدی فاضل کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے کتاب کی کمپوزنگ، ترتیب اور تزئین میں پورا پورا تعاون فرمایا۔

قارئین کی دلچسپی کے لئے یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ کتاب کے ساتھ CD کا بھی اہتمام کیا گیا ہے، تا کہ ''صامت کتاب'' (بولتی کتاب) بن جائے، اور اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جا سکے۔

خداوند عالم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ محرم ۱۴۳۱ھ کے ایام میں ''راہیانِ شہادت'' کے عنوان سے اکثر شہدائے کربلا کے تفصیلی حالات کو ''ہادی ٹی وی'' کے ذریعہ بیان کا مناسب موقع ملا، خصوصیت کے ساتھ ان شہداء کا تذکرہ جن کے اسمائے گرامی اسی کتاب کی فہرست میں درج ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بھی توفیق عنایت فرمائی کہ اصحابِ حسین علیہ السلام کا ایک تحقیقی جائزہ پیش کیا جائے، چنانچہ اس تحقیق کو ایک علیحدہ صورت میں پیش کیا جا رہا ہے جس کا موضوع ہے: ''فوجِ حسینیؑ کے جوانانِ حُسین'' اور اس بارے میں ہم نے ایک تاریخی دستاویز کی صورت میں چھ جلدوں میں شائع ہونے والی کتاب ''مَعَ الرَّکْبِ الْحُسَیْنِی مِنَ الْمَدِیْنَۃِ اِلَی الْمَدِیْنَۃ'' سے کافی حد تک استفادہ کیا ہے۔

اس وقت کتاب کی طباعت کا شرف ''مکتبۃ الھادی اسلام آباد'' کو حاصل ہو رہا ہے، امید ہے کہ جس طرح یہ کتاب معنوی طور پر مزین ہے اسی طرح صوری طور پر بھی مزین اور جاذب نظر ہوگی، جس سے قارئین کرام زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکیں گے۔ انشاء اللہ

آخر میں قارئین کرام سے گذارش ہے کہ وہ ادارہ ہادی ٹی وی، اس کے مؤسس اور کتاب کے مؤلف اور ناشر کے حق میں دعا فرمائیں کہ خداوند عالم ان سب کو نشر و اشاعت علوم محمد و آل محمد علیہم السلام کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔

آمین۔

طالبِ دعا
محمد علی فاضل

تقریظ

مفکرِ اسلام حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ الشیخ محسن علی نجفی دامت برکاتہ

جناب حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ محمد علی فاضل صاحب قبلہ کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں ہے آپ نے اپنی پر برکت زندگی کو دینی و علمی خدمات کے لئے وقف کر رکھا ہے آپ کی قلمی خدمات سے اردو زبان کی علمی ثروت میں ایک معتد بہ اضافہ ہوا ہے۔

کسی کارِ خیر کے لئے وسائل و اسباب کا نزدیک ہونا توفیق من اللہ کی علامت ہے علامہ موصوف کا وجود ہادی ٹی وی چینل کے لئے ایک توفیق اور نعمت ثابت ہوا چنانچہ آپ کی علمی خدمات اور عرق ریزی کی وجہ سے ہادی ٹی وی چینل اپنے ابتدائی قدم میں پیغام کربلا کو گھر گھر پہنچانے اور عزاداری سید الشہداء علیہ السلام کو فروغ دینے میں کافی حد تک کامیاب ہوگیا۔

کاروانِ شہادت اور کاروانِ حریت کے عناوین کے تحت واقعہ کربلا کے بہت سے درس آموز واقعات کو مستند مصادر سے اخذ کر کے آپ نے ہادی ٹی وی کے ناظرین کو مستفیض کیا۔

اب یہ درس آموز واقعات طباعت کے ذریعہ قارئین کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں، اس خدمت سے سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے عزاداروں کو کربلا والوں پر گزرنے والے سچے واقعات پڑھنے کو ملیں گے، اہلِ منبر اس کتاب سے استفادہ کر کے عزاداروں کو حقیقی مصائب سے آگاہ کر سکیں گے، خداوند عالم سب مومنین کو معرفت امام علیہ السلام کی توفیق عنایت فرمائے اور علامہ موصوف کو توفیقِ مزید و عمرِ مدید عنایت فرمائے، آمین

محسن علی نجفی

جامعۃ الکوثر اسلام آباد

مقدمہ اشاعت دوم

لیجئے اس وقت کاروانِ شہادت کا دوسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے، جبکہ اس کا پہلا ایڈیشن اس سے پہلے چھپ کر قارئین کے کے لیے باعثِ استفادہ ہوا اور اب اس سے کوئی کتاب بھی باقی نہیں رہی، یہ عزیز زہرؑا سر کار سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ان کے عقیدت مندوں کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا کاروانِ شہادت آپؑ کی قیادت میں ۲۸ رجب ۶۰ھ کو مدینہ سے چلا، ۳/ شعبان ۶۰ھ میں مکہ پہنچا، ۸/ ذی الحجہ ۶۰ھ کو مکہ سے چلا، منزلیں طے کرتا ہوا ۲/ محرم الحرام ۶۱ھ کو کربلا پہنچا، ۲/ محرم سے ۹/ محرم یا تاسوعا کی شام تک حالات مختلف صورتیں اختیار کرتے رہے، تاسوعا کی شام سے حالات لحہ بہ لحہ تبدیل ہوتے رہے اور دسویں محرم ۶۱ھ کا تاریخی دن اپنے اندر مختلف نوعیتیں لے کر طلوع ہوا اور یہ دن تاریخ عالم اسلام کا انوکھا اور یادگار دن ہے جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا بھرا گھر اجڑ گیا، امام عالی مقام، اصحاب باوفا اور انصار جاں نثار کے علاوہ خاندان بنی ہاشم میں سے اولادِ ابو طالب عمرانؑ اور فاطمہ بنت اسد نے شجاعت وجوانمردی کے وہ جوہر دکھائے کہ بھوکوں پیاسوں کی جنگ سے دنیا عش عش کر اٹھی۔

اس کتاب میں ان تمام باتوں کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے، سابقہ ایڈیشن میں کچھ باتیں ذکر کرنے سے رہ گئی تھیں، اب اس کی تلافی کر دی گئی ہے، شہدائے کربلا کا مقدس تذکرہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

ساتھ ہی تاراجی خیام، خیموں کی آتش زدگی، اسیری اہلِ بیت ایسے دلدوز واقعات کو بھی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، شامِ غریباں، اہلِ حرم کی بیتابی، بچوں کی ماؤں سے جدائی اور قید، گیارہ محرم کو اسرائے اہلِ بیتؑ کی کوفہ روانگی، کوفہ کے بازاروں اور دربار کے حالات، پھر ان بے کس و بے آسرا قیدیوں کے ساتھ ناروا سلوک، کوفہ سے شام کی طرف روانگی، راستے میں پیش آنے والے حالات اور شام شہر اور دربار شام میں قیدیوں کا داخلہ، دربار میں پیشی، عرصہ اسارت اور قید سے رہائی، کربلا میں آمد، وہاں سے مدینہ واپسی، غرض تمام حالات کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، پوری کتاب مستند حوالوں سے مزین منفرد انداز میں تاریخ کربلا پر ایک مستند دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

مکتبۃ الھادی اسلام آباد اس کتاب کو دوبارہ شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے، اس مرتبہ کتاب کاروانِ

شہادت اور کاروانِ حریت کو ایک ساتھ شائع کیا جارہا ہے جبکہ اس میں ''راہیانِ شہادت'' کے عنوان سے شہدائے کربلا کا تفصیلی بیان بھی شامل کیا گیا ہے جو درحقیقت ہادی ٹی وی کے عشرہ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ کا نشر شدہ پروگرام ہے۔

ہم ہادی ٹی وی کے مدیر اعلیٰ کے نہایت ہی تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے فراخ دلی اور کشادہ قلبی کے ساتھ اس کی اشاعت کی خصوصی طور پر اجازت عطا فرمائی، دعا ہے خداوند عالم ہادی ٹی وی کی خدمات کو اپنی بارگاہِ اقدس میں شرفِ قبول عطا فرمائے اور اس کے خدمت گزاروں کو اپنی خصوصی عنایات سے نوازے۔

آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے حضرات واعظین، ذاکرین اور مومنین کو کماحقہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والاحقر
محمد علی فاضل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ:

کاروان شہادت منزل بہ منزل

اُس عظیم ہستی کی بارگاہ میں سلام!

جس نے:

''مَرْحَباً بِالْقَتْلِ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ'' راہِ خدا میں مارے جانے کو خوش آمدید کہتا ہوں' کہہ کر موت کو گلے لگالیا۔

جس نے:

''مَا أَھْوَنَ الْمَوْتَ عَلیٰ سَبِیلِ الْعِزِّ وَ اِحْیَاءِ الْحَقِ'' عزت اور حق کو زندہ کرنے کی راہ میں موت کس قدر آسان ہے' کہہ کر عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی۔

جس نے:

''نَحْنُ أَھْلُ بَیْتِ النُّبُوَّۃِ اَولیٰ بِوِلَایَۃِ ھٰذَا الْاَمْرِ عَلَیْکُمْ'' ہم اہل بیت نبوت ہیں اور اس امر خلافت کا تم سے زیادہ حق رکھتے ہیں' کہہ کر کسی فاسق و فاجر اور بے دین کی بیعت سے یکسر انکار کر دیا۔

جس نے:

''مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یَصْبِرُ عَلیٰ ضَرْبِ السُّیُوْفِ وَ طَعْنِ الْاَسِنَّۃِ فَلْیَقُمْ مَعَنَا وَ اِلَّا فَلْیَنْصَرِفْ'' تم میں سے جو شخص تلواروں کے وار اور نیزوں کی انیاں برداشت کرسکتا ہو وہ ہمارے ساتھ چلے، ورنہ یہیں سے پلٹ جائے، کہہ کر کسی کو اپنی الٰہی تحریک کے سلسلے میں اندھیرے میں نہیں رکھا۔

جس نے:

''اِنِّی لَا اَرَی الْمَوْتَ اِلَّا سَعَادَۃً وَ لَا الْحَیٰوۃَ مَعَ الظَّالِمِیْنَ اِلَّا بَرَمًا'' میں موت کو سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو عذاب جانتا ہوں' کہہ کر ظلم واستبداد کے قصرِ شاہی پر ٹھوکر ماردی۔

سلام ہو اس پر جس نے:

''اِنِّی لَا اَعْلَمُ اَصْحَاباً اَوْفٰی وَلَا خَیْرًا مِنْ اَصْحَابِیْ، وَ لَا أَهْلَ بَیْتٍ اَبَرَّ وَ أَوْصَلَ مِنْ أَهْلِ بَیْتِیْ'' میں نے اپنے اصحاب سے بہتر اور باوفا تر کسی کے اصحاب کو اور نہ ہی اپنے اہلِ بیتؑ سے بڑھ کر باوفا تر اور صلہ رحمی کرنے والا کسی کے اہلِ بیتؑ کو دیکھتا ہوں' کہہ کر تا قیامت شہداء کربلا کی وفا اور استقلال پر مہرِ توثیق ثبت کر دی۔

اُس عظیم ہستی کو سلام:

''مَن بِهٖ حَیَاۃُ الْاُمَّةِ وَ الْمِلَّةِ وَ الشَّرِیْعَةِ هٰذَا مَا عِنْدِیْ مِنَ الْبَضَاعَةِ الْمُزْجَاۃِ وَ أَمَّا اَنْتَ یَا مَوْلَایَ کَرِیْمٌ، لَا یُرْجیٰ مِنْکَ اِلَّا الْکَرَم''

اس عظیم ہستی کو ہمارے لاکھوں سلام جس نے امت مسلمہ، ملتِ اسلامیہ اور شریعت محمدیہ کو بقائے دوام عطا کی۔

اے میرے آقا!

میں آپ کی خدمت میں چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ کا نذرانہ لے کر آیا ہوں' اور آپ کی کریم ذات سے کرم کے سوا اور کیا امید کی جا سکتی ہے؟

حضرت پیغمبر خدا، حضرت امیر المومنین اور حضرت حسن مجتبیٰ علیہم السلام کے بعد دین اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری قدرت کی طرف سے آپ کے سپرد کی گئی، لہذا آپ نے تہیہ کر لیا تھا کہ اس کی دل وجان سے حفاظت کی جائے گی اگرچہ اس راہ میں انہیں بڑی سے بڑی قربانی بھی کیوں نہ دینی پڑے تو اس سے دریغ نہیں کریں گے۔

غرض آپؑ جب کبھی یزید سے پہلے کے حکمرانوں کے ذریعہ دین اسلام کے خلاف کوئی کام ہوتا دیکھتے تو حالاتِ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق خلاف ورزی کرنے والوں کو خطوط یا قاصد کے ذریعہ متنبہ کرتے یا اپنے سحر انگیز خطاب کے ذریعہ انہیں وعظ ونصیحت فرماتے اور اپنے نانا رسولؐ یا باباعلیؑ کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے انہیں روکنے کی کوشش کرتے۔

احساس ذمہ داری

امیر شام نے مرتے وقت اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین نامزد کر دیا، اور اس نے باپ کے مرتے ہی اسلام دشمن سرگرمیاں شروع کر دیں اور ان سرگرمیوں پر مہر تصدیق ثبت کرنے کیلئے حضرت امام حسین علیہ السلام سے بھی سختی کے ساتھ بیعت کا مطالبہ کر دیا، مگر امام عالی مقام چونکہ اپنے دور میں دنیا پر خدا کی حجت اور عالم امکان میں اولیٰ بالتصرف تھے ، لہٰذا انہوں نے اپنے اس الٰہی منصب کی پاسداری کرتے ہوئے بیعت سے صاف انکار کر دیا، اس لئے کہ آپ ایک ذمہ دار شخصیت اور اپنے بھائی ، والد اور نانا کے نمائندہ ہونے کے علاوہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاءؑ کی ذمہ داریوں کے امین تھے، لہٰذا آپ نے یزید کی بیعت سے صاف انکار کر دیا، چونکہ آپ جنگ نہیں چاہتے تھے لہٰذا خاموشی اختیار کر لی ، مگر یزید کی طرف سے بیعت کیلئے مسلسل اصرار پر آپ مسلسل انکار کرتے رہے مگر کہاں تک؟

اب آپ کا فرض بن گیا تھا کہ دنیا کے دل و دماغ پر پڑے ہوئے پردوں کو ہٹائیں، ظلم وظلمات ، جہالت اور تاریکیوں کو برطرف کر کے کائنات کو حق اور حقیقت کا تابناک اور تابندہ چہرہ دکھائیں۔

اسی لئے حسین علیہ السلام نے قیام کیا، آپ کے خونین قیام نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا، اور اپنے مظلوم خون کی مقدس دھار سے دشمن کے ناپاک شیطانی عزائم پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ قیامت تک کیلئے اس کا نام داخل دشنام کر دیا اور تلوار پر خون کو غالب کر کے بتا دیا دشمن خواہ کس قدر طاقت ور کیوں نہ ہو قربانی ، فداکاری اور مظلومیت کے ذریعہ اس کو زیر کیا جا سکتا ہے۔

حضرت سید الشہداءؑ علیہ السلام کا یزید کے مقابل قیام اسلام اور مسلمانوں کی عظمت کی بحالی کیلئے تھا، اگر آپ کا قیام عمل میں نہ آتا تو آج نہ کسی کو اسلام کا علم ہوتا اور نہ کسی مسلمان کا نام ونشان ہوتا، امام عالی مقام نے مسلم امہ کی مصلحتوں کو پیش نظر رکھ کر ذاتی مفادات پر اسلامی مفاد کو ترجیح دی۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

عظیم انقلاب کے نتائج:

آپ نے اسلام کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے اور اپنے اعزاء واقارب اور اصحاب باوفا کی قربانی

دے کر ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا، ایسا زود اثر انقلاب کہ ابھی آپ کے حلقوم اطہر کا خون بھی خشک نہیں ہوا تھا کہ یزید اور بنی امیہ کے خلاف انقلابی پرچم ہوا میں لہرانا شروع ہو گئے، ابھی آپ کا سر مبارک اور بے یار و مددگار قیدی یزید کے پاس نہیں پہنچ پائے تھے کہ اس کی مخالفت اور ناحق خون کے قصاص کیلئے ہر طرف سے آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں، اور نوبت باینجا رسید کہ یزید کو خود اپنے گھر میں امان ملنا مشکل ہو گئی اور اس پر ہر طرف سے اپنے عزیزوں بلکہ عورتوں اور بچوں تک کی طرف سے ملامت کے تیر برسنا شروع ہو گئے۔ اس انقلاب نے اردگرد کے ماحول کو اپنے قاتلوں پر تنگ کر دیا، اور انہیں معاشرے کے کسی اجتماع میں منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑا، بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مظلوموں کے قاتل ایک دوسرے کو لعن طعن کرنے لگ گئے یزید کہتا تھا کہ خدا ابن زیاد پر لعنت کرے سارا قصور اسی کا تھا، اور ابن زیاد کہتا تھا کہ سارا قصور عمر بن سعد کا ہے، ابن زیاد، یزید کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتا تھا۔

حسین علیہ السلام کے خونین قیام نے مسلمانوں کی راہوں کو بدل کے رکھ دیا، ان کے افکار تبدیل کر دیئے، نیکی کو نیکی اور برائی کو برائی سمجھا جانے لگا، جبکہ اس سے پہلے یہ قدریں بالکل بدل چکی تھیں نیکی کو برائی اور برائی کو نیکی سمجھا جاتا تھا، خیرات وحسنات کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول ہو گئی، نماز روزہ حج زکوۃ کو بقا و دوام کی سند مل گئی۔

ابن زیاد نے جو ساڑھے چار ہزار بے گناہ قیدی زندان میں ڈالے ہوئے تھے انہیں آزادی مل گئی اور وہ بھی اور ان کے ساتھ دوسرے لوگ بھی جو یزید و ابن زیاد کے خوف سے کوفہ میں چھپے ہوئے تھے ظاہر ہو گئے اور مل کر گروہ اور پارٹیاں تشکیل دیں اور اموی حکومت اور ابن زیاد کے اقتدار کو چیلنج کر دیا اور خون حسینؑ کے انتقام کیلئے میدان عمل میں آ گئے۔

شہدائے کربلا کے قاتل پہلے تو بڑے فخر اور طمطراق سے اپنے ظالمانہ کارنامے حکام وقت کے سامنے پیش کر کے داد شجاعت اور انعام وصول کرنا چاہتے تھے لیکن خون حسینؑ کے انقلاب نے وہ اثر دکھایا کہ وہی لوگ منہ چھپاتے پھرتے تھے، ابن زیاد مختلف حیلوں اور بہانوں کے تحت دارالامارہ سے باہر نہیں نکلتا تھا، شیعیان و دوستان اہل بیتؑ جو کوفہ، بصرہ یا عراق کے کسی دوسرے شہر میں قیام پذیر تھے ایک دوسرے کے قریب ہو کر بنی امیہ کی استبدادی حکومت کے خلاف متحد ہو گئے۔

دس سال سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اسی خونین تحریک کے سلسلے میں چار لاکھ افراد قتل کئے گئے جن کی مصیبت فرزند رسولؐ کی مصیبت سے ملی ہوئی تھی۔

سید الشہداءؑ کے قیام کی وجوہات:

اگر آپ قیام نہ فرماتے تو تمام دینی آداب ورسوم کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔

اگر وہ داعی حق وحقیقت، وہ پیشوائے بے مثیل سیاست، وہ نابغہ عظمت وبزرگواری دشمن کے آگے تھوڑا سا بھی سستی کا مظاہرہ کرتا تو آج دنیا میں ایک ارب سے زیادہ کلمہ گو مسلمان موجود نہ ہوتے جو اللہ کی توحید اور محمد مصطفیٰؐ کی رسالت کی گواہی دے رہے ہیں۔

چودہ صدیوں سے علماء، عقلاء، سیاستدان اور دانشور حسین علیہ السلام کی اس سیاست کو خراج عقیدت پیش کرتے آرہے ہیں، یقیناً اس کی کوئی وجہ ہے ناں!

کوئی شخص خواہ کسی قدر عظیم اور قابل احترام ہو ایک سال یا زیادہ سے زیادہ ایک صدی کے بعد اس کا نام لینے والا کوئی نہیں ہوتا، حوادث زمانہ اس کے روحی آثار تک کو مٹا دیتے ہیں، مگر کیا کہنے حسین علیہ السلام تیرے!! تو نے آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے اپنے پاکیزہ خون سے صحرائے کربلا میں جو انمٹ تحریریں نقش کی ہیں وہ آج بھی دنیا کی نظروں کو خیرہ کر رہی ہیں، دنیا میں کئی عظیم انقلابات آئے چنگیز و افغان وہند اور نجدیوں جیسے فتنے رونما ہوئے، صلیبی جنگیں معرض وجود میں آئیں، نام نہاد مسلمانوں اور غیر مسلموں کی یلغاریں ہوتی رہیں مگر تیرے خون کی تاثیر کو ذرہ برابر بھی کم نہ کر سکیں، ہاں مگر وہ انقلاب کامیاب ہے جو حسینی مکتب سے مضبوط رشتے میں جڑا ہوا ہے۔

روئے زمین پر رہنے والے حق پرست مسلمان خواہ وہ شیعہ ہوں یا سنی، اپنے اس عظیم پیشوا اور امام برحق کو خراج عقیدت پیش کرنے اور اسلام کی مجد وعظمت اور فضائل آل محمدؐ کے ذکر کی تجدید کیلئے، کسی قسم کے خرچ کرنے سے گریز نہیں کرتے، اور ان کی نگاہوں میں جو بھی چیز محبوب ترین اور مرغوب ترین ہوتی ہے اس راہ میں صرف کر دیتے ہیں، اپنے پیشوا کے بارے میں ان کے یہ جذبات، یہ قدردانی اور سپاس گزاری اس لئے ہے کہ اگر یہ دور اندیش پیشوا اور رہبر فرزانہ اپنے مقدس خون کا نذرانہ راہ اسلام میں پیش نہ کرتا تو یہ ملت محو اور نیست ونابود ہو چکی ہوتی۔

حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جو ان کے نانا نے تعلیم دی تھی اچھی طرح یاد کر لیا تھا کہ:

"لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ"

جو لوگ راہ خدا میں جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں انہیں مردہ مت سمجھو وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں روزی

پار ہے ہیں (آل عمران/۱۶۹)

حسین علیہ السلام کو یقین تھا کہ وہ گھاٹے کا سودا نہیں کر رہے، دنیا کی اس قدر اہمیت نہیں ہے کہ ایک خدائی فریضے کی تکمیل میں سستی کا مظاہرہ کیا جائے، اسی لئے وہ مصمم ہو گئے اور پختہ ارادہ کرلیا کہ مظلوم اور ستم رسیدہ معاشرے کو ظالموں اور ستمگاروں کے چنگل سے نکال کر ہی رہیں گے۔

انہیں معلوم تھا کہ حق اور حقیقت کی راہ میں فداکاری موت نہیں بلکہ ابدی زندگی ہے، یہ اس عظیم انسان کا کارنامہ ہے جس نے اپنی ایک ٹھوکر سے مادیت کی تمام عمارتوں کو خاک میں ملا دیا اور ظلم و ستم کے شاہی قصور کو تباہ و برباد کر کے اسلامی امہ کو دشمن کے خونی پنجوں سے نجات دلا دی، اور اپنے لئے زندگیءِ جاوید اور مسلمانوں کیلئے ہمیشہ کے امن و سلامتی اور سعادت کی ضمانت حاصل کرلی۔

چودہ صدیاں بیت گئیں مگر نام حسین علیہ السلام اور کارنامہ حسینی نت نیا ہے، زندہ ہے تابندہ ہے اور پائندہ ہے، مذکورہ عرصہ سے حسینؑ کے نام کی مجالس برپا ہوتی آرہی ہیں، حسینؑ کے نام کے مدارس اور مساجد تعمیر ہو رہی ہیں، حسینؑ کے نام سے کتب خانے اور لائبریریاں تشکیل ہوتی آرہی ہیں، حسین علیہ السلام کے مقدس نام پر عمارتیں، پُلیں، سقاخانے، تکیئے، سبیلیں اور امام بارگاہیں تعمیر ہوتی آرہی ہیں، جہاں پر ہزاروں لاکھوں لوگ جمع ہو کر حسینی منبر کے سامنے بیٹھ کر حسینیتؑ کے تذکرے اور ان کی بے مثال اور عدیم النظیر قربانیوں کی یاد کو تازہ کرتے ہیں، صدیوں سے آپ کے مزار مبارک کے گرد طواف اور زیارت کو دنیا جہاں کے لوگ انجام دیتے آرہے ہیں اور اسے اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتے ہیں اور یقیناً ہے بھی ایسا ہی۔

مقصد حسینؑ:

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے اپنی شہادت کے مقصد اور ہدف کو سرخ پرچم پر تحریر کر کے اپنے خیمہ سلطانی کے مقدس دروازے پر نصب کر دیا ہے جہاں پر دشمن بھی بڑی آسانی کے ساتھ پڑھ سکتا ہے کہ:

اِنِّیْ لَااَرَی الْمَوْتَ اِلَّاسَعَادَةً ـــــ وَلَاالْحَیٰوةَ مَعَ الظَّالِمِیْنَ اِلَّا بَرَمًا

حسینؑ راہ خدا میں موت کو سعادت سمجھتا ہے اور ظالموں کے ساتھ
زندہ رہنے کو ذلت، اور "هَیْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّة" ذلت حسینؑ سے کوسوں دور ہے۔

اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کیلئے حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے الٰہی کاروان کو مدینہ منورہ سے پوری عزت و عظمت کے ساتھ شہادت گاہ الفت کی طرف لے چلے، کیسے چلے؟ کہاں رکے؟ کہاں ٹھہرے؟ کیا گزری؟

آیئے ہم سب مل کر اس کاروان کے منزل بہ منزل ہمگام ہو کر چلتے ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام مدینہ میں

فصول المہمہ ص ۲۳۱ میں ابن صباغ مالکی اور ارشاد ص ۲۰۰ میں شیخ مفید علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

یزید کے باپ امیر شام کی وفات ماہ رجب کے وسط میں ۶۰ ھ میں ہوئی جبکہ اس نے اپنے مرنے سے کچھ سال پہلے یزید کیلئے بیعت لینی شروع کر دی تھی اور اپنے باپ کے مرنے کے وقت یزید شام میں موجود نہیں تھا بلکہ شکار کیلئے شام سے باہر گیا ہوا تھا، اس کے باپ نے مرتے وقت اس کیلئے وصیت نامہ تحریر کر کے اپنے سرہانے کے نیچے رکھ دیا تھا، جب وہ شکار سے واپس آیا تو اسے باپ کے مرنے کی اطلاع ہوئی، اس نے سرہانے کے نیچے سے وصیت نامہ اٹھایا اور پڑھنے کے فوراً بعد حاکم مدینہ ''ولید بن عتبہ بن ابی سفیان'' کے نام ایک خط لکھا جس میں اپنے باپ کے مرنے اور اپنے تخت نشین ہونے کی اطلاع دینے کے بعد لکھا کہ ''اس خط کے ملتے ہی حسین بن علی علیہ السلام، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے بیعت لے لو، اس بارے میں تمہیں کسی قسم کی چشم پوشی یا تاخیر کی ہرگز اجازت نہیں ہے''

خط کے ملتے ہی ولید نے فوراً مروان بن حکم کو مشورہ کیلئے اپنے دربار میں بلایا:

مروان نے کہا کہ ''ابھی ابھی ان تینوں کو بلا کر یہ خط انہیں دکھاؤ اگر انہوں نے بیعت کر لی تو کیا ہی خوب تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا___ وگرنہ اسی جگہ پر چپکے سے ان کی گردنیں اڑا دو اور لوگوں کو امیر شام کی موت کا علم ہونے سے پہلے ہی ان کے جسموں کو ٹھکانے لگا کر سروں کو شام بھیج دو، البتہ مشورہ کے دوران طے پایا چونکہ عبداللہ بن عمر بے ضرر انسان ہے لہٰذا اس سے تعرض نہ کیا جائے، بس حسین بن علیؑ اور عبداللہ بن زبیر کو بلایا جائے۔

چنانچہ انہیں بلانے کیلئے جب قاصد ان کے پاس پہنچا تو دونوں حضرات مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے، قاصد نے انہیں ولید کا پیغام پہنچایا، عبداللہ بن زبیر نے امام حسین علیہ السلام سے پوچھا کہ: ''آخر کیا وجہ ہے کہ آج ستائیس رجب ۶۰ ھ کی شام کے وقت ہمیں بلایا جا رہا ہے؟''

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''میرا خیال ہے کہ معاویہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے اور یزید نے ہم سے بیعت کا مطالبہ کیا ہے، ولید چاہتا ہے کہ معاویہ کی خبر مرگ فاش ہونے سے پہلے پہلے ہم سے بیعت لے لی

جائے!''

ابن زبیر نے کہا:

''بخدا میں بھی یہی سمجھتا ہوں!!'' غرض انہوں نے ولید کے قاصد کو کہا: ''تم جاؤ ہم ابھی آ رہے ہیں!'' چنانچہ غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ پہلے حضرت امام حسین علیہ السلام نے جوانان بنی ہاشم کو حکم دیا کہ تلواریں حمائل کر کے ہمارے ساتھ چلیں اور ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا تھا کہ: ''تم لوگ ولید کے دربار سے باہر رہنا اگر ہماری آواز بلند ہو یا ہمارے باہر آنے میں دیر ہو جائے تو شمشیر بکف فوراً اندر آ جانا''

غرض امام عالیمقام علیہ السلام دربار کے اندر تشریف لے گئے، سلام کیا اور دیکھا کہ ایک طرف ولید اور دوسری طرف مروان بڑی ڈھٹائی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، ولید نے امام کو بھی بیٹھنے کا کہا اور امیر شام کی موت کی خبر دی اور ساتھ ہی یزید کی بیعت کا معاملہ بھی اٹھایا اور کہا کہ: ''یزید نے مجھے سختی سے آپ کی بیعت کا حکم دیا ہے!''

یہ سن کر امام عالیمقام علیہ السلام نے فرمایا:۔

''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اِنَّا اَهْلُ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَمَعْدِنُ الرِّسَالَةِ وَمُخْتَلَفُ الْمَلَائِكَةِ وَمَهْبِطُ الْوَحْيِ وَمَحَلُّ الرَّحْمَةِ بِنَافَتَحَ اللّٰهُ وَبِنَاخَتَمَ اللّٰه ......''

ہم اہل بیت نبوت ہیں، رسالت کی کان، فرشتوں کے آنے جانے اور نزول وحی کا مرکز ہیں یعنی علم وکمال کا مرکز اور حامل پرچم توحید الٰہی ہیں، خلافت کا آغاز ہم سے ہوا اور امامت کی انتہا بھی ہم ہی پر ہوگی......

......وَيَزِيْدُ رَجُلٌ فَاسِقٌ، شَارِبُ الْخُمُوْرِ وَرَاكِبُ الْفُجُوْرِ وَقَاتِلُ النَّفْسِ الْمُحْتَرَمَةِ وَمُعْلِنٌ بِالْفِسْقِ......

یزید ایک فاسق و فاجر شرابی اور بدچلن شخص، نفس محترمہ کا قاتل ہے اور علی الاعلان فسق و فجور کا ارتکاب کرتا ہے لہٰذا ''مِثْلِیْ لَايُبَايِعُ مِثْلَه'' میرے جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کرے گا۔

''وَلٰكِنْ نُصْبِحُ وَتُصْبِحُوْنَ وَنَنْظُرُ وَتَنْظُرُوْنَ اَيُّنَا اَحَقُّ بِالْخِلَافَةِ وَالْبَيْعَةِ''

تم اس وقت اس بات کو رہنے دو میں نے سب حقائق بتا دیئے ہیں کل دیکھا جائے گا اور ہم تم، مل کر غور کریں کہ کون خلافت کے لائق ہے اور کون بیعت کے قابل ہے؟

یہ کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

مروان نے ولید کی طرف رخ کر کے کہا:

''اگر تم نے آج حسین علیہ السلام کو جانے دیا تو پھر کبھی تمہارے ہاتھ آنے کے نہیں، انہیں فوراً گرفتار کر کے بیعت لے لو، اگر نہیں مانتے تو ان کا سر تن سے جدا کر دو''

امام علیہ السلام نے تحقیر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ مروان سے فرمایا:

''یَابْنَ الزَّرْقَاءِ اَاَنْتَ تَضْرِبُ عُنُقِی اَمْ هُوَ؟''

او بدکار عورت کے بیٹے تم مجھے قتل کرو گے یا ولید؟

''کَذِبْتَ وَاللّٰهِ وَاَثِمْتَ!''

بخدا تو نے جھوٹ بولا اور گناہ کا ارتکاب کیا۔

یہ کہا اور باہر آ گئے اور مروان نے کہا: ''ولید تم نے میری بات نہیں مانی اب حسینؑ کبھی بھی تمہارے قابو میں نہیں آئیں گے'' ولید نے مروان کی سرزنش کرتے ہوئے کہا: ''مروان تمہارا برا ہو، تم مجھے ایسے کام کی ترغیب دلا رہے ہو جس میں میرے دین کی تباہی ہے، خدا کی قسم! اگر مشرق سے لے کر مغرب تک کا تمام مال دنیا میرے ہاتھ پر رکھ دیا جائے اور اس کے بدلے میں مجھے قتل حسین علیہ السلام کی پیشکش کی جائے تو بھی میں ایسا نہیں کروں گا''

بہر حال امام علیہ السلام اپنے گھر واپس لوٹ آئے اور ولید نے عبداللہ بن زبیر سے بیعت لینے کیلئے اس کی تلاش شروع کر دی مگر وہ چپکے سے اپنے بھائی جعفر کے ساتھ مدینہ چھوڑ کر مکہ چلا گیا، ولید نے امام علیہ السلام کو دوبارہ طلب کیا مگر آپ نے جانے سے انکار کر دیا اور مدینہ چھوڑنے کا قصد کر لیا۔

دوسرے دن امام علیہ السلام کی مروان کے ساتھ سر راہے ملاقات ہوگئی تو اس نے جھٹ سے امام علیہ السلام سے کہنا شروع کر دیا:

''اِنِّی نَاصِحٌ فَاَطِعْنِی تَرْشُدُ وَتَسدد''

حسینؑ! میں آپ کی خیر خواہی کی بات کرتا ہوں، میری بات مان لیں اسی میں آپ کی بہتری ہے، امامؑ نے فرمایا:

''وَمَاذَاکَ یَا مَروان؟'' مروان وہ کیا ہے؟

کہا:

''اِنِّی آمُرُکَ بِبَیْعَةِ اَمِیرِ الْمُؤْمِنِین یَزِیْدُ فَاِنَّهُ خَیْرٌ لَّکَ فِیْ دِیْنِکَ وَدُنْیَاکَ'' میں آپ کو یہی کہوں گا کہ (نعوذ باللہ) آپ یزید کی بیعت کر لیں، اسی میں آپ کی دین و دنیا کی بھلائی ہے۔

یہ سن کر زہرا علیہا السلام کے لال کو جلال آ گیا اور فرمایا:

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ وَ عَلَی الْاِسْلَامِ السَّلَامُ اِذْقَدْبُلِیَتِ الاُمَّۃُ بِرَاعٍ مِثْلِ یَزِیْد وَیْحَکَ یَامَرْوَانُ اَتَاْمُرُنِی بِبَیْعَۃِ یَزِیْدَوَھُوَرَجُلٌ فَاسِقٌ ،لَقَدْقُلْتَ شَطَطًامِنَ الْقَوْلِ"

اب حالت یہ ہوگئی کہ مسلم امہ کی آزمائش یزید جیسے حکمران کے ذریعہ کی جارہی ہے، مروان تجھ پر افسوس ہے تو مجھے یزید کی بیعت کا کہتا ہے، حالانکہ وہ ایک فاسق فاجر شخص ہے تو نے بڑی غلط بات کی ہے......

اس کے ساتھ ہی آپ نے اسے خوب سنائیں، جس کی وجہ سے وہ بول نہیں سکتا تھا، اور غصہ میں جل بھن کر ولید کے پاس چلا گیا اور امام علیہ السلام نے مدینہ چھوڑنے کی تیاری شروع کردی۔

قبرِ رسولؐ پر:

یہ ۲۸ رجب ۶۰ھ کی رات تھی اور آپ آخری وداع کیلئے اپنے نانا جان کی قبر مطہر پر آئے اور آ کر عرض کیا:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ !اَنَاالْحُسَیْنُ ابْنُ فَاطِمَۃَ فَرْخُکَ وَابْنُ فَرْخَتِکَ ،وَ سِبْطُکَ وَالَّذِیْ خَلَفْتَنِیْ فِیْ اُمَّتِکَ"

اے اللہ کے رسولؐ! آپ پر میرا اسلام! آپ کا نواسہ آپؐ کی لختِ جگر اور نورِ نظر فاطمہ زہرا علیہا السلام کا فرزند اور وہ نواسہ ہوں، جسے آپ اپنی امت میں امانت کے طور پر چھوڑ کر رخصت ہوئے تھے۔

"فَاشْھَدْعَلَیْھِمْ یَانَبِیَّ اللّٰہِ !اِنَّھُمْ قَدْخَذَلُوْنِی وَضَیَّعُوْنِی وَلَمْ یَحْفَظُوْنِی فَھٰذِہٖ شَکْوَایَ اِلَیْکَ حَتّٰی اَلْقَاکَ"

اللہ کے رسول آپ دیکھئے کہ ان لوگوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے! مجھے چھوڑ دیا، میری حرمت کو ضائع کردیا، میں یہ شکایات لے کر آپ کے پاس آیا ہوں اب مجھے اپنے پاس بلالیں۔

پھر آپ نے اپنے خالق سے مناجات کرتے ہوئے عرض کی:

"اَللّٰھُمَّ ھٰذَاقَبْرُنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍوَّاَنَاابْنُ بِنْتِ نَبِیِّکَ وَقَدْحَضَرَمِنَ الْاَمْرِمَاقَدْعَلِمْتَ"

خداوندا! یہ تیرے پیغمبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر ہے اور میں تیرے نبی (ص) کا نواسہ ہوں اور حالات جس نہج پر پہنچ گئے ہیں تو بہتر جانتا ہے۔

"اَللّٰهُمَّ اِنِّی اُحِبُّ الْمَعْرُوْفَ وَاُنْكِرُ الْمُنْكَرَ وَاَسْئَلُكَ یَاذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اِبِحَقِّ هٰذَاالْقَبْرِ وَمَنْ فِیْهِ اِلَّااخْتَرْتَ لِیْ مَاهُوَلَكَ رِضًی وَلِرَسُوْلِكَ رِضًی"

بارالہا! تو بہتر جانتا ہے کہ میں نیکیوں کو دوست رکھتا ہوں اور برائیوں کو بُرا سمجھتا ہوں، اے ذوالجلال والاکرام اللہ! تجھے اس قبر اور اس کے ساکن کا واسطہ تو میرے لئے وہی اختیار فرما جس میں تیرے اور تیرے رسول کی رضا ہو۔

اس حالت میں جبکہ دیدارِ حق کیلئے اشک شوق آپ کی آنکھوں سے جاری تھے کہ آپ کو وہیں پر نیند آ گئی، آپ خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کے جد بزرگوار سرکار رسالتمآبؐ نے آپ کو اپنی آغوش مبارک میں لے کر فرمایا:

"حَبِیْبِی یَاحُسَیْن! كَاَنِّی اَرَاكَ عَنْ قَرِیْبٍ مُّرَمَّلاًبِدِمَائِكَ بِاَرْضِ كَرْبٍ وَّبَلَامِنْ عِصَابَةٍ مِنْ اُمَتِی وَاَنْتَ مَعَ ذَالِكَ عَطْشَانُ لَّاتُسْقٰی وَظَمْاٰنُ لَاتُرْوٰی"

میرے پیارے حسینؑ! گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں عنقریب کرب اور بلا کی سرزمین میں تمہارے ہی خون سے غلطان کیا جائے گا اور یہ کام میری ہی امت کے کچھ لوگ انجام دیں گے، اس حالت میں کہ تم بھوکے اور پیاسے شہید کئے جاؤ گے۔

"وَهُمْ مَعَ ذَالِكَ یَرْجُوْنَ شَفَاعَتِی لَااَنَالَهُم الله شفاعتی یوم القیامة"

تمہارے قاتل تمہیں قتل کرنے کے بعد بھی قیامت کے دن میری شفاعت کے امیدوار ہوں گے، خدا انہیں، میری شفاعت نصیب نہ کرے۔

"حَبِیْبِی یَاحُسَیْن اِنَّ اَبَاكَ وَاُمَّكَ وَاَخَاكَ قَدِمُوا عَلَیَّ وَهُم مُّشْتَا قُوْنَ اِلَیْكَ، وَاِنَّ لَكَ فِی الْجِنَانِ دَرَجَاتٌ لَّنْ تَنَالَهَااِلَّا بِالشَّهَادَةِ"

میرے محبوب حسینؑ! ابھی ابھی تمہارے باپ، تمہاری ماں اور تمہارے بھائی میرے پاس آئے ہیں وہ سب تمہاری ملاقات کے مشتاق ہیں، حسینؑ! بہشت میں کچھ درجات ایسے ہیں جنہیں تم شہادت کی وجہ سے حاصل کر سکو گے، لہٰذا:

"اُخْرُجْ اِلَی الْعِرَاقِ اِنَّ اللّٰهَ شَآءَ اَن یَّرَاكَ قَتِیْلاً"

تم سرزمین عراق کی طرف چلے جاؤ کیونکہ خدا کی مشیت یہی ہے کہ وہ آپ کو شہادت کے درجے پر دیکھے۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۷۰)

ماں اور بھائی کی قبروں پر:

اس کے بعد آپ اپنی ماں جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی قبر مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر ماں کے پیار، بزرگواری ،فداکاری اور محبت کو یاد کر کے خوب روئے، دعاؤں کے طالب ہوئے اور الوداع کہی، پھر اپنے بھائی حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی قبر مطہر پر آئے قبر کی تربت کو اپنی آغوش میں لیا بھائی کی محبتوں کو یاد کیا درد دل بیان کیا اور رورو کر بھائی کو بھی خدا حافظ کہا اور گھر واپس آ گئے۔

مخدرات عصمت کی بے تابی:

جب مخدرات عصمت وطہارت خواتین بنی ہاشم کو معلوم ہوا کہ امام عالیمقامؑ مدینہ کو چھوڑ رہے ہیں تو اس بات سے وہ سخت بے چین ہو گئیں محلّہ بنی ہاشم میں کہرام سابرپا ہو گیا، بی بیوں نے ایک جگہ جمع ہو کر نوحہ سرائی شروع کر دی، امام نے ان کے پاس جا کر انہیں صبر وسکوت کی تلقین کی، تو مخدرات عصمت نے جواب دیا: ہم کیونکر نہ نوحہ کریں جبکہ آج کا دن ہمارے لئے ایسے ہے جیسے آج رسول خداؐ اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہوں، اور علیؑ وفاطمہؑ اور حسن مجتبیٰؑ ہمیں داغ مفارقت دے رہے ہوں، اے غمزدوں کے سہارے !اور پاک دلوں کے محبوب حسینؑ! خدا ہم سب کو آپ پر قربان کر دے!!

روایت میں ہے کہ آپ کی ایک پھوپھی نے آپ کے پاس آ کر کہا: میں نے ہاتف غیبی کی یہ آواز سنی جو یہ کہہ رہا تھا:

اِنّ قَتِیلَ الطَّفِ مِن آلِ هَاشِمٍ　　　اَذَلَّ رِقَابًامِن قُرَیْشٍ فَذَلَّتِ

بنی ہاشم کے ایک مقتول نے جو سرزمین کربلا میں شہید ہو گا، قریش کی گردنوں کو ذلیل کر کے جھکا دیا پس وہ ذلیل ہو کر رہ گئیں۔ (اس طرح کے اور بھی بہت سے اشعار پڑھے)

تو امام نے فرمایا: صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں، یہ خدا کی حتمی تدبیر ہے جو پوری ہو کر رہے گی۔ (مقتل الحسینؑ مقرم ص ۱۳۷)

ام سلمہؓ امام کے حضور میں:

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ: ''جب امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے سفر کی تیاری کی تو ام المومنین جناب بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس آئیں اور کہا:

میرے پیارے حسینؑ! عراق کی طرف سفر کر کے مجھے غم میں مبتلا مت کرو،

کیونکہ میں نے تمہارے نانا رسول خداؐ سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "یُقْتَلُ وَلَدِیَ الْحُسَیْنُ بِاَرْضِ الْعِرَاقِ بِاَرْضٍ یُقَالُ لَهَا کَرْبَلا" میرے بیٹے حسینؑ کو عراق کی سرزمین میں قتل کریں گے جسے کربلا کہتے ہیں۔

امامؑ نے جواب میں فرمایا:

اماں جان! خدا کی قسم میں اپنے انجام سے بخوبی واقف ہوں، لیکن اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں ہے، بخدا میں جانتا ہوں کہ کس دن اور کس جگہ مارا جاؤں گا، اور یہ بھی جانتا ہوں کہ کون شخص مجھے قتل کرے گا، اس جگہ کو بھی جانتا ہوں جہاں مجھے دفنایا جائے گا، حتی کہ یہ بھی جانتا ہوں کہ اصحاب اور اہل بیتؑ کے کونسے افراد ہوں گے جو میرے ساتھ جام شہادت نوش کریں گے، اماں! اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ اور سب منظر بھی دکھا دوں؟ اس کے بعد امام نے اپنے دست مبارک سے سرزمین کربلا کی طرف اشارہ کیا، ام سلمہ کو تمام منظر نظر آنے لگا، جسے دیکھ کر سخت بے چین ہوگئیں اور گریہ وزاری کرنے لگیں، پھر انہیں رخصت کیا، بعض روایات کے مطابق امامؑ نے انہیں کربلا کی مٹی بھی دی اور اسے دس محرم تک سنبھال کر رکھنے کی تاکید کی۔

(بحار الانوار جلد ۴۴ ص ۳۳۲)

محمد حنفیہ کا اضطراب:

جب حضرت امام عالیمقام علیہ السلام کے بھائی جناب محمدؒ بن حنفیہ کو معلوم ہوا کہ آپ مدینہ چھوڑنے کا تہیہ کر چکے ہیں تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے:

اے جان برادر! آپ تمام کائنات میں سب سے بڑھ کر مجھے پیارے ہیں، اور مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں اور اپنی خیر خواہی کو آپ سے چھپا کر نہیں رکھنا چاہتا، جہاں تک ہوسکے یزید کی بیعت نہیں کرنی، اللہ نے آپ کو مجھ پر شرف عطا فرمایا ہے اور آپ کو بہشت کا سردار بنایا ہے، جہاں تک ہوسکے آپ شہروں میں سکونت سے پرہیز کریں......

امام علیہ السلام نے فرمایا: "تو برادر! پھر کس طرف کا سفر کروں؟" کہا:

آپ مکہ چلے جائیں اور وہاں جا کر سکونت اختیار کیجئے، اگر مکہ والوں نے بے وفائی کی تو پھر یمن کا رخ کیجئے، وہاں پر رہنے والے آپ کے نانا اور بابا کے شیعہ ہیں، ان کے دل بڑے رحیم اور عزم بہت صمیم ہیں، اگر انہوں نے بھی وفا کا کوئی ثبوت نہ دیا تو جنگلوں اور بیابانوں کی طرف نکل جایئے، یا شہر بہ شہر سفر اختیار کیجئے یہاں تک کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ لوگوں کا انجام کہاں تک جا پہنچتا ہے !

یہ سن کر امامؑ نے فرمایا:

برادر جان! آپ نے میرے بارے میں بہت مہربانی فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان فاسقوں کے درمیان صحیح فیصلہ فرمائے گا۔

بعض روایات کے مطابق جناب محمد بن حنفیہؒ نے اپنی گفتگو کو یہیں پر روک دیا اور جی بھر کر روئے اور امام مظلوم نے بھی بہت گریہ کیا، آخر میں امام مظلوم نے فرمایا

اے بھائی اگر دنیا میں کہیں بھی میرے لئے جائے پناہ اور ٹھکانہ نہ ہو پھر بھی یزید بن معاویہ کی بیعت نہیں کروں گا اور اپنی اس راہ میں اور اپنے پختہ عقیدہ کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دوں گا۔

محمد بن حنفیہ کو امام کی وصیت:

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا آپ کو اس نصیحت اور اچھی باتوں کی جزائے خیر دے، اس وقت میں مکہ کی طرف جا رہا ہوں، اس سفر میں میرے ساتھ میری بہنیں، بھائی (حسن علیہ السلام) کی اولاد اور ہمارے شیعہ ہیں، ہم سب کا یک ہی مقصد اور مطلوب ہے، لیکن اگر آپ مدینہ میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں اور یہاں پر رہ کر مجھے یہاں کے حالات و واقعات سے مطلع کرتے رہیں۔

اس کے بعد آپ نے انہیں یوں وصیت فرمائی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هٰذَا مَا اَوْصٰى بِهِ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اِلٰى اَخِيْهِ الْمَعْرُوْفِ بِابْنِ الْحَنَفِيَّه ،اِنَّ الْحُسَيْنَ يَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ،جَآءَ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِ الْحَقِّ،وَاَنَّ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ حَقٌّ،وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّارَيْبَ فِيْهَا،وَاَنَّ

اللّٰہَ یَبۡعَثُ مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ، وَاِنِّی لَمۡ اَخۡرُجۡ اَشِرًا وَّلَا بَطِرًا وَّ لَا مُفۡسِدًا وَلَا ظَالِمًا وَّاِنَّمَا خَرَجۡتُ لِطَلَبِ الۡاِصۡلَاحِ فِیۡ اُمَّۃِ جَدِّی، اُرِیۡدُ اَنۡ اٰمُرَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَاَنۡھٰی عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَاَسِیۡرَ بِسِیۡرَۃِ جَدِّیۡ وَاَبِیۡ عَلِیِّ ابۡنِ اَبِیۡ طَالِبٍ عَلَیۡہِ السَّلَام۔
فَمَنۡ قَبِلَنِی بِقَبُوۡلِ الۡحَقِّ فَاللّٰہُ اَوۡلٰی بِالۡحَقِّ، وَمَنۡ رَدَّ عَلَیَّ ھٰذَا، اَصۡبِرُ حَتّٰی یَقۡضِیَ اللّٰہُ بَیۡنِی وَبَیۡنَ الۡقَوۡمِ بِالۡحَقِّ وَھُوَ خَیۡرُ الۡحَاکِمِیۡنَ۔

یہ حسین ابن علیؑ کی وصیت ہے ان کے بھائی کے نام جو محمد بن حنفیہ کے نام سے معروف ہیں، حسینؑ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اللہ برحق معبود کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، جو وحدہ لاشریک ہے، اور یقیناً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندہ ورسول ہیں، جو حق کی طرف سے (دین) حق لے کر آئے اور جنت ودوزخ برحق ہیں، قیامت آنے والی ہے اس میں قطعاً شک نہیں ہے، خداوند عالم مُردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا، امابعد:

میں نہ تو فتنہ وفساد اور نہ ہی تفریح وخودنمائی کیلئے مدینہ سے باہر نکلا ہوں، بلکہ اس لئے باہر آیا ہوں تا کہ اپنے نانا کی امت کی اصلاح کروں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کروں اور اپنے نانا پیغمبرؐ اور بابا علی بن ابی طالبؑ کی سیرت پر عمل کروں پس جو شخص حق کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا تو میں صبر کروں گا، یہاں تک کہ خداوند عالم میرے اور اس قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرمائے گا، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے ولا ہے۔

میرے بھائی! یہ میری آپ کو وصیت ہے۔

وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَاِلَیۡہِ اُنِیۡبُ

پھر آپ نے اس تحریر کو مہر کیا اور لپیٹ کر اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو دی اور آدھی رات کو مدینہ سے کوچ فرمایا۔
یہ ۲۸ رجب ۶۰ ھ اتوار کی رات تھی۔
(ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۱۷۲، نفس المہموم ص ۳۴، بحار الانوار جلد ۲ ص ۳۲۹)
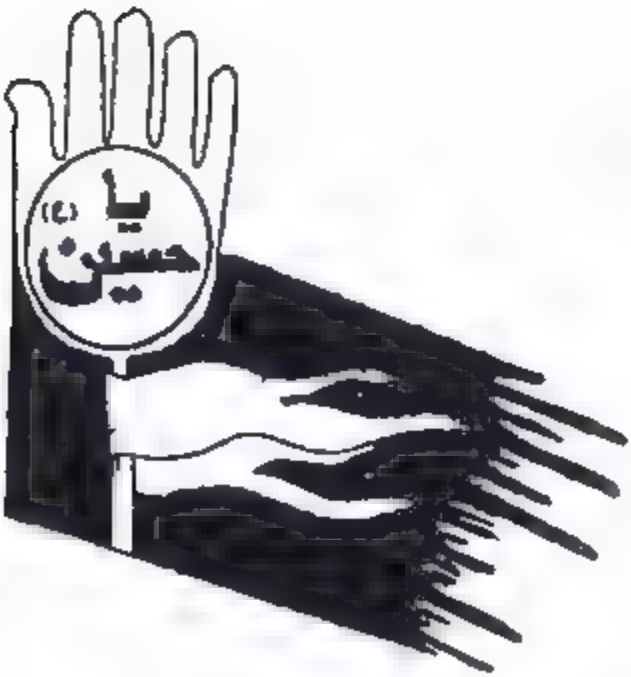
ملکہ کورانگی

مکہ کو روانگی

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے ساتھ اپنے اہل بیتؑ کی مخدرات عصمت، اپنی اولاد، اپنے بھائی اور بھتیجوں کو ساتھ لے کر مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور آپ کی زبان مبارک پر سورہ قصص کی اکیسویں آیت تھی جو حضرت موسیٰؑ کے بارے میں ہے

''فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ''

یعنی حضرت موسیٰ خوف اور خطرہ محسوس کرتے ہوئے وہاں سے نکل پڑے اور کہنے لگے پروردگارا مجھے ظالم لوگوں سے نجات عطا فرما۔

عبداللہ بن مطیع کی ملاقات:

آپ کا سفر مکہ کی طرف جاری تھا کہ اثناء راہ میں پیغمبر خدا کے صحابی عبداللہ بن مطیع کی آپ کے ساتھ ملاقات ہوگئی، انہوں نے عرض کیا: ''فرزند رسولؐ! میری جان آپ پر قربان! رات کے وقت آپ کہاں جارہے ہیں؟'' امامؑ نے فرمایا: ''اَمَّا الْآنَ فَمَكَّة وَاَمَّا بَعْدُ فَاَسْتَخِيْرُ اللّٰهَ'' اس وقت تو مکہ کا ارادہ ہے لیکن بعد میں خدا سے خیر کی درخواست کروں گا، تو عبداللہ نے ازراہ ہمدردی عرض کیا:

میں آپ کے قربان جاؤں اگر آپ مکہ جارہے ہیں ٹھیک ہے، البتہ کوفے کے ارادے کو ملتوی کردیں، کیونکہ کوفہ والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے آپ کے والد کو شہید اور بھائی (حسن علیہ السلام) کو خانہ نشین کردیا تھا، بہتر یہی ہے کہ خانہ کعبہ کی ہمسائیگی ہی کو اختیار کیے رکھیں کیونکہ آپ عربوں کے سردار ہیں اور اہل حجاز آپ کو دل و جان سے چاہتے ہیں، اور لوگ بھی مکہ کے اطراف سے آکر بیعت کریں گے۔

مکہ میں نزول اجلال

۲۸ رجب اتوار کو چلا ہوا کاروان شہادت ۳/ شعبان جمعہ کی شب کو مکہ معظّمہ میں پہنچا اور امام علیہ السلام سورہ قصص کی ۲۲ ویں آیت کی تلاوت کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے جو موسیٰؑ کے بارے میں ہے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسىٰ رَبِّيٓ اَن يَّهْدِيَنِي سَوَآءَ السَّبِيلِ ۞

یعنی جب موسیٰ نے مدین کا رخ کیا تو کہا: امید ہے میرا پروردگار مجھے سیدھے راستے کی ہدایت فرمائے گا۔

امام علیہ السلام نے مکہ میں قصد اقامت فرمایا، اور لوگ آپ کی خدمت میں پہنچنے لگے، اور جو لوگ عمرہ کرنے کیلئے مکہ معظّمہ میں آتے تھے وہ بھی آپ کی خدمت میں شرفیاب ہونے لگے، اور عبداللہ بن زبیر آپ سے پہلے مکہ میں پہنچ چکے تھے جو نماز وطواف میں سرگرم تھے وہ بھی روزانہ یا ایک دن چھوڑ کر آپ علیہ السلام کے پاس ملاقات کیلئے آنے لگے، البتہ اس دوران میں عبداللہ کے اندر اضطرابی کیفیت پیدا ہو چکی تھی، کیونکہ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ جب تک امام حسین علیہ السلام مکہ معظّمہ میں تشریف فرما ہیں اسوقت تک اہل حجاز اس کی بیعت نہیں کریں گے، اس لئے کہ ایک تو امام علیہ السلام کی اجتماعی اور معاشرتی حیثیت بھی سب سے بالاتر تھی اور دوسرے یہ کہ بیشتر لوگ امام علیہ السلام کی ہی کی بیعت کو کسی دوسرے شخص پر ترجیح دیتے تھے۔ (ارشاد شیخ مفید ص۲۲)

قبر خدیجۃ الکبریٰؑ کی زیارت:

حضرت امام حسین علیہ السلام جب مکہ تشریف لائے تو اپنی جدہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کی قبر کی زیارت کو تشریف لے گئے اور وہیں نماز پڑھی اور اپنے اللہ سے مناجات کی۔ (مقتل الحسین مقرم ص۱۴۰)

اسی دوران میں امیر شام کی ہلاکت کی خبر آہستہ آہستہ عام ہونے لگی اور کوفہ والوں کو بھی معلوم ہوگئی، ساتھ ہی انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یزید تخت نشین خلافت ہو گیا ہے مگر حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور ابن زبیر بھی انکاری ہے اور اس وقت دونوں مکہ معظّمہ پہنچ چکے ہیں، لہٰذا مومنین جناب سُلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں اکٹھے ہوئے، سلیمان نے اپنے گھر آنے والوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

سلیمان بن صرد کی تقریر:

معاویہ فوت ہو گیا ہے اور امام حسین علیہ السلام نے کسی کی بھی بیعت سے انکار کر دیا ہے اور مکہ پہنچ چکے ہیں، تم لوگ حسینؑ اور علیؑ کے شیعہ ہو، اگر کر سکتے ہو تو ان کی بیعت کرو اور ان کے دشمن کے ساتھ جنگ کرو، انہیں خط لکھو اور اپنی اطلاع سے مطلع کرو، اور اگر ڈرتے ہو تو پھر سستی کا مظاہرہ کرو اور انہیں فریب نہ دو۔

تو سب نے یک زباں ہو کر کہا: ''ضرور لکھئے'' چنانچہ اس مضمون کا خط لکھا گیا:

خط کا مضمون:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت امام حسین بن علی علیہما السلام کی طرف سلیمان بن صرد خزاعی، مسیّب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد، حبیب بن مظاہر اور شیعیان مومنین و مسلمین اہل کوفہ کی طرف سے:

اَمَّا بَعْدُ: فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی قَصَمَ عَدُوَّکَ الْجَبَّارَ الْعَنِیْدَ...... ___ یَعْنِی مُعَاوِیَةَ ___ .... اَنَّهُ لَیْسَ عَلَیْنَا اِمَامٌ فَاَقْبِلْ لَعَلَّ اللّٰهَ یَجْمَعُنَا عَلَی الْحَقِّ، وَالنُّعْمَانُ ابْنُ بَشِیْرٍ فِی قَصْرِ الْاِمَارَةِ لَسْنَا نَجْتَمِعُ مَعَهُ فِی جُمُعَةٍ، وَلَا نَخْرُجُ مَعَهُ اِلٰی عِیْدٍ، وَلَوْ بَلَغَنَا اَنَّکَ قَدْ اَقْبَلْتَ اِلَیْنَا اَخْرَجْنَاهُ حَتّٰی نُلْحِقَهُ بِالشَّامِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ، وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ بَرَکَاتُه.

اس اللہ کی حمد ہے جس نے آپ کے ظالم و جابر اور سرکش دشمن کی گردن توڑ دی اب صورت حال یہ ہے کہ اس وقت ہمارا کوئی امام نہیں ہے، تو آپ ہمارے پاس تشریف لائیے، شاید کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے ذریعہ حق پر مجتمع کر دے، اس وقت قصر الامارہ میں نعمان بن بشیر موجود ہے مگر ہم اس کے ساتھ نہ تو نماز جمعہ پڑھتے ہیں اور نہ ہی نماز عید ادا کرتے ہیں اور اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ ہمارے پاس تشریف لا رہے ہیں تو ہم اسے قصر الامارہ سے نکال کر شام پہنچا دیں گے، انشاء اللہ۔

والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

___ (انساب الاشراف بلاذری جلد ۱، الامامۃ والسیاسۃ جلد ۲ ص ۲۰۳، تاریخ طبری) ___

یہ خط شعبان کے اواخر میں لکھا گیا جو عبداللہ بن مسمع ہمدانی اور عبداللہ بن وال ___ یا وائل ہمدانی ___ کے سپرد کیا گیا تاکہ جتنا جلدی ہو سکے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچایا جائے، چنانچہ خط پہنچانے میں بھی کسی طرح تاخیر نہیں کی گئی اور دس ماہ رمضان المبارک میں مکہ پہنچ کر امام عالی مقام کے مبارک ہاتھوں تک پہنچا دیا اور ساتھ ہی زبانی طور پر بھی لوگوں کے اشتیاق اور انتظار کی کیفیت بیان کی۔

ایک اور خط:

کوفہ کے کچھ اور لوگوں نے اس مضمون کا خط تحریر کیا:

"اِلَی الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ مِّنْ شِیْعَتِہٖ وَالْمُسْلِمِیْنَ ، اَمَّا بَعْدفَحَیِّ ھَلَّافَاِنَّ النَّاسَ یَنْتَظِرُوْنَکَ وَلَارَأْیَ لَھُمْ غَیْرَکَ فَالْعَجَلَ ثُمَّ الْعَجَلَ وَالسَّلَام"

حسین بن علیؑ کے نام ان کے شیعہ اور تمام مسلمان کی طرف سے، بعد از حمد و صلوٰۃ، گذارش خدمت یہ ہے کہ جتنا جلدی ہو سکے آپ تشریف لائیے

کیونکہ لوگ سراپا انتظار ہیں اور آپ کے سوا ان کی کوئی رائے نہیں ہے، اس لئے آپ جلد سے جلد آنے کی کوشش کریں۔ والسلام۔

_____ (تاریخ یعقوبی جلد۲ ص ۲۱۵، الارشاد شیخ مفید ص ۲۲۴) _____

یہ خط قیس بن مسہر صیداوی اسدی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ ارحبی، اور عمارۃ بن عبداللہ کے ہاتھوں روانہ کیا گیا، بلکہ ایک شخص نے دو دو، تین تین، چار چار بلکہ پچاس پچاس تک بھی خطوط لکھے، جن میں جلد از جلد امام کو کوفہ آنے کی دعوت دی گئی۔

منافقت اہل کوفہ

لیکن آگے چلنے سے پہلے ہم یہاں پر اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ:

مورخین کے درمیان جس بات میں اختلاف ہے اور مخالفین اہل بیت علیہم السلام بھی جسے بڑھا چڑھا کر پیش کر کے مکتب اہلِ بیتؑ پر اعتراض کرتے ہیں وہ یہ کہ ''کوفہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام کو خط لکھنے والے شیعہ تھے اور آپ کو قتل کرنے والے بھی شیعہ ہی تھے''

یہاں پر اس مسئلہ کی تحقیق سے پہلے ہم کوفہ کی تاریخی اور معاشرتی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہیں، چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ کوفہ کی بنیاد خلیفہ ثانی کے دورِ حکومت میں انہی کے حکم سے رکھی گئی تا کہ اس طرح سے عراق، اس دور کے عظیم تر ایران ،شامات اور مشرقی روم پر نگاہ رکھی جائے۔

اس شہر میں ہر قسم کے مکتبہ فکر کے لوگوں نے سکونت اختیار کرنا شروع کر دی تھی جن میں شیعیان اہلِ بیتؑ کے علاوہ اموی، خوارج اور دیگر دشمنان اہلِ بیتؑ کی اکثریت تھی یعنی اموی، خارجی، اور دیگر دشمنان اہلِ بیت بھی تعداد میں کم نہیں تھے۔

اس کی دلیل حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی کوفہ میں شہادت، امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ساتھ غداری ،جنگ صفین اور تحکیم کے حوادثات اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی خلافت کے دوران تک ان کا تسلسل اور ان کے پاؤں کے نیچے سے مصلیٰ کا کھینچا جانا، انہیں ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِیْنَ'' اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے، کہہ کر سلام کرنا ،کوفہ ہی میں امامؑ کا مجروح کیا جانا یہ سب اس بات کے شاہد ناطق ہیں کہ کوئی شیعہ وحب دارِ اہلِ بیتؑ ایسی مذبوحانہ حرکت نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس سے اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے، بلکہ ایسی کارستانیاں دشمنانِ اہلِ بیتؑ ہی کر سکتے ہیں۔

اس کے باوجود اسی کوفہ میں ہی حضرت امام حسین علیہ السلام کے دوست، حامی اور شیعیانِ اہلِ بیتؑ بھی موجود تھے ،جنہوں نے سلیمانِ بن صرد خزاعی کی پیشکش اور رہنمائی میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں خطوط لکھے اور انہیں کوفہ تشریف لانے کی دعوت دی۔

خطوط لکھنے والے صرف شیعیانِ اہلِ بیت (ع) اور دوستان ومحبان آلِ محمدؐ ہی نہیں تھے، بلکہ وہ لوگ بھی تھے جو

بنوامیہ کے ظلم وستم سے تنگ آ کر ان کی حکومت سے گلوخلاصی چاہتے تھے، جبکہ بہت سے بہی خواہانِ بنی امیہ بھی تھے، جنہوں نے خود کو بنی امیہ کا مخالف جتا کر امام کو خطوط لکھے تا کہ امام علیہ السلام کو کوفہ بلا کر یا تو شہید کر دیں یا انہیں مجبور و پابند کر کے یزید کے سپرد کر دیں، کیونکہ امامؑ کے مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر ہونے کی وجہ سے آپ مسلم امہ خاص کر مسلمین مکہ وحجاز کی توجہ کا مرکز بن چکے تھے، اسلامیانِ عالم امام حسین علیہ السلام کے حضور پیش ہو کر آپ کے مستقبل کے بارے میں ہدایات لینے اور اسلامی تحریک کو منظم کرنے کی کوششیں کرنے لگ گئے تھے، جس سے یزید کی حکومت کو زبردست خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔

ادھر کوفہ میں ابن زیاد کی آمد سے جب حالات نے پلٹا کھایا تو شہر والوں کی صورتِ حال یکسر تبدیل ہو گئی، سلیمان بن صرد جیسے نامدار شیعہ آل محمد علیہم السلام یا قید کر کے زندان میں ڈال دیئے گئے، یا ہانی بن عروہ جیسے حبدار اہلِ بیت (ع) شہید کر دیئے گئے۔

بہت سے لوگ زیرِ زمین چلے گئے یا کوفہ چھوڑ کر دوسرے شہروں میں جا بسے، ایک گروہ چھپ چھپا کر امام علیہ السلام کی مدد کیلئے کربلا پہنچ گیا، کچھ لوگوں نے مارے ڈر کے چپ سادھ لی، یا پھر کچھ سست ایمان لوگ ایسے بھی تھے جو نتائج وعواقب سے ڈر گئے تھے اور امامؑ کو تنہا چھوڑ دیا تھا جب کہ اس سے پہلے امام علیہ السلام کے اوپر اپنی جان نچھاور کرنے کا پیمان کر چکے تھے۔

غرض حکومت کی طرف سے لوگوں میں زبردست خوف وہراس پھیلا دیا گیا اور حکومتی دہشت گردی کو عروج پر پہنچایا گیا، تا کہ شیعیانِ اہلِ بیت علیہم السلام کسی صورت میں ایک جگہ جمع نہ ہو سکیں بلکہ بنی امیہ کے چشم وچراغ یزید کی حکومت کے خلاف سوچ تک نہ سکیں اور نہ ہی حضرت امام حسین علیہ السلام کوفہ تشریف لا سکیں۔

اس شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے حکومت نے ریاستی دہشت گردی کی انتہا کر دی، ''معقل'' جیسے جاسوس تیار کئے گے جو بظاہر تو اہلِ بیت کی دوستی اور محبت کا دم بھرتے تھے، سلیمان بن صرد، ہانی بن عروہ اور مسلم بن عقیل کے پاس آمد ورفت رکھ کر ان کی تمام سرگرمیوں کی اطلاع دربارِ حکومت میں پہنچاتے تھے، شیعیان اہلِ بیت علیہم السلام کے تمام منصوبوں اور کوفہ کی سیاسی واجتماعی تحریکوں کی رپورٹیں یزید کو شام بھجواتے تھے، اس بات کے گواہ یزید کے وہ خطوط ہیں جو اس نے کوفہ کے گورنر ابن زیاد کو تحریر کئے، بطور نمونہ ملاحظہ ہو یزید کا ایک خط جو اس نے ابن زیاد کو لکھا:

''فَاِنَّهُ كَتَبَ اِلَيَّ مِنْ شِيْعَتِي مِنْ اَهْلِ الْكُوفَةِ يُخْبِرُنِي اَنَّ ابْنَ عَقِيلٍ بِهَا يَجْمَعُ الْجُيُوشَ لِيَشُقَّ عَصَا الْمُسْلِمِينَ ......''

یعنی مجھے میرے کوفہ کے رہنے والے کچھ شیعوں نے لکھا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کوفہ میں فرزند عقیل

یعنی مسلم مسلمانوں کے اتحاد و یگانگت کو توڑنے کیلئے لشکر جمع کر رہا ہے۔

روضۃ الواعظین ص ۱۷۴

اس خط کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں رہنے والے سارے شیعہ بھی اہل بیتؑ کو ماننے والے نہیں تھے، جبکہ کچھ وہ بھی تھے جنہیں یزید اپنا شیعہ کہہ رہا ہے، ادھر اگر حضرت سید الشہداء کے خطوط کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ امام علیہ السلام نے اہل کوفہ کو کس انداز میں مخاطب کر کے خط تحریر فرمائے، لکھتے ہیں: ''......اِلَی الْمَلَاءِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ ...... '' مخاطبین کے نام تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''......کوفہ کے تمام مسلمین اور مومنین کے نام......'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی خدمت میں خطوط لکھنے والے اور دعوت دینے والے سب شیعیانِ اہلِ بیت علیہم السلام نہیں تھے، بلکہ کچھ وہ بھی تھے جو بنی امیہ کے مظالم سے تنگ آ کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے سایہ عاطفت میں پناہ لینا چاہتے تھے، اور وہ ناصبی بھی تھے جنہیں یزید نے اپنے خطوط میں ''شیعتی'' (میرے شیعہ) کہا ہے، وہ اموی بھی تھے جو چاہتے تھے کہ امام کو کوفہ میں بلا کر یہیں پر شہید کر دیں یا پھر انہیں ہر طرح سے مجبور اور پابند کر کے یا تو یزید کی بیعت پر مجبور کر دیں یا گرفتار کر کے یزید کے پاس بھجوا دیں۔

چنانچہ اس قسم کے لوگوں کے خطوط کا انداز خالص مومنوں کے خطوط کے انداز سے بالکل منفرد اور مادی امور پر مشتمل تھا، ملاحظہ فرمایئے کہ خط میں امام کو کس طرح لالچ دی جا رہی ہے؛

وادیاں سرسبز ہیں، پھل پک چکے ہیں، کنویں لبریز ہیں، صرف آپ کے آنے کی دیر ہے، آپ کے لئے صف بستہ لشکر آمادہ ہیں، والسلام

انساب الاشراف جلد ۱، مطالب السؤل ص ۷۴

اس قسم کے خط لکھنے والے کون تھے؟ ذرا ان کے ناموں کو ملاحظہ فرمایئے، شبث بن ربعی یربوعی، محمد بن عمر تمیمی، حجار بن ابجر عجلی، یزید بن حارث شیبانی، عزرہ بن قیس احمسی اور عمرو بن حجاج زبیدی......وغیرہ

اگر ان کی تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ سب یزیدی لشکر میں پیش پیش نظر آتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی شیعۂ آلِ محمد نہیں تھا، بلکہ سارے کے سارے شیعیان بنی امیہ اور دشمنانِ اہلِ بیت اطہار علیہم السلام تھے، جنہیں میدان کربلا میں حضرت سید الشہداء نے عاشور کے دن ''......یَا شِیْعَۃَ آلِ اَبِیْ سُفْیَان '' کہہ کر آواز دی، ایسے لوگ قاتلین شہداء اور مجرمین سانحہ کربلا کی فہرست میں موجود ہیں حضرت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی طرف منسوب ''زیارت ناحیہ'' میں جن کے نام لئے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی شیعہ آل محمدؐ نہیں تھا۔

بہر حال جہاں پر عقیدت وخلوص پر مبنی مومنین اور شیعیان آل محمدؐ کی طرف سے خطوط لکھے گئے وہاں پر کچھ خدا سے بے خبر اور دنیا پرست منافق لوگوں نے بھی امام علیہ السلام کے نام پر خطوط تحریر کئے، جو بعد میں ''الکوفی لایوفی'' کا مصداق ثابت ہوئے اور نہ صرف امام علیہ السلام کی نصرت سے ہاتھ کھینچ لیا بلکہ خود ان کے ساتھ جنگ کرنے والوں میں بھی پیش پیش تھے، مثلاً شبث بن ربعی یربوعی، محمد بن عمر تمیمی، حجار بن ابجر عجلی، یزید بن حارث شیبانی، عزرۃ بن قیس احمسی اور عمرو بن حجاج زبیدی جیسے لوگوں نے اس مضمون کا خط لکھا خط کا انداز ایک مرتبہ پھر ملاحظہ ہو:

منافقین کے خطوط:

اما بعد: ''فَقَدِاخضرَّ الْجَنابُ ،واَیْنَعَتِ الثِّمارُ، وَطَمَّتِ الْجَمَامُ ، فَاقْدِمْ عَلٰی جُنْدٍلَّکَ مُجَنَّدَةٍ وَّالسَّلَامُ عَلَیْکَ''

وادیاں سرسبز وشاداب ہیں، پھل پک چکے ہیں، کنویں لبریز ہیں، آپ آیئے آپ کے لئے صف بستہ لشکر آمادہ ہیں۔ والسلام علیک۔

(انساب الاشراف جلد اول، مطالب السئول ص ۷۴)

غرض امام کی خدمت میں بہت سے خطوط لکھے گئے مورخین نے جن کی تعداد بارہ ہزار تک لکھی ہے، حتی کہ بعض مورخین نے ان افراد کی تعداد تک کو بھی لکھا ہے جنہوں نے امام علیہ السلام کی نصرت کیلئے آمادگی کا اظہار کیا تھا اور آپ کے حکم پر کٹ مرنے کی قسم کھائی تھی، اور یہ تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار افراد کی تھی۔

مورخین کے بقول جب امام علیہ السلام کے پاس اس قدر خطوط اور اتنی تعداد میں افراد کی حمایت کی یقین دہانی پہنچ گئی، تو امام علیہ السلام نے عزم مصمم کر لیا کہ اہل کوفہ کی درخواست کو عملی جامہ پہنایا جائے، لہٰذا آپ نے اپنے چچازاد بھائی جناب مسلم بن عقیلؑ کو اپنے سفیر اور نمائندہ کی حیثیت سے ۱۵ رمضان المبارک بروز پیر کوفہ روانہ فرمایا اور انہیں اہلِ کوفہ کے نام ایک خط بھی دیا، ساتھ ہی فرمایا:

''میں آپ کو کوفہ کی طرف بھیج اور خداوند عالم آپ کو اپنی رضا وخوشنودی کے حصول کیلئے موفق فرمائے، اللہ کا نام لے کر اپنے سفر کا آغاز کریں خدا آپ کا حامی وناصر ہو، ''اِنِّیْ اَرْجُوْا اَنْ اَکُوْنَ اَنَاوَاَنْتَ فِیْ دَرَجَةِ الشُّهَدَآءِ'' مجھے امید ہے کہ میں اور آپ منصب شہادت پر فائز ہوں گے۔

(مقتل خوارزمی جلد ۱ ص ۱۹۶)

اہلِ کوفہ کے نام امام علیہ السلام کا خط:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ،مِنَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ اِلَى الْمَلَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ ، اَمَّا بَعْدُ ،فَاِنَّ هَانِيًا وَّ سَعِيْدًا قَدِمَا عَلَيَّ بِكُتُبِكُمْ كَانَّ آخِرَمِمَّنْ قَدِمَ عَلَيَّ مِنْ رُّسُلِكُمْ وَقَدْ فَهِمْتُ كُلَّ الَّذِى قَصَصْتُمْ وَذَكَرْتُمْ وَمَقَالَةَ جُبِّكُمْ ،اِنَّهٗ لَيْسَ عَلَيْنَا اِمَامٌ فَاَقْبِلْ، لَعَلَّ اللّٰهَ يَجْمَعُنَا بِكَ عَلَى الْهُدىٰ وَالْحَقِّ وَقَدْ بَعَثْتُ اِلَيْكُمْ اَخِى وَابْنَ عَمِّى وَثِقَتِى مِنْ اَهْلِ بَيْتِىْ وَاَمَرْتُهٗ اَنْ يَّكْتُبَ اِلَيَّ بِحَالِكُمْ وَاَمْرِكُمْ وَرَأْيِكُمْ فَاِنْ كَتَبَ اَنَّهٗ قَدِاجْتَمَعَ رَأْىُ مَلَأِكُمْ وَذَوِى الْفَضْلِ وَالْحِجىٰ مِنْكُمْ عَلٰى مِثْلِ مَا قَدِمَ عَلَىٰ بِهٖ رُسُلِكُمْ وَقَرَأْتُ فِىْ كُتُبِكُمْ ، اَقْدِمُ عَلَيْكُمْ وَشِيْكاً اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تعالىٰ ، فَلَعُمْرِى مَاالْاِمَامُ اِلَّاالْعَامِلَ بِالْكِتَابِ وَالْاٰخِذَ بِالْقِسْطِ وَالدَّآئِنَ بِالْحَقِّ وَالْحَابِسَ نَفْسَهٗ عَلٰى ذَاتِ اللّٰهِ ،والسلام

خط کا ترجمہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، حسینؑ بن علیؑ کی طرف سے ،کوفہ کے بزرگوں ، سرداروں اور اہلِ ایمان اور مسلمین کی طرف ، اما بعد ، تمہارے آخری خطوط ہانی اور سعید کے ذریعہ سے میرے پاس پہنچے ، اورتم نے جو کچھ لکھا ہے ، میں نے اس کوغور سے پڑھا ہے ان خطوط میں تمہاری بیشتر درخواست یہ تھی کہ ’’ہمارا کوئی امام اور پیشوا نہیں ہے لہٰذا آپ جلد از جلد ہمارے پاس آنے کی کوشش کریں ، تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ ہمیں راہ حق کی ہدایت کرے‘‘

اس وقت میں اپنے بھائی اور چچا کے بیٹے (مسلم بن عقیل) کوتمہارے پاس بھیج رہا ہوں جو خاندان میں قابلِ وثوق شخصیت کے مالک ہیں ، میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ تمہارے نزدیک سے آشنا ہوں اور مجھے نتیجہ کی اطلاع دیں ،اگر لوگوں کی اکثریت اور کوفہ کے باشعور اور سمجھ دار افراد کی رائے وہی ہوئی جوتم نے خطوط میں لکھی ہے اور تمہارے ایلچیوں نے زبانی بیان کی ہے تو میں بھی انشاء اللہ تمہاری طرف بہت جلد روانہ ہو جاؤں گا۔

مجھے اپنی جان کی قسم ! حقیقی پیشوا اور برحق امام وہی ہو سکتا ہے جو کتاب خدا پر عمل کرے اور عدل و انصاف سے کام لے ، حق کی پیروی کرے اور اپنے وجود کو خدائی فرمان کیلئے وقف کر دے ، والسلام

(طبری جلد ۷ ص ۲۳۵، کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۶۷، الارشاد ص ۲۰۴، مقتل خوارزمی، جلد ۱ ص ۱۹۵، ۱۹۶)

عبداللہ بن زبیر کا مشورہ:

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ امام علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل ہی عبداللہ بن زبیر، مدینہ سے مکہ پہنچ چکے تھے اور امام علیہ السلام کی تشریف آوری کی وجہ سے انہیں پریشانی لاحق ہوگئی وہ نہیں چاہتے تھے کہ امامؑ یہاں رہیں، اس لئے کہ امام کی موجودگی سے ان کی شخصیت اور حیثیت متاثر ہو رہی تھی اور لوگوں کی توجہ ان سے ہٹ کر امام علیہ السلام کی طرف ہوگئی تھی، لہٰذا وہ ہر ملاقات میں آپ کو یہی مشورہ دیا کرتے تھے کہ آپ مکہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں، کیونکہ ہر جگہ آپ کے اور آپ کے والد علی علیہ السلام کے شیعہ موجود ہیں آپ جہاں جائیں گے لوگ آپ کو دل میں جگہ دیں گے، اگر میرے اس طرح کے چاہنے والے ہوتے تو میں یقیناً انہی کے پاس جاتا''

(تاریخ اسلام ذھبی جلد ۲ ص ۲۶۸)

ظاہر ہے کہ امام علیہ السلام کو ابن زبیر کا اس قسم کا مشورہ خلوص پر مبنی تھوڑی تھا، بلکہ وہ تو آپ سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتے تھے تاکہ آپ مکہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں اور لوگوں کی توجہ ان کی طرف ہو جائے اور لوگ ان کی بیعت کریں، اور اسی چیز کو خود حضور سید الشہداء علیہ السلام نے بھی بھانپ لیا تھا، چنانچہ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

''اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب چیز یہی ہے کہ میرے ہوتے ہوئے لوگ اسے کوئی اہمیت نہیں دے رہے، جب میں چلا جاؤں گا تو اس کی مرادیں پوری ہو جائیں گی''

ابن عباس اور ابن عمر کی ملاقات:

حضرت امام علیہ السلام کے مکہ میں تشریف لانے سے پہلے عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر مکہ میں قیام کئے ہوئے تھے جب آپ تشریف لے آئے تو دونوں حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا، البتہ اس وقت وہ دونوں مکہ سے واپسی کا ارادہ کر چکے تھے، ملاقات کے دوران عبداللہ بن عمر نے آپ سے کہا:

'یا اباعبداللہ! خدا آپ پر رحم کرے...... آپ اس خاندان بنی امیہ کی اپنے ساتھ دشمنی کو اچھی طرح جانتے ہیں، اب جبکہ یزید لوگوں کا ولی بن چکا ہے اور اس نے لوگوں کیلئے سنہری روپہلی دنیا کے خزانوں کے منہ کھول دیئے ہیں جس کی وجہ سے لوگ آپ کو چھوڑ کر اس کے ہم نوا بن جائیں گے اور

آپ کو قتل کردیں گے، اور ساتھ ہی دوسرے بہت سے لوگ بھی مارے جائیں گے، میں نے رسول خداؐ سے بھی سنا ہوا ہے کہ

”حُسَیْنٌ مَّقْتُولٌ ، وَلَئِنْ قَتَلُوْهُ وَخَذَلُوْهُ وَلَن یَّنْصُرُوْهُ لَیَخْذُلُهُمُ اللّٰهُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ“

یعنی حسینؑ کو لوگ قتل کردیں گے، اگر وہ اس کو قتل کریں گے تنہا چھوڑ دیں گے، اور ان کی مدد نہیں کریں گے تو خداوند عالم بھی ان لوگوں کو قیامت تک ذلیل ورسوا کردے گا۔

لہٰذا میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ یزید کے ساتھ صلح کے رستے پر چل کر اس کی بیعت کرلیں اور پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان کیا فیصلہ کرتا ہے؟

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا:

”اَنَا اُبَایِعُ یَزِیْدَ وَاَدْخُلُ فِی صُلْحِهٖ ؟ وَقَدْقَالَ النَّبِیُّ فِیْهِ وَفِی اَبِیْهِ مَاقَالَ ؟“

عبداللہ ! کیا کہہ رہے ہو؟ میں یزید کی بیعت کرلوں اور اس کی صلح کی چھتری کے نیچے آجاؤں؟ حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اور اس کے باپ کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے!!

ابن عباس کا ردعمل:

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا:

”صَدَقْتَ اَبَاعَبْدِاللّٰهِ ! قَالَ النَّبِیُّ (ص) فِی حَیَاتِه، مَالِی وَلِیَزِیْدَ لَابَارَکَ اللّٰهُ فِی یَزِیْد، فَاِنَّهٗ یَقْتُلُ وَلَدِی وَوَلَدَابْنَتِی الْحُسَیْنَ (ع) وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهٖ ،لَایَقْتُلُ وَلَدِی بَیْنَ ظهرانِی قَوْمٌ فَلَایَمْنَعُوْنَهٗ اِلَّاخَالَفَ اللّٰه بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاَلْسِنَتِهِمْ“

حسینؑ ! آپ نے سچ فرمایا، حضور رسالتمآبؐ نے اپنی زندگی میں ہی فرمایا تھا کہ مجھے یزید سے کیا سروکار! خدا یزید سے ساری برکتیں سلب کرلے، کیونکہ وہ میرے بیٹے اور نواسے حسینؑ کو شہید کرے گا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میرے بعد میرے بیٹے کو جو بھی قتل کرے گا اور قاتل کو کوئی بھی نہیں روکے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور زبانوں میں اختلاف ڈال دے گا۔

اس موقع پر ابن عباس کا گریہ ضبط نہ ہوسکا اور وہ امام حسینؑ کے ساتھ مل کر رونے لگے اور خوب گریہ کیا۔

پھر امام حسین علیہ السلام نے ابن عباس سے فرمایا:

"یَابْنَ عَبَّاسٍ اَتَعْلَمُ اَنِّی ابْنُ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ؟" ابن عباس! آپ جانتے ہیں کہ میں رسول خدا کی بیٹی کا فرزند (نواسہ رسولؐ ہوں)؟

ابن عباس نے کہا:

"اَللّٰھُمَّ نَعَمْ......نَعْلَمُ مَافِی الدُّنْیَااَحَدٌھُوَابْنُ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ غَیْرُکَ ،وَاَنَّ نَصْرَکَ لَفَرْضٌ عَلٰی ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ کَفَرِیْضَۃِ الصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ الَّتِی لَایُقْبَلُ اَحَدُھُمَادُوْنَ الْاُخْرٰی......"

بے شک ہم سب جانتے ہیں کہ اس دنیا میں آپ کے علاوہ کوئی بھی نواسہ رسول موجود نہیں ہے ،اور آپ کی نصرت اس دنیا میں اس طرح واجب ہے جس طرح نماز اور زکوٰۃ کے فریضے کی ادائیگی، کہ جنہیں ایک دوسرے کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا۔

امام عالیمقام علیہ السلام نے فرمایا:

ابن عباس! اس قوم کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جس نے اپنے نبیؐ کے نواسے کو اپنے گھر بار سے ، جائے قرار سے، مقام ولادت سے ، رسول کے حرمؐ سے ، قبر نبیؐ کے جوار سے ،مسجد نبوی سے ،ہجرت کے گھر سے نکال دیا ہوا سے خوف اور وحشت کی وجہ سے کسی جگہ قرار نصیب نہیں، کسی جگہ پناہ نہیں ملتی ،اور وہ اس کے قتل کے درپے ہے، اس کے خون بہانے میں خوشی محسوس کرتی ہے، حالانکہ نواسۂ رسولؐ نے تو خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہے اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی کو اپنا سرپرست بنایا ہے، اور نہ ہی سنت رسولؐ میں کوئی تبدیلی کی ہے......"

ابن عباس آپ کی تمام باتوں کی تصدیق کرتے رہے، پھر فرمایا:

"میں ان کے بارے میں اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے منکر ہو چکے ہیں۔

مَااَقُوْلُ فِیْھِمْ اِلَّااَنَّھُمْ کَفَرُوْابِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ، وَلَایَاْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اِلَّاوَھُمْ کُسَالٰی ،یُرَآئُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّاقَلِیْلاً،مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰالِکَ لَااِلٰی ھٰؤُلَآءِ وَلَااِلٰی

هٰؤُلاءِ وَمَن يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلاً وَّعَلٰى مِثْلِ هٰؤُلَآءِ تَنزِلُ الْبَطْشَةُ الْكُبْرٰى ،وَاَمَّا اَنْتَ يَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِفَاِنَّکَ رَأْسُ الْفِخَارِ بِرَسُولِ اللّٰهِ فَلاتَظُنَّ يَابْنَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ غَافِلٌ عَمَّايَفْعَلُ الظَّالِمُوْنَ، وَاَنَااَشْهَدُاَنَّ مَن رَّغِبَ عَن مَّجَاوَرَتِکَ وَطَمَعَ فِي مُحَارِبَتِکَ وَمُحَارَبَةِ نَبِيِّکَ مُحَمَّدٍ(ص) فَمَالَهُ مِنْ خَلَاقٍ ......

میں تو ان کے بارے میں یہی کہوں گا کہ وہ خدااور رسول کے منکر ہو چکے ہیں، نماز پڑھتے ہیں تو سستی کے ساتھ، لوگوں کے دکھاوے کے لئے، یادخدانہ ہونے کے برابر کرتے ہیں، ان کے اندر تذبذب کی کیفیت پائی جاتی ہے کہ یقین کی دولت سے محروم ہیں، نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے ہیں، جسے خدا گمراہی میں چھوڑ دے اس کیلئے تم ہدایت کا راستہ نہیں پاؤ گے، ایسے ہی لوگوں کو خدا کی شدید وعظیم گرفت اپنی جکڑ میں لے لے گی۔

فرزندرسولؐ! آپ تو ان لوگوں کے سردار ہیں جن کے اوپر رسول خداؐ کی وجہ سے فخر کیا جاسکتا ہے ،نواسہ رسولؐ! آپ یہ گمان نہ کریں کہ خداوند عالم ظالموں کے کرتوتوں سے بے خبر ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جس نے آپ کے جوار سے منہ موڑا اور آپ سے اور آپ کے پیغمبرؐ سے جنگ کا سوچا اس کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہے......

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان کی باتوں کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا:

''اللھم نعم''بے شک صحیح ہے

اس کے بعد حضرت ابن عباس نے امام کو اپنی نصرت کی پیشکش کرتے ہوئے کہا:

''نواسہ رسول! میں آپ کے قربان جاؤں گویا آپ مجھے اپنا ہی سمجھتے ہوئے مجھ سے اپنی نصرت کے خواہاں ہیں، اس معبود برحق کی قسم جس کے علاوہ کوئی اور معبود ہے ہی نہیں، اگر آپ اپنے سامنے میری اس تلوار سے میرے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالیں اور وہ کٹ کر دور جا گریں پھر بھی میں آپ کے حق کا دسواں حصہ بھی ادا نہیں کر پاؤں گا، میں اس وقت آپ کے سامنے حاضر ہوں، مجھے حکم فرمایئے......''

ابنِ عمر کا مشورہ:

اتنے میں عبداللہ بن عمر نے ان کی باتوں کو کاٹتے ہوئے امام سے کہا:

"مَهْلًا عَمَّا قَدْ عَزَمْتَ عَلَيْه ،وَارْجِع مِنْ هُنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَادْخُلْ فِى صُلْحِ الْقَوْمِ ،وَلَاتَغِبُ عَنْ وَّطَنِكَ وَحَرَمِ جَدِّكَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ص) وَلَاتَجْعَل عَلىٰ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ لَاخَلَاقَ لَهُمْ عَلىٰ نَفْسِكَ حُجَّةً سَبِيْلًا وَّاِنْ اَحْبَبْتَ اَن لاتبايع فانت مَتْرُوْكٌ حَتّٰى تَرىٰ رَأْيَكَ ،فَان يزيدبن معاوية عسىٰ ان لَّايَعِيْشَ اِلَّاقَلِيْلاً،فَيَكْفِيْكَ اللّٰهُ اَمْرَهٗ......"

آپ نے جو ارادہ کرلیا ہے اس سے باز آجائیں، یہیں سے واپس مدینہ پلٹ جائیں، قوم کی صلح میں آپ بھی داخل ہو جائیں (یزید کی بیعت کرلیں) اپنے وطن سے دور نہ رہیں، اور نہ ہی اپنے نانا رسول خداؐ کے حرم سے دور رہیں، ان بدنصیب لوگوں کیلئے کوئی بہانہ نہ چھوڑیں، اگر آپ بیعت نہ بھی کرنا چاہیں، ایک مرتبہ پھر اس پر نظر ثانی کرلیں، کیونکہ یزید بن معاویہ نے تو تھوڑے ہی دن زندہ رہنا ہے، پھر اللہ آپ کیلئے اس سے کفایت کردے گا۔

ناظرین! آپ نے ابن عمر کی باتیں بھی سن لیں اور حضرت ابن عباس کی گفتگو کو بھی سماعت فرمایا اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ کون کس کا طرفدار ہے اور کیا چاہتا ہے؟

غرض ابن عمر کی باتیں سن کر امام علیہ السلام نے انہیں سختی سے جھڑک دیا اور فرمایا:

"اُفٍّ لِهٰذَا الْكَلَامِ اَبَدًا مَّادَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْاَرْضُ ، اَسْئَلُكَ يَاعَبْدَاللّٰهِ اَنَاعِنْدَكَ عَلىٰ خَطَاءٍ مِنْ اَمْرِىْ؟فَاِنْ كُنْتُ عَلىٰ خَطَاءٍ رُدَّنِى فَاَنَااَخْضَعُ وَاسْمَعُ وَاُطِيْعُ"

افسوس تیری ان باتوں پر جب تک دنیا قائم ہے، عبداللہ مجھے یہ بتاؤ کہ میں تمہارے نزدیک غلطی پر ہوں؟ اگر ایسا ہے تو مجھے ٹوک دو میں تمہاری ہر بات کو ماننے کیلئے تیار ہوں!!

ابن عمر نے کہا:

اَللّٰهُمَّ لَا ،بخدانه! وَلَمْ يَكُنِ اللّٰهُ تَعَالىٰ يَجْعَلُ ابْنَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلىٰ خَطَآءٍ، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے نواسے کو خطا پر خلق ہی نہیں کیا۔

وَلَيسَ مِثْلُكَ مِنْ طَهَارَتِهٖ وَصَفْوَتِهٖ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ عَلٰى مِثْلِ يَزِيْدَبْنِ مُعَاوِيَةَ،
حضرت رسول خداؐ کے ذریعہ آپ کو جو طہارت اور پاکیزگی نیز خدائی انتخاب کا شرف حاصل ہے وہ یزید بن معاویہ جیسوں کو کہاں!

وَلٰكِن اَخْشٰى اَنْ يُّضْرَبَ وَجْهُكَ هٰذَاالْحَسَنُ الْجَمِيلُ بِالسُّيُوفِ.
لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں آپ کا یہ حسین وجمیل چہرہ تلواروں کا نشانہ نہ بن جائے۔

وَتَرىٰ مِن هٰذِهِ الْاُمَّةِ مَالَاتُحِبُّ
اور امت سے آپ کو ناگوار باتیں نہ دیکھنا پڑیں۔

فَارْجِعْ مَعَنَااِلَى الْمَدِيْنَةِ
آپ ہمارے ساتھ واپس مدینہ چلیں۔

وَاِن لَّمْ تُحِبَّ اَنْ تُبَايِعَ فَلَاتُبَايِعْ اَبَدًاوَاقْعُدْ فِيْ مَنْزِلِكَ،
اگر آپ بیعت کرنا نہیں چاہتے تو ہرگز نہ کریں اور اپنے گھر میں بیٹھ جائیں۔

امام علیہ السلام کا جواب:

امام علیہ السلام ابن عمر کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں امویوں کی خباثت اور بدنیتی سے ان الفاظ میں مطلع فرمایا:

"هَيْهَاتَ يَابْنَ عُمَرَاِنَّ الْقَوْمَ لَايَتْرُكُوْنِي اِنْ اَصَابُوْنِي" اے فرزند عمر! یہ لوگ مجھے جب پائیں گے تو چھوڑیں گے نہیں، وَاِن لَّمْ يُصِيْبُوْنِي فَلَايَزَالُوْنَ حَتّٰى اُبَايِعَ وَاَنَا كَارِهٌ، اَوْيَقْتُلُوْنِي" اگر مجھ پر قابو نہیں پائیں گے تو پھر بھی میرا اس وقت تک پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ مجھے مجبور کر کے مجھ سے بیعت نہ لے لیں یا مجھے قتل نہ کر دیں۔ اَمَاتَعْلَمُ يَاعَبْدَاللهِ اَنَّ مِنْ هَوَانِ الدُّنْيَاعَلَى اللّٰهِ تَعَالىٰ اُتِيَ بِرَاْسِ يَحْيَى بْنِ زَكَرِيَّا،اِلٰى بَغِيٍّ مِّنْ بَّغَايَابَنِيْ اِسْرَآئِيلَ وَالرَّاْسُ يَنْطِقُ بِالْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ ، عبداللہ تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی پستی کا یہ عالم ہے کہ اللہ کے مقدس نبی حضرت یحییٰ بن زکریاؑ کا سر بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت کے سامنے ہدیہ لایا گیا، جبکہ سرمبارک ان لوگوں کے خلاف دلائل پیش کر رہا تھا۔ "اَمَاتَعْلَمُ يَااَبَاعَبْدِالرَّحْمٰنِ! اَنَّ بَنِي اِسْرَائِيلَ كَانُوْايَقْتُلُوْنَ مَا بَيْنَ طُلُوْعِ الْفَجْرِاِلٰى طُلُوْعِ الشَّمْسِ سَبْعِيْنَ نَبِيًّاثُمَّ

يَجْلِسُوْنَ فِي اَسْوَاقِهِمْ يَبِيْعُوْنَ وَيَشْتَرُوْنَ كُلُّهُمْ كَاَنَّهُمْ لَمْ يَصْنَعُوْا شَيْئاً فَلَمْ يُعَجِّلِ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ اَخَذَهُمْ بَعْدَ ذَالِكَ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُقْتَدِرٍ "ابو عبدالرحمن ! آیا نہیں جانتے ہو کہ بنی اسرائیل طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک ستر نبیوں کو قتل کر کے اپنی دکانوں پر بیٹھ کر سودا سلف کی خرید و فرخت کیا کرتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے کچھ کیا ہی نہیں، اور اللہ نے بھی انہیں جلد گرفت میں نہیں لیا، پھر جب لیا تو ایسا کہ انہیں چھوڑا نہیں پورے غلبہ وقدرت کے ساتھ لیا، پکڑا پھر چھوڑا نہیں۔

(فتوح البلدان بلاذری جلد ۵ ص ۳۸ تا ۴۲)

امامؑ کی اس گفتگو سے آپ کو امامؑ کے عزائم کا پتہ چل گیا کہ آپ ایک عظیم انقلاب برپا کرنے کیلئے مصمم ہیں، کیوں کہ یزیدی قوتیں آپ کو ہر حالت میں اپنی گرفت میں لانے کیلئے مکمل طور پر آمادہ ہو چکی تھیں، اب امامؑ کیلئے دو ہی راستے تھے۔

۱۔ یزید کی بیعت کر کے ہمیشہ کیلئے اپنی اور اسلام کی ذلت مول لے لیں اور اسلام کی تباہی پر دستخط کر دیں۔

۲۔ شہادت کی باوقار اور باعزت موت کو گلے لگا لیں، چنانچہ آپ نے دوسرے راستے کو اختیار کر کے ہمیشہ کیلئے اپنی عزت، اسلام کی عزت، مسلم امہ کی عزت دینی مقدسات کی عزت غرض ہر خوبی کی عزت کا بیمہ کرا دیا۔

ابن عباس کو وصیت:

حضرت امام حسینؑ نے ابن عباس کی طرف منہ کر کے انہیں ان الفاظ میں وصیت فرمائی:

''اے ابن عباس! آپ میرے والد کے چچا زاد بھائی ہیں، میں نے جب سے آپ کو پہچانا ہے اس وقت سے آپ ہمیں اچھائی کی باتیں بتا رہے ہیں، اور آپ والد کے بھی ساتھ رہے، انہیں بھی نیک مشورے دیتے رہے، میرے والد آپ کو اپنے ساتھ رکھتے، آپ سے خیر خواہی کی باتیں سنتے اور مشورہ طلبی بھی کرتے تھے، اور آپ بھی انہیں نیک مشورے دیا کرتے تھے، اب آپ خدا کی حفاظت میں مدینہ جائیں اور میرے بارے میں کوئی اندیشہ دل میں نہ لائیں، میں اس حرم کو اپنا وطن بنائے ہوئے ہوں، اور یہیں قیام پذیر ہوں جب تک یہاں کے لوگ میری باتوں کو مانتے رہیں گے اور میری مدد کرتے رہیں گے اور جب وہ مجھے چھوڑ دیں گے تو میں دوسرے لوگوں کو اپنا دوست بنا لوں گا

اور میں نے اس کلمہ کو مضبوطی سے اپنایا ہوا ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے نارِ نمرود میں پھینکے جانے کے وقت کہا تھا: "حَسبِیَ اللّٰہُ وَنِعمَ الوَکِیلُ" مجھے اللہ ہی کافی ہے اور وہیؑ بہترین کارساز ہے، اور اسی کلمہ کی وجہ سے آگ گل و گلزار بن گئی تھی۔ (مقتل الحسین خوارزمی جلد ا ص ۱۹۳)

بصرہ کے سرداروں کے نام خطوط:

مکہ معظمہ میں قیام کے دوران امام علیہ السلام نے بصرہ کے پانچ مشہور سرداروں کے نام خطوط روانہ فرمائے جنہیں اس زمانہ میں "رؤساء اخماس بصرہ" کہا جاتا تھا جن کے نام یہ ہیں:

ا۔ مالک بن مُسمع بکری ۲۔ احنف بن قیس تمیمی

۳۔ منذر بن جارود عبدی ۴۔ مسعود بن عمرو اور ۵۔ قیس بن ہیثم،

جبکہ ایک اور رئیس کا نام بھی ہے اور وہ ہے "عمر بن عبید اللہ بن معمر"

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۶۸)

سب حضرات کے نام ایک ہی مضمون کا خط تھا جس کی عبارت یہ تھی:

"اما بعد: خداوند عالم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی تمام مخلوق میں سے منتخب فرمایا، انہیں نبوت سے نوازا اور رسالت کا شرف عطا فرمایا، پھر انہیں اپنے حضور بلا لیا، حضرت رسول خدا نے اس کے بندوں کیلئے خیر خواہی سے کام لیا اور فریضہ رسالت کو بطور احسن انجام دیا، اور ہم ہی حضور پاکؐ کے اہل بیت علیہم السلام، اولیاء اوصیاء اور وارث ہیں، اور آپ کے مقام کے اصل حقدار ہیں لیکن ان لوگوں نے ہمیں نظر انداز کر کے سب کچھ اپنے لئے مختص کر لیا ہے، مگر ہم خاموش رہے تا کہ امت میں پھوٹ نہ پڑے اور ہم چاہتے ہیں امت کو عافیت اور سکون حاصل ہو، جبکہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں، لہٰذا میں یہ خط دے کر اپنا قاصد تمہارے پاس روانہ کر رہا ہوں اور میں تمہیں کتاب خدا اور سنت رسولؐ کی دعوت دیتا ہوں، کیوں کہ سنت کو مٹا دیا گیا ہے اور بدعت کو زندہ کر دیا گیا ہے، اگر تم لوگوں نے میری بات مان لی تو میں تمہیں سیدھے راستے کی ہی ہدایت کروں گا......"

(تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۶۸)

امام نے یہ خط اپنے ایک دوست ابورزین سلیمان کے ہاتھوں مذکورہ افراد کیلئے روانہ کیا۔

اہل بصرہ کا جواب:

جن لوگوں کے نام خط تحریر کیا گیا تھا سب نے مثبت جواب دیا سوائے ''احنف بن قیس'' کے اس نے لکھا:

''فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَاللّٰہِ حَقٌّ وَّلَایَسْتَخِفَنَّکَ الَّذِیْنَ لَایُوْقِنُوْنَ'' (سورہ روم/۶۰)

آپ صبر سے کام لیں خدا کا وعدہ حق ہے آپ ان لوگوں کے ہاتھوں خود کو خفیف اور رسوانہ کریں جو ایمان نہیں رکھتے (سیر اعلام النبلاء جلد۳ ص۲۰۰)

نیز منذر بن جارود عبدی کے کہ اس نے امام کے قاصد کو خط سمیت حاکم بصرہ عبیداللہ بن زیاد کے سپرد کر دیا، اور ابن زیاد اسی دن، شام کو کوفہ کی حکومت سنبھالنے جارہا تھا، تا کہ یزید کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت امام حسین علیہ السلام سے پہلے کوفہ پہنچ کر اس کا کنٹرول سنبھال لے، چنانچہ امام کے قاصد کو ابن زیاد نے فوراً سولی پر لٹکا دیا اور خود کوفہ چلا گیا۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ منذر بن جارود کی بیٹی ''بحریہ'' جو کہ ابن زیاد کی بیوی تھی اس نے یہ سمجھا کہ یہ ابن زیاد کی طرف سے تیار شدہ سازش ہے کہ اس نے سلیمان کو امام حسینؑ کا جھوٹا قاصد بنا کر بھیجا ہے تا کہ اس طرح سے لوگوں کا پتہ چلایا جا سکے کہ کون حسینؑ کے طرفدار ہیں اور کون یزید کے، لہٰذا اس نے ابن زیاد کی سازش سے بچنے کیلئے سلیمان کو ابن زیاد کے سپرد کر دیا ـــــ واللہ اعلم ـــــ

البتہ اس بارے میں مورخین کا یہ نظریہ قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ ایسا اقدام کرنے سے پہلے منذر کو چاہئے تھا کہ پہلے وہ خود اچھی طرح تحقیقات سے کام لیتا، پھر کوئی قدم اٹھاتا۔ لہٰذا اس نے ایک نا قابلِ معافی جرم کا ارتکاب کیا۔

مکہ سے عراق روانگی

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام ۲۸ رجب کو مدینہ سے چلے تھے اور ۳/ شعبان کو مکہ معظمہ پہنچے تھے اور اس دن سے ۸/ ذی الحجہ ۶۰ ھ تک مکہ معظمہ ہی میں رہے، اس دوران میں سرزمین حجاز کے عقلاء اور عظیم مسلم قبائل وطوائف کے سردار وشیوخ فرزند رسول کی زیارت کا شرف حاصل کرنے اور آپ سے مستقبل کے بارے میں ہدایات حاصل کرنے کیلئے حاضر ہوتے رہے، چونکہ حج کا زمانہ تھا لہٰذا بہت سے مسلمان حج کے قصد کے ساتھ ساتھ آپ کی زیارت کے سلسلے میں مکہ مظمہ پہنچ گئے تھے، اس دوران میں آپ امیر شام اور بنی امیہ کے مظالم سے لوگوں کو آگاہ کرتے رہے، پیغمبر اکرمؐ کی جانشینی کیلئے یزید کی عدم لیاقت سے باخبر کیا، کوفہ اور عراق کے لوگوں کی طرف سے دعوت اور بصرہ کے لوگوں کی طرف سے اعلان حمایت کے سلسلے میں تقاریر اور گفتگو کرتے رہے، اور لوگوں کو اپنا حق حاصل کرنے کیلئے متعدد بار متوجہ کیا۔

چنانچہ مکہ مظمہ میں اشراف عرب جمع ہوئے اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

جب یزید کو معلوم ہوا کہ اشراف عرب جوق در جوق امام علیہ السلام کی بیعت کر رہے ہیں تو اس نے اس ''حسینی انقلاب'' کا راستہ روکنے کیلئے، امام عالیمقام علیہ السلام کے قتل کیلئے بروایات مختلف تیس یا ایک سو پچاس یا تین سو افراد کو حاجیوں کے لباس میں مکہ روانہ کیا تا کہ آپ کو طواف یا سعی یا کسی مناسب موقعہ پر خانہ کعبہ کے پاس مسجد الحرام کے اندر ہی شہید کر دیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کو اس سازش کا علم ہو گیا چنانچہ آپ نے خانہ کعبہ اور حرم الٰہی کی پاسداری کرتے ہوئے ایک اہم دن ''روز ترویہ'' یعنی آٹھ ذی الحجہ کو مکہ مظمہ کو ترک کر دینے کا تہیہ کر لیا، جبکہ اس کے دوسرے دن یعنی ''روز عرفہ'' کو دنیا کے مختلف گوشوں سے مسلمانانِ عالم میدان عرفات میں جمع ہو کر فریضہ حج ادا کرتے ہیں، خانہ کعبہ کو شرف عطا کرنے والے کا فرزند احرام حج کو عمرہ میں تبدیل کر کے مکہ مکرمہ کو ہمیشہ کیلئے خیر باد کہہ رہا ہے۔

جب عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، محمد حنفیہ، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن زبیر اور دیگر کئی بزرگ صحابۂ رسول کو اس بات کا علم ہوا تو سب نے مل کر عراق نہ جانے کی درخواست کی، مگر آپ نے اپنے عزم بالجزم کا اظہار فرمایا اور حکم خدا و رسولؐ کو سر آنکھوں پر رکھ کر حج کے احرام کو عمرہ مفردہ میں تبدیل کیا، خانہ کعبہ کا طواف، نماز طواف، صفا و مروہ کے درمیان

سعی اور آخر میں تقصیر کا عمل انجام دے کر لباس احرام اتارا اور خانہ کعبہ کو الوداع کہا۔

(مقتل لہوف ص ۳۳، ابن نما ۲۰، الملہوف ص ۵۲) میں لکھا ہے کہ

اپنے دوستوں، رشتہ داروں، قریش، مہاجرین اور انصار کو دعوت دی ان سے خدا حافظی کی اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَمَا شَآءَ اللّٰہُ وَلَا حَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَسَلَّمَ ،خُطَّ الْمَوْتُ عَلٰی وُلْدِ آدَمَ مَخَطَّ الْقِلَادَۃِ عَلٰی جِیدِ الْفَتَاۃ......

تمام تعریفیں اللہ جل شانہ کے لئے ہیں، وہی ہے جو کچھ کہ وہ چاہتا ہے کرتا ہے، کوئی قوت اور طاقت اسی کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے اور درود وسلام ہو اس کے رسول پاکؐ پر، اولاد آدم کو موت سے کوئی راہ فرار نہیں ہے، موت انسان کیلئے ایسے قرار دی گئی ہے جس طرح نوجوان عورت کے گلے میں ہار ہوتا ہے، میں اپنے بزرگوں کے ساتھ، ملاقات کا ایسے مشتاق ہوں جیسے حضرت یعقوبؑ کو جناب یوسفؑ کے ساتھ ملاقات کا اشتیاق تھا، میرے لئے پہلے ہی سے ایک سرزمین کا انتخاب کیا جا چکا ہے ، جو میری شہادت گاہ بنے گی، اور مجھے اپنی آغوش میں لے لے گی لہٰذا مجھے وہاں جانا ہی ہے، اور میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا نواویس اور کربلا کے درمیان کچھ صحرائی درندے میرے جوڑ جوڑ کو جدا کر رہے ہیں۔

خداوند عالم کی رضا ہی ہماری رضا ہے، ہم اس کی ہر آزمائش پر صبر کریں گے، اور وہ ہمیں صبر کرنے والوں کا صلہ عطا فرمائے گا، اور جن کی رسول خدا (ص) سے قرابتداری ہے وہ ان سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے اور بہشت میں بھی انہیں کے ساتھ ساتھ ہوں گے، جن کی ملاقات سے حضرت رسول خدا (ص) کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، یہ خداوند عالم کا وعدہ ہے جس کی خلاف ورزی ممکن نہیں، لہٰذا جو شخص ہماری محبت کے راستے میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا چاہتا ہے اور خود کو خدا کی ملاقات کے لئے آمادہ دیکھتا ہے وہ ہمارے ساتھ ہمارا ہم سفر ہو جائے کہ ہم کل صبح سویرے یہاں سے چل پڑیں گے، انشاءاللہ تعالیٰ۔

جابر بن عبداللہ انصاری کا مشورہ:

حضرت امام عالیمقام علیہ السلام نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا، اور اصحاب و انصار اور عزیزوں رشتہ داروں میں سے ہر ایک کو دس دس دینار دیئے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو اس سے دوگنا دیئے اور آپ کے سفر کے بارے میں کوئی بھی سوال کرتا اسے اس کی سوچ اور سمجھ کے مطابق قانع جواب دیتے، چنانچہ جب مشہور صحابی رسول جابر بن عبداللہ انصاری نے آپ سے کہا کہ: ''اہل کوفہ تو وہ ہیں جنہوں نے آپ کے بھائی کے ساتھ دھوکہ کیا ہے'' تو آپ نے جواب میں فرمایا:

''اِنَّ اَخِی الْحَسَنَ (ع) فَعَلَ بِاَمْرٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَنَا اَفْعَلُ بِاَمْرٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔''

میرے بھائی حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کیا ہے وہ حکم خدا اور رسول کے مطابق کیا ہے اور میں بھی حکم خدا اور رسول کے مطابق کروں گا۔

چنانچہ (تذکرۃ الخواص ابن جوزی ص ۱۳۷، مقتل الحسین خوارزمی ص ۸۵) میں مرقوم ہے کہ جب محمد بن حنفیہ نے آپ کو عراق نہ جانے کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا: ''اِنَّ اللّٰہَ شَآءَ اَن یَّرَانِیْ قَتِیْلاً وَّیَرَی النِّسَآءَ سَبَایَا'' خدا کی مشیت یہی ہے کہ وہ مجھے جام شہادت نوش کرتا دیکھے اور مخدرات عصمت کو قیدی!!

ابن عباس سے خطاب:

پھر آپ نے ابنِ عباس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''مَاتَقُوْلُ فِیْ قَوْمٍ اَخْرَجُوْا ابْنَ بِنْتِ نَبِیِّھِمْ فِیْ وَطَنِہٖ وَدَارِہٖ وَقَرَارِہٖ وَحَرَمِ جَدِّہٖ، وَتَرَکُوْہُ خَآئِفاً مَّرْعُوْبًا، لَایَسْتَقِرَّ فِیْ قَرَارٍ وَّلَایَأْوِیْ اِلٰی جَوَارٍ، یُرِیْدُوْنَ بِذٰلِکَ قَتْلَہٗ وَسَفْکَ دَمِہٖ، لَمْ یُشْرِکْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّلَمْ یَرْتَکِبْ مُنْکَرًا وَّلَا اِثْمًا''

ابن عباس! آپ اس قوم کے متعلق کیا کہیں گے جس نے اپنے نبیؐ کے نواسے کو اپنے وطن اور اپنے گھر اور اپنے چین و قرار کے مقام اور اپنے جد کے حرم سے باہر نکال دیا اور اسے ڈر اور خوف کی حالت میں چھوڑ دیا کہ جسے نہ تو کہیں سکون اور قرار نصیب ہے، اور نہ ہی کسی کے جوار میں پناہ ملتی ہے، اس سے وہ اسے قتل کرنے اور اس کا ناحق خون بہانے کے درپے ہیں، حالانکہ نواسہ رسول نے نہ تو کسی کو خدا کا شریک ٹھہرایا ہے اور نہ ہی کسی گناہ اور ناشائستہ عمل کا ارتکاب کیا ہے۔

ابن عباس نے کہا:

''میں آپ کے قربان جاؤں اگر عراق کے سفر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے تو بہتر ہے کہ عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں!''

تو فرمایا:

''یَاابْنَ الْعَمِّ اِنِّیْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ (ص) فِیْ مَنَامِیْ وَقَدْ اَمَرَنِیْ بِاَمْرٍ لَااَقْدِرُ عَلٰی خِلَافِہٖ وَاِنَّہٗ اَمَرَنِیْ بَاَخْذِھِنَّ مَعِیَ''

میں نے خواب میں حضرت رسالت مآب کو دیکھا کہ آپ نے مجھے ایسا حکم دیا کہ جس کی خلاف ورزی میں نہیں کرسکتا، اور وہ یہ کہ ان مخدرات عصمت کو ساتھ لے چلنے کا حکم دیا ہے۔

غرض امام عالی مقامؑ نے ہر ایک کو قانع، کافی، اور شافی جواب دیا اور اپنے جد بزرگوار کے حوالہ سے ارشاد فرمایا کہ:

''آیا آپ لوگوں نے میرے نانا حضور رسالتمآبؐ سے نہیں سنا تھا کہ حضورؐ نے فرمایا: ''حسینؑ دین کی راہ میں شہید کیا جائے گا'' لہٰذا مجھے ہر حالت میں قیام کرنا چاہئے تا کہ دین زندہ اور سلامت رہے''

اب حسینؑ مکہ معظّمہ کو خیر باد کہہ کر شہر سے باہر آ گئے، اہل مکہ کے دل میں درد و غم اور حزن وملال کی یاد چھوڑ کر مکہ سے رخصت ہو رہے ہیں، سب لوگوں کی آنکھوں میں آنسو ہیں لوگ سر بگریباں ہیں، دریائے رنج والم میں ڈوبے ہوئے ہیں، سالار شہیداں وسرور آزادگان نے چند اشعار پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ''میں نے عزم صمیم کرلیا ہے اور اسی پر باقی رہوں گا، جب انسان نے خدا کی راہ میں دشمنانِ دین کے ساتھ جہاد کا قصد کرلیا ہے تو پھر اس راہ میں اگر موت آجائے تو عار کی بات نہیں ہے، جبکہ مقصد قضائے الٰہی کے آگے سر جھکا دینا ہو، اگر زندہ رہ گیا تو پشیمان نہیں ہوں گا اور اگر موت آجائے تو ملامت کی بات نہیں، مگر اس ذلت سے بڑھ کر اور کوئی ذلت نہیں کہ ''ذلت کی زندگی بسر کروں'' اس لئے کہ ''عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے'' اور ساتھ ہی قرآن کی یہ آیت بھی تلاوت فرمائی: ''وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَدَراً مَقْدُوْراً'' جو کچھ تقدیر میں ہے وہ ہو کر رہے گا۔ (سورہ احزاب/۳۸)
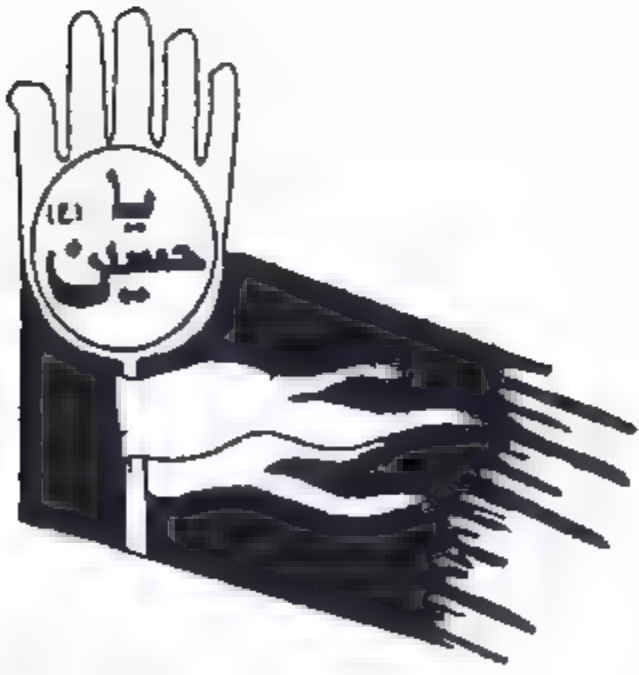
مکہ سے کربلا

منزل......بہ......منزل

مکہ سے کربلا

منزل......بہ......منزل

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت سید الشہداء خامس آل عباء ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کا کاروانِ شہادت وحریّت بروز منگل ۸/ذی الحجہ ۶۰ھ کو مکہ سے کربلا کی طرف روانہ ہوا اور اس راہ میں کم وبیش چالیس منازل کا سفر طے کرنا پڑا جن میں سے بیس یا اس سے زیادہ منزلوں پر قیام فرمایا، چنانچہ صاحب کشف الغمہ اور صاحب تمقام زخار لکھتے ہیں کہ جب سید الشہداء علیہ السلام نے مکہ سے کوچ فرمایا تو اس وقت آپ کے ساتھ ۸۲ معروف صحابی رسولؐ تھے، اور یہ کاروانِ الٰہی منزل مقصود کی طرف روانہ ہوا، یاد رہے کہ ان منازل کی ترتیب مرحوم قزوینی کی کتاب ''الامام الحسین واصحابہ'' سے لی گئی ہے، چنانچہ سب سے پہلے آپ سرزمین ابطح میں تشریف لائے۔

۱۔ابطح

(۹ ذی الحجہ بروز بدھ)

ابطح، یہ مکہ اور منیٰ کے درمیان ایک سیلابی گزرگاہ ہے، بارش کا جو پانی منیٰ میں اکٹھا ہوتا ہے، یہیں سے آگے نکل جاتا ہے، اس جگہ کا آغاز منیٰ کی حدود سے اور اختتام جنت المعلیٰ اور قبرستان حجون پر ہوتا ہے، (کامل ابن اثیر جلد ۴ ص ۲۱ میں لکھا ہے کہ) یہاں پر آپ سے یزید بن ثبیط ___ یا یزید بن نبیط ___ کی ملاقات ہوئی۔

ابن ثبیط کا ماجرا یہ ہے کہ جب امام عالیمقام علیہ السلام کا قاصد آپ کا خط لے کر بصرہ پہنچا یزید بن نبیط بصرہ کی جانی پہچانی شخصیت تھے، انہوں نے امامؑ کے قاصد کو مثبت جواب دیا، اور مزید اطلاع کیلئے ''ماریہ بنت سعد'' کے گھر پہنچے جو متقی پرہیزگار حبدار اہل بیتؑ خاتون تھیں اور ان کا گھر شیعیان علی علیہ السلام کے اجتماع اور مجالس کا مرکز تھا۔

جیسا کہ ابھی بتایا جا چکا ہے کہ یزید بن ثبیط بصرہ کی جانی پہچانی شخصیت تھے، (نفس ا، م ص ۹۲ منقول از تاریخ طبری، اس بارے میں لکھتے ہیں کہ) قبیلہ بنی قیس سے ان کا تعلق تھا، ان کے دس دلاور بیٹے تھے، جب ماریہ بنت سعد کے گھر گئے تو اپنے بیٹوں اور دوستوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''میں نے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ بصرہ سے چل کر مکہ معظمہ میں اپنے امام علیہ السلام سے ملاقات کر کے ان کی نصرت کروں گا'' اس کے ساتھ ہی ان کے دو بیٹوں عبداللہ اور عبیداللہ نے بھی ان کی ہم نوائی کی۔

ان کے کچھ دوستوں نے مشورہ دیا کہ ابن زیاد اور اس کے سپاہیوں نے ہر طرف سے راستے بند کئے ہوئے ہیں آپ کی گرفتاری کا خطرہ ہے لہٰذا اپنے ارادے سے باز آجائیں، مگر اس نے کہا میرے ساتھ دو کڑیل جوان ہیں مجھے کسی قسم کا کوئی خوف نہیں۔

چنانچہ انہوں نے بصرہ سے مکہ کا سفر بڑی تیزی کے ساتھ طے کیا، مکہ جا کر انہیں معلوم ہوا کہ امام علیہ السلام مکہ سے وادی ابطح پہنچ چکے ہیں تو وہ فوراً ابطح پہنچے مگر وہاں جا کر معلوم ہوا کہ امام علیہ السلام علیہ السلام ان ہی سے ملاقات کیلئے مکہ معظمہ گئے ہوئے ہیں، ان کے دل میں امام علیہ السلام کی عظمت اور بزرگواری کا احساس مزید اجاگر ہوا اور اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہونے لگے۔ امام پاکؑ سے مکہ میں ملاقات کی اور آپؑ ان کے ساتھ ابطح تشریف لے آئے اور، ابن ثبیط یہ آیت تلاوت کرنے لگے: ''بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا'' (یونس/ ۵۸) خداوند عالم کے فضل وکرم اور رحمت سے ہی یہ سب کچھ حاصل ہوا ہے پس اسی پر انہیں نازاں ہونا اور خوشی منانا چاہئے۔

یزید اور ان کے دونوں فرزند ارجمند امام عالیمقام علیہ السلام کے ہم رکاب رہے اور واقعہ کربلا میں امام عالیمقام علیہ السلام کی خدمت میں جام شہادت نوش فرمایا۔

۲۔ تنعیم
(۱۰/ذی الحجہ ۶۰ھ، بروز جمعرات)

مراصد الاطلاع جلد۲ ص ۲۷۷ میں ہے کہ تنعیم، سرزمین مکہ میں دو فرسخ کے فاصلے پر حدود حرم سے باہر مدینہ کے راستے پر ایک جگہ کا نام ہے جہاں پر سے اہل مکہ عمرہ کیلئے احرام باندھتے ہیں۔

ارشاد مفید جلد۲ ص ۲۸، میں ہے کہ جب امام علیہ السلام کا قافلہ یہاں پہنچا تو انہیں یمن سے آنے والا ایک قافلہ ملا، امام نے ان سے اپنے سامان اور ساتھیوں کیلئے کچھ اونٹ کرائے پر لئے تا کہ سفر آرام کے ساتھ طے ہو، ساتھ ہی فرمایا: جو شخص ہمارے ساتھ چلنا چاہتا ہے، چلے اس کا کرایہ بھی ہم ہی دیں گے اور اس کا خیال بھی رکھیں گے اور کوئی درمیان راہ ہم سے جدا ہو جائے تو بھی اسی مقدار سفر کا کرایہ ادا کریں گے۔

چنانچہ کچھ لوگ تو آپ ہم سفر ہو گئے اور کچھ نے اپنے سفر کو جاری رکھا۔

صفاح
(۱۱/ذی الحجہ ۶۰ھ، بروز جمعہ)

فرزدق کی ملاقات:

صِفاح، حنین اور حرم کے نشانات کے درمیان بائیں طرف واقع ہے، یہاں پر آپ کی ملاقات عرب کے مشہور شاعر ''فرزدق'' سے ہوئی۔

یاد رہے کہ ان کا نام ''ھمام'' لقب فرزدق ہے، ان کے والد کا نام ''غالب بن صعصعہ'' ہے۔ شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے انہیں امام زین العابدین علیہ السلام کے اصحاب میں شمار کیا ہے، اور یہ وہی شخصیت ہیں کہ جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے حجر اسود کو بوسہ دینا چاہا تھا تو ان کے جلالت شان کی وجہ سے لوگوں نے ان کے لئے راستہ صاف کر دیا تھا اور آپؑ نے سکون کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دیا، جسے دیکھ کر اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک حسد کی آگ میں جل اٹھا، چنانچہ

جب اس سے کسی شامی نے پوچھا کہ یہ کون شخصیت ہے کہ جس کے رُعب و عظمت کی وجہ سے لوگوں نے حجرِ اسود کیلئے خود بخود راستہ صاف کر دیا؟ تو اس نے جل کر کہا: ''میں نہیں جانتا''

(تنقیح المقال جلد۲ باب الفاء میں درج ہے کہ) اُس وقت فرزدق ہشام کے گروہ میں بیٹھا ہوا تھا انہوں نے فوراً کہا میں تمہیں اس ہستی کا تعارف کراتا ہوں کہ یہ کون ہیں؟ تو سنو......

هٰذَاالَّذِیْ تَعْرِفُ الْبُطْحَآءُ وَطْأَتَهُ

وَالْبَیْتُ یَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

هٰذَاابْنُ خَیْرِ عِبَادِاللّٰهِ کُلِّهِمْ

هٰذَاالتَّقِیُّ النَّقِیُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ

یہ وہی ذات ہی تو ہے جس کے نشانات قدم کو بطحا کی سرزمین پہچانتی ہے، اسے بیت اللہ بھی جانتا ہے اور حل اور حرم اس کی معرفت رکھتے ہیں، یہ دنیا کے تمام لوگوں میں سے خدا کے بہترین بندے کے فرزند ہیں۔ یہ پاک و پاکیزہ اور خدا کی منتخب اور مشہور شخصیت ہیں۔

اس طرح سے کئی ابیات پر مشتمل ایک قصیدہ فرزدق نے فی البدیہہ پڑھا جسے سن کر ہشام نے انہیں گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا۔

فرزدق کی وفات کے بعد کسی نے انہیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ: ''خدا نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟'' تو انہوں نے جواب دیا: ''حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی شان میں، میں نے جو قصیدہ پڑھا تھا خداوند عالم نے اس کی وجہ سے مجھے بخش دیا ہے''

بہر حال امام حسین علیہ السلام سے اس ملاقات کا ماجرا خود فرزدق سے سنتے ہیں، جسے شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الارشاد میں نقل فرمایا ہے، وہ کہتے ہیں:

''میں اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ سن ساٹھ ہجری میں فریضہ حج کی ادائیگی کیلئے عازم مکہ ہوا، مادر گرامی کے اونٹ کی مہار اپنے ہاتھ میں لئے حدود حرم میں داخل ہوا، کہ اتنے میں میری ملاقات حضرت امام حسین علیہ السلام کے قافلے سے ہو گئی جو مکہ سے عراق کی طرف جا رہا تھا، میں فوراً امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، علیک سلیک کے بعد میں نے امامؑ کی خدمت میں عرض کیا:

''فرزند رسولؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں ''مَا اَعْجَلَکَ عَنِ الْحَجِّ؟''

اتنی کیا جلدی تھی کہ آپ نے حج ادا نہیں کیا؟

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا:

''لَوْلَمْ اَعْجَلْ لَاُخِذْتَ '' اگر جلدی نہ کرتا تو گرفتار کر لیا جاتا۔

انساب الاشراف، طبری، کامل ابن اثیر، ارشاد شیخ مفید، مقتلِ خوارزمی، البدایۃ والنہایۃ، میں یہ بات درج ہے کہ

پھر امامؑ نے مجھ سے پوچھا:

''عراق والوں کے حالات کیسے ہیں؟'' میں نے عرض کیا: ''آپ نے ایک باخبر شخص سے وہاں کے لوگوں کے حالات پوچھے ہیں، تو میں حقیقت عرض کئے دیتا ہوں کہ: ''ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں باقی قضاوقدر کا مالک اللہ ہے، وہ جو چاہے گا وہی ہوگا''

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''صَدَقْتَ اِلِلّٰہِ الْاَمْرُ ،وَکُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَأْن ، اِنْ نَّزَلَ الْقَضَآءُ بِمَا نُحِبُّ وَنَرْضٰی فَنَحْمَدُ اللّٰهِ عَلٰی نَعْمَآئِهٖ وَهُوَا لْمُسْتَعَانُ عَلٰی اَدَاءِ الشُّكْرِ وَاِنْ حَالَ الْقَضَآءُ دُوْنَ الرَّجَآءِ فَلَمْ یَتَعَدَّ مَنْ کَانَ الْحَقُّ نِیَّتُهٗ وَالتَّقْوٰی سَرِیْرَتُهٗ''

فرزدق! تم نے سچ کہا ہے، تقدیر کا مالک اللہ ہے، ہر روز اس کے نئے فرمان جاری ہوتے ہیں، اگر پیش آنے والے حالات ہماری منشاء اور مراد کے مطابق ہوں گے تو ہم اس کی ایک ایک نعمت پر شکر ادا کریں گے، اور وہی ذات ہی تو مددگار ہے، شکر وسپاس گزاری میں اور اگر قضا کے حالات ہماری منشاء کے درمیان حائل ہو گئے اور ہمیں ظاہری کامیابی حاصل نہ ہو سکی تو جس کی نیت خالص ہو اور خدا کا تقویٰ جس کا سرچشمہ ہو وہ راہ راست سے کبھی نہیں بھٹک سکتا''

میں نے عرض کیا:

''آپ سچ فرماتے ہیں، خدا آپ کا حامی و ناصر ہو'' پھر میں نے امام علیہ السلام سے حج کے کچھ مسائل دریافت کئے جو امام نے مجھے بتائے اور قافلہ آگے بڑھ گیا۔

۴۔ وادی عقیق
(ہفتہ ۱۲/ذی الحجہ ۶۰ھ)

معجم البلدان جلد۴ص ۱۳۹، میں ہے کہ

کاروانِ عزم واستقلال چلتے چلتے وادی عقیق پہنچ گیا، ویسے تو ''عقیق'' کا اطلاق مختلف مقامات پر ہوتا ہے مگر جس منزل پر امام علیہ السلام نے قیام فرمایا اسے ''عقیق مبارک'' بھی کہتے ہیں اور یہ وادی ''ذوالحلیفہ'' نامی وادی کے درمیان ہے، اور مکہ سے نسبتاً زیادہ نزدیک ہے اس کے ایک حصے کو ''ذات عرق'' بھی کہتے ہیں، جو عراق کے عازمین حج کا میقات بھی ہے

اس منزل پر جناب عبداللہ بن جعفر طیار کے دو فرزند ــــ عونؑ و محمدؑ ــــ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے والد گرامی ــــ جناب عبداللہ ــــ کی طرف سے ایک خط بھی اپنے ہمراہ لائے تھے جس میں امام علیہ السلام سے درخواست کی گئی تھی کہ آپ کوفہ کا ارادہ ترک کر کے مکہ تشریف لے آئیں، ساتھ ہی حضرت عبداللہ نے مکہ کے گورنر عمرو بن سعید کے پاس جا کر امام علیہ السلام کیلئے ''امان نامہ'' بھی لے لیا جو انہوں نے اس کے بھائی یحیٰ بن سعید کے ہاتھوں امام کی خدمت میں بھجوایا اور خود حضرت عبداللہ بھی امام کی خدمت میں روانہ ہوئے اور '' ذاتِ عِرق ''میں آپ سے آملے اور امان نامہ آپ کے سامنے پڑھا۔

امام عالی مقام علیہ السلام نے مکہ واپس جانے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

''میں نے سرکار رسالتمآبؐ کو خواب میں دیکھا ہے کہ آنجنابؐ مجھے سفر جاری رکھنے کا حکم دے رہے ہیں، لہٰذا میں رسولخداؐ کے فرمان کو بجالاؤں گا''

چنانچہ (انساب الاشراف جلد۳ص ۱۶۴، طبری جلد۷ص ۲۸۰، کامل بن اثیر جلد۳ص ۲۷۷ میں لکھا ہے کہ) امامؑ نے عمرو بن سعید کے خط کا جواب تحریر کر کے حضرت عبداللہ کے سپرد کیا، اور حضرت عبداللہ وہ خط لے کر یحیٰ بن سعید کے ساتھ مکہ واپس آگئے البتہ اپنے دونوں نونہالوں کو حکم دیا کہ امام عالی مقامؑ کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑنا۔

یاد رہے کہ یہ وہی عمرو بن سعید ہے جسے یزید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو مخفیانہ قتل کرنے کیلئے بظاہر ''امیر الحاج'' بنا کر بھیجا تھا اور وہ ہر ممکنہ حیلے بہانے سے امامؑ کو قتل کرنا چاہتا تھا، چنانچہ جب وہ اس بات سے بھی مایوس ہو گیا کہ

امام علیہ السلام نے اس کے امان نامہ کو بھی تسلیم نہیں کیا تو اپنے اسی بھائی یعنی ''یحیٰ بن سعید'' کو ایک مسلح پارٹی کے ساتھ روانہ کیا کہ جس طرح بھی ہو سکے امام حسین علیہ السلام کو مجبور کر کے مکہ واپس لایا جائے، لیکن جب مسلح افراد قافلہ کے نزدیک پہنچے تو خود ان کے اپنے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا اور تازیانوں کے ساتھ ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئے، اسی طرح سے وہ امامؑ کو روکنے میں ناکام ہو کر مکہ واپس آ گئے۔

۵۔ وادی صفراء
(اتوار، ۱۳/ذی الحجہ ۶۰ھ)

(معجم البلدان بلاذری جلد ۳ ص ۴۱۲ میں ہے کہ)

وادی صفراء، مدینہ کے نزدیک ایک وادی ہے جس میں کافی مقدار میں کھجوروں کے درخت ہیں اور کاشتکاری ہوتی ہے، یہ وادی ان حجاج کے راستے میں ہے جو مکہ کو جاتے ہیں اور حضور رسالتمآبؐ بھی اس وادی سے کئی مرتبہ گزر چکے ہیں، یہاں سے ''بدر'' کا ایک مرحلہ کا راستہ ہے، اس کے اطراف میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔

چنانچہ امامؑ کا یہ الٰہی کاروان ۱۳/ذی الحجہ بروز اتوار کو یہاں پہنچا، ''حدائق الوردیہ'' کے مطابق ''وادی صفراء'' کا پانی ''ینبع'' کی طرف بہتا ہے اور یہ قبائل جہنیہ، انصار، بنی فہر اور بنی نہد کے درمیان مشترک ہے۔

ابصار العینین ص ۱۱۵، میں ہے کہ، مُجَمَّع بن زیاد اور عبّاد بن مہاجر اطراف مدینہ میں رہنے والے قبائل جہنیہ کے گھروں میں تھے، جب امامؑ مکہ سے سفر کر کے یہاں پہنچے تو دونوں بزرگوار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آخری وقت تک آپ کے ساتھ رہے حتیٰ کہ آپ کے قدموں میں شرف شہادت حاصل کیا۔

۶۔ ذاتِ عرق
(پیر ۱۴/ذی الحجہ ۶۰ھ)

(مراصد الاطلاع جلد ۲ ص ۹۳۲ میں ہے کہ)'' ذات عِرق ''عین کی زیر اور را کے سکون کے ساتھ، نجد اور تہامہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے، جیسا کہ ''وادی عقیق'' کے ذیل میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ جگہ اہلِ عراق کے عازمین کا

میقات ہے۔ یہاں پر آپ ۱۴/ذی الحجہ بروز پیر پہنچے اور اسی جگہ پر بشر بن غالب نے جو عراق سے آ رہا تھا امام علیہ السلام سے ملاقات کی۔

ابن نما نے نقل کیا ہے کہ حضرت امام عالیمقام علیہ السلام نے اس سے عراق کے حالات دریافت کئے تو اس نے عرض کی:

''وہاں کے لوگوں کے دل آپ کے ساتھ مگر تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں'' یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا:

''صَدَقَ اَخُو بَنِی اَسَد، اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ'' برادر اسدی نے سچ کہا ہے یقیناً خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔

جبکہ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۸۳، بحار الانوار جلد ۲۲ ص ۲۰۹ میں ہے کہ) اس موقع پر ''ریاش'' نے پوچھا آقا آپ نے ایسے موقع پر مکہ چھوڑ کر عراق کا سفر کیوں اختیار فرمایا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

''اِنَّ هٰؤُلَآءِ اَخَافُوْنِیْ وَهٰذِهٖ کُتُبُ اَهْلِ الْکُوْفَةِ وَهُمْ قَاتِلِی، فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰالِکَ وَلَمْ یَدْعُوْا لِلّٰهِ مُحَرَّمًا اِلَّا انْتَهَکُوْهُ بَعَثَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مَنْ یَّقْتُلُهُمْ حَتّٰی یَکُوْنُوْا اَذَلَّ مِنْ قَوْمِ الْاَمَةِ''

بنی امیہ نے مجھے خوف میں مبتلا کر دیا ہے، اور ساتھ ہی یہ اہلِ کوفہ کے خطوط ہیں جو اب میرے قتل کی ٹھانے ہوئے ہیں، اگر وہ ایسا کریں گے اور خدا کی مقرر کردہ حرمت کی ہتک کریں گے تو خداوند عالم ان پر ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو انہیں اس حد تک موت کے گھاٹ اتارے گا کہ قوم اَمَہ سے بھی زیادہ ذلیل و رسوا ہوں گے۔

۷۔ الحاجز ــــ بطن الرُّمۃ ــــ
(منگل ۱۵/ذی الحجہ ۶۰ھ)

(کتاب مراصد الاطلاع جلد ۲ ص ۶۳۴ میں ہے) کہ 'بطن الرمۃ'' مدینہ کے راستے پر واقع ہے اور یہاں سے بصرہ اور کوفہ کی راہیں جدا ہوتی ہیں۔

جبکہ (انساب الاشراف جلد ۳ ص ۱۶۷، طبری جلد ۷ ص ص ۲۸۹، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۶۸) میں مرقوم ہے کہ، اس منزل پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے قیس بن مسہر صیداوی یا بقولے عبداللہ بن یقطر کو خط دے کر اہل کوفہ کی طرف

روانہ فرمایا، جبکہ بظاہر ابھی تک آپؑ کو جناب مسلم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع نہیں ملی تھی، خط کا مضمون یہ تھا۔

''اَمَّا بَعْدُ ، فَقَدْ وَرَدَ عَلَیَّ كِتَابُ مُسْلِمِ بْنِ عَقِيلٍ يُخْبِرُنِی بِاجْتِمَاعِكُمْ عَلٰی نَصْرِنَا وَالطَّلَبِ بِحَقِّنَا ، فَسَأَلْتُ اللّٰهَ اَنْ يُحْسِنَ لَنَا الصُّنْعَ وَيُثِيبَكُمْ عَلٰی ذَالِکَ اَعْظَمَ الْاَجْرِ ، وَقَدْ شَخَصْتُ اِلَيْكُمْ مِنْ مَكَّةَ يَوْمَ الثُّلَثَاءِ لِثَمَانٍ مَضَيْنَ مِنْ ذِی الْحِجَّةِ ،فَاِذَا قَدِمَ عَلَيْكُمْ رَسُوْلِی فَانْكَمِشُوْا فِی اَمْرِكُمْ فَاِنِّی قَادِمٌ فِی اَيَّامِی هٰذِهٖ''

بعد از حمد وثنا، میرے پاس مسلم بن عقیل کا خط پہنچا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ آپ لوگ ہماری نصرت کیلئے مجتمع اور ہمارے لئے ہمارا حق طلب کرنے کیلئے یکجا ہو چکے ہیں، میری اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ ہمارے لئے بہتری کے سامان مہیا کرے اور تمہیں اس بات پر عظیم اجر عطا فرمائے، خلاصۃ الاحوال یہ کہ میں مکہ معظمہ کو ۸/ذی الحجہ بروز منگل سے چھوڑ کر تمہاری طرف چل پڑا ہوں، جونہی میرا قاصد تمہارے پاس پہنچے تو تم فوراً ہی اپنے معاملات درست کر لو میں بھی انہی دنوں پہنچ رہا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

قیس بن مسہر صیداوی کا ماجرا:

(کتاب الفتوح جلد ۵ ص ۱۴۷) میں ہے کہ، قیس بن مسہر بن خالد صیداوی کا تعلق ایک شریف خاندان سے تھا بذات خود غیور اور شجاع شخصیت کے مالک تھے آپ امام علیہ السلام کا خط لے کر فوراً کوفہ چل پڑے، جب قادسیہ پہنچے تو چونکہ ابن زیاد کی طرف سے ملک کے چاروں طرف جاسوس پھیلا دیئے گئے تھے لہٰذا اس مقام پر ابن زیاد کے جاسوسوں نے انہیں گرفتار کر کے ان کی تلاشی لی تو انہوں نے مجبوراً امام علیہ السلام کے خط کو پارہ پارہ کر دیا تا کہ کسی کو خط کے مضمون کا پتہ نہ چل سکے، چنانچہ ان لوگوں نے خط کے ٹکڑوں کو جمع کیا اور مسہر کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیج دیا۔

ابن زیاد نے ان سے پوچھا: ''تم کون ہو؟''

کہا: ''امیر المومنین حسین بن علیؑ کا ایک شیعہ ہوں''

پوچھا: تم نے خط کو کیوں پھاڑا؟

کہا: اس لئے کہ تم اس کے مضمون سے آگاہ نہ ہو سکو۔

پوچھا: خط کس نے لکھا اور کس کے نام تھا؟

کہا: خط تو حسین علیہ السلام نے کوفہ کے کچھ لوگوں کے نام لکھا تھا، جنہیں میں نہیں جانتا،

یہ سن کر ابن زیاد آگ بگولہ ہوگیا اور چیخ کر کہا:

''خدا کی قسم تمہیں اس وقت تک ہرگز نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ تم ان لوگوں کے نام نہیں بتاؤ گے، یا پھر منبر پر جا کر حسینؑ اور ان کے والد اور بھائی کو سب وشتم کرو، اس طرح تم بچ سکتے ہو ورنہ تلوار کے گھاٹ اتار دوں گا، قیس نے کہا: چونکہ میں ان افراد کے نام نہیں جانتا لہٰذا تمہاری دوسری شرط قبول ہے، ابن زیاد نے سمجھا کہ قیس موت سے ڈر گیا ہے اس لئے دوسری شرط کو قبول کرلیا، اس نے حکم دیا کہ تمام اہل کوفہ، شہر کی مسجد اعظم میں اکٹھے ہوں تا کہ امام حسین علیہ السلام کے قاصد قیس بن مسہر صیداوی کی زبانی بنی امیہ کی تعریف سنیں۔

سب لوگ مسجد میں جمع ہو گئے مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئی اور قیس منبر پر آ گئے، سب سے پہلے انہوں نے اللہ جل شانہ کی تعریف کی اور حضرات محمد وآل محمدؐ پر درود بھیجا، اس کے بعد عبید اللہ، اس کے باپ زیاد اور تمام ارکان حکومت کے چھوٹے اور بڑے افراد پر رحمت سے دور رہنے کی دعا کے بعد بلند آواز سے کہا:

''لوگو! حضرت حسین بن علی علیہ السلام اللہ کی بہترین مخلوق اور حضرت رسول خدا (ص) کے نواسے اور فاطمۃ الزہراؑ کے لختِ جگر ہیں، میں انہی کا قاصد ہوں، میں اثناء راہ میں ان کا خط لے کر تمہارے پاس آیا ہوں تا کہ ان کا پیغام تم تک پہنچاؤں، لہٰذا تم ان کے پیغام پر لبیک کہو''

ابن زیاد کے نوکروں نے سارا ماجرا اس کو بتایا، چونکہ اس کا منصوبہ مکمل طور پر ناکام ہو چکا تھا، لہٰذا غصے میں پاگل ہو گیا اور چیخ کر کہا: ''اسے دارالامارہ کی چھت پر لے جا کر زمین پر پھینک دو''

نوکروں نے اس کے فرمان پر عمل کیا اور اس مظلوم کو چھت پر سے نیچے گرا دیا، جس کی وجہ سے اس کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور وہ جامِ شہادت نوش کر کے راہی بہشتِ بریں ہوئے۔

چنانچہ جب مسہر کی خبر شہادت امام حسین علیہ السلام تک پہنچی تو آپ سخت غمگین ہوئے اور باچشم گریان فرمایا:

''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا وَلِشِيْعَتِنَا مَنْزِلًا كَرِيْمًا عِنْدَكَ، وَاجْمَعْ بَيْنَنَا وَاِيَّاهُمْ فِيْ مُسْتَقَرِّ رَّحْمَتِكَ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ''

بارالہا! تو اپنے پاس ہمارے اور ہمارے شیعوں کے لئے معزز جگہ قرار دے، اور اپنی رحمت کے جوار میں ہمیں اور انہیں جگہ عطا فرما، یقیناً تو ہر چیز پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔

۸۔فید یا فائد
(بدھ ۱۶/ذی الحجہ ۶۰ھ)

(الامام الحسینؑ واصحابہ ص ۱۶۲) میں ہے کہ کاروانِ نور منزل بہ منزل سفر طے کرتے ہوئے بدھ ۱۶/ذی الحجہ کو مقام ''فید'' یا ''فائد'' پر پہنچا۔

یہ مکہ اور کوفہ کے بالکل درمیان میں واقع ہے، اس جگہ پر ایک قلعہ ہے جس کی اونچی اونچی دیواریں ہیں، عازمین حج اپنے بچے کھچے اور فالتو سامان کو اس قلعہ میں چھوڑ جاتے تھے اور مکہ سے واپسی پر اسے اپنے ساتھ لے جاتے تھے، یہاں کے باشندے سارا سال گھاس چارہ اکٹھا کرتے رہتے تھے اور موسم حج میں عازمین حج اور حجاج کو ان کی سواریوں کے لئے فروخت کیا کرتے تھے۔

۹۔اجُفرُ
(جمعرات ۱۷/ذی الحجہ ۶۰ھ)

''اجفر''، ''جفر'' کی جمع ہے، جس کے معنی کنویں کے ہیں، جو وہاں پر موجود تھا اور ''فید'' اور ''خزیمیہ'' کے درمیان میں واقع ہے، کاروانِ شہادت یہاں پر جمعرات ۱۷/ذی الحجہ ۶۰ھ کو وارد ہوا۔

(ارشاد مفید جلد ۲ ص ۲۰۴ میں ہے کہ) یہاں پر آپ سے عبداللہ بن مطیع عدوی نے ملاقات کی اس لئے کہ اس نے سنا تھا کہ فرزند رسولؐ عراق جا رہے ہیں، عرض کرنے لگا: ''یابن رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں خدا کیلئے پیغمبر اسلام کے اور عربوں میں قریش کے احترام کی پاسداری کریں، خدارا اس سفر کو ترک کردیں، کیوں کہ اگر بنی امیہ آپ پر قابو پالیں گے تو آپ کو قتل کر دیں گے''

حضرت نے مسکرا کر اس کو جواب دیا:

''خدا اور رسولؐ اور قریش و عرب کا احترام اسی میں ہے کہ میں ظلم کے آگے نہ جھکوں'' یہ کہا اور کوچ کا حکم دیدیا۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت امام عالیمقامؑ نے فرمایا:
''تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ مجھے اپنے انجام کا علم نہیں ہے، یا بغیر سوچے سمجھے سفر کر رہا ہوں؟ تم جان لو کہ: دین اسلام کی حفاظت، خانہ خدا کا احترام، نماز اور روزہ کی بقا اسی میں ہے کہ میں اس سفر کو جاری رکھوں اور لباسِ شہادت میں اپنی بات لوگوں سے منواؤں اور لوگوں تک حقائق پہنچاؤں، مجھے اپنے جد بزرگوار کا حکم ہے کہ مسلمانوں کے ضائع شدہ حقوق کو ظالموں کے ہاتھوں سے واپس دلاؤں''

۱۰۔ خزیمیہ
(جمعہ ۱۸/ذی الحجہ ۶۰ھ)

(مراصد الاطلاع جلد ۱ ص ۴۶۶ میں ہے کہ) کاروانِ عزم واستقلال، خزیمیہ کے مقام پر پہنچا، خزیمیہ، مکہ سے آنے والے حجاج کرام کیلئے ''ثعلبیہ'' کے بعد ایک منزل کا نام ہے جو خزیمہ بن خازم سے منسوب ہے
یہ کوفہ کی جرنیلی سڑک پر واقع ہے اور ثعلبیہ سے اس کا ۳۲ میل کا فاصلہ ہے، (بحار الانوار جلد ۴۴ ص ۳۷۲، مقتل خوارزمی جلد ۱ ص ۲۲۵ میں ہے کہ) امام عالیمقامؑ نے یہاں پر ایک دن اور ایک رات قیام کیا، صبح دم جب آپ یہاں سے چلنے کی تیاری میں مصروف تھے تو آپ کی ہمشیرہ محترمہ علیا مخدرہ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا آپ کے پاس تشریف لائیں اور آ کر عرض کیا: ''جان برادر! آج آدھی رات کے وقت جب میں خیمے کے دروازے پر آئی تو ہاتف کو یہ کہتے سنا:

اَلَایَا عَیۡنُ فَاحۡتَفِلِیۡ بِجَھۡدٍ   وَمَنۡ یَّبۡکِیۡ عَلَی الشُّھَدَآءِ بَعۡدِیۡ
عَلٰی قَوۡمٍ تَسُوۡقُھُمُ الۡمَنَایَا   بِمِقۡدَارٍ اِلٰی اِنۡجَازِ وَعۡدٍ

اے میری آنکھ خوب جی بھر کے آنسو بہا، ان شہداء پر کہ جنہیں موت ان کی مقتل کی طرف کشاں کشاں لئے جا رہی ہے، جہاں کے لئے انہوں نے اپنے رب سے وعدہ وفا کرنے کا عہد کیا ہے
تو امامؑ عزم ووفا نے بڑے سکون کے ساتھ ارشاد فرمایا:
''یَا اُخۡتَاہُ کُلُّ مَا قُضِیَ فَیَکُوۡنُ'' ماں جائی! جو کچھ مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا۔

۱۱۔ شقوق
(اتوار ۲۰/ ذی الحجہ ۶۰ھ)

(معجم البلدان جلد ۳ ص ۳۵۶) میں ہے کہ ''شقوق'' کوفہ سے مکہ جانے والے راستے پر ''واقصہ'' کے بعد ایک جگہ کا نام ہے۔

چونکہ سرکارِ شہادت کا کاروان، منزلِ خزیمیہ پر ایک دن اور ایک رات قیام کر چکا تھا لہٰذا آپ کا یہ قافلہ مقام شقوق پر بروز اتوار ۲۰/ ذی الحجہ ۶۰ھ پہنچا، (ابن عساکر، مقتل خوارزمی، مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ ص ۹۵، الامام الحسین واصحابہ ص ۱۶۵، الملہوف) میں ہے کہ اس منزل پر امام عالیمقامؑ نے ایک شخص کو آتے دیکھا تو اسے اپنے پاس بلا کر کوفہ کے حالات دریافت فرمائے، اس نے عرض کی: ''فرزند رسولؐ! کوفہ اور عراق کے لوگ آپ کی مخالفت پر متحد ہو چکے ہیں اور آپ سے لڑنے کیلئے بھی ہم پیمان ہو چکے ہیں''

یہ سن کر امام عالیمقامؑ نے فرمایا:

''اِنَّ الْاَمْرَ لِلّٰہِ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَرَبُّنَا تَبَارَکَ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِی شَأْنٍ''

تمام امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جو چاہتا ہے انجام دیتا ہے، ہمارے بابرکت رب کے ہر روز خاص ارادے ہوتے ہیں...... پھر اس کے بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے

۱. فَاِنْ تَکُنِ الدُّنْیَا تُعَدُّ نَفِیْسَةً — فَدَارُ ثَوَابِ اللّٰہِ اَعْلٰی وَاَنْبَلُ
۲. وَاِنْ تَکُنِ الْاَمْوَالُ لِلتَّرْکِ جَمْعُھَا — فَمَا بَالُ مَتْرُوْکٍ بِہٖ الْحُرُّ یَبْخَلُ
۳. وَاِنْ تَکُنِ الْاَرْزَاقُ قِسْمًا مُقَدَّرًا — فَقِلَّةُ حِرْصِ الْمَرْءِ فِی الْکَسْبِ اَجْمَلُ
۴. وَاِنْ تَکُنِ الْاَبْدَانُ لِلْمَوْتِ اُنْشِأَتْ — فَقَتْلُ امْرِءٍ بِالسَّیْفِ فِی اللّٰہِ اَفْضَلُ
۵. عَلَیْکُمْ سَلَامُ اللّٰہِ یَا آلَ اَحْمَدٍ — فَاِنِّیْ اَرَانِیْ عَنْکُمْ سَوْفَ اَرْحَلُ

❁ اس دنیا کی زندگی اگر بعض لوگوں کی نگاہ میں قیمتی اور گرانبہا ہے، تو خداوند عالم کا ثواب اور جزا اس سے زیادہ قابلِ قدر اور قیمتی ہے۔

❁ اگر مال کا جمع کرنا اس لئے ہے کہ آخر اسے چھوڑ جانا ہے، تو پھر کسی شریف آدمی کو کیسے زیب دیتا

ہے کہ وہ اس کے بارے میں بخل سے کام لے۔
❁ اگر انسان کی روزی اور رزق تقسیم اور مقرر شدہ ہے تو پھر روزی کمانے میں انسان جتنا کم حرص کرے اتنا ہی بہتر ہے۔
❁ اگر بدن مرنے کے لئے ہی پیدا کئے گئے ہیں تو انسان کا راہ خدا میں قتل ہو جانا کتنا بہتر ہے؟
❁ اے آلِ احمدؐ! تم پر خدا کا درود وسلام ہو! اور میں بھی خود کو دیکھ رہا ہوں کہ بہت جلد تمہارے پاس سے کوچ کرنے والا ہوں۔

تاریخ اعثم کوفی کے مطابق اسی منزل پر فرزدق شاعر کی امام علیہ السلام کے ساتھ ملاقات ہوئی، جبکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ منزلِ صفاح پر یہ ملاقات ہوئی تھی، لیکن سید بن طاوس فرماتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے مذکورہ اشعار فرزدق ہی کے اس استفسار پر ارشاد فرمائے تھے، جب اس نے پوچھا کہ: ''آپ کوفیوں سے کیسی امیدیں وابستہ کر کے ان کی طرف جا رہے ہیں جبکہ وہ آپ کے چچازاد بھائی مسلمؑ کو قتل کر چکے ہیں؟!''

امام عالیمقامؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا، خدا مسلم پر رحمت فرمائے، مسلم خدا کی رحمت، بہشت اور رضوان کو سدھار گئے اور جو کچھ ہمارے ذمہ ہے وہ ہم نے پورا کرنا ہے اس کے بعد مندرجہ بالا اشعار پڑھے۔

۱۲۔ زرود
(پیر ۲۱/ذی الحجہ ۶۰ھ)

(معجم البلدان جلد ۴ ص ۳۲۷، مراصد الاطلاع جلد ۲ ص ۶۶۴ میں ہے کہ) کوفہ کی طرف سے مکہ جانے والوں کے راستے میں ''ثعلبیہ'' اور ''خزیمیہ'' کے درمیان ایک جگہ کا نام ''زرود'' ہے اس کا خزیمیہ سے ایک میل کا فاصلہ ہے، یہاں پر ایک بہت بڑا حوض ہے، جبکہ مراصد الاطلاع کے مطابق یہ جگہ مکہ کے راستے پر ''رمل'' کے بعد واقع ہے، اور یہاں پر قصرِ اصفر بھی ہے، شاید وہی قصرِ زرود ہو، زرود کے مقام پر ایک خاص واقعہ رونما ہو چکا ہے جسے ''یومِ زرود'' کہتے ہیں۔

بہر حال (حیاۃ الامام الحسینؑ جلد ۳ ص ۶۶، الامام الحسینؑ واصحابہ ص ۱۶۶ میں ہے کہ) کاروانِ عزم ووفا ۲۱/ذی الحجہ بروز پیر یہاں پر پہنچا، امام علیہ السلام نے یہاں سے کچھ فاصلے پر چند خیمے لگے ہوئے دیکھے، پوچھا یہ خیمے کس کے ہیں؟ بتایا گیا زہیر بن قین کے ہیں!

زہیر بن قین سے ملاقات:

زہیر بن قین کا شمار ”شیعیانِ عثمان“ میں ہوتا تھا، اسی سال وہ حج بیت اللہ سے فارغ ہونے کے بعد واپس کوفہ جارہے تھے۔

بنی فزارہ اور بجیلہ کے کچھ افراد بھی زہیر کے ہم سفر تھے، ان کا بیان ہے کہ ہم حج بیت اللہ کی ادائیگی کے بعد گھروں کو لوٹ رہے تھے، راستے میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ساتھ مگر دور ہو کر چل رہے تھے، جب امامؑ کا قافلہ کسی جگہ پر پڑاؤ کرتا تو ہم اس سے دور کسی مقام پر قیام کرتے، مگر ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہمیں مجبوراً ان کے قریب ایک جگہ پر قیام کرنا پڑا، اور یہ جگہ ”زرود“ نامی تھی۔

ہم یہاں پر زُہیر کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ اچانک حسین بن علیؑ کا قاصد ہمارے پاس آن پہنچا۔ سلام کے بعد کہنے لگا: ”زُہیر! مجھے ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام نے آپ کی طرف بھیجا ہے اور وہ آپ کو ملاقات کیلئے بلا رہے ہیں“ یہ سن کر ہم سب نے کھانے سے ہاتھ اٹھا لئے، اور ہم پر سناٹا چھا گیا، چونکہ زُہیر ملاقات نہیں کرنا چاہتے تھے لہٰذا ملاقات کیلئے لیت و لعل سے کام لینے لگے۔

ابومخنف کے بقول زُہیر کی زوجہ جس کا نام ”دلھم“ یا بروایتے ”دیلم بنت عمرو“ تھا یہ ماجرا دیکھ رہی تھی، کہنے لگی: ”سبحان اللہ!! فرزند رسول آپ کو یاد فرما رہے ہیں اور آپ جانے کیلئے پس و پیش سے کام لے رہے ہیں، کیا ہو جائے گا کہ آپ ان کے پاس جائیں اور ہو کر واپس آجائیں!!“

زُہیر بوجھل جسم کے ساتھ اٹھے اور خدمت امامؑ میں چل دیئے، مگر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ مسرور و شاداں واپس آگئے اور آتے ہی حکم دیا کہ تمام خیمے اور اسباب امام علیہ السلام کے خیام کے ساتھ منتقل کر دیئے جائیں، اور ساتھ ہی اپنی زوجہ سے کہا کہ: ”میں نے تمہیں طلاق دے دی ہے، لہٰذا تم اپنے میکے چلی جاؤ، کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں میری طرف سے خیر و خوبی کے علاوہ کچھ اور دیکھنا نصیب ہو، میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں رہوں اور اپنی جان ان کے قدموں پر نچھاور کر دوں اور میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے کسی ایسی حالت میں دیکھو جس سے تم پریشان ہو جاؤ!!“

(طبری جلد ۵ ص ۷۸ جلد ۶ ص ۲۲۴، اعیان الشیعہ ص ۱۸۴، مقتل ابن نما ص ۲۳، الملہوف ص ۳۰ میں ہے کہ)

اس کے بعد اس کے حق و حقوق ادا کرتے ہوئے بہت سا مال و متاع اس کے سپرد کیا اور اس کے چچازاد بھائیوں کے ہمراہ اس کے میکے روانہ کر دیا، نیک دل خاتون نے جب اپنے شوہر کا مصمم ارادہ دیکھ لیا تو رو کر اس سے خدا حافظی کی اور کہا:

''خدا آپ کا یار و مدد گار ہو اور اس سفر میں آپ کو خیر و خوبی عطا کرے میری اتنی التجا ہے کہ جب بروز قیامت حسینؑ کے نانا سے ملاقات کریں تو مجھے بھی ضرور یاد کر لینا''

جبکہ بعض روایات کے مطابق اس معظمہ نے زہیر سے کہا:

''افسوس ہے زہیر! میں نے ہی مولاؑ کی خدمت میں جانے پر آمادہ کیا مگر آپ مجھے اس سعادت سے محروم کر رہے ہیں؟ لہٰذا زہیر اسے بھی اپنے ساتھ لے گئے۔''

(ارشاد شیخ مفید ص ۱۵۳، مقتلِ خوارزمی، تاریخ ابن اثیر جلد ۴ ص ۱۷ جلد ۲ ص ۵۰ میں درج ہے کہ) اس کے بعد زُہیر نے اپنے دیگر ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا:

جو میرے ساتھ آنا چاہتا ہے، بسم اللہ!! جو نہیں آنا چاہتا اس کی مرضی! اس کے ساتھ ہماری یہ آخری ملاقات ہے، البتہ ایک حدیث میں آپ سب کو سنائے دیتا ہوں اور وہ یہ کہ: ''جب ہم ۳۲ ھ میں بحیرہ خزر کے ایک شہر ''بلنجر'' کی فتح کیلئے گئے تو ہم نے وہاں پر جنگ کی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح و نصرت کے ساتھ ہمکنار فرمایا اور بہت سی غنیمتوں سے نوازا، اس جنگ میں سلمان باہلی ___ یا بروایتے سلمان فارسی ___ بھی موجود تھے جنہوں نے ہماری خوشی اور مسرت کو دیکھ کر کہا: آیا آپ لوگ اس فتح و کامیابی پر مسرور و شاداں ہیں؟

تو ہم نے کہا: ''یقیناً'' تو انہوں نے کہا:

جب تم فرزند رسولؐ، سید شباب آلِ محمدؐ کے ہم رکاب ہو کر جنگ کرو گے تو جو غنیمت تمہیں وہاں ملے گی ،تم وہاں پر اس سے زیادہ خوشی مناؤ گے، اس لئے کہ اخروی غنیمت دنیا کی غنیمت سے گئی گنا زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور آخرت کا ثواب، دنیوی جزا سے کہیں بہتر ہے''

یہ کہا اور ان کو الوداع کہہ کر خدمتِ امام میں چلے گئے۔

(اثبات الھداۃ جلد ۲ ص ۸۸۵، دلائل الامامۃ ص ۷۴ میں ہے کہ) سفرِ حج میں زُہیر کے ساتھی ابراہیم بن سعید کا کہنا ہے کہ:

''جب زہیر امامؑ کی خدمت میں پہنچے تو امام نے ان سے فرمایا:

''میں کربلا میں شہید ہو جاؤں گا اور میرا سر زحر بن قیس انعام کی لالچ میں یزید کے پاس لے جائے گا، لیکن یزید اسے کچھ بھی نہیں دے گا''۔

بہر حال زہیر بن قین امام عالیمقام علیہ السلام کے ساتھ کربلا پہنچے اور افتخار اور اعزاز کے ساتھ جامِ شہادت نوش فرما کر خدمت رسول میں سرخرو اور سرفراز ہو کر پیش ہوئے''

۱۳۔ ثعلبیہ
(منگل ۲۲/ذیحجہ ۶۰ھ)

(مراصد الاطلاع جلد ص ۲۷۶) یہ جگہ بنی اسد کے ایک شخص ''ثعلبہ'' نامی سے منسوب ہے جس نے یہاں پانی کیلئے کنواں کھودا تھا، مکہ کے راستے پر شقوق کے بعد واقع ہے۔ یہاں ایک گاؤں تھا جواب ختم ہو چکا ہے۔

(الامام الحسینؑ واصحابہ جلد ا ص ۱۹۶ میں ہے کہ) زُہیر بن قین کی ملاقات کے بعد امام عالی مقام علیہ السلام نے ''زرود'' سے کوچ فرمایا اور ۲۲/ذیحجہ بروز منگل بوقت غروب اسی جگہ پر پہنچے۔

مسلم بن عقیلؑ کی خبرِ شہادت

(ارشاد شیخ مفید علیہ الرحمہ جلد ۲ ص ۷۳ میں ہے کہ)

عبداللہ بن سلیمان اور منذر بن مُشمعل اسدی روایت کرتے ہیں کہ جب ہم مناسک حج بجالا چکے تو ہماری پہلی کوشش یہی تھی کہ جتنا جلدی ہو سکے اپنے آپ کو حضرت امام حسین علیہ السلام تک جا پہنچائیں اور ان کے حالات سے باخبر ہو جائیں، چنانچہ ہم نے جلدی جلدی سفر کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ منزلِ ''زرود'' پر پہنچ گئے، یہاں پر قیام کی غرض سے سامان اتارا، تو دیکھا کہ ناگاہ دور سے اہلِ کوفہ میں سے ایک شخص گرد و غبار میں سے ظاہر ہوا، لیکن جب اس نے امام حسین علیہ السلام کو دیکھا تو اپنا اصل راستہ تبدیل کر لیا، امام علیہ السلام نے ایک لحہ تک تو انتظار کیا کہ اس سے ملاقات کریں لیکن ایسا نہ ہو سکا اور امام نے اپنا سفر جاری رکھا۔

ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس شخص کے پاس جا کر کوفہ کے احوال و حوادث کے بارے میں معلوم کریں، چنانچہ ہم جلدی سے اس کے پاس گئے اور سلام کیا

اس نے کہا: وعلیکم السلام

ہم نے پوچھا: کون ہوتے ہو؟

کہا: اسدی

ہم نے کہا: ہم بھی اسدی ہیں، تمہارا کیا نام ہے؟

کہا: بکر یا بکیر بن مثعبہ!

ہم نے بھی اپنا نام ونسب بتایا اور اس سے پوچھا: ''کوفہ کے کیا حالات ہیں؟''

اس نے کہا جب میں کوفہ سے نکل رہا تھا تو دیکھا کہ اس وقت مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کے پاؤں میں رسی باندھ کر بازار میں گھسیٹا جا رہا تھا۔

پس ہم اسے اپنے ساتھ لے کر خدمت امامؑ میں حاضر ہوئے اور اس وقت رات ہو چکی تھی اور امام بھی منزلِ ثعلبیہ میں فروکش ہو چکے تھے۔

امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر ہم نے سلام کیا، امام نے سلام کا جواب دیا، ہم نے عرض کیا:

اللہ کی آپ پر رحمتیں ہوں! ہم ایک خبر لائے ہیں اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں تو یہیں پر سب کے سامنے بتا دیں ورنہ تنہائی میں عرض کرتے ہیں،

امامؑ نے ہماری اور اپنے اصحاب کی طرف دیکھا اور فرمایا:

''ہم ان سے کوئی بات نہیں چھپاتے!''

ہم نے عرض کیا:

اُس سوار کو تو آپ نے دیکھا ہوگا جو ہماری طرف آ رہا تھا؟

فرمایا: ہاں!

عرض کیا: وہ ہمارے قبیلہ ــــ بنی اسد ــــ سے تعلق رکھتا ہے، صاحب الرائے، راست باز اور عقل مند انسان ہے، اس نے بتایا ہے کہ مسلم اور ہانی کو شہید کر کے ان کی لاشوں کو بازار میں گھسیٹا جا رہا تھا، یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے''

یہ سن کر امام عالیمقامؑ نے فرمایا:

''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ ،رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمَا'' (خدا ان پر رحمت نازل کرے) آپ نے اسی گفتگو کو کئی بار دہرایا۔

پھر ہم نے عرض کی:

مولاؑ آپ کو خدا کی قسم آپ اپنے اہلِ بیتؑ کو لے کر یہاں سے واپس لوٹ جائیں، کیوں کہ اب کوفہ میں آپ کا کوئی بھی یار و مددگار نہیں رہا ہے، ہمیں ڈر ہے کہ کوفہ والے کہیں آپ کی دشمنی کیلئے کھڑے نہ ہو جائیں۔

تو اس وقت امامؑ نے اولادِ عقیل کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

''اب جب کہ مسلم شہید ہو چکے ہیں، آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟''

سب نے یک زبان ہو کر کہا: ''ہم واپس ہرگز نہیں جائیں گے، ہم مسلم کا انتقام لیں گے یا خود شہید ہو جائیں گے''

امام علیہ السلام نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

''لَا خَيْرَ فِي الْعَيْشِ بَعْدَ هٰؤُلَاءِ'' ان کے بعد دنیوی زندگی میں کوئی خیر نہیں ہے۔

جب ہم نے سمجھ لیا کہ امام علیہ السلام اپنے ارادے میں پختہ ہیں اور اپنے سفر کو جاری رکھنا چاہتے ہیں تو عرض کیا: ''ہم آپ کیلئے خداوند عالم سے رحمت کی دعا کرتے ہیں''

تو امام نے فرمایا:

''رَحِمَكُمَا اللّٰه'' خدا تم دونوں پر رحم کرے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام کے اصحاب نے عرض کیا:

''مولاؑ خدا کی قسم! کوفہ میں آپ کی اور جناب مسلم کی نوعیت میں بہت فرق ہے، جب آپ کوفہ میں تشریف لے جائیں گے تو وہاں کے لوگ بڑی حد تک آپ کی طرف لوٹ آئیں گے''

امام علیہ السلام یہ سن کر خاموش ہو گئے اور کچھ نہیں بولے!!

بعض مورخین لکھتے ہیں جیسے (بحار الانوار جلد ۴۴ ص ۳۷۴) میں ہے کہ جب حضرت مسلم کی شہادت کی خبر امام علیہ السلام تک پہنچی تو جو لوگ مال و مقام کی لالچ میں آپ کے ہمراہ ہوئے تھے، آپ سے جدا ہو گئے اور آپ کو تنہا چھوڑ کر چل دیئے، آپ کے ساتھ صرف اہلِ بیتؑ اور کچھ خاص صحابی رہ گئے تھے۔

بعض روایات کے مطابق جب امام عالیمقامؑ نے جناب مسلم بن عقیلؑ کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا:

''رَحِمَ اللّٰهُ مُسْلِمًا فَقَدْ صَارَ اِلٰى رَوْحِ اللّٰهِ وَرَيْحَانِهِ وَجَنَّتِهِ وَرِضْوَانِهِ ، اَمَا اَنَّهُ قَدْ مَضٰى مَا عَلَيْهِ وَبَقِيَ مَا عَلَيْنَا'' خدا مسلم پر رحمت نازل کرے وہ تو رحمت الٰہی، بہشتِ بریں اور ر

ضوان اللہ کی طرف چلے گئے، اپنی ذمہ داریوں کو خوب نبھایا، اب ہماری ذمہ داری باقی رہ گئی ہے جسے ہم نے خوب نبھانا ہے۔

امام کے معنی؟

اسی منزلِ ثعلبیہ پر ایک شخص نے حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۷۱ ''یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ'' کے بارے میں سوال کیا، جس کے معنی ہیں ''ہم قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ پکاریں گے''

تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

''ایک امام یعنی پیشوا تو وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو سیدھی راہ کی ہدایت کرتا ہے اور لوگ بھی اس کا کہنا مان کر اس پر عمل کرتے ہیں اور ایک امام و پیشوا وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو ضلالت و گمراہی کی طرف دعوت دیتا ہے اور لوگ اس کا کہنا مان کر اس کے پیچھے ہو لیتے ہیں تو پہلا یعنی راہ راست والا گروہ بہشت میں اور دوسرا یعنی ضلالت و گمراہی والا گروہ جہنم میں ہوگا، اسی بارے میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے ''فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ'' ایک گروہ بہشت میں اور ایک گروہ جہنم میں ہوگا (سوہ شوریٰ/۷)

ابو ہرہ ازدی کو جواب:

(سیر اعلام النبلاء جلد ۳ ص ۲۰۵) میں درج ہے کہ کوفہ کے رہنے والے ایک اور شخص ابو ہرہ ازدی نے اسی منزل پر ہنگامِ صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کیا اور عرض گزار ہوا:

''فرزند رسولؐ! کیا چیز آپ کو حرم خدا اور حرمِ رسول خدا سے یہاں لے آئی ہے؟''

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''ابو ہرہ! بنی امیہ نے ہمارا مال ہم سے چھین لیا، ہماری حرمت کا احترام دل سے نکال دیا، مگر میں نے صبر کیا، اب یہ لوگ میرے خون کے پیاسے ہیں جس کی وجہ سے میں حرم الٰہی کو الوداع کہہ کر ادھر کو آیا ہوں، خدا کی قسم یہ ظالم و طاغوتی گروہ مجھے قتل کر کے ہی رہے گا، جس کے نتیجے میں خداوند عالم ان کو ذلت کا لباس پہنائے گا، اور ان کے قتل کیلئے شمشیرِ بُرّاں فراہم کرے گا اور ان پر ایک ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو ان کو قومِ سبا سے بھی زیادہ ذلیل و خوار کرے گا کہ ان پر ایک عورت نے حکومت کی تھی

اوران کے اموال اور خون کے سلسلے میں ذرہ بھر بھی رحم سے کام نہیں لیا تھا"

ایک اور شخص کو جواب:

(کافی ج ۱ ص ۳۹۸، بصائر الدرجات ص ۱۱ میں ہے کہ) یہیں پر کوفہ کے ایک اور شخص نے حضرت امام عالیمقام کے حضور شرفیاب ہو کر کچھ باتیں کیں تو امامؑ نے اس سے فرمایا:

"اَمَا وَاللّٰهِ لَوْ لَقِيْتُکَ بِالْمَدِيْنَةِ لَاَرَيْتُکَ اَثَرَ جِبْرَآئِيْلَ فِيْ دَارِنَا وَنُزُوْلِهٖ بِالْوَحْيِ عَلٰى جَدِّيْ، يَا اَخَا اَهْلِ الْکُوْفَةِ! اَمِنْ عِنْدِنَا مُسْتَقَى الْعِلْمِ اَفَعَلِمُوْا وَجَهِلْنَا؟ هٰذَا مِمَّا لَا يَکُوْنُ"

تم یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ ہماری تمہاری ملاقات مدینہ میں ہوتی تو میں تمہیں اپنے گھر میں جبرائیل کے نشانات اور وقتِ وحی اس کے نزول کی جگہ دکھاتا، اے برادرِ کوفی! ہمارے ہی ہاں سے علم کے سوتے پھوٹتے ہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ ان لوگوں کو تو سب کچھ کا علم ہو اور ہم بے خبر رہیں؟ یہ قطعاً ناممکن ہے۔

دخترِ مسلمؑ کی بے چینی

(کتاب الامام الحسینؑ واصحابہ ص ۱۷۴ کے مطابق) امام عالیمقامؑ کے اسی قافلہ نور میں جہاں اور مخدراتِ عصمت وطہارت شریکِ سفر تھیں وہاں امام کی بیٹیوں کے ساتھ حضرت مسلمؑ کی ایک تیرہ (۱۳) سالہ بچی بھی تھی، جب امام علیہ السلام کو حضرت مسلمؑ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ سراپردۂ عصمت میں تشریف لے گئے اور اس معصوم بچی کو بلا کر پیار کیا، سر چوما اور دیر تک سر پر ہاتھ پھیرتے رہے، بچی نے یہ کیفیت دیکھ کر عرض کیا:

"فرزندِ رسولؐ! میرے ساتھ ایسے اظہارِ ہمدردی کر رہے ہیں جیسے یتیموں کے ساتھ کیا جاتا ہے، کہیں میرا بابا شہید تو نہیں ہو گیا؟"

امام علیہ السلام نے رو کر فرمایا:

"بیٹی گھبراؤ نہیں اگر مسلم اس دنیا میں نہیں رہے تو میں تمہارا باپ ہوں، میری بہن تمہاری ماں، میری بیٹیاں تمہاری بہنیں اور میرے بیٹے تمہارے بھائی ہیں"

معصوم بچی نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا، مسلم کے خاندان والوں نے بھی گریہ کرنا شروع کر دیا،

خاندانِ عصمت وطہارت بھی رونے لگ گئیں، غرض خیام میں کہرام برپا ہوگیا اور بیبیوں نے جی بھر کر حضرت مسلم کی سوگواری کی امام عالیمقامؑ بھی سخت آزردہ خاطر ہوئے۔

نصرانی (عیسائی) مسلمان ہوگیا

مقتل کی بعض کتابوں میں ہے کہ منزلِ ثعلبیہ پر ایک نصرانی اپنی والدہ کے ساتھ امام کی خدمت میں حاضر ہوا، دونوں نے امامؑ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا اور پھر آپ ہی کے ساتھ راہی کربلا ہوگئے۔

۱۴۔ زُبالہ
(بدھ ۲۳/ ذی الحجہ ۶۰ھ)

(تاریخ طبری، جلد ۷ ص ۲۹۴، ارشاد شیخ مفید ص ۱۲۳) میں ہے کہ زُبالہ ــ زاء کے پیش کے ساتھ ــ مکہ اور کوفہ کے راستے میں ''واقصہ'' اور ''ثعلبیہ'' کے درمیان ایک منزل کا نام ہے، جہاں پر بنی اسد کا ایک عظیم اور محکم قلعہ بھی ہے۔

کاروانِ امام عالیمقام نے بدھ ۲۳/ ذی الحجہ ۶۰ھ کی صبح کو ''ثعلبیہ'' سے سفر کرنا شروع کیا اور اسی روز ''زُبالہ'' پہنچ گیا۔

یہاں پہنچنے پر محمد بن اشعث اور عمر بن سعد کی طرف سے بھیجے جانے والے قاصد نے آپؑ سے ملاقات کی اور مسلم کا خط آپ کی خدمت میں پیش کیا کیوں کہ حضرت مسلم نے بعنوانِ وصیت ان لوگوں سے کہا تھا کہ ان کا یہ خط حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچایا جائے۔

امام علیہ السلام نے خط پڑھا جس سے حضرت مسلم اور ہانی بن عروہ کی خبر شہادت کی تصدیق ہوگئی، بعض مورخین کے مطابق یہیں پر آپ کو اپنے قاصد عبداللہ بن یقطر اور قیس بن مسہر صیداوی کی خبر شہادت بھی ملی، امام علیہ السلام نے وہ خط اپنے تمام یاروانصار کو سناتے ہوئے فرمایا:

اما بعد: ''فَاِنَّهُ قَدْ اَتَانَا خَبَرٌ فَظِيْعٌ قُتِلَ مُسْلِمُ بْنُ عَقِيْلٍ وَّهَانِى بْنِ عُرْوَةَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُقْطُرِ وَقَدْ خَذَلَتْنَا شَيْعَتُنَا فَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمُ الْاِنْصِرَافَ فَلْيَنْصَرِفْ لَيْسَ عَلَيْهِ مِنَّا

ذِمَامٌ"

امابعد: ابھی ہمیں مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی ہولناک خبر موصول ہوئی ہے، اور ہمارے ماننے والوں نے ہماری نصرت سے ہاتھ اٹھالیا ہے، اب تم میں سے جو شخص واپس جانا چاہتا ہے بڑی خوشی سے جاسکتا ہے، ہم نے اس کی گردن سے اپنا حق اٹھالیا ہے۔

شیخ مفید کے بقول:

"فَتَفَرَّقَ النَّاسُ عَنْهُ وَاَخَذُوا یَمِیْنًاوَّشِمَالًا حَتّٰی بَقِیَ فِی اَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ جَآءُ وا مَعَهٗ مِنَ الْمَدِیْنَةِ وَنَفَرٌ یَّسِیْرٌ مِمَّنِ انْضَمُّوا اِلَیْهِ"

ابھی خطبہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ بے وفا لوگوں نے ادھر ادھر کھسکنا شروع کر دیا اور آپ کے ساتھ وہی خالص دوست باقی رہ گئے جو مدینہ سے ہمراہ ہوئے تھے یا کچھ لوگ جو راہ میں آن ملے تھے۔

امام علیہ السلام نے یہ اس لئے کیا تھا کیوں کہ بہت سے عربوں نے یہ سمجھ کر آپ کی معیت اختیار کی تھی کہ آپ فاتح خیبر کے فرزند ہیں دشمن سے جنگ کریں گے اس پر فتحیاب ہوں گے اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آئے گا ہمارے وارے نیارے ہو جائیں گے، لیکن جب انہیں معلوم ہو گیا کہ اصحابِ حسینؑ تو شہید ہو جائیں گے نہ جنگ میں فتح اور نہ مالِ غنیمت، تو وہ امامؑ کا ساتھ چھوڑ کر چلتے بنے

جیسا کہ ابھی بتایا جا چکا ہے کہ امام عالیمقامؑ کو اسی منزل پر اپنے قاصد عبداللہ بن یقطر اور قیس بن مسہر صیداوی کی شہادت کی اطلاع بھی ملی۔

قیس بن مسہر صیداوی کی شہادت کے واقعات منزل 'بطن الرمہ' کے حالات میں بیان ہو چکے ہیں، البتہ (کتاب انساب الاشراف جلد۳ ص ۱۶۸، الامام الحسین واصحابہ ص ۱۶۷) میں عبداللہ بن یقطر کے حالات کچھ اس طرح ہیں کہ جب حضرت سید الشہداءؑ نے مکہ معظمہ روانگی کے بعد مسلم بن عقیلؑ کے نام خط لکھ کر کوفہ روانہ کیا تو، عراقی حدود کی سخت نگرانی کی وجہ سے قادسیہ کے مقام پر ابن زیاد کے پولیس چیف، حصین بن نمیر نے انہیں گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیج دیا۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ انہیں دارالامارہ کی چھت پر لے جایا جائے اور وہاں پر جا کر وہ سب لوگوں کے سامنے حسینؑ اور اس کے باپ علیؑ کو ___ نعوذ باللہ ___ ناسزا کہے، چنانچہ جب عبداللہ کو محل کی چھت پر لے جایا گیا تو انہوں نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''لوگو! میں حسینؑ بن فاطمہؑ بنت رسول اللہ کا قاصد ہوں، لہٰذا تمہارا فرض بنتا ہے کہ ان کی مدد کیلئے جلدی کرو، اس مرجانہ کے بیٹے ابن زیاد ملعون کے خلاف اٹھ کھڑے ہو جاؤ''

ابن زیاد نے جب یہ کیفیت دیکھی تو اس نے حکم دیا کہ ''اسے چھت سے زمین پر گرا دیا جائے'' چنانچہ جب انہیں زمین پر گرایا گیا، تو ان کی ہڈی پسلیاں ٹوٹ گئیں، ابھی رمقِ جان باقی تھی کہ عبدالملک بن عمر نامی شخص نے آگے بڑھ کر تلوار سے ان کا سر قلم کر دیا، جب لوگوں نے اسے ایسا کرنے پر لعنت ملامت کی تو اس نے کہا: ''جب میں نے اسے سخت تنگی کی حالت میں دیکھا تو اسے اس مشکل سے چھٹکارہ دلانے کیلئے ایسا کیا ہے''

۱۵۔ القاع
(جمعرات ۲۴/ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ)

________ (معجم البلدان جلد ۴ ص ۲۹۸) کے مطابق ''القاع'' مکہ معظمہ کی طرف جانے والے راستے میں ''منزلِ عقبہ'' کے بعد اور ''منزلِ زبالہ'' سے پہلے ہے۔

تاریخ طبری میں ابومخنف سے نقل کیا گیا ہے کہ قبیلہ بنی عکرمہ کا ایک شخص ''لوزان'' راوی ہے کہ اس کا ایک رشتہ دار عمرو بن لوزان ___ یا عم لوزان ___ نے اس منزل پر سوال کیا کہ:

''____ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ ____''

فرمایا: کوفہ !!

آپ کو خدا کا واسطہ آپ یہیں سے واپس چلے جائیں، کیوں کہ آپ جدھر کو جا رہے ہیں ادھر آپ کا استقبال نیزوں اور تلواروں سے کیا جانے والا ہے، جن لوگوں نے آپ کو خطوط روانہ کئے یا قاصد بھیجے ہیں وہی لوگ آپ کے خلاف جنگ کے اخراجات برداشت کر کے ہر طرح کی تیاری میں مصروف ہیں۔

آپ کا عزم و استقلال قابلِ تحسین ہے، لیکن جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے، ''مصلحت اس میں ہے کہ آپ کوفہ نہ جائیے!!''

فرمایا:

''يَا عَبْدَ اللّٰهِ! لَيْسَ يَخْفٰى عَلَيَّ الرَّأْىُ، وَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُغْلَبُ عَلٰى اَمْرِهٖ، اِنَّهُمْ لَنْ يَّدَعُوْنِىْ

حَتّٰی یَسْتَخْرِجُوا هٰذِهِ الْعُلْقَةَ مِنْ جَوْفِی فَاِذَا فَعَلُوْا ذَالِکَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مَنْ یُذِلُّهُمْ حَتّٰی یَکُوْنُوْا اَذَلَّ فِرَقِ الْاُمَمِ"

اے بندہ خدا! جو کچھ تم نے کہا ہے وہ مجھ سے بھی پوشیدہ نہیں ہے، لیکن تقدیدالٰہی پر کوئی غالب نہیں آسکتا، یہ لوگ مجھ سے اس وقت تک دست بردار ہونے والے نہیں جب تک کہ وہ میرا خون نہ بہالیں اور جب وہ ایسا کریں گے تو خداوند عالم ان پر ایسے شخص کو مسلط کرے گا کہ جوانہیں تمام امتوں میں ذلیل ترین امت بنا کے چھوڑے گا۔

۱۶۔ عقبۃ البطن ــــــــ یا بطن العقبہ
(جمعہ ۲۵/ذی الحجہ ۶۰ھ)

(مراصد الاطلاع ج ۳ ص ۹۴۸ کے مطابق) مکہ معظمہ کی طرف جانے والوں کے راستے میں منزل "واقصہ" کے بعد اور منزل "قاع" سے پہلے ایک منزل کا نام ہے، بعض حضرات نے اسے "بطن العقبہ" بھی لکھا ہے۔

یہاں پر قبیلہ بنی عکرمہ کے سردار بکر بن وائل کا کنواں بھی ہے۔

(الامام الحسین واصحابہ ص ۱۸۰) میں ہے کہ، کاروان نور بروز جمعہ ۲۵/ذی الحجہ ۶۰ھ کو یہاں پہنچا۔

(کامل الزیارۃ ص ۷۵) میں ایک روایت درج کی گئی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام عقبۃ البطن سے کچھ اوپر کو پہنچے تو اپنے یار وانصار سے فرمایا:

"میں اپنے آپ کو قتل ہوتے دیکھ رہا ہوں"

اصحاب نے پوچھا: "یا اباعبداللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟"

فرمایا: "وجہ وہی ہے جو میں نے خواب میں دیکھی ہے"

پوچھا: کیا خواب؟

فرمایا:

"فَاِنِّی رَأَیْتُ فِی الْمَنَامِ کِلَابًا تَنْتَهِشُنِی وَاَشَدُّهَا عَلَیَّ کَلْبٌ اَبْقَع"

میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ بہت سے کتے مجھ پر حملہ ور ہو چکے ہیں اور سب سے زیادہ حملے ایک

دوڑ لگا کر رہا ہے۔

۱۷۔ شَراف
(ہفتہ ۲۶/ذی الحجہ ۶۰ھ)

(معجم البلدان حرف شین، الامام الحسین واصحابہ ص ۱۸۱ میں درج ہے کہ) شراف، شین کی زبر کے ساتھ، قبیلہ بنی وہب کے ایک شخص بنام شَراف یا اشراف نے یہاں پر پانی کیلئے کنویں کھودے تھے جن کا پانی نہایت شیرین اور خوشگوار تھا۔

(الامام الحسینؑ واصحابہ ص ۱۸۱) میں ہے کہ، یہ جگہ مکہ مظمہ سے کوفہ کی طرف آنے والے راستہ پر ہے، واقصہ اور قرعاء کے درمیان، احساء سے یہاں تک کا فاصلہ ۸ (آٹھ) میل بنتا ہے۔

جو شخص مکہ سے کوفہ کا سفر اختیار کرتا ہے اس کے لئے عقبۃ البطن کے بعد دوسری منزل ''واقصہ'' ہے جسے ''واقصۃ الحزون'' بھی کہتے ہیں......

میں پڑاؤ کرتا ہے، مگر امام عالیمقام نے ایسا نہیں کیا، بلکہ اس سے اگلی منزل یعنی شراف میں قیام کو ترجیح دی، اس کی وجہ شراف میں پانی کی فراوانی تھی۔

ابو مخنف، عبداللہ بن سلیم اور بنی اسد کے ایک اور شخص سے نقل کرتے ہیں کہ:

''امام حسین علیہ السلام کا کاروانِ نور، منزلِ شراف میں اترا، رات کو یہیں قیام کیا، دن کو بوقتِ سَحر ساقیٔ کوثر کے فرزند نے اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ اپنے ساتھ زیادہ سے زیادہ پانی کی مشکیں بھر کر چلیں''

ادھر جب عبیداللہ بن زیاد کو معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ مکرمہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں تو اس نے اپنی پولیس کے سربراہ ''حصین بن نمیر___ یا بقولے ابن تمیم'' کو فوج کا سربراہ بنا کر ''قادسیہ'' کی طرف روانہ کر دیا، کیونکہ قادسیہ حجاز کی طرف سے عراق کی جانب آنے والے راستے کا ایک مرکزی مقام تھا۔

چنانچہ اس نے آتے ہی اپنی زیر کمان فوج کو ''قادسیہ'' سے ''خفان'' تک اور ''قطقطانیہ'' سے ''لعلع'' تک، نیز ''واقصہ'' سے شام اور بصرہ کی راہوں پر اپنی ڈیوٹی سنبھالنے کا حکم دیا، اور ساتھ ہی یہ بھی تاکید کر دی کہ تمام راستوں کی اچھی طرح نگرانی کریں اور ہر آنے جانے والے پر کڑی نگاہ رکھیں۔

چونکہ امام علیہ السلام بھی اپنے ساتھیوں سمیت روانہ ہو چکے تھے کہ اثناءِ راہ میں انہیں عربوں کا ایک گروہ ملا، امامؑ نے ان سے راستے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے یہی کہا کہ: ''ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ نہ تو کہیں پر جا سکتے ہیں اور نہ ہی کہیں سے آ سکتے ہیں''

امام نے بہر حال اپنا سفر جاری رکھا اور چونکہ حصین بن نمیر کے ساتھ چار ہزار کا لشکر تھا، اس نے ایک ہزار کا لشکر حُر بن یزید ریاحی کی کمان میں دے دیا جبکہ بعض روایات کے مطابق حُر ایک ہزار کا لشکر لیکر براہ راست کوفہ سے امام علیہ السلام کی نگرانی پر مامور ہوا۔

سلطان کم سپاہ فرزندِ رسول خداؐ کے قافلہ میں جو دو اسدی آدمی تھے وہ روایت کرتے ہیں کہ ''امامؑ کے قافلہ سے کسی نے راستے کے درمیان جبکہ ظہر کا وقت بھی قریب ہو رہا تھا، اچانک نعرہ تکبیر بلند کیا، امام علیہ السلام نے بھی ''اللہ اکبر'' کہا، اور ساتھ ہی پوچھا کہ ''کس وجہ سے یہ نعرہ بلند کیا ہے؟'' کہا مجھے وہ سامنے سے خرما کے کچھ درخت نظر آ رہے ہیں!!، ان دونوں اسدیوں نے کہا ''یہاں پر خرما کا ایک درخت بھی موجود نہیں ہے'' امام علیہ السلام نے ان سے پوچھا: ''تو پھر تم کیا سمجھتے ہو؟'' انہوں نے کہا: ''دشمن کے لشکر کے نیزے اور ان کے گھوڑوں کی گردنیں معلوم ہوتی ہیں''

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''میں بھی یہی سمجھتا ہوں''

پھر پوچھا:

''آیا ادھر کہیں پر کوئی ایسی پناہ گاہ موجود ہے جہاں پر ہم جا کر اسے اپنی پشت پر قرار دیں اور دشمن ہمارے سامنے رہے اور صرف ایک ہی طرف سے ہم اس کے روبرو ہوں!!''

انہوں نے کہا: ہاں! یہاں سے بائیں جانب ''ذوحُسَم'' نامی ایک جگہ ہے، یہ سن کر امام علیہ السلام نے ادھر کو چلنے کا حکم دیا، جبکہ دشمن کی فوج بھی اُسی طرف کو بھاگے آ رہی تھی، مگر امام کا قافلہ ان سے پہلے پہنچ چکا تھا۔

۱۸۔ ذوحُسَم
(اتوار، ۲۷/ ذی الحجہ ۶۰ ھ)

(مقتل الحسین مقرم ص ۱۸۲) میں ہے کہ ''ذوحُسَم'' ایک پہاڑ کا نام ہے، جہاں نعمان بن منذر شکار کھیلا کرتا تھا۔
۲۷/ ذی الحجہ بروز اتوار امام علیہ السلام کا نوری کاروان اس منزل پر پہنچ گیا اور حکم دیا کہ یہیں پر خیمے نصب کئے جائیں۔

حر کی ملاقات:

ظہر کا وقت تھا کہ حر بن یزید ریاحی اپنے ایک ہزار لشکر کے ساتھ یہاں پہنچ گئے اور امام علیہ السلام کے قافلے کے سامنے آ کھڑے ہوئے، امام علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ ''ان لوگوں کو بھی سیراب کرو اور ان کے جانوروں کو بھی جی بھر کے پانی پلاؤ!'' امامؑ کا حکم پا کر آپ کے ساتھیوں نے دشمن کے لشکر اور ان کے گھوڑوں کو خوب خوب سیراب کیا، چنانچہ اب پتہ چلا کہ امام علیہ السلام نے منزلِ شراف پر اپنے جوانوں کو زیادہ سے زیادہ پانی اپنے ساتھ لے چلنے کا حکم کیوں دیا تھا؟

علی بن طعان کہتا ہے کہ:

میں حر کے لشکر میں تھا مگر کسی وجہ سے لشکر سے پیچھے رہ گیا تھا لہٰذا دیر سے یہاں پہنچا کہ جب کہ کچھ سیراب ہو چکے تھے، بہت تھکا ہوا اور پیاسا تھا جب امامؑ نے میری اور گھوڑے کی یہ کیفیت دیکھی تو بنفس نفیس میرے پاس مشک لیکر آئے اور فرمایا: ''لو پانی پیؤ!!'' جب میں نے مشک سے پانی پینا چاہا تو پانی مشک کے دہانے سے زمین پر بہنے لگا، اور میں صحیح طور پر پانی نہیں پی سکتا تھا، امامؑ نے فرمایا: ''مشک کے دہانے کو اچھی طرح پکڑو تا کہ پانی نیچے نہ گرے'' میں حواس باختہ تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟ اتنے میں امام علیہ السلام نے مشک کا دہانہ پکڑا اور پانی کو گرنے سے بچایا، اور اپنے ہاتھوں سے مجھے پانی پلایا، تو میں نے بھی خوب سیر ہو کر پانی پیا اور میرے گھوڑے نے بھی۔

بقول خوارزمی۔ امام علیہ السلام نے اس سپاہ سے پوچھا کہ

''تم کون ہو؟'' تو انہوں نے جواب دیا کہ

''ہم امیر عبید اللہ بن زیاد کے سپاہی ہیں''

آپ نے پوچھا: ''تمہارا کمانڈر کون ہے؟''

انہوں نے کہا: ''حر بن یزید ریاحی!''

امامؑ نے حر سے پوچھا کہ:

''ہماری امداد کیلئے آئے ہو یا ہمارے ساتھ جنگ کرنے کیلئے؟''

حر نے جواب دیا کہ: ''ہم آپ کا مقابلہ کرنے اور آپ کو روکنے کیلئے آئے ہیں!''

یہ سن کر امام علیہ السلام نے خدا سے حول اور قوت کی درخواست کی اور کہا:

''لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيم''

غرض سب انسانوں اور جانوروں نے جی بھر کر پانی پیا، جب کچھ دیر ستا لئے تو اتنے میں نماز ظہر کا وقت ہوگیا امام نے اپنے مؤذن ــــ حجاج بن مسروق جعفی ــــ کو اذان کہنے کا حکم دیا، حجاج نے اذان کہی، اقامہ نماز کیلئے امامؑ اپنے خیمے سے باہر تشریف لے آئے اور حر سے فرمایا: ''آپ لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھیں گے یا اپنی علیحدہ جماعت کرائیں گے؟'' انہوں نے عرض کیا: ''نہ! ہم بھی آپ ہی کے ساتھ باجماعت نماز پڑھیں گے''

چنانچہ امام علیہ السلام آگے، آپ کے ساتھی آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور حر اور ان کا لشکر ان کے پیچھے کھڑے ہوئے اور نماز ظہر باجماعت ادا کی۔

امام کا خطاب

نماز کے بعد حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کھڑے ہوگئے اور تلوار کی ٹیک لگا کر حر اور اس کے لشکر سے یوں مخاطب ہوئے:

''اَمَّا بَعْدُ ، اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهَا مَعْذِرَةً اِلَى اللّٰهِ وَاِلَيْكُمْ وَاَنِّىْ لَمْ اٰتِكُمْ حَتّٰى اَتَتْنِىْ كُتُبُكُمْ وَقَدِمَتْ بِهَا رُسُلُكُمْ اَنْ اَقْدِمْ عَلَيْنَا فَاِنَّهٗ لَيْسَ لَنَا اِمَامٌ ، وَلَعَلَ اللّٰهَ اَنْ يَّجْمَعَنَا بِكَ عَلَى الْهُدىٰ ، فَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى ذَالِكَ فَقَدْ جِئْتُكُمْ فَاَعْطُوْنِىْ مَااَطْمَئِنُّ بِهٖ مِنْ عُهُوْدِكُمْ وَمَوَاثِيْقِكُمْ ، وَاِنْ كُنْتُمْ لِمَقْدَمِىْ كَارِهِيْنَ اَنْصَرِفُ عَنْكُمْ اِلَى الْمَكَانِ الَّذِىْ جِئْتُ مِنْهُ اِلَيْكُمْ''

اے لوگو! میری گفتگو تمہارے لئے اتمام حجت ہے اور خدا کی بارگاہ میں ادائے فریضہ ہے، میں تمہارے پاس اس وقت تک نہیں آیا جب تک کہ تمہاری طرف سے میرے پاس تمہارے خطوط اور ایلچی نہیں آئے، اور وہ بھی مسلسل اور پے در پے اور تمہارا کہنا تھا کہ ''ہمارا کوئی امام اور پیشوا نہیں ہے لہٰذا آپ ہمارے پاس تشریف لائیں تاکہ، اس طرح سے اللہ تعالیٰ ہماری ہدایت اور رہنمائی فرمائے'' لہٰذا اگر تم اپنی اس دعوت پر قائم اور اس کے پابند ہو تو اب میں تمہارے پاس آچکا ہوں، لہٰذا میرے ساتھ پختہ عہد کرو کہ میرا ہر طرح سے ساتھ دو گے، لیکن اگر میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں ابھی وہیں کو واپس چلا جاتا ہوں جہاں سے چلا تھا۔

یہ سن کر سب خاموش رہے کوئی مثبت یا منفی جواب نہیں دیا، پھر نماز عصر بھی اسی طرح سب نے امامِ عصر کی اقتدا میں ادا

کی، بعد از نماز امام علیہ السلام نے دوسرا خطبہ ارشاد فرمایا:

"اَمَّا بَعْدُ ، اَیُّھَا النَّاسُ فَاِنَّکُمْ اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ وَتَعْرِفُوا الْحَقَّ لِاَھْلِہٖ یَکُنْ اَرْضیٰ لِلّٰہِ ، وَنَحْنُ اَھْلُ بَیْتِ مُحَمَّدٍ (ص) اَوْلیٰ بِوِلَایَۃِ ھٰذَا الْاَمْرِ مِنْ ھٰؤُلَآءِ الْمُدَّعِیْنَ مَا لَیْسَ لَھُمْ وَالسَّآئِرِیْنَ بِالْجَوْرِ وَالْعُدْوَانِ، وَاِنْ اَبَیْتُمْ اِلَّا الْکِرَاھَۃَ لَنَا الْجَھْلَ بِحَقِّنَا وَکَانَ رَأْیُکُمُ الْآنَ غَیْرَ مَا اَتَتْنِیْ بِہٖ کُتُبُکُمْ اَنْصَرِفُ عَنْکُمْ"

اے لوگو! اگر تم خدا سے ڈرو اور اس بات کو تسلیم کرلو کہ حق کو اہلِ حق کے پاس ہی رہنا چاہئے، تو یہ بات خداوند عالم کی خوشنودی کا موجب ہوگی، اور ہم اہلِ بیتِ محمدؐ لوگوں پر حکومت اور ان کی رہبری کیلئے اِن (بنی امیہ) سے زیادہ شائستہ اور سزاوار ہیں، جو اس مقام کے غلط دعویدار ہیں، اور ہمیشہ ظلم وفساد اور خدا کے ساتھ دشمنی پر کمر بستہ ہیں پر ڈٹے ہوئے ہو، ہم سے روگردانی کر چکے ہو، ہمارے حق کو نہیں سمجھتے اور اب تمہاری وہ مرضی نہیں جو تم نے خطوط میں اور ایلچیوں کے ذریعے ظاہر کی تھی تو میں ابھی اور یہیں سے واپس لوٹ آتا ہوں۔

جب آپ نے خطبہ ختم کیا تو حر نے کہا: "ہمیں ان دعوت ناموں کا کوئی علم نہیں ہے"

اُس وقت امامؑ نے "عقبہ بن سمعان" کو حکم دیا کہ وہ دونوں خورجینیں لے آؤ جو اہلِ کوفہ کے خطوط سے بھری ہوئی ہیں۔

عقبہ بن سمعان وہ خورجینیں امام کی خدمت میں لے آئے، امامؑ نے ان خطوط کا ڈھیر حر کے سامنے رکھ دیا، حر نے دیکھ کر کہا: "ہم نے یہ خطوط نہیں لکھے، ہم تو بس اس بات پر مأمور ہیں کہ آپ کا سامنا کرتے ہی آپ کو ابن زیاد کے پاس لے چلیں"

امامؑ نے مسکرا کر فرمایا:

"اَلْمَوْتُ اَدْنیٰ اِلَیْکَ مِنْ ذَالِکَ"

تو اس وقت تمہاری موت تمہاری اس پیشکش کی نسبت زیادہ قریب ہے۔

اس کے بعد امام نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا "اٹھو تیاری کرو!"

پس سب قافلہ والے تیار ہو کر اپنی اپنی سواریوں پر سوار گئے، امام نے اپنے قافلہ سے کہا "واپس چلو!" یہ سن کر حر اور ان کے ساتھی آڑے آگئے اور قافلہ کی روانگی سے مانع ہوئے، امام نے حر سے فرمایا:

''ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ مَا تُرِیْدُ؟''

تمہاری ماں تمہارے سوگ میں بیٹھے، آخر تم چاہتے کیا ہو؟

یہ سن کر حر نے کہا:

''اگر آپ کے علاوہ کسی اور شخص نے میری ماں کا نام لیا ہوتا تو اسے بتاتا کہ میری ماں کا نام کیسے لیا جاتا ہے؟ لیکن خدا کی قسم! چونکہ آپ کی ماں سیدۃ نساء العالمین ہیں لہٰذا میں کچھ نہیں کہتا''

(نوٹ: اگر حر چاہتے تو امامؑ کے جواب میں ادب کو بالائے طاق رکھ کر آپ کی توہین کے مرتکب ہوتے، لیکن نہ، بلکہ انہوں نے ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھا اور خداوند عالم کی خاص مہربانی سے امامؑ کی توہین سے باز رہے، شاید یہی ادب و احترام ہی تھا جو وقت آخر ان کی نجات کا سبب بن گیا اور انہیں امام کی خدمت میں لے آیا اور توبہ کرنے پر آمادہ کیا، اور خوارزمی کے بقول: حر نے امام سے یہ بھی کہا: ''خدا کی قسم مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر آپ سے جنگ کروں تو دنیا و آخرت دونوں میں نقصان اٹھاؤں گا'')

غرض امام علیہ السلام نے حر سے پوچھا: ''تم کیا چاہتے ہو؟''

انہوں نے کہا: ''میں آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جاؤں گا''

امامؑ نے فرمایا: ''ایسا نہیں ہوسکتا'' انہوں نے کہا میں ہرگز نہیں چھوڑوں گا''

اور اس طرح کے جملوں کا تین بار تبادلہ ہوا آخر میں حر نے کہا: ''مجھے آپ سے جنگ کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ یہ ماموریت دی گئی ہے کہ آپ سے اس وقت تک جدا نہ ہوں جب تک کہ آپ کو کوفہ نہ لے چلوں، لیکن اگر آپ ادھر چلنے کیلئے تیار نہیں ہیں تو پھر نہ مدینہ اور نہ ہی کوفہ، بلکہ کوئی اور راستہ اختیار کریں تا کہ میں خط لکھ کر ابن زیاد کو تازہ ترین صورتحال سے آگاہ کروں میں یہ سمجھتا ہوں کہ جنگ سے بہتر یہی صورتحال ہے''

امام علیہ السلام نے عذیب اور قادسیہ سے بائیں طرف کے راستے کو اختیار کیا اور حر آپ کے قدم بہ قدم ساتھ چلتے رہے۔

(تاریخ طبری جلد ۵) کے مطابق، عتبہ بن ابی عیزار کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام مقام ''ذو حسم'' پر رکے اور یہیں پر لشکر حر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اِنَّہُ مِنَ الْاَمْرِ مَاقَدْ تَرَوْنَ، وَاِنَّ الدُّنْیَا قَدْ تَغَیَّرَتْ وَتَنَکَّرَتْ وَاَدْبَرَ مَعْرُوْفُھَا وَاسْتَمَرَّتْ جِدًّا، فَلَمْ یَبْقَ مِنْھَا اِلَّا صُبَابَۃٌ کَصُبَابَۃِ الْمَآءِ وَ خَسِیْسِ عَیْشٍ کَالْمَرْعٰی

الْوَبِیْلِ ___ اَلاَتَرَوْنَ اَنَّ الْحَقَّ لَا یُعْمَلُ بِهٖ وَاَنَّ الْبَاطِلَ لَا یُتَنَاهٰی عَنْهُ فَلْیَرْغَبِ الْمُؤْمِنُ فِی لِقَآءِ اللّٰهِ مُحِقاً فَاِنِّی لَااَرَی الْمَوْتَ اِلَّاسَعَادَةً وَلَاالْحَیَاةَ مَعَ الظَّالِمِیْنَ اِلَّا بَرَمًا"

حالات نے جو رُخ اختیار کرلیا ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں، دنیا بدل چکی ہے، دنیا کی نیکی نے اپنا منہ موڑ لیا ہے، اب اس کا صرف تل چھٹ باقی رہ گیا ہے، جس طرح کسی برتن کی تہہ میں تھوڑا سا پانی رہ جاتا ہے کہ جسے زمین پر گرا دیا جاتا ہے، اور پست اور ناچیز زندگی باقی رہ گئی ہے ناگوار چراگاہ کی مانند۔ آیا آپ لوگ نہیں دیکھ رہے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے منہ نہیں موڑا جارہا، ایسی صورت میں مومن کا حق بنتا ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی ملاقات کی خواہش کرے، میں موت کو سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو ننگ و عار جانتا ہوں۔

(تاریخ طبری جلد۵ص۴۰۳) میں ہے کہ، یہ فصیح و بلیغ خطبہ سن کر زُہیر قین کھڑے ہوگئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا: "تم کچھ کہنا چاہتے ہو یا میں بات کروں؟" انہوں نے کہا" آپ ہی بیان فرمائیے!!" تو اس وقت جناب زُہیر بن قین نے خداوند عالم کی حمد و ثنا کے بعد امام عالیمقامؑ کی خدمت میں عرض کیا:

"فرزند رسولؐ! ہم نے آپ کی بلند پایہ گفتگو کو اچھی طرح سنا ہے، تو اے فرزند رسولؐ! خدا کی قسم اگر اس دنیا کی ساری نعمتیں ہمارے اختیار میں دے دی جائیں اور ہمیں موت بھی نہ آئے اور کسی قسم کی نعمت بھی کم نہ ہو، پھر بھی ہم دنیا کی تمام آسائشوں کو ٹھوکر مار کر آپ کے ہم رکاب ہو کر لڑنے کو ترجیح دیں گے"

امامؑ نے ان کے حق میں دعا دی اور اچھے جواب سے نوازا۔

بہر حال قافلے نے کوچ کیا اور حر، امام علیہ السلام کے قدم بقدم چلتا رہا، جوں ہی حر کو بات کرنے کا موقع ملتا تو کہتا کہ

"خدا کیلئے آپ اپنی جان کو بچانے کی کوشش کریں مجھے ڈر ہے کہ آپ کو شہید کردیا جائے گا"

(انساب الاشراف جلد۳ص۱۷۱، کامل ابن اثیر جلد۴ص۴۸) میں ہے کہ ایک موقع پر یہ سن کر امامؑ کو جلال آگیا اور فرمایا:

"اَبِالْمَوْتِ تُخَوِّفُنِیْ وَهَلْ یَعْدُوْبِکُمُ الْخَطْبُ اَنْ تَقْتُلُوْنِی وَسَأَقُوْلُ مَا قَالَ اَخُوا الْاَوْسِ لِابْنِ عَمِّهٖ وَهُوَ یُرِیْدُ نُصْرَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ(ص) سَأَمْضِیْ وَمَابِالْمَوْتِ عَارٌ عَلَی

اَلْفَتٰی اِذَامَانَوٰی حَقًّا وَجَاهَدَ مُسْلِمًا

اے حر! تم مجھے موت سے ڈرا رہے ہو؟ اور تم سے اور ہو ہی کیا سکتا ہے کہ تم مجھے قتل کر دو، لہٰذا میں اس موقع پر قبیلہ اوس کے اس شخص کے اشعار پڑھوں گا جو اس نے رسول خدا (ص) کی نصرت کے موقع پر اپنے چچازاد بھائی کے لئے پڑھے تھے:

میں ضرور جاؤں گا اور موت کسی جوانمرد کیلئے باعثِ ننگ و عار نہیں ہے جبکہ اس کا ارادہ برحق ہو اور مخلصانہ کوشش کرے

آپ نے اسی طرح کے بہت سے اشعار پڑھے اور آخر میں کہا:

اگر میں زندہ رہ گیا تو پشیمان نہیں ہوں گا اور اگر مجھے موت آ گئی تو مجھے ملامت نہیں کی جائے گی، یہی ذلت تمہارے لئے کافی ہوگی کہ تم زندہ رہو اور ذلیل و خوار ہوتے رہو۔

(جب حر نے یہ اشعار سنے تو بڑے ناگوار انداز میں امامؑ سے علیحدگی اختیار کر لی، اور دور دور رہ کر ساتھ چلتا رہا)

۱۹۔ بیضہ

(مراصد الاطلاع جلد ۱ ص ۲۴۴) میں ہے کہ ''بیضہ '' با کے زیر کے ساتھ، واقصہ اور عذیب الھجانات کے درمیان ایک چشمے کا نام ہے۔

(طبری جلد ۷، کامل ابن اثیر جلد ۳، مقتل خوارزمی جلد ۱، انساب الاشراف، جلد ۳، مقتل الحسینؑ مقرم) میں درج ہے کہ

حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہاں پہنچ کر حر اور ان کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے بعد از حمد و ثناء ارشاد فرمایا:

''اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ :مَن رَّاٰی سُلْطَانًا جَآئِرًا مُّسْتَحِلًّا لِّحَرَامِ اللّٰهِ نَاكِثًا عَهْدَهٗ، مُخَالِفًا لِّسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ص) يَعْمَلُ فِيْ عِبَادِ اللّٰهِ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، فَلَمْ يُغَيِّرْ عَلَيْهِ بِفِعْلٍ وَّلَا قَوْلٍ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّدْخِلَهٗ مُدْخَلَهٗ، اَلَآ وَاِنَّ هٰؤُلَآءِ قَدْ لَزِمُوْا طَاعَةَ الشَّيْطَانِ وَتَرَكُوْا طَاعَةَ الرَّحْمٰنِ وَاَظْهَرُوا الْفَسَادَ وَعَطَّلُوا الْحُدُوْدَ

وَاسْتَأْثَرُوا بِالْفَيءِ وَاَحَلُّوا حَرَامَ اللّٰہِ وَحَرَّمُوا حَلَالَهٗ وَاَنَا اَحَقُّ مِمَّنْ غَيَّرَ وَقَدْ اَتَتْنِي كُتُبُكُمْ وَقَدِمَتْ عَلَيَّ رُسُلُكُمْ بِبَيْعَتِكُمْ "اَنَّكُمْ لَا تُسْلِمُوْنِي وَلَاتَخذُلُوْنِي"

فَاِنْ اَتْمَمْتُمْ عَلَيَّ بَيْعَتَكُمْ تُصِيْبُوْا رُشْدَكُمْ وَاَنَاالْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ وَابْنُ فَاطِمَةَبِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ، نَفْسِيْ مَعَ اَنْفُسِكُمْ وَاَهْلِيْ مَعَ اَهْلِيْكُمْ ، وَلَكُمْ فِيَّ اُسْوَةٌ وَاِن لَّمْ تَفْعَلُوْا وَنَقَضْتُمْ عَهْدَكُمْ وَخَلَعْتُمْ بَيْعَتِيْ مِنْ اَعْنَاقِكُمْ فَلَعُمْرِي مَا هِيَ لَكُمْ بِنُكْرٍ ، لَقَدْ فَعَلْتُمُوْهَا بِاَبِي وَ اَخِيْ وَابْنِ عَمِّيْ مُسْلِمِ بْنِ عَقِيْلٍ ، فَالْمَغْرُوْرُ مَنِ اغْتَرَّ بِكُمْ فَحَظَّكُمْ اَخْطَأْتُمْ ، وَنَصِيْبَكُمْ ضَيَّعْتُمْ ، وَمَن نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَ سَيُغْنِي اللّٰهَ عَنْكُمْ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ"

لوگو! حضرت رسول خدا (ص) کا ارشاد ہے کہ ''جو مسلمان کسی جابر سلطان کو دیکھے کہ جو حرامِ خدا کو حلال جانے اور عہد خداوندی کو توڑ دے اور میری سنت کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جائے اور خدا کے بندوں کے درمیان گناہ، معصیت، سرکشی اور دشمنی کو اختیا کرے، لیکن وہ مسلمان اپنے قول اور فعل سے اس کی مخالفت نہ کرے تو خدا پر حق بن جاتا ہے کہ ایسے خاموش منش شخص کو بھی اُسی ظالم و جابر شخص کے ساتھ جہنم میں داخل کرے۔''لوگو! گواہ رہو، ان (بنی امیہ کے) لوگوں نے خدا کی اطاعت کو ترک کر کے شیطان کی پیروی اپنے لئے لازم قرار دیدی ہے، برائیوں کو رائج اور حدود الٰہی کو معطل کر دیا ہے، مالِ فے (جو اہلبیتِ رسولؐ کے ساتھ مخصوص ہے اس) کو اپنے ساتھ مختص کر لیا ہے، خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیدیا ہے، اس کے اوامر ونواہی کو بدل ڈالا ہے۔ میں مسلم امہ کی رہبری اور امامت کیلئے ان مفسدین سے کئی درجے بہتر ہوں جنہوں نے میرے جدامجد رسول مکرم (ص) کے دین کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔

علاوہ ازیں تمہارے دعوت نامے اور تمہارے قاصد میرے پاس پہنچے ہیں، ان کے ذریعہ تم نے مجھے کہا ہے کہ تم مجھ سے بیعت کر چکے ہو اور یہ عہد بھی کر لیا ہے کہ تم مجھے دشمن کے مقابلے میں تنہا نہیں چھوڑو گے، اور میری نصرت سے دستبردار نہیں ہو گے، اب بھی اگر تم اس عہد و پیمان پر باقی ہو اور اپنے قول کے پابند ہو تو سمجھ لو کہ تم نے انسانی سعادت اور اقدار کو محفوظ رکھا ہوا ہے، کیونکہ.......... میں حسین بن علیؑ، فرزند زہراؑ ہوں میرا وجود تمہارے وجود کے ساتھ پیوستہ ہے اور تمہارے اہلِ خاندان و

اولاد میری اولاد کی مانند ہیں، (کیونکہ میرے اور مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کی جدائی نہیں ہے، اس طرح تم میری اتباع کرو گے اور مجھے اپنے لئے اسوہ قرار دو گے) لیکن اگر تم نے عہد شکنی کی اور میری بیعت توڑ ڈالی تو مجھے اپنی جان کی قسم! یہ عمل تمہارے لئے کوئی نیا عمل نہیں ہوگا، اس لئے کہ تم نے میرے باپ علیؑ، میرے بھائی حسنؑ اور میرے چچازاد بھائی مسلم بن عقیلؑ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا ہے۔

پس جو شخص تمہاری باتوں پر اعتماد کرے گا وہ دھوکہ ہی کھائے گا، تم اپنے بخت سے منہ موڑلو گے اور اپنے اسلامی حصے کو ضائع کردو گے، جو شخص عہد شکنی کرے گا وہ اپنا نقصان کرے گا اور اللہ تعالیٰ بہت جلد مجھے تم سے بے نیاز کردے گا۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ.

۲۰۔ رُہیمہ

معجم البلدان ج ۳ ص ۱۵۹ کے مطابق، ''رُہیمہ'' را کے پیش کے ساتھ، ایک چشمے کا نام ہے جو شام کی راہ پر کوفہ کے نزدیک واقع ہے۔

(مقتل الحسینؑ خوارزمی جلد ۱، لہوف، مثیر الاحزان ابن نما، امالی صدوق مجلس ۳۰ حدیث اول) اس مقام پر اہلِ کوفہ میں سے ایک شخص جس کا نام ''ابو ہرم'' ہے، امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''فرزند رسولؐ! کس چیز نے آپ کو آپ کے نانا رسول خداؐ کے حرم میں نہیں رہنے دیا؟''

تو امامؑ نے فرمایا:

''اے ابو ہرم! بنی امیہ نے میری حرمت کو پامال کیا، میں نے صبر کیا، میرے مال کو قبضہ میں لے لیا، تو میں نے تحمل کا مظاہرہ کیا، اب وہ میرے خون کے درپے ہو چکے ہیں، اسی وجہ سے میں نے امن خداوندی کے حرم کو بھی خیرباد کہہ دیا ہے، خدا کی قسم یہ لوگ مجھے قتل کر کے ہی رہیں گے۔ اور جب وہ ایسا اقدام کریں گے تو خداوند عالم ان کے اجسام کو لباسِ مذلت سے ڈھانپ دے گا، ان پر خون آشام تلواروں کو مسلط کردے گا اور ان پر ایسے شخص کو حکمران کی صورت میں مسلط کرے گا جو انہیں ذلیل و

رسوا کرے گا"۔

۲۱۔ عُذیب الہجانات
(پیر، ۲۸/ذی الحجہ ۶۰ ھ)

(مراصد الاطلاع جلد ۲ ص ۹۲۵ میں ہے کہ) عُذیب الہجانات ایک وادی کا نام ہے جو بنی تمیم کی طرف منسوب ہے اور قادسیہ تک اس کا فاصلہ چھ میل بنتا ہے۔

(مراصد الاطلاع جلد ۲ ص ۹۲۵ میں ہے کہ) امام حسین علیہ السلام کا یہ نورانی قافلہ منزلیں طے کرتا ہوا جب ۲۸ ذی الحجہ بروز پیر یہاں پہنچا تو اچانک کچھ لوگ یہاں آن پہنچے، جن کے نام یہ ہیں، نافع بن ہلال، مجمع بن عبداللہ، عمرو بن خالد اور طرماح بن عدی۔

ان کا رہنما طرماح بن عدی تھا، جب یہ سب امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حر نے ان کی طرف منہ کر کے کہا: "ان لوگوں کا تعلق چونکہ کوفہ سے ہے میں انہیں گرفتار کر کے ابھی کوفہ بھیجتا ہوں" امام عالیمقامؑ نے فرمایا: "میں تمہیں اس طرح کی اجازت نہیں دوں گا اور جس طرح میں اپنے آپ کو تمہاری اذیتوں سے بچاؤں گا اسی طرح ان کی بھی حفاظت کروں گا، اس لئے کہ یہ میرے اسی طرح یار و مددگار ہیں جس طرح میرے ساتھ مدینہ سے آنے والے دوسرے دوست ہیں، لہٰذا اگر تم اپنے اس عہد پر قائم ہو جو میرے ساتھ کیا ہے تو پھر انہیں آزاد رہنے دو ورنہ پھر ہماری تمہاری لڑائی ہوگی" یہ سن کر حر اپنے ارادے سے باز آگئے، اور امام علیہ السلام نے مہمانوں سے فرمایا:

"بتائیے کوفہ کے کیا حالات ہیں؟"

اس پر مجمع بن عبداللہ عائذی نے کہا:

> "کوفہ کے بڑے لوگوں اور سرداروں کو حکومت نے بڑی بڑی رشوتیں دے کر خرید لیا ہے، ان کے دل بنی امیہ کیلئے نرم ہو چکے ہیں، اب وہ یک دل و زباں ہو کر آپ کے ساتھ دشمنی پر کمر بستہ ہو چکے ہیں، رہے عوام الناس، تو اس وقت ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں البتہ کل ان کی تلواریں بھی آپ کے خلاف اٹھ جائیں گی"۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے اپنے ایلچی قیس بن مسہر صیداوی کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا:

''انہیں حصین بن نمیر ____ یا ابن تمیم ____ نے گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس کوفہ میں بھیج دیا اس نے حکم دیا کہ قیس منبر پر جا کر آپ کو اور آپ کے والد ____ علی بن ابی طالبؑ ____ کو ناسزا کہیں ''جب وہ منبر پر گئے تو انہوں نے آپ پر اور آپ کے والد پر درود و سلام بھیجا اور ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت، اور آپ کیلئے لوگوں سے مدد کے طالب ہوئے ____ اور انہیں آپ کی تشریف آوری کی اطلاع بھی دی، جس کی بنا پر ابن زیاد کے حکم کے مطابق انہیں دارالامارہ کی چھت پر لے جا کر نیچے گرا دیا گیا جس سے ان کی شہادت واقع ہوگئی''

یہ سن کر امام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور قرآن پاک میں سے سورہ احزاب کی آیت ۲۳ تلاوت کرنا شروع کر دی:

''فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا'' یعنی کچھ لوگ تو وہ ہیں جو اپنے اوپر لی ہوئی ذمہ داری پوری کر کے چلے گئے، اور کچھ وہ ہیں جو پورا کرنے کے منتظر ہیں، لیکن اپنے عزم و ارادے میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔

اس کے ساتھ ہی امامؑ نے ان کے حق میں دعا دیتے ہوئے فرمایا:

''اَللّٰهُمَّ اجۡعَلۡ لَنَا وَلَهُمُ الۡجَنَّةَ وَاجۡمَعۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَهُمۡ فِيۡ مُسۡتَقَرِّ رَحۡمَتِكَ وَرَغَآئِبِ مَذۡخُوۡرِ ثَوَابِكَ''

پروردگارا! ہمارے اور ہمارے شیعوں کیلئے بہشت کو ہمارا ٹھکانہ قرار دے، اور ہمیں اور ان کو اپنی رحمت کی قرارگاہ میں یک جا کر دے۔

(مقتل الحسین خوارزمی جلد ۱ ص ۲۳۳، بحار الانوار جلد ۴۴ ص ۳۷۸، تاریخ طبری جلد ۷ ص ۳۰۲ میں ہے کہ)

پھر آپ نے اپنے دوستوں سے پوچھا: ''تم میں سے کون شخص اس راستے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ جانتا ہے؟'' تو طرماح بن عدی نے کہا: ''ہاں فرزند رسولؐ! میں جانتا ہوں'' امامؑ نے فرمایا ''پھر آگے چلو'' چنانچہ طرماح قافلے کے آگے آگے چلنے لگے اور ساتھ ہی یہ رجز پڑھنا شروع کر دیا:

''يَا نَاقَتِيۡ لَا تَذۡعَرِيۡ مِنۡ زَجۡرِيۡ ____ وَامۡضِيۡ بِنَا قَبۡلَ طُلُوۡعِ الۡفَجۡرِ''

اس طرح کے اور بھی بہت سے اشعار ہیں جن کے معانی ہیں کہ:

اے میری ناقہ! تو میری جھڑکیوں سے نہ گھبرا اور ہمیں طلوع فجر سے پہلے منزلِ مقصود کی طرف لے جا، ہمارے ہمراہ بہترین سوار اور بہترین مسافر ہیں جن کا تعلق قابلِ فخر خاندان سے ہے، وہ ایسے سردار

ہیں جن کے چہرے سفید اور چمکدار ہیں، گندم گوں نیزے رکھنے والے نیزے باز ہیں، تیز دھار تلواروں کے مالک شمشیر زن ہیں، بافضیلت فخر سے مزین ہیں وہ عظیم اور بزرگوار کشادہ سینے والے افراد ہیں، خداوند عالم انہیں بہترین کاموں کیلئے جزائے خیر عطا کرے، جب تک دنیا باقی ہے خدا انہیں زندہ وسلامت رکھے۔

اے خداوند نفع ونقصان کے مالک! تو میرے سید وسردار حسینؑ کو فتح ونصرت عطا فرما اور لعنت بھیج گمراہ اور کفر کی یادگار نشانیوں کے صخر کی اولاد میں سے دولعینوں پر، یزید ملعون پر جو ہر وقت شراب کے نشے میں مست رہتا ہے اور نابکار کے بیٹے ابن زیاد نابکار پر۔

(مراصد الاطلاع جلد۱ص ۲۸ میں درج ہے کہ) طرماح نے عرض کی: میں آپ کے ہمراہ آپ کے مختصر ساتھیوں کی تعداد دیکھ رہا ہوں، اگر لڑائی ہو جائے تو حر کا یہی لشکر ہی آپ پر غالب آجائے، جبکہ میں نے کوفہ سے روانگی سے ایک دن پہلے، شہر سے باہر لوگوں کا جم غفیر دیکھا، پوچھا یہ کون ہیں؟ تو بتایا گیا کہ یہ لوگ حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ جنگ کرنے کی مشق کر رہے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ میں نے آج تک اتنا عظیم لشکر نہیں دیکھا۔

حسینؑ مولا! آپ کو خدا کی قسم! جہاں تک ہو سکے آپ ان کے نزدیک نہ جایئے، اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ کسی امن کی جگہ میں پناہ لیں اور وہیں پر رہ کر مستقبل کے بارے میں بہترین منصوبہ سازی کریں تو پھر میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ ''کوہ آجا'' کی طرف چلیں ــــــــ یہ بنی طے کے دو پہاڑوں میں سے ایک کا نام ہے، جہاں قبیلہ طے قیام پذیر ہے، ''منزلِ فائد'' سے مغربی جانب واقع ہے اور یہاں سے دو شبانہ روز کا سفر ہے، وہاں پر کافی تعداد میں گاؤں آباد ہیں۔

خدا کی قسم یہ پہاڑ ہمارا مورچہ ہے اور شاہانِ غسان وحمیر اور نعمان بن منذر سے اس نے ہمارا بڑا دفاع کیا ہے، بخدا ہم نے کسی کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے، اور شکست کی ذلت سے کبھی دوچار نہیں ہوئے۔

آپ ابھی سے کوہِ آجا اور کوہِ سلمٰی کی طرف اپنا قاصد بھیج دیں ابھی دس دن نہیں گزر پائیں گے کہ قبیلہ طے کے سوار اور پیادے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے اور آپ جب تک چاہیں ہمارے پاس رہیں کوئی بھی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکے گا اور اگر خدانخواستہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آبھی جائے تو میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ دس ہزار شمشیر زن آپ کے آگے جانیں قربان کرنے کیلئے تیار

ہوں گے اور وہ اپنے خون کے آخری قطرے تک آپ کا دفاع کریں گے''۔

(کامل بن اثیر جلد۴ص ۵۰) میں ہے کہ امامؑ نے یہ سن کر فرمایا:

''خدا تمہیں اور تمہارے قبیلے کو جزائے خیر دے، میں نے اور اس گروہ یعنی حر کے لشکر نے یہ معاہدہ کیا ہے جس سے نہیں پھر سکتے، اور خدا جانے کہ ان کا اور ہمارا انجام کیا ہو؟

(نفس المہموم ص ۱۹۵ میں ہے کہ) جب طرماح نے دیکھا کہ امام علیہ السلام اپنے عہد پر مضبوطی سے قائم ہیں تو انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: ''خدا آپ کو جن وانس کے شر سے محفوظ رکھے، چونکہ میں نے اپنے اہل وعیال کے پاس کھانے پینے کا سامان پہنچانا ہے، لہٰذا اجازت عطا فرمائیں کہ جلدی سے یہ سامان ان تک پہنچا کر آپ کی خدمت میں واپس آجاؤں، اگر میں خدمت میں پہنچ گیا تو آپ کی ضرور مدد کروں گا''

امامؑ نے فرمایا:

''اگر تمہارا میری امداد کا ارادہ ہے تو پھر جلدی جاؤ، خدا تمہیں مغفرت فرمائے''۔

طرماح کہتے ہیں کہ میں نے سمجھ لیا ہے کہ امام علیہ السلام کو میری مدد کی ضرورت ہے، لہٰذا میں اپنے اہل وعیال کے پاس جلدی سے گیا اور ان کے امور کو مرتب کرنے کی وصیت کی اور جلدی سے واپس لوٹنے لگا، انہوں نے میری اس جلدی کا سبب دریافت کیا تو میں نے اپنا سارا مدعا بیان کر دیا، اور ''بنی ثعل'' کے راستے سے امامؑ کی طرف لوٹ آیا، جب ''عذیب الہجانات'' پر پہنچا تو وہاں پر مجھے ''سماعہ بن بدر'' ملا جس نے مجھے بتایا کہ امامؑ تو کربلا میں شہید کر دیئے گئے ہیں یہ سن کر میں واپس آگیا۔

۲۲۔ قُطقُطانیہ
(منگل، ۲۹/ذی الحجہ ۶۰ھ)

(معجم البلدان جلد۴ص ۳۷۴ میں ہے کہ) ''قُطقُطانیہ'' کوفہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، یہاں سے ''رُہیمہ'' کا فاصلہ بیس میل سے کچھ زیادہ ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا یہ الٰہی کاروان عذیب الہجانات سے چلا اور ۲۹/ذی الحجہ بروز منگل یہاں پر پہنچا، حر بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

شیخ صدوقؒ فرماتے ہیں کہ یہاں پر آپ کی ملاقات عبداللہ بن حر جعفی سے ہوئی لیکن مشہور قول یہ ہے کہ یہ ملاقات اگلی منزل یعنی قصر بنی مقاتل میں ہوئی جس کی تفصیل آگے چل کر بیان ہوگی۔

۲۳۔ قصر بنی مُقاتل
(بدھ، یکم محرم الحرام ۶۱ھ)

(معجم البلدان جلد۴ ص ۳۶۴) میں درج ہے کہ ''قصرِ بنی مقاتل'' منسوب ہے ''مقاتل بن حسان بن ثعلبہ'' کی طرف، یہ ''عین التمر'' اور قطقطانیہ کے درمیان واقع ہے، عیسیٰ بن عبداللہ نے ایک مرتبہ اسے مسمار کر کے دوبارہ تعمیر کیا۔

عبداللہ بن حر جُعفی کا ماجرا:

(وسیلۃ الدارین ص ۶۷ ،تاریخ طبری جلد ۷ ص ۱۶۸، جمہرہ بن حزم ص ۳۸۵) میں ہے کہ، کاروانِ عزم واستقلال قطقطانیہ سے چل کر یکم محرم الحرام بروز بدھ یہاں پہنچا اور یہاں پر آ کر امام علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک خیمہ نصب ہے جس کے ساتھ گھوڑا بندھا ہوا ہے اور نیزہ زمین میں گڑا ہوا ہے، آپ نے سوال فرمایا کہ: ''یہ کس کا خیمہ ہے؟'' بتایا گیا ''یہ عبیداللہ بن حر جعفی'' کا ہے۔

یاد رہے کہ یہی عبیداللہ بن حر جُعفی عثمانی شیعہ تھا، جنگ صفین میں شامی لشکر میں رہ کر حضرت امیر علیہ السلام کے خلاف لڑتا رہا، مولائے کائنات امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی شہادت کے بعد کوفہ میں سکونت پذیر ہو گیا تھا۔

تاریخ میں اس شخص کی غارتگری اور رہزنی کی داستانیں عام منقول ہیں۔

بہر حال (انساب الاشراف، طبری، تاریخ ابن اثیر منقول از خوارزمی، الاخبار الطّوال، امالی صدوق، مقتل الحسین مقرم کے مطابق) امام عالیمقامؑ نے جناب حجاج بن مسروق کو اپنا قاصد بنا کر اسی عبیداللہ کی طرف بھیجا تا کہ وہ اسے امامؑ کی نصرت کی دعوت دیں، جب حجاج اس کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا: ''کیا پیغام لائے ہو؟ حجاج نے کہا: ''ایک ہدیہ اور کرامت آپ کے پاس لایا ہوں، اگر قبول کریں تو! '' یہ حسین بن علی علیہ السلام ہیں جنہوں نے آپ کو اپنی نصرت کی طرف بلایا ہے، اگر آپ ان کی مدد کریں گے تو آپ کو اس کا اجر وثواب ملے گا، اور اگر ان کی رکاب میں مارے جائیں گے تو درجہ شہادت پر فائز ہوں گے''

عبیداللہ نے کہا: خدا کی قسم، جب میں کوفہ سے باہر آرہا تھا تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہے اور خود حسینؑ کے ساتھی بھی ان کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں، میں نے سمجھ لیا کہ وہ شہید ہو جائیں گے اور چونکہ میں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا، لہٰذا میں نہیں چاہتا کہ میں انہیں دیکھوں یا وہ مجھے دیکھیں۔''

حجاج بن مسروق نے واپس آ کر عبیداللہ بن حر کا جواب امام کی خدمت اقدس میں پہنچایا، یہ سن کر امام فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اصحاب و اہل بیتؑ کے چند افراد کے ساتھ خیمہ عبیداللہ جعفی کی طرف چل پڑے، جب اس کے پاس پہنچے تو اس نے امام کو خوش آمدید کہا، بیٹھنے کیلئے صدرِ مجلس میں جگہ دی۔

اس ملاقات کا حال خود عبیداللہ کی زبانی سنئے، عبیداللہ کا کہنا ہے کہ:

''جب میری نگاہ آپ پر پڑی تو مجھے یوں معلوم ہوا کہ میں نے پوری زندگی میں ان جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا، پُرکشش اور بارعب شخصیت کے مالک تھے، لیکن انہیں دیکھتے ہی جتنا رقت میرے دل میں ان کیلئے پیدا ہوئی اتنا کسی اور کیلئے پوری زندگی نہیں ہوئی، ان کو دیکھ کر میرا دل بہت دکھی ہوا، میں اس منظر کو کبھی نہیں بھلا سکتا جب آپ چل کر میری طرف آرہے تھے اور انہیں چاروں طرف بچوں نے پروانہ وار گھیرا ہوتا''۔

جب میں نے آپ کے چہرہ کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ ریشِ مبارک کے بال گہرے سیاہ تھے، میں نے پوچھا:

''جناب! بالوں کا رنگ قدرتی طور پر سیاہ ہے یا خضاب کیا ہوا ہے؟''

امامؑ نے فرمایا: ''فرزند حر مجھے جلدی بڑھاپا آ گیا ہے''

جس سے میں نے سمجھ لیا کہ آپ خضاب کیے ہوئے ہیں۔

بہر حال ابتدائی خیر مقدمی کلمات کے بعد امام نے خداوند عالم کی حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا:

''یَا ابْنَ حُرٍّ اِنَّ اَهْلَ مِصْرِكُمْ كَتَبُوْا اِلَیَّ اِنَّهُمْ مُجْتَمِعُوْنَ عَلٰی نُصْرَتِیْ ، وَسَأَلُوْنِیْ الْقُدُوْمَ عَلَیْهِمْ ، وَلَیْسَ الْاَمْرُ عَلٰی مَا زَعَمُوْا ، وَاِنَّ عَلَیْكَ ذُنُوْبًا كَثِیْرًا فَهَلْ لَّكَ مِنْ تَوْبَةٍ تَمْحُوْا بِهَا ذُنُوْبَكَ ؟......''

اے فرزند حر! تمہارے شہر کوفہ کے لوگوں نے مجھے خط لکھے ہیں کہ وہ سب میری نصرت کیلئے یکجا ہو چکے ہیں اور مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں ان کے پاس آ جاؤں، لیکن حقیقت حال اس کے برعکس ہے جو انہوں نے کہا تھا، اور اے عبیداللہ! تم نے اپنی زندگی میں بہت گناہ کیے ہیں، آیا اب چاہتے ہو

کہ توبہ کر کے اپنے گناہوں کو مٹادو؟......

عبیداللہ نے عرض کیا کہ: ''فرزند رسول! توبہ کیسے کروں؟'' امامؑ نے فرمایا:

''تَنصُرُ ابنَ بِنتِ نَبِیِّکَ وَتُقَاتِلُ مَعَهُ'' اپنے پیغمبرؐ کے نواسے کی نصرت اور ان کے ساتھ مل کر جنگ کر کے......''

یہ سن کر عبیداللہ نے کہا:

''خدا کی قسم! میں جانتا ہوں جو شخص آپ کے فرمان پر عمل کرے گا وہ ابدی سعادتوں سے ہمکنار ہوگا، لیکن میں نہیں سمجھتا کہ میری نصرت و مدد آپ کو کوئی فائدہ پہنچا سکے گی، کیوں کہ میں نے کوفہ میں دیکھا کہ ایک بھی شخص آپ کی مدد کیلئے تیار نہیں ہے، لہٰذا آپ کو خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ مجھے اس بارے میں معاف فرمائیں، اس لئے کہ میں موت سے سخت گریزاں ہوں''

عبیداللہ نے کہا:

''ہاں البتہ ''ملحقہ'' نامی اپنا یہ گھوڑا آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، یہ ایسا گھوڑا ہے کہ اب تک اس پر سوار ہو کر جس بھی دشمن کا پیچھا کیا ہے اسے جالیا ہے، اور جس دشمن نے بھی میرا تعاقب کیا ہے، اس گھوڑے پر سوار ہو کر میں نے اسے اپنے تک ملنے نہیں دیا، میرا یہ گھوڑ آپ کا ہوا، آپ اسے لے لیجئے''

امامؑ نے یہ سن کر فرمایا:

''......اَمَّا اِذَارَغِبتَ بِنَفسِکَ عَنَّا، فَلا حَاجَةَ لَنَا فِی فَرَسِکَ وَلا فِیکَ''

اب اگر تم ہم سے منہ پھیر چکے ہو، تو پھر ہمیں بھی نہ تمہارے گھوڑے کی ضرورت ہے اور نہ ہی خود تمہاری

''وَمَا کُنتُ مُتَّخِذَ المُضِلِّینَ عَضُدًا''

میں گمراہوں کو اپنا دست و بازو بنانے کیلئے تیار نہیں ہوں۔

''وَاِنِّی اَنصَحُکَ کَمَا نَصَحتَنِی، اِنِ استَطَعتَ اَن لَّا تَسمَعَ صُرَاخَنَا وَلا تَشهَدَ وَقعَتَنَا فَافعَل''

البتہ میں بھی تمہیں اسی طرح نصیحت کرتا ہوں، جس طرح تم نے میرے ساتھ خیر خواہی کی ہے، یہ کہ

اگر تم کر سکتے ہو کہ ایسی جگہ پہنچ جاؤ جہاں پر میری صدائے استغاثہ تمہارے کانوں تک نہ پہنچ سکے، اور نہ ہی تم ہماری جنگ کا مشاہدہ کر سکو تو ایسا ہی کرو، کیونکہ خدا کی قسم، اگر کوئی شخص ہماری صدائے استغاثہ کو سنے اور ہماری مدد کو نہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل جہنم میں ڈالے گا''۔

مگر افسوس کہ عبید اللہ بن حر جعفی نے امام مظلوم کی نصیحت آمیز باتوں سے کوئی نصیحت حاصل نہیں کی اور آپ کی نصرت کیلئے حامی نہیں بھری، لیکن بعد میں مرتے دم تک اپنے اس کردار پر افسوس کرتا رہا اور امامؑ کی معیت میں شہادت کے عظیم مرتبہ سے محرومی پر حسرت وندامت اور پشیمانی کے آنسو بہاتا رہا اور اس کا اظہار اس نے اشعار کی صورت میں کچھ یوں کیا ہے:

فَیَا لَکِ حَسْرَۃً مَّا دُمْتُ حَیًّا تُرَدِّدُ بَیْنَ صَدْرِی وَالتَّرَاقِیْ

حُسَیْنٌ حِیْنَ یَطْلُبُ نَصْرَ مِثْلِیْ عَلٰی اَھْلِ الْعَدَاوَۃِ وَالشِّقَاقِ

حُسَیْنٌ حَیْثُ یَطْلُبُ بَذْلَ نَصْرِی عَلٰی اَھْلِ الضَّلَالَۃِ وَالنِّفَاقِ

لَوْ اَنِّیْ اُوَاسِیْہِ بِنَفْسِیْ لَنِلْتُ کَرَامَۃَ یَوْمِ التَّلَاقِ

آہ! سخت افسوس اور حسرت جب تک میں زندہ رہوں گا، میرے سینے اور گلے کے درمیان مجھے بے قرار کرتی رہے گی۔

جس وقت کہ حسینؑ مجھ سے اپنے ظالم دشمنوں کے خلاف مدد طلب کر رہے تھے۔

جس وقت کہ حسینؑ گمراہ اور منافق دشمن سے لڑنے کیلئے مجھ سے امداد کا تقاضا کر رہے تھے۔

اے کاش کہ میں اس دن دل وجان سے امامؑ کے ساتھ ہمدردی کا عملی مظاہرہ کرتا تو بروز قیامت مجھے عظیم شرف عطا ہوتا۔

عمرو بن قیس کو جواب:

(ثواب الاعمال وعقاب الاعمال شیخ صدوق ؒ ص ۳۰۹، ۳۰۸، رجال کشی ص ۷۴) کے مطابق، عمرو بن قیس مشرقی کہتا ہے کہ اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت آپ ابھی ''قصر بنی مقاتل'' ہی میں تھے، امامؑ کو سلام کیا، میرے چچازاد بھائی نے امام سے پوچھا:

''آپ کی ریش اقدس کا رنگ اس قدر سیاہ ہے، آیا قدرتی ہے یا خضاب کیا ہوا ہے؟''

امامؑ نے فرمایا:

''خضاب ہے، ہم بنی ہاشم کے بال جلد سفید ہو جاتے ہیں، اسی لئے خضاب کیا ہوا ہے''

پھر آپ نے پوچھا:

''آیا تم لوگ میری مدد کیلیئے آئے ہو؟''

میں نے عرض کیا:

''نہ، بلکہ ہم چونکہ کثیر الاولاد اور بڑے کنبے کے سربراہ ہیں اور لوگوں کا بہت سا مال بھی ہمارے پاس بطور امانت ہے، اور معلوم نہیں کہ آپ کا انجام کار کیا ہو؟ میں اچھا نہیں سمجھتا کہ لوگوں کی امانتیں ضائع ہو جائیں''

اسی طرح میرے چچازاد بھائی نے بھی یہی جواب دیا،

یہ سن کر امام عالی مقامؑ نے فرمایا:

''اِنْطَلِقَا فَلَا تَسْمَعَالِیْ وَاعِیَةً وَّلَا تَرَیَا لِیْ سَوَادًا، فَاِنَّہٗ مَنْ سَمِعَ وَاعِیَتَنَا اَوْرَأَی سَوَادَنَا فَلَمْ یُجِبْنَا اَوْ یُغِثْنَا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ اَن یُّکِبَّہٗ عَلٰی مِنْخَرِیْہِ فِی النَّارِ'' پس اگر ایسی بات ہے تو تم لوگ یہاں دور چلے جاؤ، تا کہ میری آواز تمہارے کانوں تک نہ پہنچ سکے، کیوں کہ جو شخص ہماری آواز کو سنے گا اور ہماری نصرت کو نہیں پہنچے گا تو خداوند عالم اسے منہ کے بل جہنم میں ڈال دے گا''۔

۲۴۔ نینویٰ
(بدھ، یکم/محرم الحرام ۶۱ھ)

______ (معجم البلدان ج ۵ ص ۳۳۹، انساب الاشراف جلد ۳ ص ۱۸۵، تاریخ طبری جلد ۵ ص ۴۰۷، طبری جلد ۷ ص ۳۰۶، کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۸۲، مقتلِ خوارزمی جلد ا ص ۲۲۶، طبقات ابن سعد میں ہے کہ

کربلا کے نزدیک ایک آبادی کا نام ''نینویٰ'' ہے، جہاں آپ بدھ، ۲/محرم الحرام ۶۱ھ کو پہنچے، عقبہ بن سمعان کہتے ہیں کہ: ''حضرت امام حسین علیہ السلام نے قصرِ بنی مقاتل سے روانہ ہوتے وقت حکم دیا کہ اپنے ساتھ پانی کی مشکیں بھر لیں اور اگلی منزل کے سفر کیلئے تیار ہو جائیں، چنانچہ قافلہ چل پڑا دورانِ سفر ایک موقعہ پر حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام نے ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ '' کے کلمات کو دو تین مرتبہ دہرایا، یہ سن کر امامؑ کے دلیر، شجاع اور ہم شکل پیغمبرؐ فرزند، شہزادہ علی اکبر علیہ السلام نے آگے بڑھ کر والدِ گرامی کی خدمت میں عرض کیا:

''بابا جان میں آپ کے قربان جاؤں، آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ بھی پڑھا اور ساتھ ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بھی فرمایا، اس کی کیا وجہ ہے؟''

امام عالی مقامؑ نے فرمایا:

''اِنِّیْ خَفَقْتُ بِرَأْسِیْ، فَعَنَّ بِیْ فَارِسٌ وَّھُوَ یَقُوْلُ ''اَلْقَوْمُ یَسِیْرُوْنَ، وَالْمَنَایَا تَسْرِیْ اِلَیْھِمْ، فَعَلِمْتُ اَنَّھَا اَنْفُسَنَا نُعِیَتْ اِلَیْنَا''

میں نے اپنا سر زین کی کونچ پر رکھا ہوا تھا کہ مجھے اونگھ آ گئی، اسی دوران ایک شخص کو دیکھا جو گھوڑے پر سوار تھا اور کہہ رہا تھا: ''یہ لوگ رات کے اس حصے میں سفر کر رہے ہیں جبکہ موت ان کی جانب چلی جا رہی ہے'' جس سے میں نے سمجھ لیا کہ یہ ہماری موت کی خبر ہے۔

یہ سن کر حضرت علی اکبرؑ نے عرض کیا:

بابا جان ''لَا اَرَاکَ اللّٰہُ بِسُوْءٍ اَلَسْنَا عَلَی الْحَقِّ؟'' خدا کرے کبھی بدی کا منہ نہ دیکھیں آیا ہم حق پر نہیں ہیں؟

تو امامؑ نے فرمایا:

''یقیناً ہم حق پر ہیں اور حق سے ایک قدم بھی ہٹے ہوئے نہیں ہیں''

علی اکبرؑ نے عرض کیا:

''اِذاً لّا نُبَالِیْ اَن نَّمُوْتَ مُحِقِّیْنَ '' اگر ہم حق پر ہیں تو پھر موت کا کیا غم؟

اپنے خوبصورت بیٹے کا خوبصورت جواب سن کر امامؑ نے اپنے جوان کو دعا دی اور فرمایا:

''جَزَاکَ اللّٰہُ مِنْ وَّلَدٍ خَیْرَ مَا جَزیٰ وَلَدًا عَنْ وَّالِدِہٖ '' خداوند عالم تمہیں جزائے خیر دے ایسی بہترین جزا جو کسی باپ کی طرف سے کسی بیٹے کو عطا کرتا ہے۔

بہر حال، اسی دوران سپیدہ سحر نمودار ہوا، سب نے اسی جگہ پر نمازیں ادا کیں اور پھر فوراً سفر کیلئے روانہ ہو گئے۔

(تاریخ کامل بن اثیر جلد۴ ص۵۱) میں درج ہے کہ، حر چاہتے تھے کہ امام عالیمقامؑ کو کوفہ لے چلیں، مگر امامؑ نے ادھر جانے سے انکار کر دیا، اسی کشمکش میں چاشت کا وقت ہو گیا اور قافلہ بھی سرزمین ''نینویٰ'' میں پہنچ گیا اور یہ بدھ کا دن محرم الحرام ۶۱ھ کی دو تاریخ تھی، اسی اثنا میں ناگاہ ایک سوار دور سے آتا ہوا دکھائی دیا، جو کوفہ سے آرہا تھا اور مسلح تھا، سب رک کر اسے دیکھنے لگے، جونہی وہ ان کے قریب پہنچا تو اس نے حر اور ان کے ساتھیوں کو سلام کیا لیکن حسینؑ اور آپ کے کسی ساتھی کو سلام نہیں کیا، اس نے ابن زیاد کی طرف سے ایک خط حر کو دیا، جس میں تحریر تھا کہ:

''جَعْجِعْ بِالْحُسَیْنِ حِیْنَ تَقْرَأُ کِتَابِیْ وَلَاتُنْزِلْہُ اِلَّا بِالْعَرَآءِ عَلیٰ غَیْرِ مَآءٍ وَّغَیْرِ حِصْنٍ ''

یعنی جب میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے تو حسینؑ کو وہیں پر روک لو اور جتنا ہو سکے اس پر سختی سے کام لو، اسے ایسے بے آب و گیاہ بیابان میں اترنے پر مجبور کرو جہاں اس کے بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اور میں نے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ تم سے اس وقت تک جدا نہ ہو جب تک وہ میرے اس خط پر تمہاری طرف سے عملدرآمد کرنے کی خبر نہ لائے، والسلام۔

(مثیر الاحزان ص ۴۸) میں ہے کہ، عبداللہ بن سمعان سے منقول ہے کہ جب ہم ''نینویٰ'' کے قریب پہنچے تو بنی کندہ کا ایک شخص جس کا نام ''مالک بن بشیر'' یا بقولے ''مالک بن نسیر'' تھا آن پہنچا اور ابن زیاد کا خط حر کو دیا۔

''ابو الشعثاء کندی'' نے جب اس کی طرف دیکھا تو اس کا چہرہ دیکھ کر اسے پہچان لیا اور کہا کہ ''تم مالک بن نسیر نہیں ہو'' اس نے کہا کہ ''ایسا ہی ہے'' کیوں کہ اس کا تعلق بھی بنی کندہ سے تھا۔

(نفس المہموم ص ۲۰۴) کے مطابق، ابو الشعثاء نے کہا: ''تمہاری ماں تمہارا غم منائے، کیا لائے ہو'' اس نے کہا: ''کیا لایا ہوں؟'' میں نے اپنے امام کے فرمان پر عمل کیا ہے اور اس کی بیعت کا وفادار ہوں!'' ابو الشعثاء بولے ''اپنے امام

کی اطاعت کر کے اپنے پروردگار کی نافرمانی مول لے لی! اپنی ہلاکت و بربادی کو خریدا، جہنم جانے کا سامان فراہم کیا، تیرا امام کس قدر برا امام ہے خداوند عالم فرماتا ہے

''وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ'' اور ہم نے ایسے امام بنائے ہیں جو جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی (قصص/۴۱) اور تیرا امام بھی انہی میں سے ایک ہے''

اس سے وہ خط لے کر حر، امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور آ کر امامؑ کے سامنے پڑھا، امامؑ نے فرمایا:

''اچھا ٹھیک ہے تم لوگ ہمیں ''نینویٰ'' یا ''غاضریات'' یا ''شفیہ'' میں سے کسی جگہ پر اترنے کی اجازت دو''

یاد رہے کہ (مقتل الحسین مقرم ص ۱۹۲) کے مطابق ـــــــ ''غاضریہ'' بنی اسد کی طرف منسوب ایک گاؤں کا نام ہے ''شفیہ'' بنی اسد کا ایک کنواں ہے جبکہ بعض مورخین کہتے ہیں کہ ''شفیہ'' کربلا کے نزدیک ایک آبادی کا نام ہے، جس کا موجودہ نام ''شفاثا'' ہے ـــــــ

بہرحال (ارشاد شیخ مفیدؒ جلد ۲ ص ۸۴) میں ہے کہ، امام علیہ السلام کو حر نے جواب دیا کہ: ''ایسا ممکن نہیں ہے، کیونکہ یہ نامہ رسان ابن زیاد کا جاسوس بھی ہے میرے ہر ایک اقدام پر اس کی نگاہ ہے''

یہ سن کر زہیر بن قین نے امام کی خدمت میں عرض کیا: ''فرزند رسولؐ! حالات بتا رہے ہیں کہ صورت حال لحہ بہ لحہ سنگین تر ہوتی جا رہی ہے، اب بھی وقت ہے کہ ہم اس مختصر سے ٹولے سے آسانی سے نمٹ سکتے ہیں، اس وقت ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنا آسان ہے، خدا کی قسم ان کے پیچھے جو لوگ آ رہے ہیں ان کے ساتھ مقابلہ ہمارے لئے بہت ہی مشکل ہو جائے گا''

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''ہم جنگ کی ابتدا نہیں کرنا چاہتے''

زہیر نے عرض کی:

''یہیں نزدیک ہی دریائے فرات کے کنارے ایک گاؤں ہے جو ایک مورچے کی صورت میں ہے، جس کو تین طرف سے دریا نے اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے اور وہ ہمارے لئے بہترین مورچہ ثابت ہو سکتا ہے''

امامؑ نے پوچھا: ''اس گاؤں کا نام کیا ہے؟''

عرض کی: ''اسے ''عقر'' کہتے ہیں!''

یہ سن کر امام عالی مقامؑ نے فرمایا:

''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْعُقْرِ ''یعنی عقر سے خدا کی پناہ!!

(یاد رہے کہ ''عقر'' کئی جگہوں کیلئے بولا جاتا تھا، جن میں سے ایک یہ جگہ ''عقر بابل'' بھی ہے جو کربلا کے نزدیک تھی)

اس کے بعد امامؑ نے حر سے فرمایا: ''ذرا اس سے اور آگے چلتے ہیں''

حر نے بات مان لی اور یہ قافلہ تھوڑی دور چلا تھا کہ ایک جگہ رک گیا، امامؑ نے پوچھا: ''اس جگہ کا کیا نام ہے؟

جواب دیا گیا اسے ''طف'' کہتے ہیں''

امام نے پوچھا کوئی اور نام؟ تو کئی نام بتائے گئے، آخر میں ایک نے کہا: ''اسے کربلا بھی کہتے ہیں!'' یہ سن کر امامؑ نے فرمایا:

''اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْکَرْبِ وَالْبَلَا''

خداوندا میں کرب اور بلا سے تیری پناہ مانگتا ہوں

پھر فرمایا:

''یہی ہمارے اترنے کی جگہ ہے، خدا کی قسم اسی جگہ پر ہماری قبریں بنیں گی، خدا کی قسم یہی جگہ قیامت کے دن ہمارے محشور و منشور ہونے کی ہے، یہی میرے جد بزرگوار جناب رسول خدا کی بتائی ہوئی وعدہ گاہ ہے اور اس کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہو سکتی، لہٰذا یہیں پر اتر جاؤ''

سرزمین کربلا میں ورود
(جمعرات ۲/محرم ۶۱ھ)

(مراصد الاطلاع جلد ۳ ص ۱۱۵۴ میں ہے کہ) امام عالیمقامؑ کے حکم کے مطابق اللہ والوں کا یہ کاروان شہادت سرزمین کربلا میں جمعرات کے دن ۲ محرم الحرام ۶۱ھ کو اتر گیا۔

______ کربلا ایک جگہ کا نام ہے جہاں پر حسین بن علیؑ کو شہید کیا گیا، کوفہ کے نزدیک واقع، دریائے فرات کے قرب میں بے آب و گیاہ مقام ہے۔

امامؑ نے حکم دیا کہ اس زمین کی کچھ مٹی مجھے اٹھا کر دو، اس سرزمین کی مٹی آپ کو اٹھا کر دی گئی، آپ نے اسے سونگھا پھر اپنے گریبان سے تھوڑی سی خاک نکالی اور فرمایا:

"یہ وہی مٹی ہے جو جبرائیل امین پروردگار عالم کے حکم سے میرے نانا رسولؐ کی خدمت میں لائے، اور کہا:

"یہ خاکِ کربلا ہے حسینؑ کی قبر کی مٹی ہے"

پھر آپ نے وہ مٹی اس خاک کے ساتھ ملا کر فرمایا:

"دونوں کی خوشبو ایک جیسی ہے"

تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی میں ہے کہ:

"حضرت امام حسین علیہ السلام نے پوچھا کہ:

"اس سرزمین کا نام کیا ہے؟"

تو بتایا گیا کہ "کربلا"

یہ سن کر آپ رو دیئے اور فرمایا:

"اَرْضُ کَرْبٍ وَّبَلَا" مصیبتوں اور آزمائشوں کی سرزمین

پھر کہا کہ: "نانی ام سلمہ نے مجھے بتایا تھا کہ:

"حسینؑ! جبرائیلؑ تمہارے نانا رسولؐ کے پاس آئے اور اس وقت تم میری گود میں تھے کہ اچانک رونا

شروع کر دیا، رسول خداؐ نے فرمایا: ''میرے بیٹے کو چھوڑ دو!!'' میں نے تمہیں چھوڑ دیا، رسول خدا نے تمہیں اپنی آغوش میں بٹھالیا، جبرائیل نے پوچھا کہ

''یارسول اللہؐ! آپ اس بچے کو بہت دوست رکھتے ہیں؟''

تو رسالتمآبؐ نے فرمایا: ''یقیناً دوست رکھتا ہوں''

یہ سن کر جبرائیل امین نے کہا:

''یارسول اللہؐ! آپ کی امت اس بچے کو شہید کر دے گی! اگر آپ چاہتے ہیں تو وہ مٹی بھی آپ کو دکھا سکتا ہوں جہاں کی سرزمین پر اسے شہید کر دیا جائے گا!'' تو رسولِ پاکؐ نے فرمایا: ''ضرور دکھاؤ!''

''پس جبرائیل نے رسول خداؐ کو کربلا کی زمین دکھائی!''

چنانچہ (الامام الحسین واصحابہ ص ۱۹۷) میں ہے کہ جب امامؑ کو لوگوں نے کہا کہ یہ زمینِ کربلا ہے، تو آپ نے اس کی مٹی کو اٹھا کر سونگھا اور فرمایا:

''یہ وہی زمین ہے جس کی خبر جبرائیل نے میرے نانا رسولؐ کو دی تھی اور کہا تھا کہ میں اس سرزمین میں شہید کر دیا جاؤں گا''

ایک اور روایت (کشف الغمہ جلد۲ ص ۴۷) میں درج ہے کہ

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

''یہ کرب اور بلا کی سرزمین ہے، یہیں پر رک جاؤ، آگے مت چلو، یہاں پر ہمارے اونٹوں کو بٹھانے کی جگہ ہے، یہاں ہمارے خون بہانے کی جگہ ہے، خدا کی قسم، اس جگہ پر ہماری حرمت کو پامال کیا جائے گا، ہمارے نونہالوں کو تیروں اور تلواروں کا نشانہ بنایا جائے گا، یہاں پر ہماری قبروں کی زیارت کی جائے گی، میرے نانا رسول اللہ (ص) نے بھی اسی جگہ کو وعدہ گاہ قرار دیا تھا، جس سے روگردانی ممکن نہیں''

بہر حال امام علیہ السلام نے سرزمین کربلا میں اترنے کا حکم دیا، سب لوگ سواریوں سے اترے سامان اتارا، اور ساتھ ہی حر بھی یہاں سے کچھ فاصلے پر امام کے مقابل اتر پڑا۔
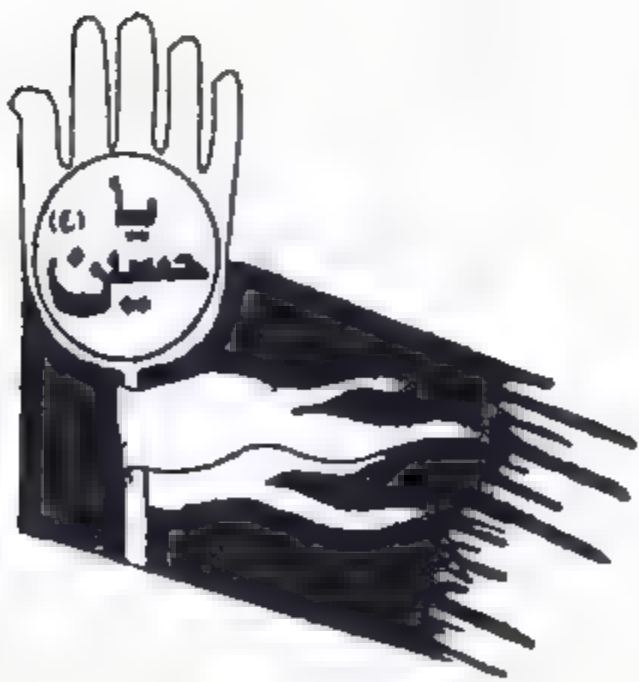
کاروانِ شہادت روز بروز

۲/محرم
بروز جمعرات

(کشف الغمہ جلد۲ ص ۴۷۰ میں درج ہے کہ) آج کے دن کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے نزول اجلال فرمانے کے ساتھ ہی حر نے ابن زیاد کو خط لکھ کر آپ کے کربلا پہنچ جانے کی اطلاع روانہ کر دی۔

بارگاہِ خداوندی میں امامؑ کی دعا:

(مقتل الحسین مقرم ص ۱۹۳ میں ہے کہ) سرزمین کربلا میں پہنچ کر امام عالیمقام نے اپنے اعزاء واقارب کو ایک جگہ جمع کیا، پھر ان کی طرف دیکھ کر رو دیئے، اور بارگاہ خداوندی میں دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّا عِتْرَةُ نَبِيِّکَ مُحَمَّدٍ قَدْ اُخْرِجْنَا وَطُرِدْنَا وَ اُزْعِجْنَا عَنْ حَرَمِ جَدِّنَا، وَ تَعَدَّتْ بَنُوْ اُمَيَّةَ عَلَيْنَا، اَللّٰهُمَّ فَخُذْ لَنَا بِحَقِّنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ"

بارالہا! ہم تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت ہیں، ہمیں ہمارے جدامجد کے حرم سے نکال دیا گیا ہے، بنی امیہ نے ہمارے حق میں ظلم و جفا سے کام لیا ہے، بارِ خدایا! تو ہی ان ظالموں سے ہمارا حق واپس لے اور ہمیں ظالم وستم گار لوگوں پر نصرت و فتح عطا فرما!

(وقائع الایام خیابانی ص ۱۷۱ میں درج ہے کہ) اتنے میں امام مظلوم کی خواہر مظلومہ حضرت ام کلثومؑ نے اپنے بھائی سے عرض کیا "اے برادر! مجھے اس وادی میں عجیب احساس ہو رہا ہے، غم کے ہولناک سائے میرے دل پر چھا گئے ہیں" یہ سن کر امام عالی مقام نے اپنی بہن کو تسلی دی۔

امامؑ کا خطبہ:

(بحارالانوار جلد۴۴، منقول از تحف العقول، تاریخ طبری، مثیر الاحزان، ابن عساکر، مقتل خوارزمی، لہوف) میں ہے کہ، کربلا میں پہنچنے کے بعد حضرت امام عالیمقام حسینؑ نے اپنے یار و انصار اور اہلِ بیتؑ و بنی ہاشم کے افراد کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اَمَّا بَعْدُ، فَقَدْ نَزَلَ بِنَا مَاقَدْ تَرَوْنَ، وَاِنَّ الدُّنْيَا قَدْ تَغَيَّرَتْ وَتَنَكَّرَتْ وَاَدْبَرَ مَعْرُوْفُهَا وَلَمْ يَبْقَ مِنْهَا اِلَّا صُبَابَةٌ كَصُبَابَةِ الْاِنَاءِ وَخَسِيْسَ عَيْشٍ كَالْمَرْعَى الْوَبِيْلِ.

اَلاتَرَوْنَ اِلَی الْحَقِّ لَایُعْمَلُ بِہٖ وَاِلَی الْبَاطِلِ لَا یُتَنَاھٰی عَنْہُ لِیَرْغَبَ الْمُؤْمِنُ فِی لِقَآءِ اللّٰہِ ،فَاِنِّی لَااَرَی الْمَوْتَ اِلَّاسَعَادَۃً وَّلَاالْحَیَاۃَ مَعَ الظَّالِمِیْنَ اِلَّابَرَمًا.

اَلنَّاسُ عَبِیْدُ الدُّنْیَا وَالدِّیْنُ لَعِقَ عَلٰی اَلْسِنَتِھِمْ یَحُوْطُوْنَہٗ مَادَرَّتْ مَعَایِشُھُمْ ، فَاِذَا مُحِّصُوا بِالْبَلَاءِ قَلَّ الدَّیَّانُوْنَ "

اب حالات اس نہج پر پہنچ چکے ہیں جنہیں آپ دیکھ رہے ہیں، حالاتِ زمانہ بالکل تبدیل ہو چکے ہیں، برائیاں آشکار ہو کر سامنے آ چکی ہیں، نیکیاں اور فضیلتیں رختِ سفر باندھ کر روانہ ہو چکی ہیں، انسانی فضائل اب اس قدر باقی رہ گئے ہیں جس قدر پانی کے برتن میں تلچھٹ رہ جاتا ہے، لوگ ذلت بار زندگی گزار رہے ہیں۔

آیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے روگردانی نہیں کی جا رہی !!! ایسے حالات میں مومن کیلئے یہی بات زیادہ شائستہ ہے کہ وہ اپنے رب کی ملاقات کی تمنا کرے، کیونکہ میں ایسی حالت میں موت کو سعادت اور خوش بختی سمجھتا ہوں اور ظالم و ستم پیشہ لوگوں کے ساتھ زندہ رہنا، ذلت و رسوائی جانتا ہوں۔

لوگ دنیا کے بندے ہیں، اور دین کو تو صرف چکھنے کی حد تک اپنائے ہوئے ہیں جو صرف ان کی زبان تک محدود ہے، جب تک ان کے دنیوی کام چلتے رہتے ہیں دین کا دم بھرتے رہتے ہیں لیکن جب آزمائش کی بھٹی سے گزرتے ہیں تو دیندار بہت کم رہ جاتے ہیں۔

بقول طبری امام عالی مقامؑ نے یہی خطبہ منزلِ ذو حُسَم پر بھی ارشاد فرمایا تھا، جبکہ دیگر مورخین نے اسی جگہ کا ذکر کیا ہے، ممکن ہے کہ وہاں پر ارشاد فرمایا ہو اور اس جگہ پر بھی۔

زُہیر بن قین کا خطاب:

بہر صورت امامؑ کا یہ خطبہ سن کر جناب زُہیر بن قین کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے:

''فرزند رسولؐ! ہم نے آپ کی فرمائشات کو سنا، اگر ہماری یہ دنیا ابدی ہوتی اور ہم بھی اس میں ہمیشہ زندہ رہتے، پھر بھی ہم آپ کے ساتھ قیام کو اور آپ کے قدموں میں موت کو ترجیح دیتے''

بُریر ہمدانی:

(وسیلۃ الدارین ص ۱۰۶) میں ہے کہ ابھی زُہیر کی تقریر ختم ہوئی ہی تھی کہ بریر بن خضیر ہمدانی کھڑے ہو گئے یاد رہے کہ بریر کا شمار حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے اصحاب میں ہوتا ہے اور تابعین کی جماعت سے ان کا تعلق ہے، کوفہ کی جامع مسجد میں ''شیخ القراء'' کے لقب سے مشہور تھے، جس کے معنی ''رئیس الحفاظ'' کے ہیں، زُہد وتقویٰ اور اپنے مولاؑ کی اطاعت کے لحاظ سے شہرتِ تامہ رکھتے ہیں، قبیلہ ہمدان میں عزت وعظمت اور قدرو منزلت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

کہنے لگے:

''اے رسول خداؐ کے فرزند! اللہ نے ہم پر آپ ہی کے ذریعے احسان فرمایا ہے کہ ہم آپ کی رکاب میں دشمنانِ دین کے ساتھ جہاد کر رہے ہیں، اور اگر اس راستے میں ہمارے بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تو غم نہیں اس لئے کہ آپ کے جد بزرگوار رسالتمآبؐ بروز قیامت ہمارے شفیع ہوں گے''

نافع بن ہلال بَجلی:

بریر ہمدانی کی تقریر کے بعد نافع بن ہلال بَجلی کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے:

''اے رسول خداؐ کے فرزند! آپ جانتے ہیں کہ آپ کے نانا بزرگوار بھی اپنی محبت تمام لوگوں کے دلوں میں راسخ نہ کر سکے اور جس طرح آنحضرتؐ چاہتے تھے اسی طرح تمام دنیا ان کی فرمانبردار نہیں بنی، کیونکہ لوگوں میں کچھ منافق بھی موجود تھے، جو آنحضرتؐ کو اپنی مدد کا یقین تو دلاتے مگر عملی طور پر بے وفائی کا ثبوت دیتے، ایسے لوگ سامنے سے تو شہد سے زیادہ شیرین اور پیچھے سے حنظل یعنی ایلوے سے زیادہ تلخ ہوتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سرکار رسالتمآبؐ کو اپنے جوارِ رحمت میں بلا لیا۔

اسی طرح آپ کے والد بزرگوار علی بن ابی طالبؑ تھے، کچھ لوگوں نے ان کی مدد کی انہوں نے ناکثین ،قاسطین اور مارقین سے جنگیں کیں، آخر کار وہ بھی اپنی زندگی کے دن پورے کر کے اس دنیا سے چلے گئے، اور رحمتِ خداوندی سے جا ملے، اور اس وقت ہمارے درمیان آپ کی بھی وہی کیفیت ہے جو آپ کے نانا اور بابا کی تھی۔

لہٰذا جس شخص نے آپ کے پیمان کو توڑا وہ خسارے میں ہوگا اور اپنا ہی نقصان کرے گا اور اللہ آپ کو اس سے بے نیاز کرے گا، ہم حاضر ہیں، آپ ہمیں مشرق یا مغرب جس طرف چاہیں لے چلیں خدا کی قسم ہمیں موت کا کوئی ڈر نہیں ہے، اور ہم ملاقات رب سے صرف ڈرتے ہی نہیں بلکہ خوشی کے ساتھ اس کیلئے تیار بھی ہیں اور ہم صدق دل اور پوری بصیرت کے ساتھ ہر اس شخص کے دوست ہیں جو آپ کا دوست ہے اور ہر اس شخص کے دشمن ہیں جو آپ کا دشمن ہے"

امامؑ کے نام ابن زیاد کا خط:

(الامام الحسینؑ واصحابہ، ص۲۲۲) میں ہے کہ، جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ امام عالی مقامؑ کربلا میں تشریف لا چکے ہیں تو اس نے امامؑ کو اس مضمون کا خط لکھا:

"...... مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کربلا میں پہنچ چکے ہو اور ___ نعوذ باللہ ___ امیر المومنین یزید نے لکھا ہے کہ "جب تک میں تمہیں ___ حسین علیہ السلام کو ___ موت کے گھاٹ نہ اتار دوں، اس وقت تک نہ اپنا سر تکیے پر رکھوں گا اور نہ ہی سیر ہو کر کھانا کھاؤں گا" یا پھر میرے اور یزید بن معاویہ کے حکم پر عمل کرو والسلام"

امام علیہ السلام نے جب یہ خط پڑھا تو بڑی حقارت سے اسے زمین پر پھینک دیا، اور فرمایا:

"لَا اَفْلَحَ قَوْمٌ اِشْتَرَوا مَرْضَاتِ الْمَخْلُوْقِ بِسَخَطِ الْخَالِقِ......مَالَهُ عِنْدِیْ جَوَابٌ ، لِاَنَّهُ حَقَّتْ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ"

جنہوں نے مخلوق کی خوشنودی کیلئے خالق کی ناراضی مول لے لی انہوں نے کبھی فلاح نہیں پائی۔

نامہ بر نے آپ سے خط کا جواب لینے کی درخواست کی تو فرمایا:

"مَالَهُ عِنْدِیْ جَوَابٌ ، لِاَنَّهُ حَقَّتْ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ"

میرے پاس ابن زیاد کے خط کا کوئی جواب نہیں ہے کیونکہ اس پر خدا کا عذاب لازم اور ثابت ہو چکا ہے، اس لئے کہ اس نے خداوند عالم کے ساتھ جنگ کا آغاز کر دیا ہے۔

جب ایلچی ابن زیاد کے پاس واپس گیا اور سارا ماجرا بیان کیا تو وہ امامؑ پر سخت برہم ہوا اور عمر بن سعد کی طرف دیکھ کر اسے امام علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا۔

عمر بن سعد جو ''رے'' کی حکومت کا امیدوار تھا، امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ سے عذر خواہی کی، ابن زیاد نے کہا: ''تو پھر رے کی حکومت کا حکم نامہ واپس کرو''

___ رے کی حکومت کا پس منظر یہ ہے چونکہ دیلمیان نے ''رے'' پر قبضہ کر لیا تھا، اور یہ علاقہ ابن زیاد کی قلمرو سے نکل چکا تھا لہٰذا اس نے عمر سعد کو چار ہزار کے لشکر کے ساتھ وہ علاقہ واپس لینے کیلئے رے کی حکومت کا حکم نامہ جاری کیا تھا کہ وہ ''دستبی'' جا کر پورے علاقے کو دیلمیوں سے واپس لے کر اس کا نظم ونسق خود سنبھالے، اور دستبی، ہمدان اور ''رے'' کے درمیان ایک وسیع علاقے پر مشتمل جگہ کا نام ہے جسے عوام الناس ''دشتابی'' بولتے ہیں ___

(مقتل الحسین مقرم) کے مطابق، چونکہ ابن زیاد کے حکم نامہ کے مطابق عمر بن سعد رے کی طرف جانے کیلئے کوفہ کے مقام ''حمام اعین'' میں تیاریوں میں مصروف تھا کہ اسی دوران ابن زیاد کو کوفہ میں اطلاع ملی کہ امام حسین علیہ السلام کوفہ کی جانب آرہے ہیں، اس نے عمر سعد کو حکم دیا کہ: ''پہلے حسینؑ کی طرف جاؤ، جب اس ماموریت سے فارغ ہو جاؤ گے تو پھر رے کی طرف جانا''

چونکہ رے سے انصراف اس کیلئے سخت ناگوار تھا اس لئے اس نے ابن زیاد سے کہا: ''آپ مجھے آج کیلئے مہلت دیں تا کہ اس بارے میں سوچ بچار کر لوں''

مورخین لکھتے ہیں کہ عمر سعد ابتدائے شب سے سحر تک اس بارے میں غور وفکر کرتا رہا، اور کہتا تھا:

ءَ اَترُکُ مُلکَ الرَّیِّ وَالرَّیُّ رَغبَتِی ___ اَمْ اَرجِعُ مَذمُوماً بِقَتلِ حُسَینِ
وَفِی قَتلِهِ النَّارُ الَّتِی لَیسَ دُونَهَا ___ حِجَابٌ وَّ مُلکُ الرَّیِّ قُرَّةُ عَینِی

آیا میں رے کی حکومت کو چھوڑ دوں؟ حالانکہ یہ میری آرزو ہے، یا پھر حسین کو شہید کر کے مذمت بھری حالت میں واپس لوٹ جاؤں امام حسین علیہ السلام کے قتل (کے بدلے) میں آگ ہے جس سے راہ فرار نہیں ہے اور رے کی حکومت بھی میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

اس نے پھر یہ سارا ماجرا صاحبان حل وعقد کے سامنے رکھا، سب نے اسے امام حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے سے روکا، حمزہ بن مغیرہ اس کا بھانجا ہوتا تھا، اس نے کہا:

''آپ کو خدا کا واسطہ! آپ اس ارادے سے باز آجائیں کیونکہ امامؑ کے ساتھ جنگ خدا کی نافرمانی اور قطع رحمی کے زمرے میں آتی ہے، خدا کی قسم! اگر تمام دنیا آپ کے اختیار میں دے دی جائے اور

پھر واپس لے لی جائے وہ بہتر ہے اس بات سے کہ آپ اللہ کی بارگاہ میں اس حالت میں پیش ہوں کہ آپ کے ہاتھ، خون حسین بن علیؑ سے رنگین ہوں‘‘
یہ سن کر عمر سعد نے کہا: ’’انشاءاللہ ایسا ہی کروں گا‘‘

عمار بن عبداللہ:

(تاریخ طبری جلد۵ ص ۴۰۹ میں ہے کہ) عمار بن عبداللہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ’’میں عمر بن سعد کے پاس اس وقت پہنچا جب وہ کربلا جانے کی تیاری میں مصروف تھا، اس نے مجھے کہا ’’امیر ___ یعنی ابن زیاد ___ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں حسینؑ کی طرف کربلا جاؤں!‘‘ یہ سن کر میں نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا: ’’اس قصد سے باز آجاؤ‘‘ جونہی میں اس کے پاس سے اٹھ کر باہر آیا تو ایک شخص میرے پاس آکر کہنے لگا: ’’عمر سعد لوگوں کو امام حسین (ع) کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے بلا رہا ہے‘‘ میں پھر اس کے پاس گیا، اس وقت وہ بیٹھا ہوا تھا، جونہی اس نے دیکھا، تو فوراً مجھ سے منہ پھیر لیا، جس سے میں سمجھ گیا کہ وہ اپنے ارادے سے باز نہیں آئے گا، چنانچہ عمر بن سعد، ابن زیاد کے پاس گیا اور اس سے عرض گزار ہوا!

’’آپ نے میرے ذمے یہ کام لگایا ہے اور اس کے بدلے میں ’’رے‘‘ کی حکومت دی ہے، اور لوگوں کو بھی اس کا علم ہو گیا ہے، البتہ اس بارے میری یہ خواہش ہے کہ کوفہ کے کچھ سردار ہیں جن کا اس جنگ میں میرے ساتھ ہونا ضروری ہے، آپ انہیں بلا کر میرے ہمراہ کر دیں‘‘۔

پھر اس نے ان سرداروں کے نام بھی بتائے، جسے سن کر ابن زیاد نے کہا:

’’ہم تمہارے ساتھ کس کو بھیجیں، کس کو نہ بھیجیں، اس بارے میں ہم نے تم سے کوئی رائے نہیں لینی، اگر تم اسی موجودہ لشکر کے ساتھ اپنے فریضہ سے عہدہ برآ ہو سکتے ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ رے کی حکومت سے اپنے آپ کو فارغ سمجھو!!‘‘ عمر سعد نے جب ابن زیاد کا یہ جواب سنا تو کہا: ’’ٹھیک ہے میں جاؤں گا‘‘

۳/محرم الحرام
(بروز جمعہ)

کربلا کی طرف فوجوں کی روانگی:

(ارشاد شیخ مفید جلد۲ ص۸۴) میں ہے کہ) حضرت امام حسین علیہ السلام کے کربلا پہنچنے کے ایک دن بعد یعنی تین محرم الحرام کو عمر بن سعد کوفہ سے چار ہزار کا لشکر لے کر کربلا پہنچ گیا۔

بعض مورخین نے لکھا ہے جیسا کہ (طبقات ابن سعد، حالات امام حسین علیہ السلام) میں ہے کہ، عمر سعد کے قبیلہ ___ بنوزھرہ ___ کے لوگ اس کے پاس آئے اور اس سے کہا:

''ہم تمہیں خدا کی قسم دے کر کہتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ جنگ کرنے سے باز آجاؤ، کیونکہ اس سے ہمارے اور بنو ہاشم کے درمیان دشمنی کھڑی ہو جائے گی''

یہ سن کر اس نے ابن زیاد کو اپنا استعفا پیش کر دیا:

''لیکن ابن زیاد نے اسے منظور کرنے سے انکار کر دیا اور عمر سعد نے اس پر اصرار نہیں کیا اور کربلا کی طرف روانہ ہو گیا''

(کتاب الامام الحسینؑ واصحابہ میں ہے کہ) بعض مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ عمر سعد کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام حفص تھا، وہ اپنے باپ کو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے تشویق وترغیب دلا رہا تھا جبکہ اس کا دوسرا بیٹا اسے سختی سے روکتا رہا، انجام کار حفص بھی اپنے باپ کے ساتھ راہی کربلا ہو گیا۔

زمین کربلا کی خرید:

(مجمع البحرین جلد۵ ص۴۶۱، کلمہ کربل) کے مطابق، تین محرم کو رونما ہونے والے واقعات میں یہ بھی ہے کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کربلا کی سرزمین کا ایک ٹکڑا کہ جس میں آپ کی قبر مبارک بھی ہے نینوا اور غاضریہ والوں سے ساٹھ ہزار درہم کے بدلے میں خرید فرمایا اور ان سے یہ شرط کی کہ میری زیارت کیلئے آنے والوں کی رہنمائی بھی کریں گے اور تین دن تک ان کی میزبانی بھی کریں گے۔

اصحاب امامؑ کی ہوشیاری:

(تاریخ طبری جلد ۵ ص ۴۱۰) میں درج ہے کہ، جب عمر بن سعد کربلا پہنچ گیا تو اس نے ''عزرۃ بن قیس احمسی'' سے کہا کہ امامؑ کے پاس جا کر ان سے کربلا آنے کا مقصد معلوم کرے، چونکہ عزرہ ان لوگوں میں تھا جنہوں نے خطوط لکھ کر کوفہ آنے کی دعوت دی تھی لہٰذا اس نے شرمساری کی وجہ سے جانے سے انکار کر دیا، عمر سعد نے دوسرے سردارانِ کوفہ کو کہ جنہوں نے امامؑ کو خطوط لکھے تھے، ان کے پاس جانے کا کہا مگر کسی نے بھی شرم کے مارے آپ کے پاس جانے کی جرأت نہیں کی، البتہ ان میں سے ایک شخص نے اس بات کی حامی بھر لی جس کا نام کثیر بن عبداللہ شعبی تھا، اور یہ نہایت ہی گستاخ انسان تھا، اس نے کہا:

''میں ان کے پاس جاتا ہوں، اگر آپ کہیں تو میں انہیں قتل بھی کر دوں!!''

عمر نے کہا:

''میرا فی الحال یہ مقصد نہیں ہے، میں یہی چاہتا ہوں کہ ان سے کربلا آنے کا مقصد پوچھوں''

کثیر امامؑ کی طرف روانہ ہو گیا، امامؑ کے ایک جان نثار ساتھی نے جن کا نام ''ابوثمامہ صائدی'' تھا، اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر امام کی خدمت میں عرض کیا ''یہ شخص جو ہماری طرف آ رہا ہے روئے زمین کا بدترین انسان ہے'' جب وہ قریب آیا تو ابوثمامہ نے آگے بڑھ کر اسے روک لیا اور کہا:

''اپنی تلوار یہیں پر رکھ کر امامؑ کی خدمت میں جاؤ''

اس نے کہا:

''خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا، چونکہ میں صرف ایلچی کی حیثیت سے آیا ہوں، اگر جانے دو گے تو جا کر اپنا پیغام ان تک پہنچاؤں گا، ورنہ واپس لوٹ جاؤں گا''

ابوثمامہ نے کہا:

''پھر ایسا ہو گا کہ: ''میں اپنا ہاتھ تمہاری تلوار پر رکھوں گا اور تم اپنا پیغام امامؑ تک پہنچا دینا''

اس نے کہا: ''بخدا! میں ایسا کام ہرگز نہیں کرنے دوں گا''

ابوثمامہ نے کہا:

''تو پھر اپنا پیغام مجھے بتاؤ میں اسے امامؑ کی خدمت میں پہنچا دوں گا، کیوں کہ تم ایک خراب آدمی ہو

میں نہیں چاہتا کہ تم امامؑ کے پاس جاؤ!!''

اس قسم کی متنازعہ گفتگو کے بعد کثیر بن عبداللہ، امام علیہ السلام سے ملاقات کئے بغیر واپس چلا گیا اور عمر سعد کو سارا ماجرا جا کر سنا دیا، عمر نے ایک دوسرا شخص بنام ''قرہ بن قیس حنظلی'' کو اپنے پاس بلا کر کہا:

''حسینؑ کے پاس جا کر ان سے یہاں پر آنے کا مقصد دریافت کرو''

عمر سعد کا حکم پا کر وہ امامؑ کی طرف روانہ ہوا، اسے آتا دیکھ کر امامؑ نے اپنے اصحاب سے پوچھا:

''اس آدمی کو پہچانتے ہو؟''

حبیب بن مظاہر نے عرض کیا:

''جی ہاں! یہ بنو تمیم کا ایک آدمی ہے، ہم اسے اچھا آدمی سمجھتے تھے، اور میرا گمان نہیں تھا کہ وہ ایسا ثابت ہوگا''

اتنے میں قُرّہ بن قیس بھی امامؑ کے پاس پہنچ گیا، سلام عرض کرنے کے بعد امامؑ کی خدمت میں پیغام پہنچایا، امامؑ نے فرمایا: ''تمہارے شہر کے لوگوں نے، مجھے خط لکھ کر بلایا ہے، اگر تم لوگ میرے آنے پر راضی نہیں ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں''

یہ سن کر قرہ، واپس جانے لگا تو جناب حبیب نے اسے فرمایا:

''قرہ! افسوس ہے تجھ پر، کیوں ظالموں کی طرف واپس جا رہے ہو؟ تم اس شخصیت ــــ (یعنی امام حسین علیہ السلام) ــــ کی مدد کرو جن کے آباء و اجداد کے ذریعہ تم نے ہدایت پائی ہے''

قرہ نے کہا:

''میں اپنے ذمہ لگائے ہوئے کام کو انجام دے لوں اور امامؑ کا جواب عمر سعد تک پہنچا لوں پھر اس بارے میں سوچوں گا''

پس وہ عمر سعد کے پاس چلا گیا اور اسے تمام تفصیلات سے آگاہ کیا، یہ سن کر عمر سعد نے کہا:

''امید ہے کہ خدا مجھے حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے سے بچا لے گا''

عمر سعد کا خط:

حسان بن فائد راوی ہے کہ: ''میں ابن زیاد کے پاس بیٹھا تھا کہ عمر سعد کا خط اس کے پاس لایا گیا، اور اس خط

میں تحریر تھا کہ:

''جب میں اپنے لشکر کے ساتھ حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کے پاس جا کر قیام پذیر ہوا، تو اس کی طرف ایک قاصد بھیجا کہ اس کے یہاں آنے کا مقصد دریافت کرے، تو اس نے جواب میں کہا: ''اہلِ کوفہ نے مجھے خط لکھ کر اور اپنے قاصد میرے پاس بھیج کر مجھے بلایا ہے، اگر میرے آنے پر راضی نہیں ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں''

ابن زیاد نے عمر سعد کا خط پڑھ کر یہ شعر پڑھا:

اَلآنَ وَقَدْ عَلِقَتْ مُخَالِبُنَا بِهِ ــــــ يَرْجُوْ النَّجَاةَ وَلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ

یعنی اب جبکہ وہ ہمارے چنگل میں پھنس چکا ہے تو بچنے کی امیدیں وابستہ کر لی ہیں، مگر اب وقت فرار کہاں؟

ابن زیاد کا خط ابن سعد کے نام:

(تاریخ طبری جلد نمبر۵ ص۴۱۱) میں لکھا ہے کہ ابن زیاد نے عمر سعد کو لکھا کہ:

''تمہارا خط مجھے ملا، اس کے مضمون سے مطلع ہوا، حسین بن علیؑ سے کہو کہ وہ خود اور اس کے تمام یار وانصار یزید کی بیعت کریں، اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو پھر ہم بعد میں اپنے نقطہ نظر سے مطلع کریں گے''

(بحار الانوار جلد۴۴ ص۳۸۵) میں ہے کہ، جب یہ خط عمر سعد کے پاس پہنچا تو اس نے پڑھ کر کہا: ''معلوم ہوتا ہے کہ ابن زیاد صلح و عافیت نہیں چاہتا''

اس نے اس خط کا ذکر امام حسینؑ سے نہیں کیا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ فرزند رسولؐ یزید کی بیعت ہرگز نہیں کریں گے''

خوف وہراس کی فضا:

(الاخبار الطوال ص۲۵۳ میں ہے کہ) ابن زیاد عمر سعد کو کربلا روانہ کرنے کے بعد کربلا کی طرف لاتعداد اور بے شمار سپاہ بھیجنے کی سوچ میں پڑ گیا، چنانچہ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ: ''کوفہ کے لوگ امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے کو سخت ناپسند کرتے تھے، ابن زیاد جسے بھی امامؑ کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے بھیجتا وہ وہاں سے واپس آجاتا، لہٰذا اس نے ''سوید بن عبدالرحمٰن'' نامی شخص کے ذمہ یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ اس بارے میں تحقیق کرے کہ لوگ جنگ سے فرار کیوں اختیار

کر رہے ہیں اور بھاگ کر آنے والے کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دے۔''

چنانچہ سوید نے ایک شخص کو اس وقت گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دیا جب وہ کسی اہم کام کے سلسلے میں لشکر گاہ سے کوفہ کی جانب آ رہا تھا تو اسے گرفتار کر کے ابن زیاد کی طرف بھیج دیا، اور ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس کا سر قلم کر دیا جائے، تا کہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور کوئی بھی اس کی حکم عدولی کی جرأت نہ کر سکے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ وہ شامی اپنی میراث کے حصول کے سلسلہ میں کوفہ آیا ہوا تھا۔

ابن زیاد نُخیلہ میں:

یاد رہے کہ ''نخیلہ'' کوفہ کے نزدیک اور شام کے راستے پر ایک جگہ کا نام ہے، اسے ایک چھاونی کی حیثیت حاصل تھی اور اطراف کے لشکر وہاں پر جمع ہو کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہوتے تھے۔

(انساب الاشراف جلد۳ ص ۱۷۸) میں ہے کہ، ابن زیاد بذاتِ خود کوفہ سے نخیلہ کی طرف چل پڑا، اور ایک قاصد کو حصین بن تمیم ـــــ یا بقولے حصین بن نمیر ـــــ کی طرف قادسیہ کی طرف بھیج کر اسے اپنے پاس بلا لیا چنانچہ وہ بھی اپنے ہمراہ چار ہزار افراد کے لشکر کے ساتھ نخیلہ پہنچ گیا، پھر اس نے کثیر بن شہاب حارثی، محمد بن اشعث، قعقاع بن سوید اور اسماء بن خارجہ کو بھی یہیں پر طلب کر لیا، اور وہ بھی یہاں پہنچ گئے، اس نے ان سب کے ذمہ یہ کام سونپا کہ سب لوگ کوفہ کے اندر گشت کریں اور لوگوں کو یزید اور میری اطاعت کا حکم دیں، اور انہیں نافرمانی اور فتنہ برپا کرنے سے ہر ممکن روکیں اور انہیں لشکر گاہ کی طرف بلائیں۔

چنانچہ چاروں لوگوں نے ابن زیاد کے فرمان کے مطابق عمل کیا، اس کے بعد تین لوگ تو ابن زیاد کی طرف نخیلہ واپس آ گئے اور کثیر بن شہاب کوفہ ہی میں ٹھہر گیا، اور وہ شہر کے گلی کوچوں میں گشت کرتا رہا اور لوگوں کو ابن زیاد کے لشکر کے ساتھ مل جانے کی تشویق دلاتا تھا اور امام علیہ السلام کی نصرت و یاری سے روکتا تھا۔

ابن زیاد نے عمر سعد کے ساتھ رابطہ قائم رکھنے کیلئے گھڑ سواروں کے ایک دستے کو اپنے ساتھ خصوصی طور پر رکھ لیا تا کہ ہنگامی طور پر اس سے کام لیا جا سکے۔

جب ابن زیاد نخیلہ چھاونی میں تھا، تو ''عمارہ بن ابی سلامہ'' نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ ابن زیاد کو قتل کریں گے، لیکن وہ اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکے اور کربلا کی طرف چلے گئے، اور امامؑ کے ساتھ جا ملے اور آپ ہی کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا۔

۱۴ محرم الحرام
(بروز ہفتہ)

آج کے دن ابن زیاد نے لوگوں کو جامع مسجد کوفہ میں جمع کیا اور خود منبر پر جا کر یوں تقریر کی:

''اے لوگو! تم نے یزید کے بزرگوں کو خوب آزمایا ہے اور انہیں اسی طرح پایا جس طرح تم چاہتے تھے ،اور یزید کو بھی جانتے ہو کہ نیک سیرت انسان ہے وہ اپنے زیردست لوگوں کے ساتھ نیکی اور احسان کا سلوک کرتا ہے، اس کی ہر ایک پر بے انتہا عنایات ہیں، یزید کا باپ بھی اسی طرح تھا، اور اب یزید نے حکم' دیا ہے کہ میں اس کے اس عطیے اور اعزازیئے میں مزید اضافہ کردوں جو وہ تمہیں دیا کرتا تھا 'اس نے تمہارے درمیان تقسیم کرنے کیلئے بہت سی رقم ابھی بھیجی ہے، تاکہ تم یہ لو اور فوراً اس کے دشمن، حسین بن علیؑ کی طرف جنگ کرنے کیلئے روانہ ہو جاؤ، میری بات کو دل کے کانوں سے سنو اور اس پر عمل کرو''

(الاخبار الطوال ص۲۵۴) میں درج کہ، یہ کہہ کر وہ منبر سے اتر آیا اور شامی باشندوں کیلئے بھی کچھ عطیے تقسیم کیئے ،اور اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ شہر میں منادی کرادی جائے تاکہ سب لوگ حسینؑ کے ساتھ جنگ کیلئے تیار ہو جائیں، یہ حکم دے کر خود اور اس کے دوسرے ساتھی نخیلہ کی طرف چل دیئے ،اور ساتھ ہی اس نے حصین بن نمیر، حجار بن ابجر، شبث بن ربعی اور شمر ذی الجوش کو کربلا کی طرف روانہ کر دیا تاکہ وہاں جا کر حسینؑ کے ساتھ جنگ کے لئے عمر سعد کی کمک کریں۔

یاد رہے کہ (بحار الانوار جلد ۴۴ ص ۳۸۶) کے مطابق، ابن زیاد کے عمر سعد کو کربلا میں بھیجنے کے بعد شمر ذی الجوشن پہلا وہ شخص تھا جس نے چار ہزار آزمودہ کار سپاہیوں کے ساتھ حسین مظلومؑ کے ساتھ لڑنے کے لئے اپنی طرف سے آمادگی کا اظہار کیا، پھر یزید بن رکاب کلبی نے دو ہزار کے فوجیوں کے ساتھ، حصین بن نمیر نے چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ، اور نصر بن حرشہ نے دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ جو سب مل کر بیس ہزار کا لشکر بنتے ہیں۔

یاد رہے کہ مذکورہ بالا تعداد باقاعدہ حربی علوم وفنون سے واقف اور آزمودہ کار ماہر فوجیوں کی ہے، دوسری تعداد اس کے علاوہ ہے۔

۱۵ محرم الحرام
(بروز اتوار)

(عوالم العلوم جلد ۱۷ص ۲۳۷) میں درج ہے کہ بروز اتوار، ابن زیاد نے ایک آدمی شبث بن ربعی کو بلا لانے کیلئے بھیجا تا کہ وہ دارالامارہ میں حاضری دے، مگر اس نے بیماری کا بہانہ بنایا ہوا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ ابن زیاد اسے کربلا جانے سے معاف کر دے۔ کیونکہ یہ شخص امامؑ کو خطوط لکھنے والوں میں شامل تھا۔

مگر ابن زیاد نے اسے کہلا بھیجا کہ:

''کہیں ان لوگوں میں سے تو نہیں ہو جن کے متعلق قرآن کہتا ہے: ''وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قَالُوْا آمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیَاطِیْنِھِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَکُمْ ،اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُ وْنَ'' جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لا چکے ہیں اور جس وقت اپنے (یاروں، دوستوں) شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اور مومنوں کے ساتھ مذاق کرتے ہیں

(سورہ بقرہ آیت ۱۴)

ساتھ ہی اس نے کہلا بھیجا کہ: ''اگر تم ہمارے فرمانبردار ہو اور ہماری اطاعت کرتے ہو تو تمہیں ہمارے پاس آنا پڑے گا''

شبث یہ حکم سن کر رات کے وقت ابن زیاد کے پاس آیا تا کہ اس کے چہرے کو بخوبی نہ پہچانا جا سکے، اس کے دربار میں آتے ہی ابن زیاد نے اس کی خوب آؤ بھگت کی اور اسے اپنے قریب بٹھا کر کہا: ''تمہیں ہر حالت میں کربلا جانا پڑے گا'' جسے شبث نے قبول کر لیا اور ابن زیاد نے اسے ایک ہزار کا لشکر، دے کر کربلا بھیج دیا۔

یاد رہے کہ (وسیلۃ الدارین کے مطابق) یہ شبث بن ربعی وہ شخص ہے جس نے پیغمبر اسلام کا زمانہ دیکھا ہے، اور حضورؐ کے مقابلے میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والی عورت سجاح بنت حارث بن سوید تمیمی کا مؤذن رہا ہے، پھر اسلام کی طرف لوٹ آیا اور جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام سے کٹ کر خوارج کے ساتھ جا ملا، ایک عرصے کے بعد توبہ کی، آخر کار قاتلین امام حسین علیہ السلام میں شامل ہو کر ابدی لعنت کا مستحق ہو گیا۔

مورخ مدائنی کے بقول: شبث بن ربعی کوفہ میں افواج شام کا متولی تھا اور عجلی کے بقول، شبث ان لوگوں

میں شامل تھا جنہوں نے حضرت علیؑ کے قتل کیلئے ابن ملجم کی مدد کی تھی اور امام حسینؑ کو خط لکھ کر کوفہ بلانے والوں میں بھی شامل ہے۔

بہرحال (مقتل الحسین مقرم ص ۱۹۹ میں درج ہے) کہ، شبث بن ربعی کے بعد ابن زیاد نے زُحر بن قیس نامی شخص کو پانچ سو سپاہیوں کا دستہ دے کر ''جسر صراط'' پر متعین کر دیا، جسرِ صراط ایک پل کا نام ہے کوفہ والے جس سے گزر کر کربلا جاتے ہیں، ابن زیاد نے زحر کو حکم دیا کہ حسین بن علیؑ کی مدد کیلئے کربلا جانے والوں پر کڑی نظر رکھیں اور کسی کو ادھر نہ جانے دیں۔

زحر کے پہرے کے دوران ''عامر بن ابی سلامہ'' ایک شخص امام حسینؑ کی خدمت میں جانے کیلئے زحر اور اس کے سپاہیوں کے آگے سے گزر گیا، زحر نے اسے دیکھ کر کہا:

''مجھے معلوم ہے کہ تم حسینؑ کی مدد کیلئے کربلا جا رہے ہو لیکن میں تمہیں کہتا ہوں کہ واپس آ جاؤ''

مگر اس نے واپس آنے کی بجائے اس پر حملہ کر دیا اور سپاہیوں کے درمیان سے گزر گیا اب اسے روکنے کی جرأت کسی کو نہیں ہوئی اور وہ کربلا میں حضرت سید الشہداء امام حسینؑ کی بارگاہ میں پہنچ گیا اور آپ کی خدمت میں رہ کر میدان کربلا میں منصب شہادت پر فائز ہوا۔

یاد رہے کہ یہی عامر بن ابی سلامہ حضرتِ امیرؑ کے اصحاب میں سے تھے اور حضرت علیؑ کی رکاب میں رہ کر تلوار کے جوہر دکھائے۔

یزیدی لشکر کی تعداد:

(مقتل الحسین مقرم ص ۲۰۱، الامام الحسینؑ واصحابہ ص ۲۳۰ میں ہے کہ) میدان کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے لشکر یزید کی کیا تعداد تھی؟ اس بارے میں روایات بہت مختلف ہیں، لیکن جو بات یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ جو فوجی، حکومت وقت سے باقاعدہ تنخواہ، لباس، خوراک اور دوسرے حقوق حاصل کرتے تھے یا آج کی اصطلاح میں ''ریگولر فوجی'' تھے ان کی تعداد تیس ہزار تھی۔

لیکن جب ملک میں ہنگامی صورت حال ہو یعنی ایمرجنسی نافذ ہو اور حکومت وقت کی طرف سے عام لام بندی کا حکم ہو چکا ہو اور یہ فرمان جاری ہو چکا ہو کہ کوئی بالغ مرد گھر میں نہ رہے حجّام و بقّال تک سب میدان جنگ کا رخ کریں، تو پھر ایسی صورت میں تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہو سکتی ہے اور صحیح تعداد کا بتانا مشکل ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر کوئی مورخ تیس ہزار

لکھتا ہے تو وہ باقاعدہ فوج کی تعداد بتاتا ہے اور جو پچاس ہزار یا ساٹھ ہزار یا ایک لاکھ لکھتا ہے وہ ملک میں نافذ ہنگامی حالت یا ایمرجنسی اور عام لام بندی کو مدنظر رکھ کر تعداد کا ذکر کرتا ہے، لہٰذا،

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختلف روایات کے مطابق باقاعدہ فوجیوں کی تعداد اور کمانڈروں کے ناموں کو یہاں ذکر کیا جائے۔

۱۔حربن یزید ریاحی ایک ہزار ۲۔کعب بن طلحہ تین ہزار

۳۔عمر بن سعد چار ہزار

۴۔شمر ذی الجوشن سلولی چار ہزار سوار اور پیادے

۵۔یزید بن رکاب کلبی دو ہزار

۶۔حصین بن نمیر ــــ یا ابن تمیم ــــ تمیمی، چار ہزار

۷۔مضایر بن رُہینہ مازنی، تین ہزار

۸۔نصر بن خرشہ چار ہزار

۹۔شبث بن ربعی ایک ہزار اور ۱۰۔حجار بن ابجر ایک ہزار

حسینؑ کے جاں نثار:

ہم جہاں یزید کی فوج کی تعداد بتا رہے ہیں وہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مظلوم و بے کس ذات یعنی نواسہء رسولؐ کے ہمراہیوں کی تعداد کو بھی ذکر کر دیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ جنگ کس قدر غیر عادلانہ اور نا برابری کی جنگ تھی، اور جس ذات کو قتل کرنے کیلئے اس قدر لا تعداد فوج تھی اس کے ساتھی کتنے تھے؟

چنانچہ اس بارے میں بھی روایات مختلف ہیں، البتہ (کتاب، ناسخ التواریخ جلد۲ ص ۱۸۳) میں کچھ اس طرح درج ہے کہ

۱۔بہتر (۷۲) ہے جن میں ۴۰ پیادہ اور ۳۲ سوار ہیں

۲۔ایک سو ستائیس (۱۲۷) ہے جن میں ۸۲ پیادہ اور ۴۵ سوار

۳۔ایک سو پینتالیس (۱۴۵) جن میں ۱۰۰ پیادہ اور ۴۵ سوار

۵۔ایک سو ستر (۱۷۰) ہے جن میں ۱۰۰ پیادہ اور ۷۰ سوار، غرض اس سے زیادہ تعداد نہیں بتائی گئی۔

۶۔جبکہ مشہور تعداد ۷۲ ہے جن میں ۱۸ بنی ہاشم اور باقی اصحاب حسین علیہ السلام تھے۔

۶/محرم الحرام
(بروز پیر)

(بحار الانوار جلد ۴۴ ص ۳۸۷ میں ہے کہ) آج کے دن ابن زیاد نے عمر سعد کو اس مضمون کا خط لکھا، ''میں نے سوار اور پیادوں کے جتنے لشکر ہو سکتے تھے اور جتنا جنگی ساز و سامان ہو سکتا تھا زیادہ سے زیادہ تمہاری طرف بھیج دیا ہے، اور اس بارے میں کسی قسم کے بخل سے کام نہیں لیا، اب تمہیں خبردار ہونا چاہیے کیونکہ تمہاری دن اور رات کی رپورٹیں مجھے مل رہی ہیں''

دشمن کے لشکر کی کیفیت:

چونکہ لوگوں کو معلوم تھا کہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ گویا خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جنگ ہے، لہٰذا وہ کسی دینی اور شرعی عقیدے کے ساتھ اس میں شریک نہیں ہوئے تھے، یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کو فرار کا موقع ملتا تھا تو وہ اس لشکر سے بھاگ جاتے تھے، مگر چونکہ دشمن کی سختی اپنے عروج پر تھی لہٰذا کسی کو فرار کا بہت کم ہی موقع ملتا تھا۔

محمد حنفیہ کے نام خط:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے کربلا سے اپنے بھائی جناب محمد بن حنفیہ کو اس مضمون کا خط تحریر فرمایا:

''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ،مِنَ الۡحُسَيۡنِ بۡنِ عَلِيٍّ ـــ اِلٰى ـــ مُحَمَّدِ بۡنِ عَلِيٍّ وَمَنۡ قِبَلَهٗ مِن بَنِى هَاشِمٍ ، اَمَّابَعۡدُ كَانَ الدُّنۡيَا لَمۡ تَكُنۡ وَ كَانَّ الۡاٰخِرَةَ لَمۡ تَزَلۡ''

حسینؑ بن علیؑ کا خط محمد بن علی، (محمد حنفیہ) اور ان بنی ہاشم کے نام جو ان کے ساتھ ہیں، گویا دنیا موجود ہی نہیں تھی اور آخرت ہمیشہ سے ہے۔

بنی اسد اور نصرت امامؑ:

آج یعنی چھ محرم کو حضرت امام عالیمقامؑ کی خدمت میں جناب حبیب بن مظاہر نے عرض کی:
''فرزند رسولؐ! یہیں قریب ہی میرے قبیلہ بنی اسد کے لوگ سکونت پذیر ہیں، اگر آپ اجازت دیں

تو میں ان کے پاس جا کر آپ کی طرف دعوت دوں شاید کہ خداوند عالم آپ کو نبی اسد کے ذریعہ اس قوم اشقیاء کے شر سے محفوظ رکھے‘‘

امام علیہ السلام نے انہیں اجازت دے دی اور وہ رات کے وقت ان لوگوں کے پاس گئے اور ان سے کہا:

میں تمہارے پاس بہترین تحفہ لایا ہوں اور وہ یہ کہ میں تمہیں نواسہ ءرسولؐ کی نصرت کیلئے دعوت دینے آیا ہوں، ان کے ہمراہ ایسے لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک فرد ایک ہزار جنگ جو پر بھاری ہے، جو انہیں ہرگز تنہا نہیں چھوڑیں گے اور نہ ہی دشمن کو ان پر غالب آنے دیں گے۔

عمر سعد نے ایک بڑی فوج کے ساتھ ان کا محاصرہ کیا ہوا ہے اور چونکہ تم میرے قوم وقبیلہ کے افراد ہو، لہٰذا میں تمہیں اس خیر کی راہ کی ہدایت کرتا ہوں، آج تم لوگ میری بات مان لو اور اس کی مدد کیلئے کمر بستہ ہو جاؤ! تا کہ اس طرح تم دنیا اور آخرت کے شرف کو حاصل کرلو۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے ایک شخص بھی اپنے نبیؐ کے نواسے کے ساتھ اس جگہ پر راہ خدا میں مارا جائے اور صبر و ثواب کے راستے پر چلے تو بہشت بریں میں حضرت رسول خداؐ اس کے رفیق و ہم دم ہوں گے‘‘

یہ سن کر اس قبیلے کا ایک شخص بنام عبداللہ بن بشیر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:

’’میں سب سے پہلے آپ کی دعوت پر لبیک کہتا ہوں‘‘

پھر اس نے یہ رجزیہ اشعار پڑھے:

قَدْ عَلِمَ الْقَوْمُ اِذَاتَوَا کَلُوا ـــــ وَاَحْجَمَ الْفُرْسَانُ اِذْتَثَاقَلُوْا

اِنِّی شُجَاعٌ بَطَلٌ مُقَاتِلٌ ـــــ کَأَنَّنِی لَیْثُ عَرِیْنٍ بَاسِلٌ

ان لوگوں کو معلوم ہے کہ جب وہ آمادہ پیکار ہوتے ہیں اور جب حالات کی سنگینی سے ڈر جاتے ہیں تو اس وقت میں، شجاع، دلاور اور مجاہد ہوتا ہوں، گویا کہ میں بیشہ ءشجاعت کا شیر ہوتا ہوں۔

اس کے بعد قبیلہ کے دوسرے افراد کھڑے ہو گئے جن کی تعداد نوے تک بتائی جاتی ہے اور وہ مظلوم امامؑ کی مدد کیلئے روانہ ہو گئے، مگر اسی اثناء میں ایک شخص نے عمر سعد کے پاس جا کر اس ماجرا کی اطلاع پہنچادی، اس نے ازرق نامی ایک شخص کی سرکردگی میں چار سو سواروں کا دستہ ان لوگوں کی طرف روانہ کیا، اور رات کے اندھیرے میں ان سواروں نے ان دلاوروں کو دریائے فرات کے کنارے پر راستے ہی میں روک لیا جبکہ امام علیہ السلام تک زیادہ فاصلہ نہیں رہ گیا تھا۔

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند

دوچار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

بنی اسد کے لوگ ابن سعد کے سواروں کے ساتھ لڑنے لگ گئے، حبیب بن مظاہر نے ازرق کو بلند آواز کے ساتھ مخاطب کر کے فرمایا:

''تیرا ستیاناس! چھوڑ دے ان کو اور یہ ظلم کسی اور کو اپنی گردنوں پر لینے دے''

جب اسدیوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ ابن سعد کے لشکر والوں کے ساتھ تاب مقاومت نہیں رکھتے تو وہ اپنے قبیلہ کی طرف واپس آگئے اور راتوں رات اپنے گھروں کو چھوڑ کر کہیں اور جگہ چلے گئے، کہ مبادا عمر سعد رات کو ان پر دھاوا بول دے۔

جب حبیب بن مظاہر نے امامؑ کی خدمت میں پہنچ کر تمام ماجرا بیان کیا تو آپؑ نے اپنی زبان پر'' لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِا للّٰہ'' کا کلمہ جاری فرمایا۔

۷ا محرم الحرام
(بروز منگل)

اولادرسولؐ پر پانی کی بندش اور فرات پر پہرے:

(بحار الانوار جلد۴۴ص ۳۸۶ میں ہے کہ) ابن زیاد کی طرف سے عمر سعد کو حکم ملا کہ یا تو حسینؑ بن علیؑ میری اطاعت کریں یا پھر ان کے اور پانی کے درمیان میں رکاوٹ کھڑی کردو، کیونکہ میں نے پانی کو یہود و نصاریٰ پر تو حلال کیا ہے مگر نواسہ رسولؐ حسینؑ اور اس کے ساتھیوں پر حرام کردیا ہے۔

جبکہ صاحب کتاب انساب الاشراف کہتے ہیں کہ ابن زیاد نے عمر سعد کو ایک خط لکھا جس میں تحریر تھا کہ: ''تم اپنے سپاہیوں کو حکم دو کہ وہ حسینؑ اور ان کے ساتھیوں اور دریائے فرات کے درمیان میں فاصلہ قائم کردیں اور خیام حسینی تک پانی کا ایک قطرہ تک نہ پہنچنے پائے، جس طرح کہ ایک خلیفہ کو پانی سے محروم کیا گیا تھا''

(الارشاد میں شیخ مفید درج کرتے ہیں کہ) ابن زیاد کے حکم کے مطابق عمر سعد نے فوراً ہی عمرو بن حجاج کی سرکردگی میں پانچ سو، سواروں کا ایک دستہ دریائے فرات کے کنارے پر متعین کردیا، جنہوں نے بڑی سختی کے ساتھ دریا کی نگرانی کی اور خیام حسینیؑ تک پانی کی ایک بوند تک نہ پہنچنے دی اور یہ غیر انسانی سلوک امام علیہ السلام کی شہادت کے تین روز قبل کیا گیا۔

اسی دوران میں قبیلہ بجیلہ کے شخص بنام ''عبداللہ بن حصین ازدی'' نے امام حسین علیہ السلام کی طرف منہ کرکے بلند آواز سے کہا:

> ''حسین علیہ السلام! اب کے بعد تم فرات کے اس پانی کو نیلگوں آسمانی رنگ کی صورت میں پھر کبھی نہیں دیکھ پاؤ گے، خدا کی قسم اس کا ایک قطرہ بھی تمہارے نصیب نہیں ہونے دیں گے، یہاں تک کہ تم پیاس کے ساتھ جان دے دو''

مظلوم کربلا نے یہ سن کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کی:

> ''پروردگار! اسے پیاس کی موت سے مار اور اسے کسی بھی صورت میں اپنی رحمت کے شامل حال نہ

فرما!!''

حمید بن مسلم کہتے ہیں کہ:

عبداللہ بن حصین اور امام حسین علیہ السلام کی گفتگو کے بعد میں نے عبداللہ کو دیکھا کہ وہ بیمار ہو چکا ہے، مجھے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے دیکھا کہ عبداللہ بن حصین اس قدر پانی پی رہا تھا کہ اس کا پیٹ پھول کر اوپر اٹھ آیا تھا اور اسے بھی اوپر اٹھا رہا تھا، پھر بھی وہ کہتا تھا: ''ہائے پیاس، ہائے پیاس'' وہ جس قدر پانی پیتا جاتا تھا اسی قدر اس کی پیاس بڑھتی جاتی تھی اور پیٹ بھی پھولتا جاتا تھا، مگر پیاس تھی کہ بجھنے میں نہیں آتی تھی، اسی عذاب میں مبتلا رہ کر وہ واصل جہنم ہوا۔

۸/محرم الحرام
(بروز بدھ)

(کتاب کشف الغمہ جلد۲ص ۴۷ میں ہے کہ) خیام اہلبیتؑ میں پانی کی بندش کے بعد چھوٹے چھوٹے بچوں پر پیاس کا غلبہ شروع ہوگیا، یہ حالت دیکھ کر حضرت امام عالی مقامؑ کو ایک صحابی بنام ''یزید بن حصین ہمدانی'' نے جو زہد وتقویٰ اور عبادت میں مشہور تھے، آپ کی خدمت میں عرض کی: ''آپ مجھے حکم دیں تا کہ عمر سعد کے پاس جا کر میں اس کے ساتھ پانی کے بارے میں گفتگو کروں، ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے ارادے سے باز آجائے''

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''تم صاحبِ اختیار ہو''

یزید بن حصین، عمر سعد کے پاس گیا اور اس کے پاس پہنچ کر اس پر سلام نہیں کیا، یہ صورت دیکھ کر عمر سعد نے کہا: ''اے ہمدانی! تم نے مجھے سلام کیوں نہیں کیا؟ کیا میں مسلمان نہیں ہوں؟ کیا میں خدا اور رسول کی معرفت نہیں رکھتا؟''

ہمدانی نے کہا:

''اگر تم خود کو مسلمان سمجھتے ہو تو پھر رسول خدا کی اولاد وعترت پر کیوں حملہ آور ہو اور ان کے قتل کی ٹھانے ہوئے ہو، فرات کے پانی کو اس وادی کے جانور تو پی رہے ہیں لیکن تم نے اسے آلِ رسولؐ پر بند کیا ہوا ہے اور ان پر پابندی لگادی ہے کہ وہ پیاس سے مرجائیں مگر فرات کا ایک قطرہ ان تک نہیں پہنچ سکتا؟ اس کے باوجود تمہارا یہ گمان ہے کہ خدا اور رسولؐ کی معرفت رکھتے ہو؟''

یہ سن کر عمر سعد نے اپنا سر جھکا لیا اور کہا:

''ہمدانی! میں جانتا ہوں کہ اس خانوادے کو تکلیف پہنچانا حرام ہے، مگر کیا کروں ابن زیاد نے مجھے ایسا کرنے پر آمادہ کردیا ہے، اس وقت میں حساس لمحات کی گرفت میں ہوں سمجھ نہیں آرہا کہ کیا کروں؟ آیا رے کی حکومت کو چھوڑ دوں کہ جس کی خواہش میں میں خود کو جلا رہا ہوں؟ یا پھر اپنے ہاتھوں کو خون حسینؑ سے آلودہ کروں؟ جبکہ میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ اس اقدام کی سزا جہنم ہے؟ مگر کیا کروں رے کی حکومت میری آنکھوں کا نور ہے

ہمدانی! میں اپنے اندر ایسا جذبہ فداکاری نہیں دیکھتا کہ رے کی حکومت سے چشم پوشی کر کے قتل حسینؑ

سے باز آجاؤں!!"

یزید ہمدانی یہ جواب سن کر امامؑ کی خدمت میں واپس آگئے اور سارا ماجرا حضورِ انورؑ کے گوش گزار کیا اور کہا:

"عمر سعد اب مکمل طور پر آپ کو قتل کرنے کیلئے تیار ہو چکا ہے تا کہ اسے رے کی حکومت مل جائے"

امام حسینؑ اور عمر سعد کی ملاقات:

(کتاب مقتل الحسین خوارزمی جلد ۱، بحار الانوار جلد ۴۴ میں ہے کہ) امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب میں سے ایک شخص "عمرو بن قرظہ انصاری" کو عمر بن سعد کے پاس یہ پیغام دے کر روانہ کیا کہ: "وہ رات کو دونوں فوجوں کے درمیانی علاقہ ___ آج کی اصطلاح کے مطابق بفرزون ___ میں آپ سے ملاقات کرے"

عمر سعد نے امامؑ کی اس پیشکش کو قبول کر لیا، چنانچہ رات کے وقت امام علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ اور عمر سعد نے بھی اپنے بیس فوجیوں کے ساتھ مقررہ جگہ پر ایک دوسرے سے ملاقات کی۔

حضرت ابا عبد اللہ الحسین علیہ السلام نے جناب عباس علمدارؑ اور جناب علی اکبرؑ کے علاوہ باقی دوستوں کو واپس کر دیا، اسی طرح ابن سعد نے بھی اپنے بیٹے حفص اور ایک غلام کے علاوہ باقی لوگوں کو واپس بھیج دیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

امامؑ: ابن سعد تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو اور جس خدا کی بارگاہ میں تم نے لوٹ کر جانا ہے اس سے نہیں ڈرتے؟ میں کس کا فرزند ہوں؟ اچھی طرح جانتے ہو، تو کیا اس ٹولے کو چھوڑ کر ہمارے پاس نہیں آجاتے کہ اس طرح سے تم خدا کے نزدیک ہو جاؤ گے۔

عمر سعد: اگر میں ان کو چھوڑ کر آپ کے پاس آجاؤں تو مجھے ڈر ہے کہ میرے گھر کو گرا دیں گے۔

امامؑ: میں تمہیں گھر بنا دوں گا۔

عمر سعد: مجھے خطرہ ہے کہ میری تمام جائیداد اور جاگیر مجھ سے چھین لی جائے گی۔

امامؑ: حجاز میں میرے جو اموال ہیں ان میں سے بہتر تمہیں دوں گا ___ ایک روایت کے مطابق ___ میں تمہیں "بُغَيْبِغَه" کا سارا رقبہ دے دوں گا۔

نوٹ: یاد رہے کہ "بغیبغہ" ایک بہت ہی بڑا زرعی رقبہ تھا جس میں کافی تعداد میں کھجور کے درخت تھے اور اس میں بڑی حد تک زراعت بھی ہوتی تھی، امیر شام ایک مرتبہ اسے ایک لاکھ دینار کے بدلے میں خریدنے میں تیار ہو گیا تھا، مگر امام علیہ السلام

نے اسے فروخت نہیں کیا تھا____

عمر سعد: کوفہ میں موجود اپنے اہل خانہ کے بارے میں ابن زیاد کے مظالم کا مجھے ڈر ہے، بلکہ مجھے تو یہ خوف ہے کہ انہیں تہہ تیغ کر دے گا۔

چنانچہ جب امامؑ نے دیکھا کہ سعد کا بدنصیب بیٹا عمر اپنے ارادے میں مصمم ہے اور اس کے اندر ذرہ برابر بھی لچک نہیں ہے تو امام اسے یہ کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے:

”مَالَکَ ذَبَحَکَ اللّٰہُ عَلٰی فِرَاشِکَ عَاجِلاً وَلَاغَفَرَلَکَ یَوْمَ حَشْرِکَ فَوَاللّٰہِ اِنِّی لَاَرْجُوْا اَنْ لَّاتَأْکُلَ مِنْ بُرِّ الْعِرَاقِ اِلَّایَسِیْرًا“

تم اس قدر شیطان کی اطاعت پر کیوں ڈٹے ہوئے ہو خدا تمہیں بہت جلد بستر پر موت دے اور قیامت کے دن تمہارے گناہوں کو معاف نہ کرے!! خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ عراق کی گندم کی تھوڑی سی مقدار کے علاوہ تمہارے نصیب میں نہیں ہے (یعنی تمہاری عمر بہت کم رہ گئی ہے)

عمر سعد: (امام کی بات کا مذاق اڑاتے ہوئے) گندم نہ سہی جو ہی کافی ہیں۔

بعض مورخین (جیسے صاحب سفینۃ البحار اپنی کتاب کی جلد۲ میں لکھتے ہیں کہ) امام علیہ السلام نے عمر سعد سے فرمایا: ”تو مجھے قتل کرنے آیا ہے اور تیرا گمان ہے کہ ابن زیاد تمہیں رے کی حکومت دے گا؟ خدا کی قسم تمہیں یہ حکومت کبھی بھی نہیں دے گا؟ خدا کی قسم تمہیں یہ حکومت ہرگز نہیں ملے گی، اور تیرے لئے گوارا نہیں ہوگی، اور تیری یہ دیرینہ آرزو پوری نہیں ہوگی، لہٰذا جو چاہو کرلو میرے بعد دنیا اور آخرت دونوں میں کبھی خوشی کا منہ نہیں دیکھو گے، بلکہ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا سر کاٹ کر اور نیزے پر سوار کر کے کوفہ میں پھرایا جا رہا ہے، اور شہر کے بچے اسے پتھر مار رہے ہیں“

ابن زیاد کے نام عمر سعد کا خط:

(صاحب ارشاد شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں کہ) اس ملاقات کے بعد عمر بن سعد اپنے لشکر گاہ کی طرف واپس آ گیا، اور ابن زیاد کے نام اس مضمون کا خط تحریر کیا:

”خداوند عالم نے فتنے کی آگ کو بجھا دیا ہے اور لوگوں کو ایک کلمہ اور ایک رائے پر متحد کر دیا ہے، اب حسینؑ کہتے ہیں کہ یا تو وہ اپنے اسی مقام پر واپس چلے جائیں جہاں سے چلے تھے یا کسی اسلامی ملک کی سرحد کی طرف کوچ کر جائیں جہاں وہ ایک عام مسلمان کی مانند زندگی بسر کریں گے یا پھر شام کی

طرف جائیں اور خود کو یزید کے حوالے کر دیں یزید جو چاہے ان کے بارے میں فیصلہ کرے!! میں سمجھتا ہوں کہ امت کی خوشنودی اور بہتری بھی اسی میں ہے"

عمر سعد کا بہت بڑا جھوٹ:

ناظرین! خط کا مضمون آپ نے ملاحظہ فرمایا: "جو عمر سعد نے ابن زیاد کو لکھا تھا"، اب اس خط میں کس قدر صداقت ہے؟ اور کس قدر جھوٹ اور افتراء ہے جو امام مظلومؑ کی ذات پاک پر باندھا گیا ہے؟ آیئے سنتے ہیں کہ عقبہ بن سمعان اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

قبل اس کے کہ ہم عقبہ بن سمعان کے بیان کو غور سے سنیں ہم آپ سے یہاں پر یہ عرض کرتے چلیں کہ "عقبہ بن سمعان کون تھے؟"

(تاریخ طبری جلد ۵، اور کامل بن اثیر جلد ۴ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ)، عقبہ بن سمعان حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی زوجہ محترمہ جناب رباب کے غلام تھے، کربلا کے میدان میں دسویں محرم کے دن یزیدی فوجوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر عمر سعد کے پاس لائے گئے، جب اسے معلوم ہوا کہ عقبہ ایک غلام ہیں تو اس نے انہیں رہا کرنے کا حکم دیا، بہت سے واقعات کربلا انہیں سے نقل ہوئے ہیں اور ہم خط کی جس بات پر گفتگو کر رہے ہیں وہ بھی انہی سے منقول ہے۔

چنانچہ عقبہ بن سمعان کہتے ہیں کہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا تک ہم سفر تھا، اور ان جناب کی شہادت تک آپ سے جدا نہیں ہوا، اور اس عالی وقار امام نے، مدینہ، مکہ، راہ کے درمیان، عراق، دشمن کی فوج کے سامنے اور آپ کی زندگی کے آخری الفاظ تک میں نے آپ کی ایک ایک بات سنی۔

خدا کی قسم! یہ جو لوگ کہتے ہیں یا ان کا باور ہے کہ "حضرت امام حسین علیہ السلام نے کہا کہ مجھے شام جانے دو میں وہاں جا کر یزید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھوں گا، یا مجھے کسی اسلامی ملک کی سرحد کی طرف جانے دو" تو امامؑ نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کی صرف یہی کہا کہ: "مجھے جانے دو تا کہ میں اللہ کی اس وسیع و عریض زمین میں کہیں چلا جاؤں اور دیکھوں کہ لوگوں کا معاملہ کہاں جا کر ختم ہوتا ہے"

عقبہ بن سمعان کے بیان کی روشنی میں ہم یہ نتیجہ بخوبی اخذ کر سکتے ہیں کہ عمر کا یہ خط محض کذب و افتراء کا ایک پلندہ تھا، جو اس نے امام مظلومؑ کی طرف منسوب کیا تھا، اور اس نے امام علیہ السلام پر جھوٹ اس لئے بولا تھا کہ شاید ابن زیاد اسے مان لے اور جنگ کی نوبت تک نہ آنے پائے، اس طرح سے وہ قتلِ حسینؑ سے بھی بچ جائے گا اور رے کی حکومت بھی مل

جائے گی۔

ابن زیاد کا جواب:

(مقتل الحسین خوارزمی جلد اول ص ۲۴۵ میں اس بات کو درج کیا گیا ہے کہ) جب عمر سعد کا خط ابن زیاد کو ملا تو اس نے وہ خط اپنے یاروں اور دوستوں کے سامنے پڑھا اور کہا:

''عمر سعد اپنے رشتہ داروں کیلئے دل سوزی کر رہا ہے اور ان کیلئے چارہ جوئی میں لگا ہوا ہے''

اسی اثنا میں شمر بن ذی الجوشن اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

''آیا آپ عمر سعد کے اس طریقے کو پسند کرتے ہیں؟ جبکہ حسینؑ آپ کی سرزمین میں اور آپ کے اطراف میں پہنچ چکا ہے، خدا کی قسم! اگر وہ یہاں سے چلا گیا اور آپ کی بیعت نہ کی تو وہ روز بروز طاقتور ہوتا جائے گا، اور آپ اسے گرفتار نہیں کر سکیں گے، لہٰذا آپ حسینؑ کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیں ورنہ آپ کی شکست یقینی ہے، اور اگر وہ اپنے یار و انصار کے ساتھ آپ کے فرمان کے آگے سر تسلیم خم کر دے تو پھر آپ کو اختیار ہونا چاہیے کہ اسے معاف کر دیں یا سزا دیں! یہ آپ پر منحصر ہوگا''

یہ سن کر ابن زیاد نے کہا:

''اچھا مشورہ ہے، اور میری بھی یہی رائے ہے، تو اے شمر! میرا خط عمر سعد کے پاس لے جا اور اسے وہ حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کے سامنے پڑھے، اگر وہ میری بات مان لیں بہتر، ورنہ ان کے ساتھ جنگ شروع کر دے، لیکن اگر وہ حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے سے لیت و لعل سے کام لے تو پھر عمر سعد کا سر کاٹ کر میری طرف بھیج دے''

جبکہ ایک اور روایت کے مطابق ابن زیاد نے ''حویرہ بن یزید تمیمی'' نامی شخص کو بلا کر حکم دیا: ''میرا یہ خط عمر سعد کی طرف لے جا اگر اس نے فوراً حسینؑ کے ساتھ جنگ شروع کر دی تو بہتر ورنہ اسے گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دو اور ''شہر بن حوشب'' نامی شخص کو فوج کا کمانڈر مقرر کر دو''

معزولی کی دھمکی:

(کتاب اعلام الوریٰ میں ہے کہ) ابن زیاد نے عمر سعد کے نام جو خط لکھا اس کا مضمون یہ تھا:

''میں نے تمہیں حسینؑ کی طرف اس لئے نہیں بھیجا کہ تم اس سے مشکلات کو دور کرو اور اسے شر سے بچاؤ اور بات کو لمبا کر دو، اور اسے سلامتی، چھٹکارے اور زندگی کی امیدیں دلاؤ، اس کے عذر کو

مناسب خیال کرتے ہوئے اس کی سفارشیں شروع کردو، اب آخری بات سن لو کہ اگر حسینؑ اور اس کے ساتھی میرے حکم کو مان لیں تو فوراً انہیں میرے پاس بھیج دو اور اگر نہ مانیں تو ان پر اپنی فوج کے ساتھ حملہ کر کے انہیں تہس نہس کر دو، ان کا بند بند جدا کر دو کہ وہ اسی بات کے مستحق ہیں" جب حسینؑ کے قتل کا فریضہ انجام دے چکو تو پھر اس کے جسم کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر دو، کیونکہ اس نے قطع رحمی کا ارتکاب کیا ہے اور ستم روا رکھا ہے، اور مجھے نہیں معلوم کہ مرنے کے بعد اس کی لاش کی پامالی اسے کوئی نقصان پہنچا سکے گی یا نہیں؟ لیکن چونکہ میں نے حکم دے دیا ہے لہٰذا اس کی تعمیل ہونی چاہیے۔

ابن سعد! اگر تم نے ہمارے حکم کی تعمیل کی تو ہم تمہیں انعام و اکرام سے نوازیں گے، اور اگر سرپیچی کی تو ہمارے لشکر سے فوراً معزول ہو کر اس کی کمان شمر بن ذی الجوشن کے سپرد کر دو، کیونکہ ہم نے اسے تمہاری جگہ پر متعین کر دیا ہے"
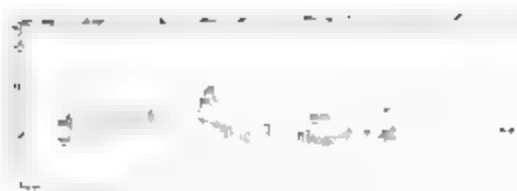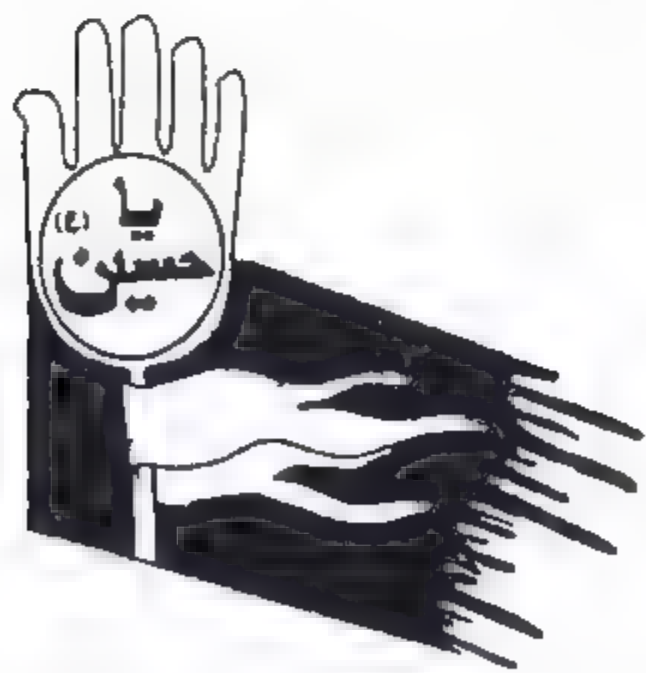
کاروانِ شہادت لمحہ بہ لمحہ

۹/ محرم (روز تاسوعا)
بروز جمعرات

(کتاب الامام الحسینؑ واصحابہ کے مطابق) شمر نے ابن زیاد سے یہ خط لیا اور نخیلہ چھاونی جو یزید کی لشکر گاہ بھی تھی، سے جلدی سے نکلا اور ۹/ محرم بروز جمعرات ظہر سے پہلے کربلا پہنچ گیا۔

(کتاب ارشاد شیخ مفید میں ہے کہ) ابن زیاد کا خط ابن سعد کے سامنے پڑھا۔

ابن سعد نے شمر سے کہا:

''تیرا خانہ خراب!!! تو میرے لئے کیسا بدترین اور شرمناک پیغام لے کر آیا ہے، خدا کی قسم! تو ہی نے میری طرف سے تحریر کردہ پیشکش سے ابن زیاد کو روک کر سارا کام خراب کر دیا ہے، مجھے امید تھی کہ صلح پر بات ختم ہو جائے گی۔

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حسینؑ ہرگز تمہارے آگے ہتھیار ڈالنے والے نہیں ہیں کیونکہ ان کے جسم میں اپنے باپ (علیؑ) کی روح ہے'' (اس کی رگوں میں علیؑ کا خون ہے)

شمر نے کہا:

''زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے بتاؤ اب کیا ارادہ ہے؟ آیا امیر کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اس کے دشمن کے ساتھ جنگ کرتے ہو یا پھر فوج سے برطرف ہونا قبول کرتے ہو؟ اور یہ ذمہ داری میرے سپرد کرتے ہو؟''

عمر سعد نے کہا کہ:

''میں فوج کی کمان تمہیں نہیں دوں گا کیونکہ تمہارے اندر یہ صلاحیت نہیں دیکھتا یہ کام میں خود ہی انجام دوں گا، البتہ تم پیادہ فوج کے سربراہ بن سکتے ہو''

انجام کار، عمر سعد نے ۹/ محرم کی شام خود کو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے بالکل تیار کر لیا۔

(کتاب سفینۃ البحار جلد ۲) میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک فرمان نقل کرتے ہیں آقا فرماتے ہیں کہ:

''تاسوعا (نو محرم) وہ دن ہے کہ جس میں امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کا محاصرہ کر لیا گیا، اور لشکر

کوفہ وشام نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا، ابن مرجانہ اور عمر سعد نے اپنے لشکر و سپاہ کی فراوانی کی وجہ سے خوشی کے شادیانے بجائے اور اس دن حسینؑ مظلوم کو تنہا دیکھ کر سمجھ گئے کہ اب ان کی مدد کو آنے والا کوئی نہیں ہے حتیٰ کہ کوئی عراقی بھی ان کی امداد کو نہیں آئے گا''

اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''میرا باپ قربان ہو اس شخص پر جس کو غربت کے عالم میں تنہا اور بیکس بنا کر چھوڑ دیا گیا اور اسے کمزور سے کمزور تر کرنے کی کوشش کرتے رہے''

امان نامہ:

کوفہ میں شمر ملعون نے ابن زیاد سے عمر سعد کی معزولی کا خط لے لیا تو اس نے اور عبداللہ بن ابی المحل نے کہ حضرت عباس کی والدہ جناب ام البنین اس کی پھوپھی تھیں، ابن زیاد سے کہا:

''اے امیر! ہمارے بھانجے حسینؑ کے ہمراہ ہیں، اگر آپ مصلحت سمجھتے ہیں تو ان کیلئے ایک امان نامہ لکھ دیں''

عبیداللہ بن زیاد نے اس کی پیشکش کو قبول کر لیا اور اپنے کاتب سے کہا کہ انہیں امان نامہ لکھ دے۔

امان نامہ ٹھکرا دیا گیا:

(کتاب کامل ابن اثیر جلد ۴ میں ہے کہ) عبداللہ بن ابی المحل چونکہ کوفہ میں رہتا تھا لہٰذا اس نے اپنی طرف سے لیا گیا امان نامہ اپنے غلام کزمان ___ یا عرفان ___ کے ذریعہ کربلا بھیجا، اور اس نے پہنچتے ہی وہ امان نامہ اولاد ام البنین سلام اللہ علیہا کے سامنے پڑھ کر کہا:

''یہ وہ امان نامہ ہے جو آپ کے ایک رشتہ دار عبداللہ بن ابی المحل نے بھیجا ہے''

یہ سن کر فرزندان ام البنین علیہا السلام نے فرمایا: ''انہیں ہمارا سلام کہہ دینا اور کہنا کہ: ہمیں تمہارے امان نامہ کی ضرورت نہیں ہے، خدا کی امان، سمیہ کے پوتے کی امان سے کئی گنا بہتر ہے''

(جبکہ صاحب کتاب انساب الاشراف لکھتے ہیں کہ) اسی طرح شمر نے خیام کے پاس آ کر ام البنین سلام اللہ علیہا کے فرزندان ارجمند عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان علیہم السلام کے نام آواز دے کر انہیں بلایا، وہ باہر تشریف لائے تو شمر

نے کہا:

''میں نے تمہارے لئے ابن زیاد سے خصوصی طور پر امان حاصل کی ہے''

تو سب نے یک زباں ہو کر کہا:

''خدا تجھ پر بھی اور تیری امان پر بھی لعنت کرے، ہمارے لئے تو امان ہے لیکن نواسہء رسولؐ دلبند علیؑ و بتولؑ کیلئے کوئی امان نہیں؟''

اعلانِ جنگ اور دشمن کی صف آرائی:

ایک تو ابن زیاد کا عمر سعد کی معزولی کا خط اور دوسرے فرزندان علی بن ابی طالب علیہ السلام کا امان نامہ کو مسترد کر دینا یہ دو عوامل ایسے تھے جن کی وجہ سے عمر سعد کا رویہ یکسر بدل گیا اور اس کی صلح و آشتی اور جنگ سے گریز کی پالیسی جنگ، خونریزی اور قساوت وسنگدلی میں تبدیل ہوگئی، اور شمر کو قیادت سے محروم رکھنے کیلئے اس نے اسی جگہ پر حکم دیا کہ تمام فوج فوراً خیام حسینؑ کے سامنے جمع ہو کر حملہ کیلئے تیار ہو جائے اس نے کہا:

''یَاخَیلَ اللّٰهِ ارُکَبِیُ بِا لُجَنَّةِ اِبُشِرُی '' اے خدا کے لشکر سوار ہو جاؤ اور مبارک ہو کہ تم بہشت جا رہے ہو۔

چنانچہ عمر سعد کا حکم پا کر تمام فوج نے خیام حسینؑ کا تین طرف سے محاصرہ کر لیا، پھر اس نے فوج دغا کو گواہ بنا کر امامؑ کے خیام کی طرف تیر چلا دیا اور چلاّ کر کہا:

''گواہ رہنا کہ سب سے پہلے میں نے تیر چلا کر جنگ کا آغاز کیا ہے''

اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے خیمے کے سامنے تلوار کے ساتھ ٹیک لگائے اپنے سر کو زانو پر رکھے ہوئے تھے۔

(ارشاد شیخ مفید ج ۲ ص ۸۹ میں ہے کہ) امام کی ہمشیرہ محترمہ جناب زینب عالیہ سلام اللہ علیہا نے جو لشکر ابن سعد کا شور سنا اور اس کا جوش وخروش ملاحظہ فرمایا تو بے تاب ہوگئیں اور امامؑ کے پاس آ کر عرض کرنے لگیں: ''برادر جان! دشمن کا لشکر ہمارے خیام کے قریب پہنچ گیا ہے ہر لحہ پیش قدمی کرتا آ رہا ہے''

امام عالیمقامؑ نے سر کو زانوں سے اٹھا کر فرمایا:

''اِنِّی رَأَیتُ رَسُولَ اللّٰهِ (ص) فِی الْمَنَامِ فَقَالَ لِیُ اِنَّکَ صَآئِرٌ اِلَینَا عَن

قَرِيبٍ......" میں بیٹھا ہوا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی میں نے حضرت رسول خدا (ص) کو خواب میں
دیکھا کہ آپؐ مجھ سے فرما رہے تھے اے میرے لال تم بہت جلد ہمارے پاس پہنچنے والے ہو......!"
یہ سن کر زینب عالیہ سلام اللہ علیہا بے تاب ہو کر رونے لگیں، امامؑ نے انہیں تسلی دی اور صبر کی تلقین فرمائی، اتنے
میں حضرت عباس علمدارؑ نے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:
"حسینؑ مولا! دشمن کی فوج خیام کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے ہمارے لیے کیا حکم ہے؟"
امامؑ نے کھڑے ہوتے ہوئے فرمایا:
"اِرْكَبْ بِنَفْسِي اَنْتَ يَا اَخِيْ حَتّٰى تَلْقَاهُمْ فَتَقُوْلَ لَهُمْ مَا لَكُمْ وَمَا بَدَالَكُمْ وَتَسْأَلَهُمْ
عَمَّا جَآءَ بِهِمْ ......؟
میری جان تم پر فدا ہو، میرے بھائی! گھوڑے پر سوار ہو جاؤ ان کے پاس جا کر ان سے پوچھو کہ تمہیں
کیا ہو گیا ہے ادھر کس لئے آ رہے ہو؟"
چنانچہ حضرت عباس علمدارؑ نے بیس سواروں کو اپنے ساتھ لیا جن میں زہیر بن قین اور حبیب بن مظاہر بھی تھے
، دشمن کے سامنے آ کر ان سے خیام کی طرف آنے کا سبب دریافت کیا، لشکر والوں نے جواب دیا کہ:
"ہمیں اپنے امیر ___ ابن زیاد ___ کا حکم ہے ہم آپ لوگوں کو بتائیں کہ یا تو آپ لوگ اس کے
حکم کو تسلیم کر لیں یا پھر جنگ کیلئے تیار ہو جائیں!! ہم اسی مقصد کیلئے تیار ہو کر آئے ہیں"
یہ سن کر علمدار فوجِ حسینیؑ حضرت ابوالفضل العباسؑ نے فرمایا:
"تم یہیں پر رک جاؤ، آگے نہ بڑھو، میں اپنے سردار حضرت اباعبداللہ الحسینؑ کے پاس جا کر تمہارا
پیغام پہنچاتا ہوں دیکھیں وہ کیا فرماتے ہیں؟"
انہوں نے جناب عباسؑ کی بات مان لی، چنانچہ عباسؑ اکیلے جناب حسینؑ کے پاس چلے گئے اور تمام ماجرا امامؑ
کے سامنے بیان کیا، جبکہ آپ کے ساتھ آنے والے بیس (۲۰) مجاہدین نے سپاہ عمر سعد کو نصیحتیں کرنے اور انہیں امام حسینؑ
کے ساتھ جنگ سے باز رکھنے کی کوششیں شروع کر دیں، ساتھ ہی انہیں خیموں کی طرف پیش قدمی سے بھی روکتے رہے۔

حبیب اور زُہیر کی نصیحت آمیز گفتگو:

(صاحب نفس المہموم ص ۲۲۶ لکھتے ہیں کہ) حبیب نے زُہیر سے کہا: "ان لوگوں کے ساتھ بات کرنا چاہیے، یا

تو آپ کریں یا پھر میں کرتا ہوں" زُہیر نے کہا: "آپ ہی ان سے ناصحانہ گفتگو کریں"
چنانچہ حبیب سپاہ ظلم و جور کی طرف منہ کر کے ان سے یوں مخاطب ہوئے:
"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم نہایت ہی برے لوگ ہو، وہی لوگ جو قیامت کے دن خدا کے حضور اس حالت میں پیش ہوں گے جن کے ہاتھ اولادِ رسولؐ اور عترت پیغمبر خدا (ص) کے خون سے رنگین ہوں گے"
یہ سن کر عزرہ بن قیس نے کہا: "حبیب! تم جتنا چاہو خودستائی کر لو"
زُہیر بن قین نے کہا:
"اے عزرہ! خداوند عزوجل نے اہل بیت رسولؐ کو ہر نجاست سے دور اور انہیں اسی طرح پاک و پاکیزہ رکھا ہوا ہے جس طرح اس کا حق ہے، تم خدا سے ڈرو میں تمہارا خیر خواہ ہوں، تمہیں خدا کا واسطہ گمراہوں کے مددگار نہ بنو اور ان کی خوشنودی کے حصول کیلئے طیب و طاہر ہستیوں کے قتل میں ہاتھ نہ ڈالو"
عزرہ نے کہا: "زُہیر! تم تو اس خاندان کے شیعہ نہیں تھے بلکہ عثمانی شیعہ تھے!"
زُہیر نے کہا:
"میری اس جگہ پر موجودگی تمہیں یہ نہیں بتا رہی کہ میں اسی پاکیزہ خاندان کا پیروکار ہوں" خدا کی قسم نہ تو میں نے انہیں خط لکھا ہے، نہ قاصد بھیجا ہے، نہ ہی ان سے مدد کا وعدہ کیا ہے، بلکہ میری ان سے راستے میں ملاقات ہوئی جب ان کی زیارت کی تو مجھے رسول خدا (ص) یاد آگئے اور ان کے نزدیک حسین بن علیؑ کی قدر و منزلت میری نظروں کے سامنے آگئی، جب میں نے دیکھا کہ دشمن ان پر کسی قسم کا رحم نہیں کرے گا تو میں نے ان کی مدد کا تہہ دل سے تہیہ کر لیا، اور دل میں یہ طے کر لیا کہ جان چلی جائے تو جائے مگر ان پر آنچ نہ آنے پائے، جن حقوق الٰہی و فرامین نبوی (ص) کو تم نے نظر انداز کر دیا ہے ہو سکتا ہے کہ میں ان کی حفاظت کر سکوں!"

ایک رات کی مہلت:

(کتاب انساب الاشراف جلد۳، تاریخ طبری جلد۷، تاریخ کامل جلد۲، الارشاد میں ہے کہ) ادھر جب حضرت

عباس علمدار علیہ السلام نے امامؑ کی خدمت میں پہنچ کر سارا ماجرا سنایا تو سرکار شہادت نے حضرت عباسؑ سے فرمایا:

''اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُؤَخِّرَهُمْ اِلٰى غُدْوَةٍ وَّتَدْفَعَهُمْ عَنَّا الْعَشِيَّةَ نُصَلِّيْ لِرَبِّنَا اللَّيْلَةَ وَنَدْعُوْهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ ، فَهُوَ يَعْلَمُ اَنِّيْ اُحِبُّ الصَّلٰوةَ وَتِلَاوَةَ كِتَابِهٖ وَكَثْرَةَ الدُّعَآءِ وَالْاِسْتِغْفَارِ''

آپ ان کے پاس دوبارہ جائیں، اگر آپ کر سکتے ہیں تو اس قوم اشقیاء سے ایک رات کی مہلت مانگیں اور جنگ کو کل تک ملتوی کرنے کا کہیں تا کہ ہم آج رات اپنے رب کے حضور نماز ادا کریں، قرآن پاک کی تلاوت کریں، استغفار و مناجات کے ساتھ رات بسر کریں، کیونکہ خدا جانتا ہے کہ میں نماز، تلاوت قرآن، استغفار اور خداوند عالم کے ساتھ مناجات کو بہت دوست رکھتا ہوں۔

(شیخ مفید علیہ الرحمہ اپنی کتاب ارشاد جلد ۲ میں لکھتے ہیں کہ) حضرت ابوالفضل العباسؑ نے واپس آ کر عمر سعد سے آج کی رات کی مہلت کا تقاضا کیا، یہ سن کر عمر سعد شش و پنج میں مبتلا ہو گیا کہ آیا مہلت دی جائے یا نہ؟ آخر کار اس نے اپنے لشکر کے کمانڈروں سے پوچھا کہ کیا جواب دیا جائے؟ ایک سردار لشکر عمرو بن حجاج نے کہا:

''سبحان اللہ اگر یہ لوگ ترک و دیلم بھی ہوتے تو تم انہیں مثبت جواب دیتے یہ تو پھر بھی اولادِ رسولؐ ہیں''

قیس بن اشعث نے کہا:

''میرے خیال میں ان کے اس تقاضے کو پورا کیا جائے اور آج کی رات کی مہلت دے دینی چاہئے، کیونکہ ان کا یہ تقاضا نہ تو میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹنے کا ہے اور نہ ہی اپنے عزائم میں نظر ثانی کیلئے ہے بلکہ خدا کی قسم! کل یہ لوگ تم سے پہلے جنگ کا آغاز کر دیں گے''

بہر حال بہت سی باتیں ہوئیں آخر کار سعد کے بیٹے عمر نے حضرت ابوالفضل العباسؑ کو یہ جواب دیا کہ:

''ہم تمہیں آج کی رات کی مہلت اس شرط پر دیتے ہیں کہ اگر کل تک تم لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور امیر کے فرمان کے آگے سر جھکا دیا تو ہم تمہیں اس کی طرف لے چلیں گے، اور اگر انکار کیا تو پھر تمہیں اپنے حال پر نہیں چھوڑیں گے اور تمہارا فیصلہ پھر جنگ ہی کرے گی''

تو اس طرح سے امامؑ کے تقاضے کو مان لیا گیا اور شب عاشورا کی مہلت دے دی گئی۔

مہلت پر تبصرہ:

ناظرین !ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ امامؑ نے آج کی رات کی مہلت نماز، تلاوت، مناجات و استغفار کیلئے طلب کی، اس سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امامؑ عالیمقامؑ کو ان چیزوں سے کس قدر محبت ہے اور ان کے نزدیک ان چیزوں کی کیا اہمیت ہے؟ کہ ایک کمینہ دشمن سے ان کی بجا آوری کیلئے مہلت مانگ رہے ہیں اور اپنی زندگی کی آخری رات کو صرف انہی چیزوں کی بجا آوری کیلئے مخصوص کررہے ہیں۔

ہر ایک کو معلوم ہے کہ ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا انجام بخیر ہو اور پھر جس کو معلوم ہو کہ موجودہ رات اس کی آخری رات ہے تو وہ اس رات کو اپنی عزیز سے عزیز چیز کے حصول کی تمنا کرتا ہے، خاص کر وہ انسان ہو بھی دانشمند، باشعور اور اپنی دنیا اور آخرت کو بہتر طور پر سمجھنے ولا، چہ جائیکہ اسی رات کی تمنا حسینؑ جیسا عالی مرتبت امامؑ کرے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے نزدیک نماز و عبادت اور مناجات و دعا سے بڑھ کر اور کوئی قیمتی اور مرغوب و محبوب ترین چیز نہیں تھی کہ جس کیلئے امام عالی مقامؑ نے دشمن سے ایک رات کی مہلت مانگی۔

ایسا کیوں نہ ہو؟

اس لئے کہ حسین علیہ السلام نماز قرآن اور الٰہی شعائر کی ترویج اور انہیں زندہ کرنے کیلئے تو کربلا آئے ہیں اور یہ سب مصائب و مشکلات برداشت کررہے ہیں، اور نماز کے ساتھ ساتھ اپنے رب سے مناجات، راز و نیاز اور دعا ہی تو حضرت کی زندگی کے پرکیف، لذت بخش اور قیمتی لحات میں شمار ہوتے ہیں، اور جو ملت یا رہبر بھی خدا کیلئے قیام کرے اسے بھی امام حسین علیہ السلام کے انہی اعمال کو اپنے لئے نمونہ عمل قرار دینا چاہئے، اور اسی لئے تو ہم امام الشہداء علیہ السلام کے زیارت نامے میں کہتے ہیں:

"اَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلٰوةَ وَآتَيْتَ الزَّكٰوةَ وَاَمَرْتَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَيْتَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اَطَعْتَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ حَتّٰى اَتَاکَ الْيَقِيْنُ"

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز کو برپا کیا، زکوۃ کو ادا کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو پورا کیا، اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی یہاں تک کہ آپ نے شہادت کا جام نوش فرمایا۔

شب عاشور

امام کا خطاب:

غرض نو محرم ۶۰ھ کا سورج غروب ہونے کو جارہا تھا، (طبری جلد ۷، تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳، ارشاد مفید، اللہوف، مقتل خوارزمی جلد ۱، طبقات ابن سعد میں ہے کہ) امام عالیمقام نے اپنے یار و انصار کو اپنے پاس طلب فرمایا، امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اگرچہ بیمار تھا لیکن یہ حکم سن کر بابا کی خدمت میں حاضر ہوا کہ دیکھیں کیا ارشاد فرماتے ہیں، تو جب سب اکٹھے ہوگئے تو انہوں نے بعد از مغرب ارشاد فرمایا:

”اُثْنِیْ عَلَی اللّٰہِ اَحْسَنَ الثَّنَآءِ وَاَحْمَدُہٗ عَلَی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَحْمُدُکَ عَلٰی مَااَکْرَمْتَنَا بِالنُّبُوَّۃِ، وَجَعَلْتَ لَنَا اَسْمَاعًا وَاَبْصَارًا وَاَفْئِدَۃً، وَعَلَّمْتَنَا الْقُرْآنَ، وَفَقَّھْتَنَا فِی الدِّیْنِ، فَاجْعَلْنَا لَکَ مِنَ الشَّاکِرِیْنَ، اَمَّا بَعْدُ ......

میں خداوند عالم کی بہترین ثنا بیان کرتا ہوں اور ہر آسائش و رنج میں اس کی حمد بجالاتا ہوں۔

اے معبود! میں تیری حمد اس بات پر بھی بجالاتا ہوں کہ تو نے ہمارے خاندان کو شرف نبوت سے نوازا ہے، اور ہمیں حق سننے والے کان، حق دیکھنے والی آنکھیں اور روشن و آگاہی رکھنے والا دل عطا فرمایا ہے، اور علوم قرآن اور فقہ دین کا شرف عطا فرمایا ہے، تو ہمیں اپنے شکر گزار بندوں میں قرار دے۔

اما بعد: میں اپنے اصحاب سے بہتر اور باوفا تر کسی کے اصحاب کو اور نہ ہی اپنے اہلِ بیت سے بڑھ کر وفادار اور صلہ رحمی کرنے والا کسی کے اہلِ بیت کو دیکھتا ہوں، خداوند عالم آپ سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، اور میرے نانا رسول خداؐ نے مجھے خبر دی تھی کہ مجھے عراق کی سرزمین کی طرف لے جایا جائے گا اور میں ”عمورا“ یا ”کربلا“ نامی جگہ پر آکر قیام کروں گا اور وہیں پر شہید کردیا جاؤں گا، اور اب وہ وقت قریب پہنچ چکا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا کل کا دن جنگ کے ساتھ ختم ہوگا، اب تم بالکل آزاد ہو، میں نے اپنی بیعت کا

ہاتھ تم سے اٹھالیا ہے، اور تم سب کو اس بات کی اجازت ہے کہ رات کی اس تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، تم میں سے ہر ایک میرے اہلِ بیت کا ہاتھ پکڑ کر اپنے شہروں اور آبادیوں کی طرف نکل جاؤ اور اپنی جانوں کو موت کے منہ میں جانے سے بچالو، کیونکہ یہ لوگ فقط میرے ہی طلب گار ہیں، اگر وہ مجھ تک رسائی حاصل کرلیں تو دوسرے لوگوں سے ان کو کوئی سروکار نہیں ہوگا، خداوند عالم تمہیں جزائے خیر عطا کرے۔

وہ رات جب امام کی گونجی تھی یہ صدا
اے عاشقانِ صادق و یارانِ باصفا
باقی نہیں رہا ہے کوئی اور مرحلہ
اب سامنا ہے موت کا اور صرف موت کا
آنے ہی پر بلائیں ہیں اب تحت و فوق سے
جانا جو چاہتا ہے چلا جائے شوق سے

جاں نثاروں اور فداکاروں کا جواب:

چونکہ یہ پیشکش درحقیقت امام کی طرف سے آخری آزمائش تھی، جس کے نتیجے میں آپ کے اصحابِ باوفا، فداکار اور جاں نثار ساتھیوں نے اپنے مخصوص انداز اور بیانات کے ساتھ اپنے امام زمانہؑ، منصوص من اللہ رہبر و پیشوا کے حضور اپنی استقامت، پائیداری اور اپنے خون کے آخری قطرہ اور آخری سانسوں تک جانثاری کا اظہار کیا، اس طرح سے وہ یہاں پر اس آزمائش میں بھی سرخرو، سرفراز ہوکر پورے اترے۔

اب ہم یہاں پر چند اصحابِ باوفا اور اہلِ بیت صدق وصفا کے جواب باصواب کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

(ارشاد شیخ مفید جلد ۲ ص ۹۲ کے مطابق)

۱۔ سب سے پہلے جس شخصیت نے امام والا مقام کی خدمت میں اپنے جذبات کا اظہار کیا وہ ہیں آپ کے بھائی جناب ابو الفضل العباس علمدار علیہ السلام، جناب عباسؑ خدمت امامؑ میں عرض کرتے ہیں:

''لَا اَرَانَا اللّٰہُ ذَالِکَ اَبَداً'' مولا! خدا وہ دن نہ لائے جب ہم آپ کو اکیلا چھوڑ کر اپنے اپنے

گھروں کو واپس لوٹ جائیں۔

۲۔ پھر ہر فرد بنی ہاشم نے اسی جملے کو دہرایا اور امامؑ کے ساتھ عہد وفا کی تجدید کی۔

۳۔ جب اولادِ عقیل کی باری آئی تو امام علیہ السلام نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''حَسْبُکُمْ مِنَ الْقَتْلِ بِمُسْلِمٍ، اِذْهَبُوا قَدْ اَذِنْتُ لَکُمْ''

حضرت مسلم کی شہادت تمہارے لئے کافی ہے، میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ''

تو سب نے مل کر کہا:

''ایسی صورت میں اگر ہم سے پوچھا جائے کہ تم اپنے آقا اور پیشواء کو نرغہ اعداء میں چھوڑ کر کیوں آگئے ؟ تو ہم کیا جواب دیں گے؟ نہ، خدا کی قسم! ایسا قطعاً نہیں ہو سکتا، بلکہ اپنی دولت و ثروت، جان و مال اور اولاد کو آپ کے قدموں پر نچھاور کر دیں گے' اور آخری سانسوں تک آپ کی رکاب میں دشمن سے جنگ کریں گے''

۴۔ اہلِ بیت علیہم السلام کے بعد اصحاب کی باری آئی تو سب سے پہلے مسلم بن عوسجہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا:

''ہم آپ کی نصرت سے کیونکر دست بردار ہو سکتے ہیں؟ ایسی صورت میں ہم اللہ رب العزت کو کیا جواب دیں گے؟ اس کی بارگاہ میں کیا عذر پیش کریں گے؟ حسینؑ! خدا کی قسم میں آپ سے ہرگز جدا نہیں ہوں گا تاوقتیکہ اپنا نیزہ دشمن کے سینے میں نہ گاڑ دوں، اپنی تلوار سے دشمن کے ساتھ جنگ نہ کر لوں، اگر کوئی ہتھیار بھی میرے پاس نہیں رہے گا تو پھر پتھروں اور مٹی کے ڈھیلوں کے ساتھ ان سے لڑوں گا، یہاں تک کہ اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دوں گا''

۵۔ اس کے بعد مولا کے ایک صحابی بنام ''سعد بن عبداللہ'' نے اپنی گفتگو کا سلسلہ شروع کیا، کہنے لگے:

''خدا کی قسم ہم آپ کی مدد و نصرت سے ہرگز ہاتھ نہیں اٹھائیں گے، اس لئے کہ ہم اللہ کی بارگاہ میں ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے آپ کے بارے میں رسول خداؐ کے حق کی پاسداری کی ہے''

خدا گواہ ہے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ مارا جاؤں گا اور میرے بدن کو جلا کر خاکستر کیا جائے گا پھر زندہ کیا جاؤں گا تو بھی آپ کی نصرت سے باز نہیں آؤں گا، اور ہر بار زندہ ہونے کے بعد آپ کی مدد کو دوڑوں گا، جبکہ میں جانتا ہوں کہ موت صرف ایک بار ہی آئے گی اور اس کے بعد خدا کی بے

انتہا نعمتیں ہیں۔

۶۔ پھر زہیر بن قین نے کہا:

اے فرزند رسولؐ خدا! میں چاہتا ہوں کہ آپ کی حمایت میں ہزار بار قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیے جانے کے بعد میری یہی آرزو ہوگی کہ میری اس موت سے آپ کی یا جوانان بنی ہاشم میں سے کسی جوان کی جان بچ جائے تو مجھے اس سے بڑھ کر کوئی اور خوشی کیا ہوگی'

زُہیر کے بعد اور بھی بہت سے اصحابِ باوفا نے اسی قسم کی گفتگو کر کے امام زمانہ کو اپنی وفاداری اور جاں نثاری کا پختہ یقین دلایا، جس پر امام دوراں سلطانِ کم سپاہ حضرت سید الشہداء حسین بن علی علیہ السلام نے انہیں دعائے خیر دی۔

ایک افسوس ناک خبر، اور ردعمل:

(کتاب تاریخ طبری، ارشاد شیخ مفید، اعلام الوریٰ، لہوف، ملہوف، مقتل خوارزمی میں ہے کہ) اسی اثناء میں امام عالیمقام علیہ السلام کے ایک صحابی ''محمد بن بشیر حضرمی'' کو یہ افسوسناک خبر دی گئی کہ ''ان کے فرزند کو ''رے'' کی سرحد پر گرفتار کرلیا گیا ہے، جسے سن کر محمد بن بشیر حضرمی نے کہا: ''میں اس کی اور اپنی مصیبت کے ثواب کی خداوند متعال سے دعا کرتا ہوں، مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ میرا بیٹا اسیر ہو اور میں زندہ رہوں لہٰذا میں بھی امام کے قدموں میں شرف شہادت حاصل کروں گا''

امام علیہ السلام نے ان کی باتوں کو سن کر ارشاد فرمایا:

''خدا تمہاری مغفرت فرمائے، میں نے تم سے اپنی بیعت اٹھالی ہے لہٰذا تم جاؤ اور اس کی رہائی کی کوشش کرو''

محمد بن بشیر نے عرض کی:

''خدا کی قسم جب تک زندہ ہوں آپ کی نصرت سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا''

ساتھ ہی عرض کی:

''اگر میں آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں تو صحرا کے درندے مجھے چیر پھاڑ کر کھا جائیں!!''

پھر امام علیہ السلام نے انہیں کپڑوں کے پانچ نفیس جوڑے دیئے جن کی قیمت ایک ہزار دینار تھی، اور فرمایا:

''یہ قیمتی لباس کسی کو دو تا کہ وہ تمہارے فرزند کی رہائی کا اہتمام کرے''

حضرت قاسم علیہ السلام:

(کتاب نفس المہموم میں یہ درج ہے کہ) اس موقع پر امام حسن علیہ السلام کے فرزند دلبند جناب قاسمؑ نے اپنے چچا کی خدمت میں عرض کی:

''چچا جان شہیدوں کی فہرست میں میرا نام بھی ہے؟''

امامؑ نے پیار بھری نگاہوں سے معصوم شہزادے کی طرف دیکھ کر فرمایا:

''عزیز جان! موت کو تم کیسا سمجھتے ہو؟''

معصوم شہزادے نے نہایت ہی بچپن کی ادا کے ساتھ عرض کیا:

''اَلْمَوْتُ اَحْلٰی عِنْدَ نَا مِنَ الْعَسَلِ ''موت میرے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے''

امامؑ نے جذبات بھرے انداز میں فرمایا:

''تمہارا چچا تم پر قربان جائے، تم بھی شہداء میں شامل ہو اور وہ بھی سخت دکھوں اور مصیبتوں کے ساتھ اور تمہارے بھائی یعنی میرے معصوم بچے شیر خوار عبداللہ ـــ علی اصغرؑ ـــ کو بھی شہید کر دیا جائے گا''

قاسم یہ سن کر بے تاب ہو گئے اور عرض کیا:

''چچا جان کیا یہ نابکار دشمن ہمارے خیموں پر بھی حملہ کریں گے کہ عبداللہ شیر خوار کو شہید کر دیں گے؟''

امامؑ نے رو کر فرمایا:

''تمہارا چچا تمہارے صدقے جائے اسے میدان جنگ میں شہید کر دیں گے''

پھر آپ نے معصوم علی اصغرؑ کی شہادت کا پیش آنے والا ماجرا بیان کیا، جس سے قاسم زار و قطار رونے لگ گئے اور رونے کی یہ آواز سن کر خیموں میں بھی کہرام بپا ہو گیا۔

(کتاب مقتل الحسینؑ مقرم ص ۲۵۸ میں ہے کہ) جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے افراد بنی ہاشم اور اپنے یارانِ باوفا کا اپنے امام کی پیشکش پر ردعمل کو ملاحظہ فرمایا جوان کی معرفت، احساس ذمہ داری اور منصب و مقام امامت کے ساتھ وفاداری پر مشتمل تھا، تو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا دی اور کہا: ''جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْراً ''اللہ آپ سب کو جزائے خیر

فرمائے۔

یہ الفاظ کسی عام شخصیت کے منہ سے نکلے ہوئے نہیں بلکہ زمانہ کے امامؑ اور رسول الثقلینؐ کے نواسے کے منہ سے نکلے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد امام نے پوری صراحت اور دوٹوک الفاظ میں واضح کر دیا کہ ''اِنِّی غَداً اُقْتَلُ وَ کُلُّکُم تُقْتَلُوْنَ مَعِیَ'' کل میں شہید کر دیا جاؤں گا اور تم سب بھی شہید کر دیئے جاؤ گے......وَلَا یَبْقٰی مِنْکُمْ اَحَدٌ حَتّٰی الْقَاسِمُ وَعَبْدُ اللّٰہِ الرَّضِیْع ''اور تم میں سے کوئی بھی باقی نہیں بچے گا حتی کہ قاسم بن الحسن اور عبداللہ__ علی اصغرؑ__ شیر خوار بھی، یہ سن کر سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا:

''ہم بھی اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں آپ کی وجہ سے شرف عطا فرمایا ہے کہ آپ کے قدموں میں شہید ہو کر ہمیشہ کی عزت اور شرافت حاصل کر لیں فرزند رسولؐ آیا ہم اس بات پر خوشی کا اظہار نہ کریں کہ بہشت بریں میں ہم آپ کے ساتھ ہوں گے''

اس مقام پر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ مجاہدین راہ خدا، خداوند عالم کے اس فرمان:

''مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا''

کچھ مومنین ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو سچا کر دکھایا، ان میں سے بعض نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا اور بعض ان میں سے انتظار کر رہے ہیں اور وہ ذرا بھی نہیں بدلے۔

(سورہ احزاب/۲۳)

اور اسی طرح اس آیت:

''وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا وَالصَّابِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ''

تنگدستی اور مصیبت کے وقت، جنہوں نے ثابت قدمی اور اولوالعزمی کے ساتھ اپنی مقدس جانوں کا نذرانہ پیش کر کے اپنے آپ کو زندہ جاوید بنا دیا اور قیامت تک آنے والی نسلوں کو وفاداری، حق کے آگے سر تسلیم خم کرنے اور بردباری اور فداکاری کا درس دیا۔

یہی وجہ ہے کہ خرائج راوندی کی تصریحات کے مطابق حضرت امام عالی مقام نے اعجاز امامت کے تحت ان میں سے ہر ایک کی آنکھوں کے آگے سے پردہ ہٹا کر بہشت میں ان کے قصور و محلات اور ان کیلئے خلد بریں کی مہیا شدہ نعمتیں

انہیں دکھلائیں۔

خیام کی حفاظتی تدبیر:

(کتاب الامام الحسینؑ واصحابہ) کے مطابق چونکہ ہر لمحے خیموں میں پشت سے دشمن کے شب خون مارنے کا احتمال تھا لہٰذا امام معظم نے خیام کے اطراف میں کھدی ہوئی خندق میں لکڑیاں ڈلوادیں اور فرمایا: ''جونہی دشمن حملہ آور ہوں لکڑیوں کو فوراً آگ لگادی جائے تاکہ اس طرح سے وہ خیام تک دسترسی حاصل نہ کرسکے، چنانچہ صرف ایک سمت کے سوا جس پر امام کے اصحاب متعین تھے باقی تمام مربوط راستے خندق کی وجہ سے دشمن پر مسدود کردیئے اور یہ تدبیر اصحاب امام علیہ السلام کیلئے نہایت مفید ثابت ہوئی''

خیام کی تنصیب نو:

(کتاب انساب الاشراف جلد ۳ میں ہے کہ) امام حسین علیہ السلام نے اپنے خیمہ سے باہر آکر اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ خیموں کو ایک دوسرے کے قریب کردیں، ایک دوسرے کی طنابوں کو باہم ملادیں اپنا رخ دشمن کے لشکر کی طرف کرلیں اور خیام کو اپنی پشت اور دائیں بائیں قرار دیں گویا خیمے ان کے تینوں اطراف میں ہوں اور اصحاب فقط ایک طرف سے دشمن کے روبرو ہوں تاکہ دشمن کسی بھی طرف سے آپ کے ساتھیوں کو تیروں کا ہدف قرار نہ دے سکے۔

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام اور اصحاب وانصار حسینؑ اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے اور ساری رات نماز واستغفار ،دعاومناجات میں گزاردی۔

نافع بن ہلال سے امامؑ کی گفتگو:

بقول مرحوم مقرم، حضرت سید الشہداء علیہ السلام شب عاشورا آدھی رات کے وقت خیام سے باہر آگئے، اس منظر کو آپ کے ایک صحابی نافع بن ہلال دیکھ رہے تھے لہٰذا انہوں نے جلدی سے اپنے آپ کو خدمت امام میں پہنچایا اور خیام سے باہر آنے کا سبب پوچھا، ساتھ ہی عرض کیا: ''یا بن رسول اللہؐ! آپ کا خیمے سے باہر آکر اس طاغوتی دشمن کے لشکر کی طرف جانے سے مجھے سخت پریشانی لاحق ہوگئی کہ آپ کو گزند نہ پہنچائیں!''

امامؑ نے فرمایا:

''اِنِّی خَرَجْتُ اَتَوَقَّعُ التِّلَاعِ وَالرَّوَابِی مُخَافَةَ اَنْ تَكُوْنَ مَكْمَنًا لِهُجُوْمِ الْخَيْلِ تَحْمِلُوْنَ وَيَحْمِلُوْنَ''

میں اس لئے باہر آیا ہوں تاکہ خیموں کے اطراف میں زمین کی بلندی اور پستی کا جائزہ لوں کہ کہیں پر دشمن کیلئے کمین گاہ کا کام تو نہیں دے رہی کہ جس سے چھپ کر وہ تم پر حملہ کرے یا تمہارے حملے سے اپنے دفاع کا کام لے۔

امامؑ کے ہاتھ میں ہلال کا ہاتھ تھا، اس وقت امام نے فرمایا:

"هِیَ وَاللّٰهِ وَعْدٌ لا خُلْفَ فِیْهِ" خدا کی قسم آج کی رات وعدہ وفائی کی رات ہے جس کی خلاف ورزی ممکن نہیں ہے۔

اسی دوران ماہتاب کی چاندنی میں دور سے دو پہاڑیاں دکھائی دیں جن کی طرف امام نے اشارہ کر کے نافع سے فرمایا:

"اَلا تَسْلُکُ بَیْنَ هٰذَیْنِ الْجَبَلَیْنِ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ وَتَنْجُوْ نَفْسَکَ؟"

کیا تم نہیں چاہتے کہ رات کے اس حصے میں ان پہاڑیوں کے درمیان جا کر پناہ لو اور اپنی جان بچاؤ؟

یہ سن کر نافع بن ہلال نے اپنے آپ کو امامؑ کے قدموں پر گرا دیا اور عرض کی:

ثَکَلَتْنِیْ اُمِّیْ اِنَّ سَیْفِیْ بِاَلْفٍ وَّ فَرَسِیْ مِثْلُهٗ ، فَوَالَّذِیْ مَنَّ بِکَ عَلَیَّ لا فَارَقْتُکَ حَتّٰی یَکُلَّا عَنْ فَرْیٍ وَّجَرْیٍ

میری ماں میرا سوگ منائے میں نے یہ تلوار ایک ہزار درہم کی خریدی ہے اور یہ گھوڑا بھی ایک ہزار درہم میں خریدا ہے، اس اللہ کی قسم جس نے آپ کی محبت میرے دل میں پیدا کر کے مجھ پر احسان فرمایا ہے میرے اور آپ کے درمیان اس وقت ہی جدائی ہو سکتی ہے جب یہ تلوار بند ہو جائے اور گھوڑا حرکت کے قابل نہ رہے۔

یاد رہے کہ نافع بن ہلال حضرت سید الشہداءؑ کے جاں نثاروں میں شامل ہیں اور بروز عاشورا شدید زخموں کی وجہ سے شہداء کے لاشوں کے درمیان گر گئے تھے، پھر انہیں قیدی بنا کر کوفے کی طرف منتقل کر دیا گیا، عاشورا کے متعلق کچھ مطالب انہی کے ذریعہ بیان ہوئے ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔

نافع یہ بھی کہتے ہیں کہ:

"امامؑ خیموں کے اطراف بیابان کا جائزہ لے کر خیام کے اندر تشریف لے آئے اور سیدھے اپنی ہمشیرہ محترمہ جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے خیمے میں چلے گئے، میں اس وقت خیمے کے باہر پہرہ

دے رہا تھا، تو جناب زینب کبریٰ نے سب سے پہلے اپنے بھائی سے سوال کیا: ''بھائی جان! آیا آپ نے اپنے اصحاب وانصار کو اچھی طرح آزما لیا ہے اور ان کی نیت اور استقامت کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ کسی سخت اور مشکل مرحلے پر آپ کا ساتھ چھوڑ کر آپ کو دشمن کے نرغہ میں یکہ وتنہا چھوڑ جائیں؟''

امامؑ نے فرمایا:

''وَاللّٰهِ لَقَدْ بَلَوْتُهُمْ فَمَا وَجَدتُّ فِيهِمْ اِلَّا الْاَشْوَسَ الْاَ قْعَسَ يَسْتَأْنِسُوْنَ بِالْمَنِيَّةِ دُوْنِى اسْتِيْنَاسَ الطِّفْلِ اِلٰى مَحَالِبِ اُمِّهٖ''

جی ہاں! میں نے خدا کی قسم انہیں اچھی طرح جانچ لیا ہے، میں نے انہیں شیر دلاور کی طرح بہادر اور پہاڑ کی طرح مضبوط ومحکم پایا ہے

بقول شاعر:

پتلے ہیں ''یہ'' حدید کے پیکر ہیں سنگ کے
انساں نہیں پہاڑ ہیں میدانِ جنگ کے

وہ میرے اوپر جان قربان کرنے کیلئے اس قدر مشتاق ہیں جس طرح شیر خوار بچہ ماں کی چھاتی کا مشتاق ہوتا ہے۔

نافع کہتے ہیں:

''جب میں نے بہن بھائی کے سوال وجواب کو سنا تو مجھ سے رونا ضبط نہ ہو سکا، سیدھے حبیب بن مظاہر کی طرف آیا اور بہن بھائی کا سارا ماجرا بیان کر دیا''

حبیب نے کہا:

''خدا کی قسم! اگر امام علیہ السلام کے حکم کا انتظار نہ ہوتا اسی رات ہی کو ہم دشمن پر حملہ کر دیتے''

میں نے کہا:

''حبیب! امامؑ اس وقت بہن کے خیمہ ہی میں ہیں اور شاید کچھ مخدرات عصمت اور معصوم بچے بھی وہاں ہوں، بہتر ہے کہ کچھ اصحاب کے ساتھ امام کی خدمت میں چلتے ہیں اور ایک مرتبہ پھر اپنی وفا اور جاں نثاری کا اظہار کرتے ہیں، تاکہ مخدرات عصمت کی ڈھارس بندھ جائے''

تجدید بیعت:

حبیب نے بلند آواز کے ساتھ یارانِ باصفا کو بلایا، سب لبیک کہتے ہوئے اپنے اپنے خیموں سے باہر آ گئے، حبیب نے سب سے پہلے جوانانِ بنی ہاشم سے استدعا کی کہ اپنے خیموں میں جا کر سکون کے ساتھ عبادت کریں، اس کے بعد نافع کی گفتگو کو ان کے سامنے دہرایا جس پر تمام اصحاب نے یک زبان ہو کر کہا:

''اس خدا کی قسم جس نے ہم پر یہ احسان کیا ہے اور یہ عظیم اعزاز عطا فرمایا ہے کہ ہم اپنے مولا کے قدموں میں شہادت کا اعزاز حاصل کر رہے ہیں، اگر ہمیں اپنے امامِ ذی شان کے حکم کا انتظار نہ ہوتا تو ابھی ابھی دشمن کی صفوں میں گھس کر انہیں تہس نہس کر دیتے!! حبیب آپ مطمئن رہیے! آپ کی آنکھیں ٹھنڈی! جب تک ان غلاموں کی جان میں جان ہے انشاء اللہ دشمن کو ادھر میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہیں ہوگی!!''

حبیب نے یہ سن کر سب کو دعائے خیر دی اور کہا:

''بہتر ہے کہ ہم مخدرات عصمت وطہارت کے خیموں کے دروازے پر چلتے ہیں انہیں بھی انہی الفاظ کے ساتھ جا کر تسلی دیتے ہیں''

چنانچہ تمام اصحاب گرامی حبیب کی قیادت میں سیدہ مظلومہ زینب بنت علی سلام اللہ علیہا کے خیمہ کے دروازے پر پہنچ گئے اور حبیب ان الفاظ کے ساتھ سیدانیوں سے مخاطب ہوئے:

''اے دخترانِ پیغمبرؐ! اور اے حرم رسول گرامیؐ! یہ ہیں آپ کے جاں نثار، اور یہ ہیں ان کی چمکدار تلواریں، ان سب نے اپنے خدا سے عہد کر لیا ہے کہ ان تلواروں سے جب تک دشمن کی گردنوں کو ان کے سروں سے جدا نہیں کریں گے تب تک انہیں نیاموں میں نہیں ڈالیں گے اور یہ ہیں آپ کے غلاموں کے تیر اور تیز نوکوں والے نیزے، انہوں نے بھی قسم کھائی ہے کہ یہ نیزے آپ کے دشمنوں کے سینوں میں گھونپیں گے۔

یہ سن کر خاندانِ عصمت وطہارت میں سے ایک معظّمہ بولیں:

''اَیُّهَا الطَّیِّبُوْنَ اِحَامُوْا عَنْ بَنَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَحَرَآئِرِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ''

اے پاک طینت جوانمردو! اپنے نبی کی بیٹیوں اور امیر المومنین علیہ السلام کی مقدس خواتین کی حفاظت اور ان کا

دفاع کرو"

جب اس خاتونِ معظمہ کے الفاظ باوفا اصحاب کے کانوں میں پہنچے تو سب کی دھاڑیں نکل گئیں اور وہ روتے ہوئے اپنے خیموں میں واپس آ گئے۔

امامؑ کے اصحاب و انصار کی یہ جرأت، یہ عظمت، یہ جانثاری اور یہ فداکاری اور جذبہ قربانی دیکھ کر بے ساختہ منہ سے نکل جاتا ہے:

''بِاَبِیْ اَنْتُمْ وَاُمِّیْ ، طِبْتُمْ وَطَابَتِ الْاَرْضُ الَّتِیْ فِیْهَا دُفِنْتُمْ ، وَفُزْتُمْ فَوْزاً عَظِیْماً''

اے اصحاب ذی وقار میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں، تم بھی پاک و پاکیزہ اور وہ زمین بھی پاک و پاکیزہ جس میں تم محو آرام و استراحت ہو اور بہت بڑی کامیابی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوئے ہو۔

مخدراتِ عصمت کو امامؑ کی تلقینِ صبر

(کتاب انساب الاشراف، طبری، کامل ابن اثیر، ارشاد مفید، مقتل خوارزمی تاریخ یعقوبی، اخبار زینبیات میں ہے کہ)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

میرے والد بزرگوار حضرت امام حسین علیہ السلام دس محرم کی رات کو ایک خیمہ میں اپنے یار و انصار کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور ابوذر غفاری کے غلام ''جون'' آپؑ کی تلوار کو ٹھیک کر رہے تھے، جبکہ میری پھوپھی جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا میرے خیمے میں بیٹھی میری تیمارداری میں مصروف تھیں، تو اتنے میں والدِ گرامی نے یہ اشعار پڑھنا شروع کر دیئے:

یَا دَهْرُ اُفٍّ لَّکَ مِنْ خَلِیْلٖ　　کَمْ لَکَ بِالْاِشْرَاقِ وَالْاَصِیْلٖ .

مِنْ صَاحِبٍ اَوْ طَالِبٍ قَتِیْلٖ　　وَ الدَّهْرُ لَا یَقْنَعُ بِالْبَدِیْلٖ

وَاِنَّمَا الْاَمْرُ اِلَی الْجَلِیْلٖ　　وَ کُلُّ حَیٍّ سَالِکٍ سَبِیْلٖ

اے زمانے تجھ پر افسوس کہ کس قدر شب و روز تو دوستوں اور چاہنے والوں کو موت کے گھاٹ اتارتا ہے اور عوض کو بھی قبول نہیں کرتا، تمام امور کی بازگشت خداوند جلیل و عظیم کی طرف ہے اور ہر ذی روح نے یہی راستہ اختیار کرنا ہے۔

بالفاظ دیگر:

زندہ ہے جو وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمد مرسلؐ نہ رہے کون رہے گا

بابا نے یہی اشعار دو یا تین مرتبہ دہرائے، جس سے میں سمجھ گیا کہ آپ اپنی زندگی کے آخری لمحات کی طرف اشارہ کر کے اپنی شہادت کا اعلان کر رہے ہیں، میرا جی بھر آیا لیکن میں نے اپنے گریہ پر قابو رکھا، مگر میری پھوپھی جناب زینبؑ سے ضبط نہ ہو سکا اصحاب کے لوٹ جانے کے بعد پھوپھی زینبؑ بھائی کے خیمے میں تشریف لے گئیں اور عرض کرنے لگیں:

''ہائے افسوس مجھ پر، لَیتَ المَوتَ اَعدَمَنِی الحَیوٰۃَ'' اے کاش کہ میں مر چکی ہوتی اور یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

اے میرے مرحوم بزرگوں کی یادگار! اور اے زندہ رہ جانے والوں کی جائے پناہ حسینؑ! ان حالات نے ہمارے لئے بابا علیؑ اور اماں زہراؑ اور بھائی حسنؑ کی مصیبت کو تازہ کر دیا ہے۔

امامؑ نے ایک حسرت بھری نگاہ اپنی بہن زینبؑ پر ڈالی اور انہیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: ''ماں جائی زینبؑ بہن! حلم اور بردباری آپ کے گھر کا ورثہ ہے، صبر سے کام لو بہن!

مگر قربان جایئے حسینؑ کے کہ انہوں نے جب زہرا کی بیٹی کی یہ کیفیت دیکھی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو موتیوں کی طرح ٹپکنے لگے اور عربوں کی ایک ضرب المثل کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''لَوْ تُرِکَ الْقَطَا لَنَامَ''

اگر قطا نامی پرندے کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ آرام کرلے۔

اور یہ ضرب المثل وہاں بیان کی جاتی ہے جب کسی انسان کو چاروں طرف سے گھیر لیا جائے اور اس کیلئے کوئی چارہ باقی نہ رہ جائے، گویا اس سے امامؑ کا اشارہ یہ تھا کہ ان نام نہاد مسلمانوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا ہے اور اب موت کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

یہ سن کر زینبؑ دلگیر نے کہا:

''ہائے ماں جائے!! آپ کو مجھ سے جدا کر دیں گے؟

یہ کہا اور منہ پر ماتم کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ بیہوش ہو کر گر پڑیں، امام کے پاس اگر پانی ہوتا تو ان کے منہ پر

چھڑک کر ہوش میں لاتے، یقیناً آنسوؤں کی بارش سے انہیں ہوش میں لایا ہوگا، چنانچہ زینب کبریٰؑ کے ہوش میں آجانے کے بعد امام الصابرین نے اپنی قابلِ توقیر بہن، ثانی زہرؑا، زینب کبریٰؑ کو تسلی دی اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"یَا اُخْتَاہُ تَعَزِّی بِعَزَآءِ اللّٰہِ، وَاعْلَمِی اَنَّ اَھْلَ الْاَرْضِ یَمُوْتُوْنَ وَاَھْلَ السَّمَآءِ لَا یَبْقُوْنَ، وَاَنَّ کُلَّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْہَ اللّٰہِ، اَلَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ بِقُدْرَتِہٖ، وَیَبْعَثُ الْخَلْقَ فَیَعُوْدُوْنَ وَھُوَ فَرْدٌ وَّحْدَہٗ"

پیاری بہن! تسلی کرو، خدا کی رضا کیلئے صبر کرو، بہن! اچھی طرح جانتی ہو کہ تمام دنیا نے ختم ہو جانا ہے سوائے اس معبودِ حقیقی کے کسی نے بھی زندہ نہیں رہنا جس نے دنیا کو خلق فرمایا ہے اور وہی تمام لوگوں کو دوبارہ اٹھائے گا اور وہی ذات بابرکات بے مثل و بے مثیل و بے مثال ہے۔

"......اَبِیْ خَیْرٌ مِّنِیْ وَاُمِّیْ خَیْرٌ مِّنِیْ وَاَخِیْ خَیْرٌ مِّنِّیْ، وَلِیْ وَلَھُمْ وَلِکُلِّ مُسْلِمٍ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ......"

میرے بابا، میری ماں میرے بھائی مجھ سے بہتر تھے جو راہی ملک بقا ہوئے، مجھے، ان کو اور تمام مسلمانوں کو سرکار رسالت مآبؐ کے اسوہ پر چلنا چاہئے اور وہ بھی عالم بقا کو سدھار چکے ہیں......"

پھر آپ نے مخدرات عصمت وطہارت کو ان کا نام لے لے کر صبر کی تلقین فرمائی، اور کہا:

"یَا اُخْتَاہُ، یَا اُمَّ کُلْثُوْمٍ، یَا فَاطِمَۃُ، یَا رُبَابُ! اُنْظُرْنَ اِذَا قُتِلْتُ فَلَا تَشْقُقْنَ عَلَیَّ جَیْبًا وَّلَا تَخْمَشْنَ وَجْھًا وَّلَا تَقُلْنَ ھَجْرًا"

بہن زینبؑ! ام کلثومؑ! فاطمہؑ اور ربابؑ! خیال رکھنا، میری شہادت کے بعد نہ تو گریبان چاک کرنا، نہ چہرے کو زخمی کرنا اور نہ ہی ایسی کوئی بات کرنا جو تمہاری شان کے خلاف ہو"

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جب پھوپھی سے غشی کی کیفیت ختم ہوئی تو بابا انہیں میرے خیمے میں لے آئے اور خود اپنے خیمے میں تشریف لے گئے"

اختتام شب

''کتاب نفس المہموم'' میں شیخ صدوق علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ، جوں جوں شبِ عاشور! اپنے اختتام کے قریب ہوتی جارہی تھی اور سپیدۂ سحر نمودار ہونے والا ہی تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی اچانک مختصر سی آنکھ لگ گئی اور بیدار ہونے کے بعد اپنے اصحاب سے فرمایا:

''اِنِّیْ رَأَیْتُ فِی مَنَامِی کَأَنَّ کِلَابًا قَدْ شَدَّتْ عَلَیَّ تَنْتَہِشُنِیْ وَفِیْھَا کَلْبٌ اَبْقَعُ ، رَأَیْتُہٗ اَشَدَّھَا ، وَاَظُنُّ اَنَّ الَّذِیْ یَتَوَلّٰی قَتْلِی رَجُلٌ اَبْرَصُ مِنْ ھٰؤُلَآءِ الْقَوْمِ''

میں نے خواب میں دیکھا کہ کچھ کتے مجھ پر بڑی شدت کے ساتھ حملہ آور ہو رہے ہیں، اور ان میں سے زیادہ حملے سیاہ وسفید رنگ کا کتا کر رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب میری شہادت قریب ہے اور میرا قاتل برص کا مریض ہوگا۔

پھر فرمایا:

''وَاِنِّیْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ بَعْدَ ذَالِکَ وَ مَعَہٗ جَمَاعَۃٌ مِّنْ اَصْحَابِہٖ وَھُوَ یَقُوْلُ اَنْتَ شَہِیْدُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ ......عَجِّلْ وَلَا تُؤَخِّر ......''

اس کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ اپنے کچھ اصحاب کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ ''تم اس امت کے شہید ہو......آج رات کا کھانا تم نے ہمارے ساتھ کھانا ہے، پس اب جلدی کرو دیر نہ کرو......''

''ھٰذَا مَارَأَیْتُ قَدْ اَنِفَ الْاَمْرُ وَاقْتَرَبَ الرَّحِیْلُ مِنْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا لَاشَکَّ فِیْہِ''

تو اے میرے باوفا اور جاں نثار ساتھیو! یہ خواب اس بات کی علامت ہے کہ میری اجل بہت قریب ہے اور بغیر کسی شک وتردید کے اس فانی دنیا سے بہت جلد کوچ کرنے والا ہوں۔

روز عاشورا

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ عاشور کی رات خیام حسینی میں عجیب جوش وخروش، جاں نثاری اور فداکاری کے مناظر وجود میں آچکے تھے، کہیں کوئی اپنے جنگی ہتھیاروں کی دیکھ بھال کررہا ہے تو کہیں پر کوئی اپنے رب کریم کی بارگاہ میں محوراز ونیاز ہے، کوئی نماز پڑھ رہا ہے تو کوئی مناجات میں مشغول ہے، کہیں عبادت ہورہی ہے، کہیں سے قرآن خوانی کے زمزمے بلند ہیں، روایات نے یہ الفاظ تاریخ کے سینے میں محفوظ کردیئے ہیں کہ:

''لَهُمْ دَوِیٌّ كَدَوِیِّ النَّحْلِ بَيْنَ قَائِمٍ وَّقَاعِدٍ وَّرَاكِعٍ وَّسَاجِدٍ''

خیام سے ایسی آوازیں بلند ہورہی تھیں جیسے شہد کی مکھیوں کی آوازیں ہوتی ہیں ملائکہ کی صفوف کی مانند کوئی قیام میں ہے تو کوئی قعود میں۔ کوئی رکوع میں ہے تو کوئی سجود میں۔

غرض دسویں کی رات آہستہ آہستہ اپنے اختتام کو پہنچ گئی، اور سپیدہ سحر نے نمودار ہو کر اس تاریخی عاشورا کی صبح کا اعلان کیا جس کیلئے نبی کے نواسے اور علیؑ وزہراؑ کے لخت جگر نے اتنا بڑا سفر کیا جس کی خبر انبیاء ماسلف اور خصوصیت کے ساتھ پیغمبر اسلامؐ نے دی تھی۔

چنانچہ سلطان دین ودنیا کے معدودے چند جانثاروں نے اپنے مالک حقیقی کی بارگاہ میں عجز ونیاز بجالانے کیلئے نماز صبح کی تیاری کی اس گرم وخشک اور لق ودق صحرا میں اذان کی آواز گونجی توحید کی تکبیر اور بلند بانگ اعلان سے ہزاروں افراد پر مشتمل یزید کی پرستار شیطانی فوج کی نیندیں حرام ہوگئیں، اقامت کہی گئی اور امام زمانہؑ کی اقتدا میں نمازِ صبح ادا کی گئی ، اور نماز کی تعقیبات اور معارف الٰہی پر مبنی تعلیمات کو امام الشہداءؑ نے ایک مناجات کے ضمن میں بیان فرمایا: پروردگار عالم کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں:

''اَللّٰهُمَّ اَنْتَ ثِقَتِیْ فِیْ كُلِّ كَرْبٍ ، وَرَجَآئِیْ فِیْ كُلِّ شِدَّةٍ ، وَاَنْتَ لِیْ فِیْ كُلِّ اَمْرٍ نَّزَلَ بِیْ ثِقَةٌ وَّعُدَّةٌ''

خداوندا! تو ہر مشکل میں میری جائے پناہ ہے، اور ہر سختی میں تو میرے لئے مایہ امید ہے، اور مجھ پر نازل ہونے والی مصیبت میں میرا ملجا وماویٰ ہے۔

''كَمْ مِنْ هَمٍّ يَّضْعَفُ فِيْهِ الْفُؤَادُ وَتَقِلُّ فِيْهِ الْحِيْلَةُ، وَيَخْذُلُ فِيْهِ الصَّدِيْقُ وَيَشْمَتُ فِيْهِ

اَلْعَدُوُّ، اَنْزَلْتُهُ بِكَ وَشَكَوْتُهُ اِلَيْكَ رَغْبَةً مِّنِّىْ اِلَيْكَ عَمَّنْ سِوَاكَ، فَفَرَّجْتَهُ وَكَشَفْتَهُ فَاَنْتَ وَلِىُّ كُلِّ نِعْمَةٍ وَّصَاحِبُ كُلِّ حَسَنَةٍ وَّمُنْتَهٰى كُلِّ رَغْبَةٍ''

پروردگارا! کس قدر رنج وغم ہیں کہ دل جس سے شکستہ ہو چکے ہیں، تدبیریں جواب دے گئی ہیں دوست ساتھ چھوڑ گئے ہیں اور دشمن خوشی منارہے ہیں۔

اس کی شکایت میں تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں، اس لئے کہ میری تمام امیدیں تیری ذات سے وابستہ ہیں، تیرے غیر سے نہیں، تو نے میری مشکلات حل فرمائی ہیں اور مصیبتیں دور فرمائی ہیں، پس تو ہی ہے ہر ایک کا ولی نعمت، تمام خوبیوں کا مالک، اور تمام آرزوؤں کی انتہا!!

آگے چلنے سے پہلے ہم اس مقام پر ''روز عاشورا کی عظمت'' کے بارے میں کچھ عرض کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

کتاب مجمع البحرین جلد ۳ صفحہ ۴۰۵ لغت ''عشر'' کے تحت حضرت موسیٰؑ کی مناجات کے تذکرہ کے ضمن میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ: ''حضرت موسیٰؑ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی:

''پروردگارا! تو نے کس بنا پر اپنے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰؐ کی امت کو دوسرے انبیاء کی امتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے؟''

تو ارشاد پروردگار ہوا! دس خصوصیات کی بنا پر

۱۔نماز ۲۔زکات ۳۔روزہ ۴۔حج ۵۔جہاد

۶۔نماز جمعہ ۷۔نماز جماعت ۸۔قرآن ۹۔علم اور ۱۰۔عاشورا کی وجہ سے

موسیٰؑ نے عرض کیا: ''خداوندا! عاشورا کیا ہے؟'' تو اللہ نے فرمایا:

''محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند پر رونا، مرثیہ پڑھنا اور عزاداری کرنا، اے موسیٰ! اس زمانے میں میرے بندوں میں سے جو بندہ بھی میرے مصطفیٰؐ پیغمبر کے بیٹے کے غم میں روئے گا یا رونے کی صورت بنائے گا میں ثواب کے طور پر اسے بہشت عطا کروں گا اور میرے بندوں میں سے جو بھی بندہ میرے نبیؐ کی بیٹی کے فرزند کی محبت کیلئے اپنا مال اور دولت خرچ کرے گا میں اسے دنیا میں ہر ایک درہم کے بدلے میں ستر درہم عطا کروں گا اور آخرت میں اس کے گناہوں اور خطاؤں کو معاف کر کے بہشت کی نعمتوں سے مالا مال کر دوں گا۔

موسیٰؑ! مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم جس کسی مرد یا عورت کی آنکھ سے ایک آنسو اس کے غم میں

عاشورا یا کسی بھی دن نکلے گا تو میں اسے سو شہیدوں کے برابر ثواب عطا کروں گا''۔

مقتل الحسینؑ کامل الزیارات، اثبات الوصیۃ، ابن عساکر اور اثبات الہداۃ کے مطابق صبح عاشور، حضرت اباعبد اللہ الحسینؑ نے تعقیبات نماز کے بعد کھڑے ہو کر اپنے اصحاب کے سامنے ان الفاظ میں خطبہ ارشاد فرمایا:

''اَمَّابَعْدُ اِنَّ اللّٰہَ اَذِنَ فِیْ قَتْلِکُمْ وَقَتْلِی فِی ھٰذَاالْیَوْمِ فَعَلَیْکُمْ بِالصَّبْرِ وَالْقِتَالِ ''

بعد از حمد وصلوٰۃ، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم اپنا دفاع کرو اور آج کے دن جنگ کرو کیونکہ تمہاری اور میری شہادت آج کے دن ہے۔

امام الشہداءؑ نے یہ فرمایا اور بے شمار ٹڈی دَل فوج کا مقابلہ کرنے کیلئے اپنے معدودے چند افراد پر مشتمل سپاہیوں کو خطاب کیا۔

حیوٰۃ الحیوان دمیری، تاریخ طبری، شفاء الصدور، تاریخ اعثم کوفی، مجالس صدوق، منقول از مقتل الحسین مقرم ص ۱۳۳ میں:

الٰہی سپاہیوں کی مختلف تعداد مذکور ہے، ایک روایت کے مطابق سو پیادے، ستر سوار کل ایک سو ستر (۱۷۰)

ایک دوسری روایت کے مطابق سو پیادے تیس سوار کل ایک سو تیس (۱۳۰)

ایک اور روایت کے مطابق بیاسی پیادے پینتالیس سوار کل ایک سو ستائیس (۱۲۷)

ایک اور روایت کے مطابق بیاسی پیادے اور چالیس سوار کل ایک سو بائیس (۱۲۲)

ایک اور روایت کے مطابق صرف بیاسی پیادے کل بیاسی (۸۲)

ایک اور روایت کے مطابق چالیس پیادے اور بتیس سوار کل بہتر (۷۲)

ان اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کل تعداد ایک سو ستر (۱۷۰) سے زیادہ اور بہتر (۷۲) سے کم نہیں۔

وہ سب اس جذبہ سے سرشار کہ رسول خدا کے نواسے اور اپنے زمانہ کے امام کی مدد کریں گے، ان کے بتائے ہوئے شرعی اور دینی مقاصد کو اندھی گونگی اور بہری دنیا تک پہنچائیں گے اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے اللہ کے دین اور محمد مصطفیٰؐ کی شریعت کو زندہ کریں گے، چنانچہ وہ اس عقیدہ، یقین کامل اور حتمی اطمینان کے ساتھ بہشت، جنت سَرِشت اور حضرت رسالتمآبؐ اور ان کے پاکیزہ اہل بیت (ع) کے پاس جانے کیلئے جنگ کیلئے تیار ہو گئے۔

پوری جرأت ایمانی سے لڑے، ہتھیار نہیں ڈالے، دشمن کو قتل کیا مگر کسی کے ہاتھوں قیدی نہیں ہوئے، یہاں تک

لڑے کہ جان تک قربان کر دی اور شہادت کے عدیم المثال اور بے نظیر منصب کو حاصل کر لیا، جنگ کے دوران اپنا اور خاندان علم وسیادت اور شرافت وفضیلت کا تعارف کرایا دین الٰہی کے تحفظ کا خدائی فریضہ پورا کر کے سرخرو ہو کر اپنے اللہ کی بارگاہ میں جا پہنچے۔

عمر سعد نے اپنی ٹڈی دل فوج اور بے شمار لشکر وسپاہ کو آمادہ ہونے کا حکم دیا اور اسے مرتب کرنے لگ گیا۔

یزیدی فوجوں کی تعداد:

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک مرتبہ پھر یزیدی فوج کی تعداد اور اس کے کمانڈروں کا جائزہ لیں، تا کہ معلوم ہو کہ بہتر یا زیادہ سے ڈیڑھ پونے دوسو افراد کے ساتھ لڑنے کیلئے کتنی تعداد میں فوج جمع ہوئی اور کیا نتیجہ نکلا؟

البتہ یاد رہے کہ ہم پانچ محرم کے حالات میں بیان کر چکے ہیں کہ یزید کی ریگولر یعنی باقاعدہ فوج کی تعداد کیا تھی؟ اور یہ تعداد پانچ محرم تک تھی، جبکہ دس محرم تک اس فوج کی تعداد کچھ اس طرح تھی، جسے مورخین نے ذکر کیا ہے۔

۱۔سبط ابن جوزی کے مطابق چھ ہزار (6000)

۲۔سید ابن طاؤس کے مطابق بیس ہزار (20000)

۳۔اعثم کوفی کے مطابق بیس ہزار (20,000)

۴۔صاحب مطالب السؤل کے مطابق بائیس ہزار (22000)

۵۔علامہ مجلسی کے مطابق تیس ہزار (30000)

۶۔ابن شہر آشوب کے مطابق پینتیس ہزار (35000)

۷۔ناسخ التواریخ کے مطابق ترپن ہزار (53000)

۸ ابی مخنف کے مطابق اسی ہزار (80000)

۹۔بقول ناسخ التواریخ بعض مورخین نے ایک لاکھ (100000)

۱۰۔بعض کے مطابق دو لاکھ (200,000)

جبکہ بعض مورخین نے ساڑھے تین لاکھ (3500000) بتائی ہے۔

اور بعض نے تو اس سے بھی زیادہ لکھی ہے اور یہ ساری فوج صرف اور صرف پونے دوسو لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے آئی تھی۔

اس اختلاف کی کیا وجہ ہے؟ وجہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ:

''جو فوجی، حکومت وقت سے باقاعدہ تنخواہ ،لباس ،خوراک اور دوسرے حقوق حاصل کرتے تھے یا آج کی اصطلاح میں ''ریگولر فوجی'' تھے ان کی تعداد تو تیس سے تینتیس ہزار تھی لیکن جب ملک میں مارشل لاء ہو، ہنگامی حالات ہوں اور حکومت وقت کی طرف سے عام لام بندی کا حکم نافذ ہو چکا ہو اور یہ فرمان جاری ہو چکا ہو کہ کوئی بالغ مرد گھر میں نہ رہے، حجام وبقال تک سب میدانِ جنگ کا رخ کریں اور پھر یہ حکم صرف شہر کوفہ کیلئے ہی نہ ہو بلکہ پورے عراق اور شام کیلئے ہو تو ایسی صورت میں تعداد اس سے کئی گنا زیادہ بھی ہو سکتی ہے اور صحیح تعداد کا بتانا مشکل ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر کوئی مورخ تیس ہزار یا تینتیس ہزار لکھتا ہے وہ تو باقاعدہ فوج کی تعداد بتاتا ہے ،اور جو پچاس ہزار یا ساٹھ ہزار یا ایک لاکھ یا دو لاکھ یا ساڑھے تین لاکھ یا اس سے زیادہ لکھتا ہے تو وہ ملک میں نافذ مارشل لاء، ہنگامی حالات ،کرفیو اور عمومی لام بندی کے پیش نظر ایسا کرتا ہے۔

اس مقام پر ہم یہ بھی بتاتے چلیں کہ کس فوجی کمانڈر کے ماتحت کتنا باقاعدہ یا ریگولر فوج تھی ، ملاحظہ ہو، کتاب (ارشاد شیخ مفید، مقتل ابی مخنف ،لہوف سید ابن طاؤس) کے مطابق:

عمر بن سعد چھ ہزار (6000) سنان بن انس چار ہزار (4000)

عروہ بن قیس چار ہزار (4000) شبث بن ربعی چار ہزار (4,000)

شمر ذی الجوشن سلولی چار ہزار سوار (4000) حصین بن نمیر چار ہزار (4,000)

مضایر بن رہینہ تین ہزار (3000) نصر مازنی دو ہزار (2000)

یزید بن رکاب کلبی دو ہزار (2000) کعب بن طلحہ دو ہزار (2000)

حجار بن ابجر ایک ہزار (1000) حر بن یزید ریاحی ایک ہزار (1000)

اس لحاظ سے ان لوگوں کی زیر کمان فوج کی تعداد سینتیس ہزار (37000) بنتی ہے، جس سے دوسری غیر رسمی اور عام حکم کے تحت آنے والے لڑاکے اور جنگ جو افراد کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔

بہر حال عمر سعد نے اپنی فوج کی کچھ اس طرح ترتیب وتنظیم کی

۱۔ عمرو بن حجاج کو میمنہ لشکر کا انچارج بنایا ۲۔ شمر ذی لجوشن کو میسرہ کا

۳۔ عروہ بن قیس کو خیل لشکر کا جو لشکر کی پشت پر ہوتا ہے

۴۔ شبث بن ربعی کو پیادہ نظام کا ۵۔ عمر سعد خود کو قلب لشکر کا اور ۶۔ اپنے غلام سوید کو اس کا

علمدار بنایا جبکہ

ا۔عبداللہ بن زُہیر کو مدنیوں کا سردار ۲۔قیس بن اشعث کو، ربیعہ اور کندہ کا سردار ۳۔حر بن یزید کو تمیم اور ہمدان کا

۴۔عبداللہ بن ابی سبرہ کو مذحجی اور اسدیوں کا اس نے لشکر کو چار حصو میں تقسیم کر کے خیام امام کے چاروں طرف سے محاصرے کا حکم دے دیا۔

ا۔خیام امام کے سب سے قریب تر اور آگے آگے شمشیر زن تھے ۲۔اس کے پیچھے نیزہ بردار

۳۔اور اس کے پیچھے تیسرا حصہ تیر اندازوں کا تھا

۴۔سب سے آخر میں اور سب سے پیچھے سنگ اور چوب بردار کہ جن کے پاس کوئی کاٹنے والا ہتھیار مثلاً تلوار نیزہ، تیر کمان یا چھری چاقو نہیں تھا، انہیں لاٹھیاں اور پتھر مہیا کئے گئے تھے تا کہ وہ اونچے نیچے ٹیلوں پر کھڑے ہو کر ادھر کو لاٹھیوں اور پتھروں سے حملہ کریں۔

فوجِ حسینی کی تعداد:

اسی طرح امام کم سپاہ نے بھی اپنی عدیم النظیر اور بے مثال فوج کو باقاعدہ طور پر مرتب کیا، چنانچہ:

۲۔میمنہ پر زہیر بن قین کو ۲۔میسرہ پر حبیب بن مظاہر کو متعین فرمایا اور ۳۔قلب لشکر خود سنبھالا اور سارے لشکر کا علمدار اور سپہ سالار سرکار وفا ابوالفضل العباس بن امیر المومنینؑ کو مقرر فرمایا۔

دونوں فوجوں کا تقابل آپ نے ملاحظہ فرمایا، اب دیکھنا یہ ہے کہ فوج ک افرادی قوت میدان جنگ میں لڑتی ہے یا ایمانی قوت سے؟

حقیقت یہ ہے کہ میدانِ جنگ میں سب سے زیادہ اہمیت جس چیز کو حاصل ہے وہ ہے انسان کا قوی نظریاتی جذبہ، یا جسے آپ ایمانی قوت کے ساتھ بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

تاریخ عالم میں آپ کو کہیں نظر نہیں آئے گا کہ دو مخالف فوجیں آمنے سامنے ہوں، طرف ڈیڑھ پونے دوسو افراد ہوں اور دوسری طرف کم از کم تیس ہزار آزمودہ کار جنگ جو اور باقاعدہ رسمی فوج ہو، جبکہ غیر رسمی فوج کا تو حساب وشمار ہی نہ ہو۔

پھر پونے دوسو بھوکے پیاسے انسانوں کا جذبہ جوان اور نا قابلِ قیاس ہو، حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بھوکے پیاسے قلیل تعداد کے افراد اس قدر فوج کو دیکھ کر ہی زندگی کی بازی ہار جائیں یا کم از کم

حوصلے ہار کر ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور دشمن کے قیدی بن جائیں لیکن:

کیا کہنے، حسینؑ! تیرے پاک طینت اصحاب اور باوفا انصار کے

کہ دشمن کی بے شمار فوج دیکھ کر نہ تو ان کے حوصلے پست ہوئے، نہ ہمت ہاری نہ ہتھیار ڈالے اور نہ قیدی بنے، بلکہ تین دن کی بھوک و پیاس کے عالم میں دشمن کے ساتھ ایسے جم کر لڑے کہ چشم فلک نے آج تک ان جیسے سورما نہ کبھی دیکھے نہ دیکھے گی۔

سپاہ یزید کی پیش قدمی:

(کتاب تاریخ طبری، کامل ابن اثیر، ارشاد شیخ مفید ص ۲۳۴، مقتل خوارزمی جلد ا، اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ) سپاہ یزید نے عمر بن سعد کی سرکردگی میں خیام امام حسین علیہ السلام کا رخ کیا اور خیام کے چاروں طرف سے ان کا محاصرہ کرلیا، جب آگے بڑھے تو خیموں کے اردگرد خندق کھدی دیکھی جس میں آگ روشن تھی، شمر بن ذی الجوشن ملعون نے جس کا نام شُرَحبیل بن عمرو بن معاویہ تھا اور بنی عامر سے اس کا تعلق تھا، امامِ مظلوم پر آوازہ کستے ہوئے کہا: ''اے حسینؑ! (نعوذ باللہ) قیامت آنے سے اور دوزخ جانے سے پہلے آگ کا استقبال کر رہے ہو؟''

اس منہ پھٹ کمینہ فطرت کی آواز سن کر جوانانِ جنت کے سردار حسین علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ کون ہے؟ گویا شمر بن ذی الجوشن ہی ہوگا!''

جواب ملا ''جی ہاں وہی ہے'' تو فرزند حیدر کرارؑ نے جلال میں آکر فرمایا:

''او بدکردار چرواہا ماں کے بیٹے! تو ہی آتشِ جہنم کے زیادہ سزاوار ہے'' اسی اثنا میں جناب مسلم بن عوسجہ نے تہیہ کرلیا کہ اس ملعون کو اپنے تیر کا نشانہ بنا کر اس کا کام اسی جگہ پر تمام کردے، مگر امام علیہ السلام نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔

مسلم نے عرض کی:

''آپ اجازت دیں کہ ظالموں کے اس سرغنہ فاسق شخص کو یہیں پر ہی ڈھیر کردوں کہ یہ بہترین فرصت کا موقع ہے''

امامؑ نے فرمایا:

''نہ! میں نہیں چاہتا کہ ان ظالموں سے ہم ہی آغازِ جنگ کریں''

امامؑ کا یزیدیوں سے خطاب:

پھر امامؑ اپنے ''عقاب'' نامی گھوڑے پر سوار ہوئے جس پر علی اکبرؑ کو سوار کر کے میدانِ کربلا کی طرف بھیجا تھا، اپنے خیام کے سامنے اور لشکر یزید کی طرف منہ کر کے بلند آواز کے ساتھ ان الفاظ میں خطاب فرمایا:

''اَیُّھَا النَّاسُ ! اِسۡمَعُوۡا قَوۡلِیۡ وَلَا تَعۡجَلُوۡا حَتّیٰ اَعِظَکُمۡ بِمَا ھُوَ حَقٌّ لَّکُمۡ عَلَیَّ وَحَتّٰی اَعۡتَذِرَ مِنۡ مَقۡدَمِیۡ عَلَیۡکُم،فَاِنۡ قَبِلۡتُمۡ عُذۡرِیۡ وَصَدَّقۡتُمۡ قَوۡلِیۡ اَعۡطَیۡتُمُوۡنِی النَّصَفَ مِنۡ اَنۡفُسِکُمۡ کُنۡتُمۡ بِذَالِکَ اَسۡعَدَ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّکُمۡ عَلَیَّ سَبِیۡل ، وَاِنۡ لَّمۡ تَقۡبَلُوۡا مِنِّیۡ الۡعُذۡرَ وَلَمۡ تُعۡطُوا النَّصَفَ مِنۡ اَنۡفُسِکُمۡ ''فَاَجۡمِعُوۡا اَمۡرَکُمۡ وَشُرَکَآئَکُمۡ ثُمَّ لَا یَکُنۡ اَمۡرُکُمۡ عَلَیۡکُمۡ غُمَّۃً ثُمَّ اقۡضُوۡا اِلَیَّ وَلَا تُنۡظِرُوۡنِ''(یونس /۷۱)اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰہُ الَّذِیۡ یَتَوَلَّی الصَّالِحِیۡنَ (اعراف /۱۹۶)

اے لوگو! میری بات سنو اور جنگ میں جلدی نہ کرو، تاکہ میں تمہیں اس بات کا موعظہ و نصیحت کروں جس کی بجا آوری میرا فریضہ ہے اور مجھ پر تمہارا حق ہے، اور حقیقت حال کو واضح کر کے بیان کر دوں کہ میں یہاں کس مقصد کیلئے آیا ہوں؟ اگر تم نے میری اس دلیل کو مان لیا اور مجھ سے انصاف سے کام لیا تو سعادت کی راہ پا لو گے، اور میرے ساتھ جنگ کی کوئی وجہ تمہارے پاس نہیں ہو گی، اور اگر میری بات کو نہیں مانو گے اور نہ ہی انصاف سے کام لو گے ___ تو اس مقام پر سورہ یونس کی ایک آیت ۷۱ تلاوت کی جو حضرت نوح کو اپنی قوم کو نصیحت پر دلالت کر رہی ہے کہ اگر انصاف سے کام نہیں لو گے ___

''تو تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر مضبوطی سے اپنا فیصلہ کر لو پھر اس فیصلہ کا کوئی پہلو تم پر پوشیدہ نہ رہے'' ___ ساتھ ہی سورہ اعراف کی آیت ۱۹۶ تلاوت کی جو حضرت رسالتمآبؐ کے خدا کی ذات پر توکل پر دلالت کر رہی ہے کہ ___ ''بے شک میرا آقا تو وہ اللہ ہے جس نے کتاب نازل کی اور جو صالحین اور نیک لوگوں کا کارساز ہے''

تاریخ کہتی ہے کہ جب اہلِ حرم نے آپ کا خطبہ سنا تو خیام میں کہرام برپا ہو گیا، مولاؑ نے اپنے بھائی عباس علمدارؑ اور فرزند ارجمند علی اکبر (ع) کو خیام کے اندر مخدرات عصمت کو صبر کی تلقین کرنے کیلئے روانہ فرمایا اور ساتھ ہی کہلا

بھیجا کہ میرے بعد تمہارے رونے کا عرصہ بہت طویل ہے، اور تم نے روتے ہی رہنا ہے، اس وقت صبر وضبط سے کام لیں، جب خیام میں سکوت طاری ہوگیا تو پھر آپ نے خطبے کو ازسرنو شروع فرمایا جس میں آپ نے قوم اشقیاء کو خدا کے خوف کی اور دنیا کے زرق و برق سے دور رہنے کی تلقین فرمائی، اور بتایا کہ دنیا فانی ہے کسی کیلئے اس کو بقا حاصل نہیں اگر باقی ہوتی تو انبیاء اس کے زیادہ مستحق تھے، رضائے خداوندی سب سے زیادہ اہم ہے، غرض اس کے زوال وفنا سے مطلع کرنے کے بعد اپنے قتل سے دور رہنے اور دست بردار ہونے کی تلقین فرمائی، اور ذریت پیغمبر پر ظلم کرنے سے باز رہنے کا کہا جسے خوارزمی نے اپنی مقتل کی کتاب کی جلد نمبر اص ۲۵۳ میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ کے ص ۲۱۵ میں درج کیا ہے۔

اس خطبہ کے آخر میں فرمایا:

''اَیُّھَا النَّاسُ !اِنْسِبُوْنِی مَنْ اَنَا ثُمَّ ارْجِعُوْا اِلٰی اَنْفُسِکُمْ وَعَاتِبُوْھَا وَانْظُرُوا ھَلْ یَحِلُّ لَکُمْ قَتْلِیْ ؟ وَانْتِھَاکَ حُرْمَتِیْ ؟''

لوگو! میرے سلسلہ نسب کو یاد کرو اور دیکھو کہ میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبان میں جھانکو اور اپنے آپ کو ملامت کرو اور خوب غور کرو کہ آیا میرا قتل اور میری حرمت کی ہتک تمہارے لئے جائز ہے؟

''اَلَسْتُ ابْنَ بِنْتِ نَبِیِّکُمْ ؟''

کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ نہیں ہوں؟

''وَابْنَ وَصِیِّہٖ وَابْنَ عَمِّہٖ ؟''

کیا میں پیغمبر کے وصی اور چچازاد بھائی کا فرزند نہیں ہوں؟''

وَاَوَّلِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاللّٰہِ وَالْمُصَدِّقِ لِرَسُوْلِہٖ بِمَا جَآءَ مِنْ عِنْدِ رَبِّہٖ ؟''

کیا میں اس عظیم ہستی کا فرزند نہیں ہوں، جس نے سب سے پہلے خدا کی ذات پر ایمان کا اظہار کیا اور رسول پاک کی رسالت کی تصدیق کی؟

اَوَلَیْسَ حَمْزَۃُ سَیِّدُ الشُّھَدَآءِ عَمُّ اَبِیْ ؟

کیا حمزہ سید الشہداء میرے والد کے چچا نہیں؟

''اَوَلَیْسَ جَعْفَرُنِ الطَّیَّارُ عَمِّیْ ؟''

کیا جعفر طیار میرے چچا نہیں؟

''اَوَلَمْ یَبْلُغْ قَوْلُ رَسُوْلِ اللّٰہِ فِیَّ اَخِیْ وَ فِیْ ھٰذَا نِ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ ؟''

کیا میرے اور میرے بھائی (حسن مجتبیٰ) کے بارے رسول اسلام کا یہ فرمان تم تک نہیں پہنچا کہ: ''یہ دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہیں؟''

''فَاِنْ صَدَّقْتُمُوْنِی بِمَا اَقُوْلُ وَھُوَ الْحَقُّ وَاللّٰہِ مَا تَعَمَّدتُ الْکِذْبَ مُنْذُ عَلِمْتُ اَنَّ اللّٰہَ یَمْقَتُ عَلَیْہِ اَھْلَہُ وَ یَضُرِبُ مَنِ اخْتَلَقَہُ!''

اگر تم میری باتوں کی تصدیق کرتے ہو جو حق پر مبنی ہیں اور خدا کی قسم پہلے ہی دن سے مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ خداوند عالم جھوٹوں پر غضب ناک ہوتا ہے اور جھوٹ کو جھوٹے کے سر پر دے مارتا ہے، میں نے کبھی دروغ گوئی سے کام نہیں لیا۔

''وَاِنْ کَذَّبْتُمُوْنِی فَاِنَّ فِیْکُمْ مَنْ اِنْ سَأَلْتُمُوْہُ عَنْ ذَالِکَ اَخْبَرَکُمْ''

اور اگر تم میری بات نہیں مانتے تو پھر تم میں وہ لوگ موجود ہیں جن سے تم اس بارے میں پوچھ سکتے ہو وہ تمہیں سب کچھ بتا دیں گے۔

''سَلُوْا عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الْاَنْصَارِیّ وَاَبَا سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیْ ،وَسَھْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِیْ ، وَزَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ ، وَاَنَسِ بْنِ مَالِکٍ''

جابر بن عبداللہ انصاری سے، ابو سعید خدری سے، سہل بن ساعد ساعدی سے زید بن ارقم سے اور انس بن مالک سے پوچھ لو۔

''یُخْبِرُوکُمْ اِنَّھُمْ سَمِعُوْا ھٰذِہِ الْمَقَالَۃَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ لِیْ وَلِاَخِی''

وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں سرکارِ رسالت مآبؐ سے یہ فرمان سنا ہے۔

''اَمَا فِیْ ھٰذَا حَاجِزٌ لَّکُمْ عَنْ سَفْکِ دَمِی؟''

تو کیا اس قدر شہادتیں اور گواہیاں تمہیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتیں؟

شمر کی بکواس:

شمر بن ذی الجوشن کے بارے میں تو پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ یہ ایک نہایت بدفطرت اور کمینہ شخص تھا، اور چار ہزار یزیدی فوجیوں کا سالار تھا، اس طرف متوجہ ہو گیا کہ امام عالی مقام کی اس طرح کی گفتگو لشکر یزید میں موثر واقع ہو رہی

ہے اور اموی پروپیگنڈے کا پول کھل رہا ہے جس سے فوج میں بغاوت کے آثار نظر آ رہے ہیں تو اس نے فوراً ہی امامؑ کی با
ت کاٹتے ہوئے بلند آواز سے وہی کچھ کہا جو مشرکین مکہ حسینؑ کے نانا کو کہتے تھے اس نے کہا:

''هُوَ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ اِنْ كَانَ يَدْرِى مَا يَقُوْلُ؟''

(نعوذ باللہ) وہ گمراہی پر ہے اور خود بھی نہیں سمجھتا کہ کیا کہہ رہا ہے؟

(کتاب انساب الاشراف جلد۳ میں ہے کہ) اس کی ہرزہ سرائی سن کر جناب حبیب ابن مظاہر کو جلال آ گیا اور
فرمایا:

''وَاَنْتَ تَعْبُدُ عَلٰى سَبْعِيْنَ حَرْفًا''

او ملعون! تو سب سے زیادہ گمراہ ہے اور ٹھیک کہتا ہے کہ امامؑ کی باتوں کو نہیں سمجھ پا رہا، اس لئے کہ خدا
نے کفار کی طرح تیرے دل پر مہر لگا دی ہے۔

خطاب جاری ہے:

پھر امامؑ نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''فَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ شَكٍّ فِىْ هٰذَا الْقَوْلِ اَفَتَشُكُّوْنَ اَنِّىْ اِبْنُ بِنْتِ نَبِيِّكُمْ، فَوَاللّٰهِ مَابَيْنَ
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِبْنُ بِنْتِ نَبِيٍّ غَيْرِى فِيْكُمْ، وَلَا فِىْ غَيْرِكُمْ''

پس اگر تم میری ان باتوں میں شک کرتے ہو، تو کیا اس میں بھی شک کرو گے کہ میں تمہارے نبی کی دختر کا فرزند ہوں اور
اس کا نواسہ ہوں؟ خدا گواہ ہے کہ شرق وغرب عالم میں تم میں یا کسی اور مخلوق میں میرے علاوہ پیغمبر گا کوئی نواسہ نہیں
ہے۔

وَيْحَكُمْ اَتَطْلُبُوْنِىْ بِقَتِيْلٍ قَتَلْتُهُ اَوْمَالٍ اِسْتَهْلَكْتُهُ اَوْبِقِصَاصِ جَرَاحَةٍ؟

بڑے افسوس کی بات ہے، مجھے بتاؤ میں نے تم میں سے کسی شخص کو قتل کیا ہے کہ تم مجھ سے اس کا قصاص
لے رہے ہو؟ یا کسی کے مال پر ہاتھ ڈالا ہے یا کسی کو کوئی زخم لگایا ہے کہ اس کی مجھے سزا دے رہے۔

تاریخ کہتی ہے کہ جب نواسہ رسولؐ کی گفتگو اس مقام پر پہنچی تو تمام لشکر پر سناٹا طاری ہو گیا، کسی کو بولنے کی
جرأت نہیں ہو پا رہی تھی، مکمل سکوت کار فرما تھا کہ خطبہ شقشقیہ کے خالق علی بن ابی طالبؑ کے جگر گوشے نے کوفہ کی کچھ
معروف شخصیتوں کو کہ جنہوں نے آپ کو خطوط روانہ کیے تھے للکارا اور ہم اس سے پہلے اپنی گفتگو میں ثابت کر چکے ہیں کہ

کوفہ سے امام کو خطوط لکھنے والے سارے شیعیان علیؑ نہیں تھے بلکہ ان میں سے وہ بھی تھے جو شیعیان آل ابی سفیان کہلاتے تھے، اور اپنی منافقت کا ثبوت دیتے ہوئے امام کو خطوط لکھے تھے، چنانچہ امام علیہ السلام نے ہر ایک کا نام لے لے کر انہیں للکارا اور فرمایا:

”یَا شَبَثَ بْنَ رِبْعِی وَیَا حَجَّارَ بْنَ اَبْجَرُ وَیَا قَیْسَ ابْنَ الْاَشْعَثُ وَیَا یَزِیْدَ بْنَ الْحَارِثُ اَلَمْ تَکْتُبُوْا اِلَیَّ اَنْ قَدْ اَیْنَعَتِ الثِّمَارِ، وَاخْضَرَّ الْجِنَابُ وَاِنَّمَا تَقْدِمُ عَلٰی جُنْدٍ لَّکَ مُجَنَّدَۃٍ؟“

او شبث بن ربعی، او حجار بن ابجر او قیس بن اشعث، او یزید بن الحارث !! آیا تم لوگوں نے مجھے خط نہیں لکھا تھا کہ پھل پک چکے ہیں اور درخت سرسبز و شاداب ہیں؟ ہم آپ کے انتظار میں لحظہ شماری کر رہے ہیں، آپ آیئے کہ کوفہ میں آپ کیلئے تیار لشکر موجود ہے جو آپ کے اختیار میں ہوگا؟

اب ان لوگوں کے پاس امامؑ کے اس فرمان کا کوئی جواب نہیں تھا، سوائے انکار کے، وہ کہہ اٹھے کہ ہم نے اس قسم کا کوئی خط نہیں لکھا!!

قیس بن اشعث کا جواب:

اس موقع پر قیس بن اشعث نے بلند آواز کے ساتھ کہا: ”حسینؑ! آپؑ یزید کی بیعت کیوں نہیں کر لیتے کہ اس طرح سے آپ کو سکون مل جائے گا اور آپ سے آپ کی حسب منشاء سلوک کیا جائے گا! اور کسی قسم کا کوئی ناگوار حادثہ آپ کا رخ نہیں کرے گا“

یہ سن کر امامؑ نے فرمایا:

”لَا، وَاللّٰہِ لَا اُعْطِیْھِمْ بِیَدِی اِعْطَآءَ الذَّلِیْلِ وَلَا اَفِرُّ مِنْھُمْ فِرَارَ الْعَبِیْد“ خدا کی قسم میں ذلیلوں کی مانند ان لوگوں کے ہاتھ پر ہاتھ نہیں رکھوں گا ___ ان کی بیعت نہیں کروں گا ___ اور نہ ہی غلاموں کی طرح ان کے سامنے سے راہ فرار اختیار کروں گا۔

آخر میں ان کو ”عِبَادَ اللّٰہ“ کہہ کر قرآنِ مجید سے سورہ دخان کی آیت ۲۰ کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا: ”وَاِنِّی عُذْتُ بِرَبِّی وَرَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِی“ اور میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں آ گیا ہوں اس بات سے کہ تم مجھے سنگسار کرو۔

ساتھ ہی سورہ مومن کی آیت ۲۷ تلاوت فرمائی کہ موسیٰؑ نے فرمایا:

''اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ، لَا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ''

میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس تکبر کرنے والے سے جو یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔

کتاب تحف العقول ص ۱۷۱ مقتل خوارزمی جلد ۲ ص ۸، ۷، لہوف، مقتل عوالم اور تذکرۃ خواص الامۃ، میں عبارت میں مختصر سے اختلاف کے ساتھ امام الانس والجان کا ایک اور خطبہ درج کیا گیا ہے، جس میں فصاحت و بلاغت کے موتی پروئے گئے ہیں اور وہ آپ کے روز عاشورا کے قیام کا کلی مظہر ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

''اَنْتُمْ وَابْنُ حَرْبٍ وَّاَشْیَاعُهُ وَاِیَّانَا تَخْذُلُوْنَ ، اَجَلْ وَاللّٰهِ الْخَذْلُ فِیْکُمْ مَعْرُوْفٌ ، وَشَجَتْ عَلَیْهِ عُرُوْقُکُمْ وَتَوَارَثَتْهُ اُصُوْلُکُمْ وَ فُرُوْعُکُمْ وَنَبَتَتْ عَلَیْهِ قُلُوْبُکُمْ ، وَغَشِیَتْ بِهٖ صُدُوْرُکُمْ ، فَکُنْتُمْ اَخْبَثَ شَجَرَةٍ شَجیً لِلنَّاظِرِ ، وَاُکْلَةً لِلْغَاصِبِ''

فرماتے ہیں: ''......اب تم حرب کے بیٹے (یزید) اور اس کے پیروکاروں پر تکیہ کرتے ہوئے ہماری نصرت و مدد سے دستبردار ہو چکے ہو! ہاں خدا کی قسم ایسا ہی ہے، مدد و نصرت سے دستبرداری اور دھوکہ دہی تمہاری طرف سے مشہور و معروف ہے جو تمہارے رگ و ریشہ میں رچی بسی ہوئی ہے، تمہاری زندگی کے درخت کا تنا اور شاخیں اسی پر استوار ہیں اور یہ چیزیں تمہیں وراثت میں ملی ہے، اور دل مذموم عادت پر پروان چڑھے ہیں، تمہارے سینے اس سے معمور ہیں، تم اس درخت کا ایسا منحوس پھل ہو جو اپنے باغبان کے گلے میں تو کانٹا بن جاتا ہے مگر ایک ظالم اور غاصب کیلئے خوش گوار اور شیریں

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی النَّاکِثِیْنَ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَیْکُمْ کَفِیْلاً ، فَاَنْتُمْ وَاللّٰهِ هُمْ .

خدا کی لعنت ہو عہد و پیمان شکنوں پر، جو اپنے پیمان مضبوط باندھ کر پھر توڑ دیتے ہیں اور تم نے بھی اپنے عہد و پیمان پر خدا کو اپنا ضامن اور کفیل قرار دیا تھا واللہ تم وہی عہد شکن لوگ ہو۔

اَلَا اَنَّ الدَّعِیَّ ابْنَ الدَّعِیِّ قَدْ رَکَزَ بَیْنَ اثْنَتَیْنِ بَیْنَ السِّلَّةِ وَالذِّلَّةِ

''هَیْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةَ''

تمہیں آگاہ رہنا چاہیے کہ نابکار باپ کے نابکار بیٹے نے مجھے ایسے دوراہے پر آن پہنچایا ہے کہ جن

میں سے ایک کو میری لئے اختیار کرنا ضروری ہوگیا ہے یا تلوار کی موت یا ذلت کی زندگی! لیکن یاد رکھو
کہ

''ذلت ہم سے کوسوں دور ہے؟''

''یَأْبَی اللّٰهُ لَنَا ذَالِکَ وَرَسُوْلُهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَحُجُوْرٌ طَابَتْ وَطَهُرَتْ ، وَاُنُوْفٌ حَمِیَّةٌ وَّنُفُوْسٌ اَبِیَّةٌ مِنْ اَنْ تُؤْثَرَ طَاعَةُ اللِّئَامِ عَلٰی مَصَارِعِ الْكِرَامِ، اَلَا اِنِّی قَدْ اَعْذَرْتُ وَاَنْذَرْتُ ،اَلَا اِنِّی زَاحِفٌ عَلٰی هٰذِهِ الْاُسْرَةِ عَلٰی قِلَّةِ الْعَدَدِ وَخِذْلَانِ النَّاصِرِ''

اس لئے کہ نہ تو اللہ ہی چاہتا ہے اور نہ اس کا رسول اور مومنین اس بات پر راضی ہیں کہ ہم ذلت گوارا کریں، اور نہ ہی ہماری پاک دامن مائیں اور غیرت مند مزاج اور شرافت کے مجسمے آباء واجداد اس بات سے راضی ہیں کہ ہم لئیم اور پست لوگوں کی اطاعت کو شرافتمآب اور نیک منش افراد کی قتل گاہ پر ترجیح دیں۔

یاد رکھو! میں نے تم پر اپنی حجت تمام کردی، تمہیں خوفِ خدا کی طرف بھی توجہ دلا دی، میں اس بات کو ایک بار پھر دہراتا ہوں کہ میں مدد ترک کرنے والوں کی روگردانی کے باوجود اپنے ان باقی ماندہ قلیل ساتھیوں کے ساتھ تمہارے ساتھ جہاد کیلئے بالکل تیار ہوں۔

(تحف العقول، مقتل الحسین خوارزمی ،اللھوف، مقتل عوالم، تذکرۃ الخواص میں ہے کہ) پھر آپ نے یہ چند اشعار پڑھے:

فَاِنْ نُهْزِمْ فَهَزَّامُوْنَ قِدَمًا وَاِنْ نُهْزَمْ فَغَیْرُ مَهَزَّمِیْنَا

یعنی اگر ہم دشمن کو شکست دیں گے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اس سے پہلے بھی شکست دیتے آرہے ہیں اور اگر ہمیں شکست دینے کی کوشش کی گئی تو کوئی بھی ہمیں شکست نہیں دے سکے گا۔

اب جبکہ حوادث روزگار ہماری طرف رخ کر چکے ہیں اور ان کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو ظاہری مفاد مل رہا ہے، لیکن ہماری مصیبت پر خوش ہونے والوں سے کہہ دو کہ تم بھی کان کھول کر سن لو کہ ہماری طرح تمہاری مصیبت پر بھی دنیا خوشیاں منائے گی، اس لئے کہ موت جب اپنا اونٹ کسی ایک کے در سے اٹھاتی ہے تو دوسرے پر جا بٹھاتی ہے''

پھر فرمایا:

''تم آگاہ رہو!! خدا کی قسم!!! اس جنگ کے بعد تمہیں اتنا مہلت بھی نہیں ملے گی کہ تم اپنی سواریوں پر

سوار ہوسکو..............''

امامؑ کی بددعا:

پھر حضرت نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عمر سعد کے خلاف ان الفاظ میں بددعا کی:

"اَللّٰهُمَّ احْبِسْ عَنْهُمْ قَطْرَا السَّمَآءِ وَابْعَثْ عَلَيْهِمْ سَنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ(ع) وَسَلِّطْ عَلَيْهِمْ غُلَامَ ثَقِيْفٍ يَسْقِيْهِمْ كَاْسًا مُصَبَّرَةً فَلَا يَدَعْ فِيْهِمْ اَحَدًا قَتْلَةً بِقَتْلَةٍ وَضَرْبَةً بِضَرْبَةٍ ،يَنْتَقِمُ لِيْ وَلِاَوْلِيَآئِيْ ، وَلِاَهْلِ بَيْتِيْ وَ اَشْيَاعِيْ مِنْهُمْ ،فَاِنَّهُمْ كَذَّبُوْنَا وَخَذَلُوْنَا وَاَنْتَ رَبُّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ"

خدایا! پروردگارا! تو ان سے اپنی بارانِ رحمت کے قطروں کو روک لے اور ان پر یوسفؑ کے زمانے کی مانند قحط کے سخت سال بھیج ان پر ثقفی جوان کو مسلط کر دے، تا کہ وہ انہیں ذلت سے لبریز تلخ کاسوں سے سیراب کرے، اور ان میں سے کسی کو بھی سزا دیئے بغیر نہ چھوڑے، اور وہ انہیں قتل کے بدلے قتل کا مزہ چکھائے اور ضرب کے بدلے ضرب کا اور ان سے میرا اور میرے خاندان والوں اور پیروکاروں کا پورا پورا بدلہ لے، کیوں کہ انہوں نے ہمیں جھٹلایا ہے اور دشمن کے مقابلے میں ہمیں تنہا چھوڑا...... تو ہی ہمارا پروردگار ہے ہم نے تجھ پر مکمل بھروسہ کیا ہے اور ہم سب کی بازگشت تیری طرف ہے۔

تین ملعونوں کا بدترین انجام:

مورخین لکھتے ہیں کہ امام عالی مقامؑ کے اس خطاب ہدایت مآب کے بعد تین شخص آپ کے سامنے آئے جنہوں نے اپنی بدکلامی اور حقیقت کے انکار کی وجہ سے جنگ کے معاملات کو آخری مرحلے تک پہنچا دیا، اور امامؑ نے بھی انہیں بددعا دی اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے، دو، تو اسی وقت فوراً اور تیسرا عاشورا کے کچھ عرصہ کے بعد چنانچہ:

ا۔ مقتل الحسین خوارزمی میں ہے کہ جب امامؑ نے دیکھا کہ لوگ میرے خطاب سے کوئی اثر نہیں لے رہے بلکہ وہ حملہ کرنے کیلئے مکمل طور پر تیار ہو چکے ہیں تو آپ نے اپنا رخِ انور آسمان کی طرف کر کے بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا:

”اَللّٰھُمَّ اِنَّا اَھلُ بَیتِ نَبِیِّکَ وَ ذُرِّیَّتُہُ وَقَرَابَتُہُ ،فَاقْصِمْ مَنْ ظَلَمَنَا وَغَصَبَ حَقَّنَا اِنَّکَ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ“

پروردگارا! ہم تیرے نبی کے اہلِ بیتؑ ان کی اولاد اور قرابتدار ہیں،، خداوندا! جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے اور ہمارے حق کو غصب کیا ہے انہیں ذلیل وخوار فرما، یقیناً تو اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کے قریب ہے۔

محمد بن اشعث جو کہ فوج کے ایک دستے کا کمانڈر بھی تھا اور لشکر کی اگلی صفوں میں بھی تھا، امام کے یہ کلمات سن کر آپ کی طرف بڑھا اور کہا:

”اَیُّ قَرَابَۃٍ بَیْنَکَ وَبَیْنَ مُحَمَّدٍ(ص)؟“

تمہارے اور محمد (ص) کے درمیان کونسی رشتہ داری ہے؟“

امام عالی مقامؑ نے اس کی جو یہ ہٹ دھرمی اور صریح انکار ملاحظہ فرمایا تو اپنے دکھی دل سے اسے اس طرح بددعا دی:

”اَللّٰھُمَّ اَرِنِیْ فِیْہِ فِی ھٰذَا الْیَوْمِ ذُلًّا عَاجِلاً“

پروردگارا! تو یہ شخص مجھے آج ہی فوری طور پر ذلیل وخوار ہوتا دکھا۔

ایک مہربان اور رحیم امام کے دکھی دل سے نکلی ہوئی یہ دعا فوراً ہی مقام اجابت کو جا پہنچی، چنانچہ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ شخص قضائے حاجت کیلئے ایک علیحدہ گوشے میں چلا گیا وہاں پر ایک کالے بچھو نے اس کی شرمگاہ کو ڈس لیا، اور وہ بچھو کے زہر کے عذاب میں مبتلا ہو گیا بعض روایات کے مطابق وہ وہیں پر ہلاک ہو گیا، جبکہ بعض دوسری روایات کے مطابق وہ امیر مختارؒ کی حکومت تک زندہ رہا اور اسی عذاب میں کڑھتا رہا اور یہاں تک کہ امیر مختار نے اسے جہنم واصل کیا۔

۲۔ انساب الاشراف جلد ۳ ص ۱۹۱، کامل، مقتلِ خوارزمی جلد ا ص ۲۹۴، تاریخ ابن عساکر ص ۵۶ میں ہے ، اور بلاذری، ابن اثیر اور دیگر کئی مورخین لکھتے ہیں کہ: ”جب یزیدی فوج خیام حسینی (ع) سے نزدیک تر ہوتی جا رہی تھی تو ایک شخص بنام عبداللہ بن حوزہ تمیمی نے آگے بڑھ کر بلند آواز کے ساتھ اصحابِ حسینؑ کو مخاطب کر کے کہا:

”أَفِیْکُمْ حُسَیْنٌ؟“ کیا تمہارے درمیان میں حسینؑ موجود ہے؟

کسی نے جواب نہ دیا، پھر اس نے دوسری اور تیسری مرتبہ یہی سوال کیا کہ ”أَفِیْکُمْ حُسَیْنٌ؟“ تو ایک شخص نے امامؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”ھٰذَا الْحُسَیْنُ فَمَا تُرِیْدُ فِیْہِ؟“ یہ حسینؑ ہیں تم کیا چاہتے ہو؟

عبداللہ بن حوزہ نے امام (ع) کی طرف منہ کر کے کہا:

''اَبْشِرْ بِالنَّارِ'' حسینؑ! تمہیں آگ کی خوشخبری ہو۔

یہ سن کر امامؑ نے فرمایا:

کَذَبْتَ بَلْ اَقْدَمُ عَلٰی رَبٍّ غَفُوْرٍ کَرِیْمٍ مُطَاعٍ شَفِیْعٍ ، فَمَنْ اَنْتَ ؟

جھوٹ کہتے ہو، بلکہ میں ایسے رب غفور کی جانب جا رہا ہوں جو کریم واجب الطاعۃ اور شفاعت کو قبول کرنے والا ہے، تو بتا کہ تو کون ہے؟

اس نے کہا: ''میں حوزہ کا بیٹا ہوں'' تو امامؑ نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے اس کے باپ کے نام کی مناسبت سے یوں بددعا کی:

''اَللّٰھُمَّ حُزَّہُ اِلَی النَّارِ'' خداوندا! تو اسے آگ کی طرف کھینچ لے''

ابن حوزہ امامؑ کی اس بددعا سے بہت جز بز ہوا، اور اس نے گھوڑے کو تازیانہ لگایا جس کی وجہ سے اس نے بڑے زور سے جست لگائی اور ابن حوزہ اس کی پیٹھ سے ایک گڑھے میں جا گرا اور اس کا پاؤں گھوڑے کی رکاب میں پھنس گیا اور وہ اسے اِدھر اُدھر گھسیٹتا پھرا، آخر کار وہ اسے اس خندق میں جلتی آگ کے پاس لے گیا اور اس کے نیم جان کٹے پھٹے ڈھانچے کو آگ میں گرا دیا، اس طرح وہ جہنم میں جلنے سے پہلے دنیا کی آگ اور ملنے والے جلد عذاب کی بھینٹ چڑھ گیا۔

جب امامؑ نے یہ دیکھا تو آپ نے اپنی دعا کی جلد قبولیت پر خدا کا شکر ادا کرنے کیلئے اپنا سر سجدے میں رکھ دیا۔

ابن اثیر یہ ماجرا بیان کرنے کے بعد مسروق بن وائل حضرمی کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ: ''میں انعام اور مالِ غنیمت کے حصول کی لالچ میں یزید کی فوج کی اگلی صف میں تھا کہ حسینؑ کا سر کاٹ کر ابن زیاد سے انعام لوں گا لیکن جب میں نے ابن حوزہ کے انجام کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ اس خاندان کا اللہ کے نزدیک ایک خاص احترام ہے، لہٰذا میں نے اپنے آپ کو پیچھے ہٹا لیا اور واپس آ گیا اور اپنے تئیں کہا: ''مجھے آتش جہنم میں جلنے سے بچنے کیلئے اس خاندان سے جنگ نہیں کرنی چاہئے''

۳۔ انساب الاشراف جلد ۳ ص ۱۸۱ میں ہے کہ: ''بروز عاشورا عبداللہ بن حصین ازدی نے بآواز بلند کہا: حسینؑ! فرات کے اس پانی کو دیکھ رہے ہو کہ کس طرح صاف وشفاف نیلگوں آسمانی رنگ میں ٹھاٹھیں مار کر بہہ رہا ہے، اللہ کی قسم! اس کا ایک قطرہ بھی ہم تمہارے حلق تک نہیں پہنچنے دیں گے یہاں تک کہ تم پیاس کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ۔

اس نے امامؑ کے دل پر گہرا گھاؤ لگایا، امام نے اس کی شکایت اللہ کی بارگاہ میں ان الفاظ میں کی:

''اَللّٰھُمَّ اقْتُلْہُ عَطْشَانًا وَّلَاتَغْفِرْ لَہٗ اَبَدًا''

خدایا اسے پیاسا مار، اور قطعاً معاف نہ فرما۔

بلاذری کہتے ہیں کہ امام کی یہ دعا قبول ہوئی اور وہ پیاسا ہی واصل جہنم ہوا، کیوں کہ وہ عاشورا کے بعد جس قدر پانی پیتا تھا اس کی پیاس نہیں بجھتی تھی پانی پی پی کر اس کا پیٹ پھول جاتا، مگر سیر نہیں ہو پاتا تھا، یہاں تک کہ جہنم واصل ہوا۔

زُہیر بن قین کا خطاب:

کتاب کاملِ ابن اثیر میں ہے کہ اتنے میں زُہیر بن قین امام والا مقام سے اجازت حاصل کر کے دشمن کے لشکر سے خطاب کیلئے آگے بڑھے، گھوڑے پر سوار، جنگی لباس زیب تن کئے ہوئے ان سے یوں مخاطب ہوئے:

''اے اہلِ کوفہ! خدا کے عذاب سے ڈرو! ایک مسلمان بھائی کا دوسرے پر حق بنتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کو نصیحت کرے، اس وقت ہم اور آپ، ایک دوسرے کے بھائی ہیں، اور اس وقت تک بھائی رہیں گے جب تک کہ جنگ شروع نہیں ہو جاتی، لیکن جب جنگ چھڑ جائے گی تو پھر تم کچھ اور امت اور ہم ایک اور امت بن جائیں گے۔''

لوگو! خدا نے اپنے رسولؐ کے اہلِ بیتؑ کے ذریعہ ہمارا کڑا امتحان لیا ہے، لہٰذا میں تمہیں اس خاندان کی مدد و نصرت کی اور یزید بن معاویہ اور ابن زیاد کا ساتھ چھوڑ دینے کی دعوت دیتا ہوں، کیوں کہ تم نے یزید اور اس کے خاندان سے سوائے بدرفتاری، بدکرداری، قتل و غارت، سولی اور پھانسی اور حجر بن عدی، ان کے ساتھیوں اور ہانی بن عروہ اور ان جیسے قاریان قرآن کے قتل کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا۔

یہ سن کر عمر بن سعد کے سپاہیوں نے زُہیر کو ناسزا اور ابن زیاد کی مدح وثنا اور اس کے حکم میں دعا کرنا شروع کر دی، اور کہنے لگے:

''جب تک ہم حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ نہیں اتار دیں گے یا انہیں ابن زیاد کے پاس نہیں لے جائیں گے اس وقت تک ہم یہاں سے واپس نہیں جائیں گے''

یہ سن کر جناب زہیر نے کہا:

خدا کے بندو! فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) کا فرزند، سمیہ کے بیٹے ______ ابن زیاد ______ سے

نصرت ومحبت کیئے جانے کا زیادہ حقدار ہے، اور اگر تم حسینؑ کی امداد نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کے

خون سے تو اپنے ہاتھوں کو رنگین نہ کرو......''

اسی اثناء میں شمر ملعون نے زہیر کی طرف تیر چلا دیا اور کہا:

''چپ ہو جا! خدا تمہارا منہ بند کرے، تو نے ہمیں بہت آزردہ خاطر کیا ہے''

زُہیر نے اسے کہا:

''او بدویہ کے بیٹے! میں تجھ سے نہیں بول رہا، تُو تو ایک جانور ہے، میں سمجھتا ہوں کہ تو قرآن کی دو

آیتیں بھی نہیں جانتا، تجھے روزِ قیامت کی رسوائی اور دردناک عذاب کی خوشخبری ہو''

شمر نے کہا: ''خدا تمہیں اور تیرے امام کو ابھی قتل کرے گا''

زُہیر نے کہا:

شمر! تو مجھے موت سے ڈراتا ہے، خدا کی قسم! اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو سنو کہ: ''میرے نزدیک حسینؑ

کے قدموں میں موت، تمہارے ساتھ ہمیشہ کی زندگی سے کئی گنا بہتر ہے''

پھر زُہیر نے باقی فوجیوں کی طرف منہ کر کے بلند آواز کے ساتھ فرمایا:

''اے خدا کے بندو! یہ بداخلاق شخص تمہیں فریب میں مبتلا نہ کر دے، خدا کی قسم! بروز قیامت حضرت

رسول خدا کی شفاعت ان لوگوں کو قطعاً نصیب نہیں ہو گی جو ان کی اولاد اور اہلِ بیت کا خون بہائیں

گے اور ان کے یار و انصار کو قتل کریں گے''

(نفس المہموم میں ہے کہ) اسی دوران میں اصحابِ حسینؑ میں سے ایک صحابی نے زُہیر کو آواز دی کہ واپس

آجائیں! مولا فرماتے ہیں: ''مجھے اپنی جان کی قسم! جس طرح مومن آلِ فرعون نے اپنی قوم کو نصیحت کی اسی طرح آپ

نے بھی ان گمراہوں کے سامنے اپنا فریضہ کما حقہ ادا کیا ہے، اور انہیں صراط مستقیم کی طرف بلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی،

آگے ان کی اپنی قسمت!''

بریر ہمدانی کا خطاب

کتاب ابصار العین ص ۷۱ میں ہے کہ بُریر بن خضیر ہمدانی نے امام عالی مقامؑ سے اجازت لی کہ کوفیوں کے

ساتھ بات چیت کرنا چاہتے ہیں، امامؑ نے انہیں اجازت دی اور وہ یزید کی کوفی فوج کے پاس آ کر ان سے یوں مخاطب

ہوئے:

اے لوگو! خداوند عالم نے اپنے پیغمبرؐ کی ذات کو مبعوث برسالت فرمایا اور انہوں نے لوگوں کو خدا کی توحید اور یگانہ پرستی کی دعوت دی، وہ خدا کی طرف سے ''بشیر'' یعنی (جنت کی خوشخبری دینے والے) اور نذیر (عذابِ جہنم سے ڈرانے والے) رسولؐ تھے، انسانوں کیلئے ہدایت کی مشعلِ راہ تھے۔

لوگو! یہ فرات کا پانی ہے جس سے جنگل اور بیابان کے جانور تو خوب سیراب ہو کر پی رہے ہیں لیکن تم نے اسے نواسہ رسولؐ سے روک رکھا ہے، کیا یہی اجر رسالت ہے؟ یعنی خدا نے قرآن مجید کے سورہ شوریٰ میں فرمایا ہے کہ: ''قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی'' کہ اے پیغمبر! ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے رسالت کا اجر اور کچھ نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ میرے قرابتداروں سے محبت کیا کرو۔

تو کیا اسے محبت کہتے ہیں کہ صحرائی جانور تو دریا کے پانی سے خوب سیراب ہوں اور نواسہء رسولؐ اس سے محروم رہے؟''

محمد بن ابی طالب کہتے ہیں کہ:

''فوجِ اشقیاء اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہوگئی اور امام حسین علیہ السلام بھی اپنے کچھ ساتھیوں سمیت اپنے گھوڑوں پر سوار ہوگئے، ان کے آگے آگے بریر چل رہے تھے۔

امام نے انہیں فرمایا: ''اس قوم کے ساتھ بات کرو!''

چنانچہ بریر نے آگے بڑھ کر اس سے ان الفاظ میں خطاب فرمایا:

بریر کا خطاب:

''اے لوگو! خدا کا تقویٰ اختیار کرو، یہ اہلِ بیتِ پیغمبرؐ ہیں جو تمہارے سامنے ہیں، یہی تو رسول گرامیؐ کی اولاد اور ان کا حرم ہیں، تم نے اس کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟''

تو فوجِ اشقیاء نے جواب دیا کہ: ''ہم انہیں گرفتار کر کے ابن زیاد کے پیش کریں گے آگے اس کی مرضی کہ ان کے بارے میں کیا فیصلہ کرتا ہے؟''

بریر نے کہا:

’’آیا تم اس بات کو قبول نہیں کرتے کہ امام حسینؑ جہاں سے آئے تھے، ادھر ہی کو واپس چلے جائیں؟ او کوفیو! تم پر افسوس ہے، آیا تم نے اپنے خطوط اور عہد و پیمان سب یکسر بھلا دیئے ہیں؟ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اپنے پیغمبرؐ کے اہلِ بیتؑ کو دعوت دے کر اور ان کے ساتھ یہ پیمانِ وفا باندھ کر کہ ہم اپنے آپ کو آپ پر قربان کر دیں گے، ان کے تمہارے پاس آجانے پر انہیں گرفتار کر کے ابن زیاد ملعون کے پیش کرنے پر اتر آئے ہو؟!! ان پر اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں پر فرات کا بہتا پانی بند کر چکے ہو؟ کتنا برا سلوک کیا ہے تم نے اپنے نبی کے اہلِ بیتؑ کے ساتھ!! خدا تمہیں قیامت کے دن پیاسا رکھے تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کتنے خراب لوگ ہو؟؟‘‘

اتنے میں ایک یزیدی سپاہی نے کہا: ’’بریر! ہمیں معلوم نہیں تم کیا کہہ رہے ہو؟‘‘

بریر نے کہا: ’’خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے بارے میں میری بصیرت میں اضافہ فرما دیا ہے‘‘

(بحارالانوار جلد ۴۵ میں ہے کہ) پھر بریر نے اپنے رب کی بارگاہ میں یوں مناجات کی:

’’بارالٰہا! میں ان لوگوں کے اعمال سے تیری بارگاہ میں اظہارِ برائت کرتا ہوں بارِ الٰہا! ان لوگوں کے دلوں میں اپنی طرف سے خوف اور وحشت ڈال دے اور ان کے ساتھ ایسا کر کہ جب وہ تیری بارگاہ میں پیش ہوں تو تُو ان سے غضبناک حالت میں پیش آئے!!‘‘

یہ سن کر کوفیوں نے ان پر تیر چلانا شروع کر دیئے جس کی وجہ سے وہ اپنے خیمہ کی طرف واپس آ گئے۔

عمر بن سعد کو خطاب:

بہر حال امام علیہ السلام نے اپنے دوسرے خطبے کے بعد عمر بن سعد کو طلب فرمایا باوجودیکہ وہ امام علیہ السلام کا سامنا کرنے سے گھبراتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ براہِ راست امامؑ کے سامنے آئے اور ایک دوسرے سے باتیں کریں، چنانچہ وہ بادلِ ناخواستہ آگے آیا امام رؤف نے آخری مرتبہ اس پر اتمام حجت کی جنگ کے خطرناک انجام سے آگاہ کیا اس کو اپنے برے انجام سے مطلع کیا اور کتاب مقتل خوارزمی جلد۲ ص ۸، مقتل عوالم ص ۸۴ کے مطابق امامؑ نے ارشاد فرمایا:

’’اَی عُمَر! اَتَزعَمُ اَنَّکَ تَقْتُلُنِی وَیُوَلِّیکَ الدَّعِیُّ بِلَادَ الرَّیِّ وَجُرجَانَ وَاللّٰہِ لَا تَتَھَنَّأُ بِذَالِکَ مَعْھُوْدٌ، فَاصْنَعْ مَا اَنْتَ صَانِعٌ، فَلَا تَفْرَحُ بَعْدِی بِدُنْیَا وَلَا آخِرَۃَ، وَکَأَنِّی بِرَأسِکَ عَلٰی قَصَبَۃٍ یَتَرَامَاہُ الصِّبْیَانُ بِالْکُوفَۃِ، وَیَتَّخِذُوْنَہُ غَرَضًا بَیْنَھُمْ‘‘

اے عمر! آیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ میرے قتل کر دینے سے اور میرے ناحق خون بہانے سے تمہیں نابکار انسان ____ یعنی ابن زیاد ____ رے اور گرگان کی حکومت کا والی بنادے گا؟ نہ، بخدا نہ!! یہ خیال اپنے دل و دماغ سے نکال دو، یہ تو محکم پیمان کی صورت میں پہلے ہی سے طے شدہ ہے کہ اس سے محروم رہو گے، اس وقت تم سے جو کچھ ہو سکتا ہے کرلو، کیونکہ میرے بعد تم نہ تو دنیا میں کسی قسم کی خوشی کا منہ دیکھ سکو گے اور نہ ہی آخرت میں!!، اور دونوں جہانوں میں تمہارے نصیب میں خدا کا عذاب اور خلق خدا کا غیظ و غضب ہوگا، اور وہ دن ہرگز دور نہیں کہ جس میں تمہارا کٹا ہوا سر اسی شہر کوفہ میں نیزے کی نوک پر چڑھا دیا جائے گا اور شہر کے بچے اسے اپنا کھلونا بنا کر پتھروں کا نشانہ بنائیں گے۔

ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ امام عالی مقامؑ نے ایک بار پہلے بھی اسی عمر کے ساتھ ملاقات کر کے اسے قتل سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی حتیٰ کہ یہ پیشکش بھی کی تھی کہ اس کے ہر طرح کے مالی نقصان کا ازالہ بھی کر دیں گے، اس سے حضرت کا اپنی جان بچانے کا مقصد نہیں تھا، کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے اپنی شہادت کی پیش گوئی فرما چکے تھے، بلکہ اس طرح سے ان لوگوں کو ہدایت اور رہنمائی کرنا چاہتے تھے کہ مظلوموں کے قتل جیسے عظیم جرم کا ارتکاب کر کے دنیا اور آخرت میں شقاوت اور بدبختی میں گرفتار نہ ہوں، مگر اقتدار کی لالچ اور حکومت کی خواہش نے اس سے سننے، سوچنے اور سمجھنے کی قوت کو سلب کر کے اندھا اور بہرا کر دیا تھا، لہٰذا وہ امام کے فرمودات کو سن کر سخت غضبناک ہو گیا اور امام عالی مقامؑ سے منہ پھیر لیا اور اپنے لشکر کو دیکھ کر کہا: ''کیا دیکھ رہے ہو؟ سب مل کر ان پر یکبارگی حملہ کر دو، کیونکہ یہ سب مل کر بھی تمہارے لئے ایک نوالہ سے زیادہ نہیں ہیں''۔

______ (بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۱۰) ______

حملے کا حکم:

چونکہ عمر نے اپنی فوج کو امام مظلوم کے ساتھ مکمل طور پر لڑنے کیلئے تیار کیا ہوا تھا، تمام جھنڈے اپنی اپنی جگہ پر نصب کئے جا چکے تھے، لشکر میمنہ و میسرہ کو بھی مرتب کیا جا چکا تھا، اس نے قلب لشکر میں موجود فوجیوں کو حکم دیا کہ اپنی جگہ پر جمے رہیں اور حسین علیہ السلام کو ہر طرف سے اپنے گھیرے میں ایسے لے لیں، جس طرح کہ انگوٹھی ہوتی ہے۔

امام علیہ السلام بھی سپاہِ یزید کے آگے آ کر کھڑے ہو گئے اور ان سے فرمایا: ''خاموش''

مگر وہ چپ نہ ہوئے تو امامؑ نے انہیں فرمایا:

"وَیْلَکُمْ مَا عَلَیْکُمْ اَنْ تُنْصِتُوا اِلَیَّ فَتَسْمَعُوا وَاِنَّمَا اَدْعُوکُمْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ فَمَنْ اَطَاعَنِی کَانَ مِنَ الْمُرْشَدِیْنَ وَمَنْ عَصَانِی کَانَ مِنَ الْمُهْلَکِیْنَ ، وَکُلُّکُمْ عَاصٍ لِاَمْرِیْ غَیْرُ مُسْتَمِعٍ قَوْلِیْ فَقَدْ مُلِئَتْ بُطُوْنُکُمْ مِنَ الْحَرَامِ وَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَیْلَکُمْ اَلَاتُنْصِتُوْنَ؟اَلَا تَسْمَعُوْنَ ؟"

تمہارا برا ہو تمہارا کیا نقصان ہو جائے گا اگر تم میری بات کو کان لگا کر سن لو گے؟ میں تو تمہیں راہِ راست کی طرف بلا رہا ہوں، جو میری باتوں پر عمل کرے گا وہ ہدایت پا جائے گا اور جو نافرمانی کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا، تم میری ہر بات کو ٹھکرا رہے ہو، اور میری کسی بھی بات کو سننا گوارا نہیں کرتے، اس لئے کہ تمہارے پیٹ مال حرام سے بھر چکے ہیں اور تمہارے دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں، تمہارا برا ہو آیا تم خاموش نہیں ہوتے ہو!! اور میری باتوں کو نہیں سنتے ہو!!

تو اسی اثنا میں عمر نے سردارانِ کوفہ سے مخاطب ہو کر کہا:

"تمہارا ستیاناس ہو جائے تم اس سے بولتے کیوں نہیں ہو؟

اس سے بات کرو، خدا کی قسم یہ اس ہستی کا بیٹا ہے کہ اگر سارا دن بھی خطاب کرتا رہے تو تھکنے کا نام نہیں لے گا"

یہ سن کر شمر پلید نے آگے بڑھ کر بکواس کی:

"حسینؑ! کیا کہہ رہے ہو؟ ایسی بات کرو جو ہم بھی سمجھیں!!"

امامؑ نے فرمایا:

میں کہتا ہوں کہ خدا سے ڈرو اور میرے قتل میں ہاتھ نہ ڈالو!! کیوں کہ میرا قتل اور میری حرمت کی ہتک جائز نہیں ہے، میں تمہارے نبیؐ کی بیٹی کا فرزند ہوں، میری دادی خدیجۃ الکبریٰؑ ہیں جو مومنوں کی ماں اور رسول خداؐ کا حرم ہیں، شاید تم نے میرے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سنا ہو کہ

"اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ"

"حسنؑ و حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں"

_____ بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۵ _____

حضرت حرؑ ریاحی

بہر حال امام علیہ السلام اپنے گھوڑے سے اترے اور عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اسے باندھ دے، اسی اثناء میں سپاہِ کوفہ وشام امامؑ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ جنگ وجدال کیلئے مکمل طور پر تیار ہوگئی، بس ایک حکم کی دیر تھی کہ اتنے میں حر بن یزید ریاحی آگے بڑھے اور عمر سعد سے کہا: ''عمر! واقعاً حسینؑ کے ساتھ جنگ کرو گے؟''

حر کی عمر سعد کے ساتھ گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ان کا تھوڑا سا تعارف کرا دیا جائے، چنانچہ کتاب ''وسیلۃ الدارین'' میں ہے کہ ان کا نام حر بن یزید بن ناجیہ بن عتاب ہے، زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں حر کو اپنی قوم کی سرداری کا شرف حاصل رہا ہے ان کا دادا ''عتاب'' حیرہ کے بادشاہ نعمان بن منذر کا ہم مشرب اور ندیم تھا، خود حر کے چچا جو شاعر تھے ''احوص بن ناجیہ'' حضرت رسالتمآبؐ کے صحابی تھے، صاحب کتاب ''وسائل الشیعہ'' علامہ شیخ حر عاملی کا سلسلہ نسب بھی انہی کے ساتھ جا ملتا ہے۔

___ وسیلۃ الدارین ص ۱۲۷، کتاب مقتل الحسینؑ خوارزمی جلد ۲ ص ۹) ___ میں ہے کہ جب امام مظلوم کی صدائے استغاثہ

''هَلْ مِنْ مُغِيْثٍ يُغِيْثُنَا لِوَجْهِ اللّٰهِ ؟اَمَا مِنْ ذَآبٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ؟''

فضائے کربلا میں گونجی تو حر بن یزید کانپ گئے ان کا دل مضطرب ہوگیا، اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، چنانچہ وہ عمر کے پاس گئے اور اس سے کہا: ''عمر! واقعاً حسینؑ کے ساتھ جنگ کرو گے؟''

اس نے کہا:

''ہاں خدا کی قسم! ایسی جنگ کریں گے جو کم از کم اس حد تک ہو گی کہ سر تن سے اور ہاتھ بازوؤں سے کٹ کٹ کر زمین پر گریں گے!!''

حر: جو کچھ حسینؑ نے کہا ہے اور تم سے گفتگو کی ہے وہ تمہارے لئے کافی نہیں ہے؟

عمر: اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو یقیناً میں مان لیتا، مگر کیا کیا جائے تمہارا امیر عبید اللہ نہیں مانتا۔

یہ سن کر حر واپس آ گئے اور ان کے ساتھ ان کے قبیلے کا ایک شخص ''قرۃ بن قیس'' بھی تھا، حر نے اس سے پوچھا:

''قُرہ! کیا تم نے اپنے گھوڑے کو پانی پلا لیا ہے؟'' اس نے کہا ''نہیں!''

قرہ کہتا ہے میں نے سمجھا کہ حر، اب جنگ سے کنی کترانا چاہتا ہے، اگر مجھے اپنے اصل مقصد سے آگاہ کرتا تو میں

بھی حر کے ساتھ مل کر اس جیسے انجام سے دوچار ہو جاتا"

پس حر، آہستہ آہستہ خیام حسینؑ کی طرف بڑھنے لگے، مہاجر بن اوس نے اُن کی یہ کیفیت دیکھ کر ان سے پوچھا کہ: "میں تمہارے اندر یہ کیسی تبدیلی محسوس کر رہا ہوں؟" کہا:

"خدا کی قسم! میں اپنے آپ کو جنت اور دوزخ کے درمیان موجود دیکھ رہا ہوں، مگر خدا کی قسم! میں بہشت پر اور کسی بھی چیز کو ترجیح نہیں دوں گا اگر چہ یہ ظالم میری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے آگ میں کیوں نہ جلا دیں"

یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگائی اور خدمتِ امامؑ میں پہنچ گئے

مقتل الحسین خوازمی جلد ۲ ص ۱۰ میں ہے کہ حر کے ہمراہ ان کا بیٹا بھی تھا، جبکہ بعض روایات کے مطابق ان کا غلام بھی ان کے ہمراہ تھا۔

ابو جعفر طبری لکھتے ہیں کہ جب حر امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی طرف روانہ ہوئے تو اصحابِ حسینؑ نے سمجھا کہ جنگ کرنے کیلئے آ رہے ہیں، مگر جب وہ خیام کے قریب پہنچے تو اپنی ڈھال کو الٹا دیا جس سے وہ سمجھ گئے کہ حر جنگ کیلئے نہیں بلکہ امان کے حصول کیلئے آ رہے ہیں، پس وہ امام عالی مقامؑ کے نزدیک پہنچے سلام عرض کیا اور قدم بوس ہو کر امامؑ کے حضور توبہ کی، پھر عرض گزار ہوئے:

"اے فرزند رسولؐ! میری جان آپ پر قربان جائے میں ہی پہلا شخص ہوں جس نے آپ کے ساتھ ناروا سلوک کیا آپ پر سختی کی اور آپ کو یہاں تک لے آیا، میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ نابکار لوگ آپ کے ساتھ اس طرح کا سلوک کریں گے، اگر معلوم ہوتا تو قطعاً ایسا نہ کرتا، میں خداوند عالم کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں، تو کیا میری توبہ قبول ہے؟"

علیؑ کے لعل نے فرمایا:

"خدا تمہاری توبہ قبول فرمائے گا......" حرؓ نے عرض کی: "میں اس ناہنجار دشمن کے ساتھ لڑنے کیلئے آپؑ سے اجازت چاہتا ہوں، اسی گھوڑے پر سوار ہو کر ان ظالموں سے جنگ کروں گا اور پھر اس سے اتروں گا"

امامؑ نے فرمایا: "خدا تم سے تمہارے گناہ معاف کرے تم نے جو ارادہ کیا ہے اسی پر عمل کرو"

چنانچہ حر، گھوڑے پر سوار ہو کر یزیدی فوج کے سامنے آ گئے اور اس سے یوں مخاطب ہوئے:

"اے اہلِ کوفہ! تمہاری ماں تمہارا غم منائے، تم نے اللہ کے اس نیک بندے کو اپنے پاس بلایا اور ان

سے وعدہ کیا کہ اپنی جان ان پر قربان کر دو گے، مگر اب ان کے سامنے تلواریں نیام سے نکالے ہوئے ہو! اا ور انہیں ہر طرف سے گھیرا ہو ہے، اور انہیں خدا کی اس وسیع و عریض زمین میں کہیں نہیں جانے دیتے ہو، اب وہ ایک قیدی کی مانند تمہارے محاصرے میں ہے، ان پر بھی اور ان کے ساتھ عورتوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں پر بھی پانی بند کیا ہوا ہے، جبکہ اسی فرات کے پانی کو یہود و نصاریٰ بلکہ نجس جانور تک پی ہی نہیں رہے بلکہ نہا بھی رہے ہیں مگر ان مظلوموں کی جان لبوں تک آئی ہوئی ہے، تم لوگوں نے ان کے بارے میں نبی کی حرمت
کا پاس نہیں کیا، خدا تمہیں پیاس کے دن کبھی سیراب نہ کرے ''
اسی گفتگو کے دوران دشمن نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی، حر آگے بڑھے اور مولا حسینؑ کے سامنے آ گئے۔

(اعلام الوریٰ ص ۲۸۳)

کتاب مثیر الاحزان ص ۵۹ میں ہے کہ حر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا
''جب ابن زیاد نے مجھے آپ کی طرف بھیجا اور میں دار الامارہ سے نکلا ہی تھا کہ مجھے پیچھے سے ایک آواز سنائی دی کہ: ''اے حر! مبارک ہو خیر کی طرف جا رہے ہو!'' جب میں نے مڑ کر دیکھا تو مجھے کوئی شخص آتا دکھائی نہ دیا، میں نے اپنے تئیں کہا:
''یہ کیسی خوشخبری ہے کہ جا تو رہا ہوں حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے اور مل رہی ہے خوشخبری !! میرے تو یہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میں آپ کی اطاعت کر کے یہ کامیابی حاصل کر لوں گا''
امام علیہ السلام نے فرمایا: ''تمہیں خیر کے راستے کی ہدایت مل گئی ہے!''
اسی طرح کتاب ''وسیلۃ الدارین'' ص ۱۲۷ میں ہے کہ حر نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا:
''مولا! میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا، انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ ان دنوں میں تم کہاں ہوتے ہو؟'' میں نے کہا: ''کوفہ سے باہر حسینؑ کا راستہ روکنے کیلئے آیا ہوا ہوں!'' تو انہوں نے بلند آواز میں کہا: ''واویلا! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو نواسہ رسول کے آڑے آ رہا ہے؟ اگر اللہ کا عذاب اور ہمیشہ کی جہنم خریدنا چاہتے ہو تو ایسا کرو! اور اگر چاہتے ہو کہ حسینؑ کے نانا تمہاری شفاعت کریں اور بروز قیامت انہی کے ساتھ تمہارا حشر نشر ہو تو پھر ان کی امداد کرو اور ان کے ساتھ مل کر جنگ کرو''

بہر حال پھر حر میدان جنگ میں گئے اور دشمن پر حملہ کیا کئی لعینوں کو واصلِ جہنم کیا اور آخر میں خود بھی شہید ہو

گئے۔

حملہ اولیٰ اور اصحاب کی شہادت

ارشاد شیخ مفید میں ہے: عمرو بن حجاج زبیدی نے نعرہ لگا کر سپاہ کوفہ سے کہا: اونادانو! جانتے ہو کہ کن لوگوں کے ساتھ جنگ کررہے ہو؟ حسینؑ کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں، یہ کوفہ کے شجاع اور دلاور لوگ ہیں، تمہاری جنگ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو موت کیلئے بالکل تیار ہو چکے ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ مقابلے کیلئے کوئی شخص اکیلا میدان میں نہ جائے، ان کی تعداد محدود اور معدود ہے، اور وقت بھی بہت کم ہے، خدا کی قسم اگر تم ان کو پتھروں کا نشانہ بھی بناؤ تو یہ سب ختم ہو جائیں!!"

ـــــ ارشاد شیخ مفید جلد۲ ص ۱۰۳ ـــــ

عمر نے یہ سن کر کہا: ٹھیک کہتے ہو تمہاری رائے بالکل صحیح ہے، کسی کے ذریعہ سپاہ کو پیغام بھیجو کہ وہ ان کے مقابلے کیلئے اکیلے میدان میں نہ جائیں"

امام حسین علیہ السلام اپنی ریش اقدس پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

"خداوند عالم کا قوم یہود پر اس وقت غضب شدید ہوا جب وہ خدا کیلئے اولاد کے قائل ہوئے، قوم نصاریٰ پر اس وقت غضب شدید ہوا جب انہوں نے خدا کو تین میں سے تیسرا مانا زردشتیوں پر اس وقت شدید ہوا جب انہوں نے سورج اور چاند کی پوجا شروع کی اور اس وقت خدا کا غضب قوم اشقیاء کے بارے میں اپنے عروج پر ہے کیونکہ یہ اپنے نبیؐ کی صاحبزادی کے فرزند کو قتل کرنے کیلئے ایک دل اور ایک زبان ہو چکے ہیں، خدا کی قسم! یہ لوگ جو مجھ سے مطالبہ کررہے ہیں، میں اسے قطعاً پورا نہیں کروں گا خواہ اس کیلئے مجھے اپنے خون میں غلطان ہو کر اپنے پروردگار کے حضور ہی کیوں نہ جانا پڑے" ـــــ (الملہوف ص ۴۲) ـــــ

عمر بن سعد امامؑ کے اصحاب کے قریب پہنچ گیا اور اپنے غلام "دُرَید" کا پکارا اور کہا: "جھنڈے کو نزدیک لاؤ" وہ اسے نزدیک لے آیا، پس عمر نے تیر کو کمان میں رکھا اور اصحابِ حسینؑ کی طرف چلا کر کہا:

"سب لوگ گواہ رہنا کہ سب سے پہلے میں نے ہی ان کی طرف تیر چلایا ہے" اس کے بعد دوسرے لوگوں نے اصحابِ حسینؑ کی طرف تیر چلانا شروع کر دیئے۔

ـــــ (ارشاد شیخ مفید جلد۲ ص ۱۰۱) ـــــ

اب تیروں کی بارش شروع ہوگئی اور کوئی بھی ایسا صحابی نہیں تھا جسے تیر نہ لگا ہو۔

______ (بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۱۲) ______

اب حجت تمام ہوچکی تھی حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

"قُومُوا اَیُّها الْکِرامُ اِلَی الْمَوتِ الَّذِیْ لا بُدَّمِنْهُ ، فَاِنَّ هٰذِهِ السَّهَامَ رُسُلُ الْقَوْمِ اِلَیْکُم فَوَاللّٰهِ مَابَیْنَکُمْ وَبَیْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ اِلَّاالْمَوْتَ ، یَعْبُرُ بِهٰؤُلَآءِ اِلٰی جِنَانِهِمْ وَبِهٰؤُلَآءِ اِلٰی نِیْرَانِهِمْ"

اے شریف لوگو! اب اٹھ کھڑے ہو جاؤ اس موت کی طرف جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں، ان لوگوں کی طرف سے یہ تیر درحقیقت تمہارے لئے موت کا پیغام ہیں، خدا کی قسم تمہارے اور ان کے درمیان ،اور جنت و دوزخ کے درمیان صرف اور صرف موت کا فاصلہ ہے جو تمہیں جنت میں اور انہیں جہنم میں لے جائے گی۔

اس کے بعد اصحابِ حسینؑ نے بھی مل کر ان پر ایک اجتماعی حملہ کیا اور حق و باطل کی فوج میں گھسان کی جنگ شروع ہوگئی جب حملہ ختم ہوا اور جنگ کی گرد بیٹھ گئی تو معلوم ہوا کہ امام کے پچاس جاں نثار ساتھی جام شہادت نوش کر چکے تھے۔

______ (بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۱۲) ______

حملہ اولیٰ کے شہدائ:

(ابصار العین، وسیلۃ الدارین، تنقیح المقال، مقتل الحسین مقرم میں ہے کہ)

اس حملہ میں شہید ہونے والوں کی تعداد روایات میں اگرچہ پچاس بتائی گئی ہے، مگر ہمیں جو نام مل سکے ہیں ان کی تعداد قریباً چالیس ہے۔

حروف تہجی کی ترتیب میں:

۱۔ادہم بن امیہ ۲۔امیہ بن سعد ۳۔بُشر بن عمر ۴۔جابر بن حجاج ۵۔حُباب بن عمر ۶۔جبلہ بن علی ۷۔جنادہ بن کعب ۸۔جندب بن حجیر کندی ۹۔جوین بن مالک ۱۰۔حارث بن امراء القیس ۱۱۔حارث بن نبہان ۱۲۔حجاج بن بدر ۱۳۔حُلاس بن عمر ۱۴۔زاہر بن عمر ۱۵۔زُہیر بن سُلیم ۱۶۔سالم غلام عامر بن مسلم

۱۷۔سالم بن عمرو ۱۸۔سوار بن ابی حُمیر ۱۹۔شبیب بن عبداللہ ۲۰عائذ بن مجمّع ۲۱۔عامر بن مسلم ۲۲۔عبداللہ بن بشیر ۲۳۔عبداللہ بن یزید ۲۴۔عبیداللہ بن یزید ۲۵۔عبدالرحمٰن بن عبد رب ۲۶۔عبدالرحمٰن بن مسعود ۲۷۔عمرو بن ضبیعہ ۲۸۔عمار بن حسان ۲۹۔عمار بن سلامۃ ۳۰۔قاسم بن حبیب ازدی ۳۱۔قاسط بن زُہیر ۳۲۔کردوس بن زُہیر ۳۳۔کنانہ بن عتیق ۳۴۔مسلم بن کثیرہ ۳۵۔مسعود بن حجاج ۳۶۔مقسط بن زہیر ۳۷۔نصر بن ابی نیزر ۳۸۔نعمان بن عمرو راسبی ۳۹۔نُعیم بن عجلان ۴۰۔زُہیر بن بُشر خثعمی

نصرت الٰہی کا نزول:

بحارالانوار جلد ۴۵ ص ۱۲، کافی جلد ا ص ۴۶۵ میں ہے کہ:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''جب اصحابِ حسینؑ عمر بن سعد کی فوج کے ساتھ مصروف جنگ تھے اور جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آسمان کے کچھ فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ زمین پر جا کر ان سے کہیں کہ آپ کو اختیار حاصل ہے کہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب فرمائیں

ا۔دشمن پر فتح ۲۔یا خدا سے ملاقات اور شہادت!!''

تو امام عالیمقامؑ نے شہادت اور خدا کی ملاقات کو اپنے لئے انتخاب فرمایا!!

چنانچہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

جب بروز عاشورا، جنگ اپنے زوروں پر تھی اور امام حسین علیہ السلام پر ایک ایک لحہ گراں ہوتا جا رہا تھا تو آپ کے کچھ دوستوں نے دیکھا کہ حضرت کے بعض اصحاب کے چہرے شدت غم اور شہداء کی پارہ پارہ لاشوں کو دیکھ کر افسردہ ہونے لگے، لیکن خود آنجنابؑ اور آپ کے خصوصی اصحاب و اہل بیتؑ کے چہرے لحہ بہ لحہ گلِ گلاب کی مانند کھلتے جا رہے ہیں۔اور سکون و اطمینان کی کیفیت ہر لحظہ بڑھتی جا رہی ہے تو اس منظر کو دیکھ کر دنیا ششدر رہ گئی اور اصحابِ حسینؑ فرزند رسولؐ کے روحانی اور دمکتے چہرے کی طرف اشارہ کر کے ایک دوسرے کو کہتے تھے:

''اُنْظُرُوْا لَا یُبَالِی بِالْمَوْتِ '' ذرا حسینؑ کو دیکھو کہ اسے موت کا ذرہ برابر بھی خوف نہیں ہے!!

اپنے اصحاب کو صبر کی تلقین!!

امام عالی مقامؑ نے جب ان سے یہ باتیں سنیں تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"......صَبرًا بَنِی الکِرَامِ فَمَاالْمَوْتُ اِلَّا قَنطَرَةٌ تَعْبُرُبِکُم عَنِ الْبُؤْسِ وَالضَّرَّآءِ اِلَی الْجِنَانِ الْوَاسِعَةِ وَالنِّعَمِ الدَّآئِمَةِ"

اے شریف زادو! صبر سے کام لو اور خوب جم کر لڑو!، کیونکہ موت تو صرف ایک پل ہے جس سے عبور کر کے رنج اور سختیوں سے نجات پا کر وسیع وعریض بہشت اور اس کی بے انتہا نعمتوں سے بہرہ مند ہو گے۔

"فَاَیُّکُم یَکْرَهُ اَن یَّنْتَقِلَ مِنْ سِجْنٍ اِلٰی قَصْرٍ، وَّمَاهُوَ لِاَعْدَآئِکُمْ اِلَّا کَمَنْ یَّنْتَقِلُ مِنْ قَصْرٍ اِلٰی سِجْنٍ وَّ عَذَابٍ"

تم میں سے کون ایسا ہے جو زندان سے محل کی طرف منتقل ہونے کو پسند نہ کرتا ہو؟ اور یہ موت تمہارے دشمنوں کیلئے ایسے ہے جیسے کوئی ایک محل سے کسی زندان اور عذاب کی طرف منتقل ہو رہا ہو۔

"اِنَّ اَبِی حَدَّثَنِی عَن رَّسُوْلِ اللّٰهِ اَنَّ الدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ وَالْمَوْتُ جِسْرُ هٰؤُلَآءِ اِلٰی جِنَانِهِمْ وَجِسْرُ هٰؤُلَآءِ اِلٰی جَحِیْمِهِمْ مَّا کَذِبْتُ وَلَا کُذِّبْتُ"

میرے والد (علی بن ابی طالبؑ) نے میرے نانا حضرت رسول خدا (ص) سے حدیث بیان کی ہے کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کیلئے بہشت ہے اور ان کیلئے موت ایک پل ہے جس سے گزر کر وہ سیدھے جہنم میں جائیں گے، نہ تو میں نے کبھی خلافِ حقیقت بات کی نہ کبھی مجھے جھٹلایا گیا۔

(بلاغت الحسینؑ ص ۱۹۰)

شہادتوں کا آغاز:

حضرت سید الشہداء حسین بن علیؑ کے بصیرت افروز خطاب کے بعد اصحاب اور اہل بیت اطہارؑ کے افراد اپنے آقا اور مولاؑ پر جان قربان کرنے کیلئے مکمل طور پر آمادہ ہو گئے اور ہر ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا، ہر مجاہد پورے جذبہ شوق اور عزم واستقلال کے ساتھ میدان میں گیا، تیروں، تلواروں، نیزوں اور پتھروں کا سامنا کیا دشمنوں کو جہنم پہنچایا اور آخر کار شہادت کا سرخ لباس پہن کر لقاء اللہ اور رضوان الٰہی سے شرفیاب ہو کر جوارِ رحمت والطاف حق کے

زیرِ سایہ جا کر آرام کی نیند سو گیا۔

کون پہلے گیا اور کون بعد میں، اس بارے روایات مختلف ہیں، ہم یہاں پر پہلے امام عالی مقام سلطان کم سپاہ نواسہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابِ باوفا کے اسماء گرامی کو ذکر کریں گے، بعد میں آپ کے اہلِ بیتِؑ اطہار کا تذکرہ کریں گے، جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔

(مثلاً کتاب ابصار العین، وسیلۃ الدارین، مقتل الحسین مقرم، ارشاد شیخ مفید اور دوسری کتابوں میں ہے کہ)

ا۔عبداللہ بن عمیر ۲۔سیف بن حارث ۳۔مالک بن عبداللہ ۴۔عمرو بن خالد صیداوی

۵۔سعد غلام عمرو ۶۔جابر بن حارث

۷۔مجمع بن عبداللہ ۸۔بریر بن خضیر ہمدانی ۹۔عمرو بن قرظہ بن کعب انصاری ۱۰۔سعد بن حارث ۱۱۔ابو الحتوف بن حارث ۱۲۔نافع بن ہلال بجلی ۱۳۔ابوالشعثاء کندی ۱۴۔مسلم بن عوسجہ اسدی

۱۵۔حر بن یزید ریاحی

۱۶۔حبیب بن مظاہر اسدی ۱۷۔سعید بن عبداللہ حنفی ۱۸۔ابوثمامہ صائدی یا صیداوی ۱۹۔سلیمان بن مضارب

۲۰۔زُہیر بن قین بجلی ۲۱۔حجاج بن مسروق جعفی ۲۲۔یزید بن مغفل جعفی ۲۳۔حنظلہ بن اسعد شامی

۲۴۔عابس بن ابی شبیب ۲۵ شوذب بن عبداللہ ۲۶۔جون ابن ابی مالک ۲۷۔عبدالرحمٰن ارجبی ۲۸۔غلام ترکی

۲۹۔انس بن حارث ۳۰۔عبداللہ بن عروہ ۳۱۔عبدالرحمٰن بن عروہ ۳۲۔عمرو بن جنادہ

۳۳۔واضح ترکی ۳۴۔رافع بن عبداللہ ۳۵۔یزید بن ثُبیط ۳۶۔بکر بن حی ۳۷۔ضرغامہ بن مالک

۳۸۔مجمع بن زیاد ۳۹۔عبادن مہاجر ۴۰۔وہب بن حباب کلبی ۴۱۔حبشی بن قیس بن سلمہ

۴۲۔زیاد بن عُریب ۴۳۔عقبہ بن صلت ۴۴۔قعنب بن عمر ۴۵۔انیس بن معقل ۴۶۔قرۃ بن ابی قرہ

۴۷۔عبدالرحمٰن بن عبداللہ یزنی ۴۸۔یحیٰی مازنی ۴۹۔منجح بن سہم ۵۰۔سوید بن عمرو

نمازِ ظہر کی جماعت:

قبل اس کے کہ ہم شہداء بنی ہاشم کا تذکرہ کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر یومِ عاشورا کے ایک اہم ترین واقعہ کو بیان کردیں جو اس واقعہ کی روح ہے اور وہ ہے آج کے دن نمازِ ظہر کی باجماعت ادائیگی، چنانچہ مورخین (مثلاً طبری کامل ابن اثیر کا بیان ہے کہ) جب نمازِ ظہر کا وقت ہوگیا تو امام عالی مقامؑ کے ایک جاں نثار ساتھی حضرت ابوثمامہ صائدی

____ یا صیداوی ____ کہ جن کا نام عمرو بن کعب تھا، نے عرض کی: یا اباعبد اللہ! میں آپ کے قربان جاؤں، یہ اشقیاء ہمارے قریب پہنچ چکے ہیں اور خدا کرے کہ میں آپ کے آگے شہید ہو جاؤں اور میں چاہتا یہ ہوں چونکہ اللہ کی بارگاہ میں جارہا ہوں لہٰذا آخری نماز بھی آپ کی اقتدا میں ادا کر کے جاؤں''

امام والا مقام نے آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا:

''ذَكَرْتَ الصَّلٰوةَ جَعَلَكَ اللّٰهُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ الذَّاكِرِيْنَ، نَعَمْ هٰذَا اَوَّلُ وَقْتِهَا، سَلُوْهُمْ اَنْ يَّكُفُّوا عَنَّا حَتّٰى نُصَلِّىْ......''

تم نے نماز کو یاد کیا ہے خداوند عالم تمہیں ایسے نمازیوں میں قرار دے جو اسے ہر وقت یاد رکھتے ہیں، ہاں یہ نماز کا اول وقت ہے، لہٰذا دشمن سے کہو کہ کچھ دیر کیلئے جنگ روک لیں تا کہ ہم خدا کی نماز ادا کر لیں۔

حبیب بن مظاہر کی شہادت:

چنانچہ جب یزیدی فوج سے عارضی جنگ بندی کا کہا گیا تو اس شیطانی لشکر کے ایک کمانڈر جس کا نام حصین بن نمیر تھا، نے کہا: ''انها لاتقبل ......'' تمہاری نماز قبول نہیں ہے...... یہ سن کر مولاؑ کے ایک صحابی جناب حبیب بن مظاہر کو غصہ آ گیا اور فرمایا: ''تو سمجھتا ہے کہ آل رسولؐ کی نماز قبول نہیں ہے اور تجھ احمق اور بے سمجھ شخص کی قبول ہے؟'' یہ سن کر حصین ملعون نے ان پر حملہ کر دیا، حصین کے حملہ کو رد کر کے اس کے جواب میں حبیب نے بھی اس پر حملہ کر دیا اور تلوار اس کے گھوڑے کے منہ پر جا لگی جس سے حصین زمین پر گر گیا، اتنے میں اس کے ساتھی اس کے سر پر آ پہنچے اور اسے حبیب کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچا لیا، مگر حبیب نے ان لوگوں پر یہ رجز پڑھتے ہوئے حملہ کر دیا:

اَنَا حَبِيْبٌ وَّاَبِىْ مُظَهَّرٌ فَارِسُ هَيْجَاءٍ وَّحَرْبٍ تَسْعَرُ
اَنْتُمْ اَعَدُّ عُدَّةً وَّاَكْثَرُ وَنَحْنُ اَوْفٰى مِنْكُمْ وَاَصْبَرُ

میں حبیب ہوں، میرے باپ کا نام مُظَہّر ہے، جب آتشِ جنگ شعلہ ور ہوتی ہے، ہم میدانِ جنگ کے شہسوار ہوتے ہیں، جب کہ تم لوگ اسلحہ اور ہتھیار کے لحاظ سے بھی ہم سے زیادہ ہو اور تعداد کے لحاظ سے بھی، مگر ہم تم سے زیادہ باوفا اور صابر ہیں۔

اسطرح سے انہوں نے کافی تعداد میں دشمنوں کو واصلِ جہنم کیا، یہاں تک کہ ''بدیل بن صریم'' نے ان پر تلوار

سے حملہ کر دیا، اور بنی تمیم کا ایک شخص اپنے نیزے سے ان پر حملہ آور ہوا جس کی وجہ سے حبیب زمین پر گر گئے، اٹھنے کا ارادہ کیا مگر حصین بن نمیر نے فوراً ہی ان کے سر پر تلوار سے حملہ کر دیا اور وہ شہید ہو گئے، تمیمی نے آگے بڑھ کر ان کا سر تن سے جدا کر دیا۔

ادھر حبیب بہشتِ بریں میں پہنچے ادھر تمیمی نے ان کے سر کو اٹھایا، حصین نے تمیمی سے کہا: ''حبیب کے قتل میں مَیں بھی تمہارے ساتھ شریک ہوں'' اس نے کہا: ''نہیں میں نے اسے اکیلے قتل کیا ہے''

حصین نے اس سے کہا: ''اچھا ایسا کرو کہ حبیب کا سر مجھے دے دو تا کہ میں اسے اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکا دوں اور لوگوں کو یہ باور کراؤں کہ میں بھی ان کے ساتھ قتل میں تمہارے برابر کا شریک ہوں، اس کے بعد پھر تمہیں واپس کر دوں گا اور تم ہی اسے ابن زیاد کے پاس لے جانا اور اس سے انعام پانا''

مگر وہ نہ مانا، ان کے دوستوں نے ان کے درمیان صلح کرادی اور حصین نے حبیب مظلوم کا سر اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکا کر اسے پوری فوج کے گرد گھمایا اور پھر اسے واپس کر دیا۔

(ابصار العین ص ۵۹)

محمد بن قیس کہتے ہیں کہ: ''حبیب بن مظاہر کی شہادت نے امام کے دل پر گہرا اثر کیا اور آپ کا دل ٹوٹ گیا، امام الصابرینؑ نے ان کی شہادت پر یہ جملہ کہا: (جیسا کہ نفس المہموم ص ۲۷۲ میں ہے)

''مجھے خدا سے امید ہے کہ میرے یار و انصار کو ضرور اجر عطا فرمائے گا''

امام عالی مقامؑ نے حبیب کی لاش پر آ کر کہا:

''حبیب تم خدا کے کس قدر مقبول بندے تھے کہ اس نے تمہیں یہ توفیق عنایت فرمائی تھی کہ ہر شب قرآن مجید کا ایک ختم کیا کرتے تھے!''

بہر حال اس ماجرا سے معلوم ہوتا ہے کہ حبیب نمازِ ظہر سے پہلے جامِ شہادت نوش فرما گئے تھے۔

سعید اور عمرو بن قرظہ کی شہادت:

(مقتل عوالم ص ۸۸، لہوف ص ۹۵، مثیر الاحزان، کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۹۰ میں ہے)

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ امامؑ کی طرف سے نماز کی ادائیگی کیلئے جنگ روک دینے کی پیش کش کو کوفیوں نے ٹھکرا دیا تو آپ نے دشمن کی تیراندازی کے باوجود نماز کیلئے صفیں بنانے کا حکم دیا، اور زہیر بن قین اور سعید بن عبداللہ سے

فرمایا کہ نمازیوں کی حفاظت کیلئے ان کے آگے کھڑے ہو جائیں، چنانچہ امامؑ نے نماز کی امامت فرمائی۔

((سَلامٌ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہُ وَجَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْرَ الْجَزَآءِ فَسَلامٌ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہُ .))

(بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۲۱)

جبکہ بعض روایات کے مطابق امامؑ نے سعید بن عبداللہ اور عمرو بن قُرظہ کعبی کو نمازیوں کی حفاظت کیلئے مقرر فرمایا ادھر امامؑ نے نماز شروع کی ادھر دشمن نے تیروں کی بارش شروع کر دی، اور دونوں پاکباز جاں نثار ہر آنے والے تیر کے آگے سینہ سپر ہو گئے مگر امامؑ اور نمازیوں تک نہیں پہنچنے دیا، ادھر نماز مکمل ہوئی ادھر یہ زخمی ہو کر زمین پر گرے۔

سعید بن عبداللہ کا جسم تیروں سے چھلنی ہو چکا تھا، خون آلود بدن اور شدید کمزوری کی وجہ سے زمین پر گرتے وقت یہی کہا:

''اے اللہ! ان ظالموں پر لعنت بھیج اور ان پر اسی طرح عذاب نازل فرما جس طرح تو نے قوم عاد اور ثمود پر نازل فرمایا تھا، اور اے اللہ! میرا اسلام اپنے پیغمبرؐ تک پہنچا اور مجھے پہنچنے والے میرے اس رنج و درد کو آنجنابؐ تک پہنچا اور اسے باخبر کر دے کہ میں سب کچھ اجر و ثواب اور تیرے رسول پاکؐ کے نواسے کی مدد کیلئے برداشت کر رہا ہوں''

امامؑ سعید کے پاس پہنچے دیکھا رمق سانس باقی ہے، سعید نے آنکھ کھولی اور اپنے زمانہ کے امامؑ کی آخری مرتبہ زیارت کی اور امامؑ کے حضور عرض کیا: ''ھَلْ وَفَیْتُ یَاابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ؟'' فرزند رسولؐ! کیا میں نے وفا کی ہے؟ امام نے فرمایا: ''نَعَمْ اَنْتَ اَمَامِیْ فِی الْجَنَّةِ'' ہاں سعید! تم نے خوب وفا کی ہے جس طرح نماز میں ہم سب سے آگے تھا اسی طرح بہشت میں بھی ہمارے آگے آگے ہو گے''

اسی طرح عمرو بن قرظہ کعبی بھی سعید کے ہمراہ امام کی حفاظت کر رہے تھے، اور ان کے سر اور سینے پر کئی تیر لگے، بدن زخموں سے چور چور ہو گیا، سخت زخمی ہو کر سعید کے ساتھ ہی زمین پر گرے، زندگی کی رمق باقی تھی، سعید اور امامؑ کی گفتگو سن رہے تھے، لہٰذا انہوں نے بھی وہی سوال کیا جو سعید نے کیا تھا کہ ''اَوَفَیْتُ یَاابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ (ص)؟'' رسولؐ زادے! کیا میں نے بھی وفا کی ہے؟ امام نے انہیں بھی وہی جواب دیا جو سعید کو دیا تھا، کہ تم نے بھی خوب وفا کی ہے اور تم بھی ہمارے آگے آگے بہشت میں ہو گے'' لیکن امامؑ نے یہاں رک کر ایک جملے کا اضافہ فرمایا: ''فَاقْرَأْ رَسُوْلَ اللّٰہِ مِنِّی السَّلَامَ، وَاَعْلِمْہُ اَنِّی فِی الْاَثَرِ'' نانا رسولؐ کو میرا اسلام پہنچا دینا اور عرض کرنا کہ میں بھی حضور کی زیارت کیلئے ابھی آیا ہی چاہتا ہوں''

حضرت امام آخر الزمان عجل اللہ فرجہ الشریف نے مذکورہ فدا کار شہید کو ان لفظوں میں یاد فرمایا ہے: ''اَلسَّلَامُ عَلٰی عَمْرِو بْنِ قُرْظَۃَ الْاَنْصَارِی''

لمحہ فکریہ:

جی ہاں ناظرین! بروز عاشورا حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کی یہ ہے راہ و رسم، کہ ''نماز'' تمام دوسرے مسائل کو اس قدر تحت الشعاع میں لئے ہوئے ہے کہ نواسہ رسولؐ، فرزند علیؑ و بتولؑ نماز کے وقت دوسری تمام باتوں کو فراموش کر کے خون کے پیاسے دشمن سے صرف اور صرف نماز کے لئے عارضی جنگ بندی کا تقاضا فرما رہے ہیں، اور یہ راہ حق و حقیقت کیلئے جدو جہد کرنے والے تمام مجاہدین کیلئے ایک درس ہے، ایسا درس جو امام الشہداءؑ کے والد گرامی نے صفین کے مقام پر گھمسان کی جنگ کے عین موقع پر اپنے ماننے والوں اور پیروکاروں کو دیا ہے، کہ جب حضرت ابن عباس نے دیکھا کہ ابوالحسن امیر المومنین مصلائے عبادت بچھا کر نماز کے وقت کا انتظار کر رہے ہیں، آپ سے پوچھا: ''امیر المومنینؑ! معلوم ہوتا ہے کہ کسی پریشانی کا شکار ہیں؟'' فرمایا: ''ہاں! زوال آفتاب اور نماز ظہر کے وقت کا انتظار کر رہا ہوں!'' ابن عباس نے کہا: ''سرکار! ہم اس حساس موقع پر جنگ کو کس طرح روک کر نماز شروع کر دیں؟''

مومنین کے امیرؑ نے فرمایا: ''اِنَّمَا قَاتَلْنَاھُمْ عَلَی الصَّلٰوۃ'' ''ہم نماز ہی کیلئے تو ان سے جنگ کر رہے ہیں!''

ناظرین! جنگ صفین کے موقع پر امیر المومنین علیہ السلام سے نماز تہجد قضا نہیں ہوئی حتی کہ ''لیلۃ الہریر'' جیسی خطرناک رات بھی!!

قابل احترام ناظرین! ملاحظہ فرمایا آپ نے دو مقدس و معصوم پیشواؤں کا کردار اور وہ بھی میدانِ جنگ میں!! جبکہ اس سے پہلے ہم نو محرم کے حالات میں بیان کر چکے ہیں کہ امام الشہداء حسین بن علی علیہ السلام نے دس محرم کی رات کی مہلت صرف اور صرف نماز، قرآن اور خدا کی عبادت کیلئے خدا سے بے خبر کمینہ فطرت دشمن سے طلب کی! آخر کار نماز کی اس قدر اہمیت ہے کہ اس کیلئے دشمن سے ایک رات کی مہلت کا سوال کر رہے ہیں، یا عاشوراءِ محرم کے دن نماز کی ادائیگی کیلئے عارضی جنگ بندی کا تقاضا کرتے ہیں، اپنے اصحاب کو اس کیلئے قربان کر رہے ہیں۔

اس کے باوجود پھر بھی ہم کہیں کہ نماز میں کیا رکھا ہے؟ آخر کس منہ سے؟ اور نماز کے بارے میں لوگوں کے اندر غلط تاثر قائم کر کے ہم بروز قیامت حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ اور امیر المومنینؑ کو کیا منہ دکھائیں گے؟ آیا وہ ہم سے نہیں پوچھیں گے کہ جس نماز کو ہم نے برستے تیروں میں مصلائے عبادت بچھا کر ادا کیا تیغوں کے سائے میں بجا لایا ہے، اپنے

جانثار اصحاب شہید کرائے تم اسے خفیف اور بے وقعت سمجھ کر اس کی توہین کیا کرتے تھے؟ ہم عزاداروں کیلئے تو نماز عزاداری کی زینت ہے اور نماز کی توہین وتخفیف تو شمر، عمر سعد اور یزیدی فوج کے سپاہیوں اور کمانڈروں نے کی، محبانِ علیؑ اور حبدارانِ حسینؑ کی نشانی ہی نماز اور عزاداری ہے، جو ہر نماز کے بعد امام مظلوم کی خدمت میں درخواست کرتے ہیں'' یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَکُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ''اے کاش کہ ہم آپ کے ساتھ کربلا میں ہوتے اور عظیم کامیابی سے سرفراز ہوتے!!''

نماز کے بعد امام کا خطاب

مقتل الحسین مقرم ص ۲۹۷ کے مطابق:

نماز ظہر کی بجا آوری اور خاک وخون میں غلطان وفا کے مجسمے سعید اور قرظہ کے ساتھ گفتگو کے بعد امام والا مقامؑ نے اپنے دوسرے باوفا اور جاں نثار ساتھیوں سے ــــــ جو شہادت اور جاں بازی کی تڑپ میں لحہ شماری کر رہے تھے ــــــ یوں مخاطب ہوئے:

"یَا کِرَامُ ! هٰذِهِ الْجَنَّةُ قَدْ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَاتَّصَلَتْ اَنْهَارُهَا وَاَيْنَعَتْ ثِمَارُهَا وَهٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَالشُّهَدَآءُ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ يَتَوَقَّعُوْنَ قُدُوْمَكُمْ ،وَيَتَبَاشَرُوْنَ بِكُمْ ، فَحَامُوْا عَنْ دِيْنِ اللّٰهِ وَدِيْنِ نَبِيِّهٖ وَذُبُّوْا عَنْ حَرَمِ الرَّسُوْلِ"

اے شرافت مآب عزیزو! اور اے بزرگ منش جانبازو! اس وقت بہشت کے دروازے تمہارے لئے کھلے ہوئے ہیں، جن میں نہریں جاری ہیں، درخت خوش وخرم میووں سے جھول رہے ہیں، اور یہ ہیں سرکار رسالتمآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے شہیدانِ راہ حق جو تمہارے منتظر ہیں اور تمہارے اپنے پاس آنے کی ایک دوسرے کو خوشخبری دے رہے ہیں، لہٰذا اب تم پر لازم ہے کہ خدا کے اور اس کے پیغمبر کے دین اور رسول پاکؐ کے حرم کی حفاظت اور دفاع کرو''

مثیر الاحزان میں ہے کہ: یہ سن کر اصحاب سید الشہداء علیہ السلام جنگ وشہادت کے میدان کی طرف جانے کیلئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگے ایسی زبردست جنگ کی کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے، حصین بن نمیر جو سیاہ کار تیر انداز سپاہ کا کمانڈر تھا اس نے معدودے چند اصحاب حسینؑ کی جوانمردی اور بے جگری کے ساتھ یہ لڑائی دیکھی تو

پانچسو فوجیوں کو حکم دیا کہ اصحاب حسینؑ پر یکبارگی تیروں کی بارش کردی جائے چنانچہ تیراندازی کی وجہ سے امامِ کم سپاہ کے اصحاب کی اچھی خاصی تعداد زخمی ہوگئی اور کافی سارے گھوڑے بھی موت کے گھاٹ اتر گئے۔

ارشادِ شیخ مفید (جلد۲ص۱۰۴) کے مطابق چونکہ اصحابِ حسین علیہم السلام کی تعداد بہت ہی قلیل تھی لہٰذا ان میں سے کوئی بھی جب شہید ہوجاتا تو اس کی جگہ نمایاں طور پر خالی نظر آئی، جبکہ دشمن کی تعداد ''بے شمار'' تھی، لہٰذا ان میں سے کوئی بھی مارا جاتا تو بظاہر کوئی خلا نظر نہ آتا۔ مگر اس قلیل سی مجروح اور زخمی تعداد نے دشمن کی فوج کے دانت اس طرح کھٹے کردیئے کہ ان کے ساتھ مقابلے کی طاقت جواب دے گئی۔

خیام پر حملہ اور اصحابِ امامؑ کا دفاع:

(تاریخ کامل ابن اثیر جلد جلد۴ص۶۹) میں ہے کہ جب عمر بن سعد نے دیکھا کہ وہ اور اس کی فوج امامؑ اور ان کے معدودے چند ساتھیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے تو اس نے اپنے کچھ سپاہیوں کو حکم دیا کہ خیام حسینیؑ کو دائیں اور بائیں جانب سے اکھاڑ دیں تا کہ وہ امامؑ کے جاں نثاروں کا محاصرہ کر کے انہیں تہہ تیغ کردیں۔

مگر کیا کہنے یارانِ باوفائے امامِ مظلوم کا کہ وہ اپنی حکمت عملی کے تحت تین تین اور چار چار کا گروہ تشکیل دے کر خیمے اکھاڑنے والوں کو تیروں اور تلواروں کا نشانہ بنا کر واصل جہنم کرنے اور ان کے گھوڑوں کو موت کے گھاٹ اتارنے لگے اب اس ظالم کا یہ حربہ بھی ناکام ہوگیا تو اس نے حکم دیا کہ خیموں کو آگ لگا دو!''

خبیث باطن اور کمینہ فطرت شمر ملعون تو اس طرح کے حکم کے انتظار میں تھا ہی اس نے فوراً اپنے ماتحت سپاہیوں کو آگ لگانے کا حکم دے دیا اور خود بھی امامؑ کے خیمہ کے نزدیک جا کر نیزے کے ساتھ آپ کے خیمہ کی طرف اشارہ کر کے اور چلا کر کہا: ''آگ لے آؤ تا کہ میں خیمہ کے اندر موجود لوگوں سمیت اسے جلا دوں!'' یقیناً اس نے فاطمۃ الزہراؑ کے گھر کو آگ لگانے والوں سے الہام لیا ہوگا کہ کہ کل ہمارے بزرگوں نے رسولؐ کی بیٹی کے گھر کو آگ لگائی تھی آج ہم اس کے بیٹے کے گھر کو جلا رہے ہیں۔

جس طرح فاطمہ زہرا کے گھر میں معصوم بچوں اور پردہ داروں میں کہرام برپا تھا اسی طرح آج کربلا کے میدان میں اولادِ زہراؑ کے خیموں میں عورتوں اور بچوں میں کہرام برپا ہوگیا اہلِ حرم منہ پیٹتے ہوئے خیمے سے باہر آگئے۔

امامؑ بلند آواز کے ساتھ شمر سے مخاطب ہوئے: ''او ذی الجوشن کے بیٹے! تم میرے خیمہ کو میرے اہلِ بیتؑ کے ساتھ جلانا چاہتے ہو؟ خدا تمہیں اپنے عذاب کی آگ کے ساتھ جلائے!!''

تاریخ طبری (جلد ۵ص ۴۳۸) میں ہے کہ اس موقع پر حمید بن مسلم بھی موجود تھا، اس نے شمر سے کہا: ''خدا کی پناہ!! خیموں کو آگ کے ساتھ جلانا قطعاً روا نہیں ہے اس طرح سے تم ان معصوم بچوں اور لاوارث مستورات کو آگ میں جلا کر اپنے ہی ہاتھوں سے جہنم کا ابدی عذاب خرید رہے ہو؟ خدا کی قسم ان کے مردوں کے قتل سے تمہارا امیر تم سے راضی ہو جائے گا معصوم بچوں اور لاوارث عورتوں کے قتل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' شمر نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟

مگر حمید نے اپنی جان کے خوف سے اپنا تعارف نہ کرایا تا کہ اس کی بدنیتی اور شرارتوں سے محفوظ رہے

البدایۃ والنہایۃ (جلد ۸ص ۱۹۸) میں ہے کہ شبث بن ربعی نے شمر ملعون سے کہا: ''میں تجھے اس حد تک قسی القلب اور سنگ دل نہیں سمجھتا تھا، اور نہ ہی اس سے بڑھ کر بدترین کردار اب تک دیکھا تھا، اب تم عورتوں اور بچوں کے ساتھ مقابلے پر اتر آئے ہو اور انہیں ڈرا رہے ہو؟'' یہ سن کر وہ ملعون واپس آگیا۔

بدقسمت انسان:

ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہم نے اثنائے گفتگو بیان کیا تھا کہ امام عالی مقامؑ کے دورانِ سفر ایک شخص آپ سے آملا تھا، اس نے کہا تھا کہ: ''آپ کے ساتھ اس وقت تک رہوں گا جب تک آپ کے دوستوں کی قابلِ ذکر تعداد ہوگی جب دیکھوں گا کہ آپ اکیلے رہ گئے ہیں تو آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا!''

(انساب الاشراف ج ۳ص ۱۹۷ میں ہے کہ) وہ شخص ضحاک بن عبداللہ تھا، قبیلہ ہمدان سے اس کا تعلق تھا، جب امام عالی مقامؑ کے اصحاب شہید ہو چکے تو وہ آپ کے پاس آیا اور کہا: ''دورانِ سفر میں آپ کے ساتھ ہو لیا تھا اور کہا تھا کہ جب تک آپ کے اصحاب وفادار شہید نہیں ہو جائیں گے میں آپ کا دفاع کرتا رہوں گا، اب جبکہ وہ جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں اور آپ اکیلے رہ گئے ہیں، اب میں اپنے اندر آپ کی دفاع کی طاقت نہیں دیکھ پا رہا، آپ مجھے اجازت دے دیں کہ جہاں سے آیا تھا وہیں کو پلٹ جاؤں!''

صابر امامؑ نے اسے اجازت دے دی، اور اس نے فرار کو قرار پر ترجیح دی، عمر سعد کے جاسوسوں نے اسے راستے ہی میں پکڑ لیا، جب اسے پہچان لیا تو اسے چھوڑ دیا اور وہ بھی سرزمین کربلا کو چھوڑ کر دور نکل گیا، اس طرح وہ بدنصیب بہشت کے دروازے پر پہنچ کر جہنم رسید ہوا، اور یہ ہے روز عاشورا کی ایک عبرت ناک صورت حال!!''

شہداء بنی ہاشمؑ کے اسماء گرامی!

بہر حال جو جاں نثار اصحاب باقی رہ گئے تھے وہ بھی یکے بعد دیگرے اپنے مولائے مظلومؑ سے اجازت لے کر اور

شرف شہادت حاصل کر کے راہی خلد بریں ہوئے، اب سوائے آنجنابؑ کے اہلِ بیتؑ خاص کے حریم امامت کے دفاع کیلئے کوئی باقی نہ رہا تو ارشاد شیخ مفید (جلد۲ص۱۰۶) کے مطابق اہلِ بیتِ اطہارؑ کے افراد کی باری آ گئی، کتنے افراد تھے؟ کون پہلے گیا اور کون بعد میں؟ تو اس بارے میں مورخین کے نظریات مختلف ہیں جن میں سے بعض کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں، جس طرح کہ کتاب ''حیاۃ الامام الحسین علیہ السلام'' (جلد۳ص۳۰۹) میں ہے کہ:

پہلا قول: کل تیرہ (۱۳) افراد تھے، اسے مسعودی نے مروج الذھب میں نقل کیا ہے۔

دوسرا قول: کل چودہ (۱۴) افراد تھے، اسے خوارزمی نے ذکر کیا ہے۔

تیسرا قول: کل پندرہ (۱۵) افراد تھے، یہ تعداد ابن نوفل نے اپنے مرثیہ میں ذکر کی ہے۔

چوتھا قول: کل سولہ (۱۶) افراد تھے جیسا کہ حسن بصری کہتے ہیں کہ: ''حسین بن علیؑ کے ساتھ سولہ افراد ایسے تھے جن کی نظیر روئے زمین پر نہیں ملتی ہے''

پانچواں قول: کل سترہ افراد (۱۷) تھے، اور یہ تعداد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

''کربلا میں بہنے والا وہ خون ناحق ہے جس کا قصاص خود خدا لے گا، کیوں کہ حسینؑ کے ساتھ ان کے اہلِ بیتؑ میں سے سترہ افراد نے جام شہادت نوش فرمایا''

اسی طرح حضرت محمد بن حنفیہ سے بھی منقول ہے کہ: ''آپ کے ساتھ سترہ بنی ہاشم شہید ہوئے جو علیؑ بن ابی طالبؑ کی والدہ گرامی حضرت فاطمہ بنت اسدؑ'' کی اولاد سے تھے۔

زیارت ناحیہ میں بھی سترہ شہداء اہلِ بیتؑ کا ذکر ہے اور شیخ مفید علیہ الرحمہ نے بھی یہی تعداد بتائی ہے اور یہی تعداد مناسب معلوم ہوتی ہے۔

چھٹا قول: کل انیس (۱۹) افراد تھے۔

ساتواں قول: کل بیس (۲۰) افراد تھے۔

آٹھواں قول: کل تیئس (۲۳) افراد تھے،

نواں قول: کل ستائیس (۲۷) افراد تھے، البتہ اولادِ فاطمہ بنت اسد سے۔

دسواں قول: کل تیس (۳۰) افراد تھے، یہ عبداللہ بن سنان سے مروی ہے۔

گیارہواں قول: کل اٹھہتر (۷۸) افراد تھے۔ یہ تعداد سید ابو محمد الحسین حسینی نے ذکر کی ہے، ممکن ہے کہ یہ تمام شہدائے

کربلا کی تعداد ہو۔

مذکورہ اقوال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے پانچواں قول ہی زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہم ابھی بتا چکے ہیں ،ان میں سے بعض شہداء کے اسماء گرامی اس طرح ہیں:

ا۔خاندانِ عقیل بن ابی طالبؑ سے:

ا۔عبداللہ بن مسلم بن عقیل ۲۔محمد بن مسلم بن عقیل ۳۔جعفر بن عقیل
۴۔عبدالرحمٰن بن عقیل ۵۔عبداللہ بن عقیل ۶۔محمد بن ابی سعید بن عقیل، کل چھ افرد

۲۔خاندانِ جعفر بن ابی طالب سے:

ا۔عون بن عبداللہ بن جعفر ۲۔محمد بن عبداللہ بن جعفر ۳۔عبیداللہ بن عبداللہ بن جعفر ۴۔قاسم بن محمد بن جعفر بن ابی طالبؑ کل چار افراد۔

۳۔اولادِ امام حسن علیہ السلام سے:

ا۔قاسم بن الحسن ۲۔ابوبکر بن الحسن ۳۔عبداللہ بن الحسن کل تین افراد
۴۔حسن بن الحسن (حسن مثنیٰ) البتہ جہاد کرتے ہوئے شدید زخمی ہو کر گرے دشمن نے سمجھا کہ شہید ہو گئے ہیں، مگر بعد میں ان کے مادری رشتہ داروں نے شہداء کے لاشوں میں سے اٹھایا اور اپنے ساتھ کوفہ لے گئے، علاج معالجہ کے بعد جب تندرست ہوگئے تو مدینہ تشریف لے گئے (اسی لئے بعض مورخین انہیں شہداء میں شمار نہیں کرتے)

۴۔اولادِ امیرالمومنین علیہ السلام

ا۔ابوالفضل العباسؑ بن امیرالمومنینؑ (فرزند ام البنین)
۲۔عبداللہ بن علیؑ (فرزند ام البنین) ۳۔عثمان بن علیؑ (فرزند ام البنین)
۴۔جعفر بن علیؑ (فرزند ام البنین) ۵۔ابوبکر بن علیؑ ۶۔محمد بن علی ۷۔عباس اصغرؑ (بروایتے شب عاشور شہید ہو گئے) ۸۔محمد بن عباس بن علی
کل آٹھ افراد

۵۔ اولادِ حسینؑ بن علیؑ سے:

ا۔ علی اکبرؑ ۲۔ علی اصغرؑ کل دو افراد

امام مظلومؑ کا استغاثہ:

جب امام عالی مقام کے تمام یار وانصار اور افرادِ اہلِ بیت اطہار علیہم السلام اپنے امامؑ کے آگے اپنی جانوں کا نذرانہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کر چکے تو اب زہراؑ کا لعل بے یارومددگار رہ گیا، نہ کوئی حامی نہ کوئی ناصر!! یا مخدراتِ عصمت ہیں یا معصوم اور کمسن بچے!! سید سجاد امام زین العابدینؑ ہیں تو بسترِ بیماری پر غشی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں، اگر میدان کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو اصحاب واحباب کے خاک وخون میں غلطان لاشے ہیں یا پھر دشمن کا ٹڈی دَل لشکر ہے، ادھر خیام میں مخدراتِ عصمت بے تاب ہیں امام مظلوم سے یہ حالت دیکھی نہ گئی، دشمن کے لشکر کے سامنے کھڑے ہو کر ان الفاظ میں آوازِ استغاثہ بلند کی (کتاب حیاۃ الامام الحسینؑ جلد۳ ص ۲۷۴)

هَلْ مِنْ نَّاصِرٍ يَّنْصُرُ نَا ؟هَلْ مِن ذَآبٍّ يَّذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ؟هَلْ مِنْ مُّوَحِّدٍ يَّخَافُ اللّٰهَ فِيْنَا؟

ہے کوئی جو ہماری مدد کرے؟ ہے کوئی جو حرم رسول خداؐ کا دفاع کرے؟ آیا تمہارے درمیان کوئی خدا پرست ہے جو ہمارے اوپر ظلم کرنے سے خدا سے ڈرے؟

هَلْ مِن مُّغِيْثٍ يَّرْجُوْا مَاعِنْدَ اللّٰهِ فِي اِغَاثَتِنَا ؟

آیا کوئی ہے جو ہماری فریادرسی پر خدا سے امید رکھتا ہو؟

هَلْ مِن مُّعِينٍ يَّرْجُوا مَاعِنْدَ اللّٰهِ فِيْ اِغَاثَتِنَا ؟

کیا کوئی ہے جو ہماری مدد کرے اور خدا کے اجر وثواب کا امیدوار ہو؟

کتاب الملہوف (ص ۵۱) میں ہے کہ ''امام مظلومؑ کے اس استغاثہ کی آواز سن کر خیام میں کہرام برپا ہو گیا'' اور جب امام زین العابدینؑ نے اپنے بے یار و مددگار باپ کے استغاثہ کی آواز سنی تو بیماری کی وجہ سے کمزوری کے باوجود خیمہ سے باہر آ گئے اور اس قدر کمزور ہو چکے تھے کہ تلوار بھی نہیں اٹھا سکتے تھے، اس کے باوجود بھی آپ میدانِ جنگ کی طرف چل دیئے، آپ کی پھوپھی جناب ام کلثومؑ آپ کو صدائیں دے رہی تھیں کہ ''اے میرے بیٹے! خیام میں واپس آ جاؤ!!'' امام سجادؑ نے فرمایا: ''پھوپھی اماں! آپ مجھے اجازت دیں تا کہ میں فرزند رسول کا دفاع کروں''

ادھر میدان جنگ سے امام مظلومؑ نے جناب ام کلثومؑ سے فرمایا: ''پیاری بہن! انہیں میدان میں نہ آنے دو ورنہ زمین، آل محمدؐ کی نسل سے خالی ہو جائے گی!!''

(بحار الانوار جلد ۴۵ص ۲۶)

اس کے باوجود فوجِ اشقیاء نے امام کے استغاثہ کا کوئی اثر نہ لیا، اسی لئے امام مظلومؑ اپنے باوفا ساتھیوں کے لاشوں کے سامنے آکر کہنے لگے:

''یَاحَبِیْبَ بْنَ مُظَاهِرٍ وَّیَا زُهَیْرَ بْنَ قَیْنٍ !وَیَا مُسْلِمَ بْنَ عَوْسَجه !وَیَا اَبْطَالَ الصَّفَا وَیَا فُرْسَانَ الْهَیْجَآءِ اِمَالِیْ اُنَادِیْکُمْ فَلَا تَسْمَعُوْن ؟ وَاَدْعُوْکُمْ فَلَا تُجِیْبُوْنَ ؟''

اے حبیب بن مظاہر اور اے زہیر بن قین! اے مسلم بن عوسجہ! اے دلیر مردو! اور اے میدان کارزار کے شہسوارو! کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں پکار رہا ہوں اور تم سنتے نہیں؟ تمہیں آوازیں دے رہا ہوں اور تم جواب نہیں دیتے ہو؟

''وَاَنْتُمْ نِیَامٌ اَرْجُوْکُمْ تَنْتَبِهُوْنَ !''

اور تم آرام کی نیند سو رہے ہو، امید ہے کہ جاگ جاؤ گے!!

''فَهٰذِهٖ نِسَآءُ آلِ الرَّسُوْلِ ، فَقَدْ عَلَاهُنَّ مِن بَعْدِكُمُ النُّحُوْلُ ،فَقُوْمُوْا عَنْ نَّوْمَتِكُمْ اَيُّهَا الْكِرَامُ وَادْفَعُوْا عَنْ آلِ الرَّسُوْلِ الطُّغَاةَ اللِّئَام''

''یہ ہیں آل رسولؐ کی مخدرات عصمت جو تمہارے چلے جانے کے بعد اپنے محافظوں اور مددگاروں سے محروم ہو گئی ہیں، اے شریفو! ذرا اپنی نیند سے بیدار ہو جاؤ! اور آل رسولؐ کا ان جفا کار کمینہ فطرت لوگوں سے دفاع کرو!!''

چنانچہ اسی کتاب میں ہے کہ بعض روایات کے مطابق جب بے کس و بے نوا امامؑ کی یہ آواز فضا میں گونجی تو شہداء کے پاک جسم اپنے امامؑ کی نصرت کیلئے تڑپنے لگ گئے اور زبان حال یا لسان مقال سے کہنے لگے: ''ہم آپ کے حکم کی تعمیل کیلئے حاضر ہیں''

خیام سے وداع:

جوں جوں دن گرتا جا رہا تھا اسی قدر امام مظلومؑ پر ظلم اور ستم کے پہاڑ ٹوٹتے جا رہے تھے، اہلِ حرم کے دل کی

دھڑکنوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، اور جب امام مظلومؑ کی صدائے استغاثہ کو سنا تو کہرام بپا ہوگیا، امام خیمہ میں تشریف لائے اور بلند آواز کے ساتھ فرمایا: ''یَا سَکِیۡنَۃُ اِیَافَاطِمَۃُ اِیَازَیۡنَبُ ! یَااُمَّ کُلۡثُوۡمِ! عَلَیۡکُنَّ مِنِّی السَّلَام !! ''اے سکینہ! اے فاطمہ! اے زینبؑ! اور اے ام کلثوم! تم سب پر میرا سلام ہو۔

یہ سن کر امام کی کمسن بچی جناب سکینہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی اور بڑی حسرت کے ساتھ پوچھا: ''بابا! آپ اب مرنے کیلئے بالکل تیار ہو چکے ہیں؟'' تو امامؑ نے فرمایا: ''میری بچی! ایسا کیوں نہ کرے وہ شخص جس کا کوئی حامی رہ گیا ہو نہ مددگار؟'' تو بی بی نے عرض کیا: ''اگر آپ ایسا عزم کر ہی چکے ہیں تو ''رُدَّ اِلٰی حَرَمِ جَدِّنَا !'' ہمیں نانا کے حرم پہنچاتے جائیں'' امام نے فرمایا: ''لختِ جگر! لَوۡتُرِکَ الۡقَطَا لَنَام'' اگر قطا پرندے کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ آرام کر لے۔

_____ (ناظرین! یہ ضرب المثل اس وقت استعمال کی جاتی ہے جب کسی شخص کو ایسے کام پر مجبور کر دیا جائے جسے وہ حد درجہ ناپسند کرتا ہو) _____

غرض یہ سنتے ہی خیام میں کہرام برپا ہوگیا، مخدرات عصمت وطہارت نے بین کرنے شروع کردیئے، امامِ صبرو رضا نے انہیں تسلی دی، خاموش کرایا پھر اپنی بہن سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''ماں جائی! میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ غیرت اور خودداری سے کام لینا'' اتنے میں سکینہ روتی ہوئی امام کے پاس آگئیں، امام اپنی اس بچی سے بہت محبت کیا کرتے تھے، بچی کو گلے لگایا اور اس کے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا:

سَیَطُوۡلُ بَعۡدِیۡ یَا سَکِیۡنَۃُ فَاعۡلَمِی مِنۡکِ الۡبُکَآءُ اِذَا الۡحَمَامُ دَهَانِی
لَاتُحۡرِقِیۡ قَلۡبِی بِدَمۡعِکِ حَسۡرَۃً مَادَامَ مِنِّی الرُّوۡحُ فِیۡ جُثۡمَانِی
فَاِذَا قُتِلۡتُ فَاَنۡتِ اَوۡلٰی بِالَّذِی تَأۡتِیۡنَنِی یَا خَیۡرَۃَ النِّسۡوَانِ

_____ (کتاب نفس المہموم ص ۳۴۶) _____

سکینہؑ بیٹی! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میری شہادت کے بعد تمہارے رونے کی مدت طولانی ہوگی، لہٰذا جب تک کہ میرے جسم میں جان ہے تم میرے دل کو اپنے حسرت کے آنسو سے نہ جلاؤ!
جب میں شہید ہو جاؤں تو اے خواتین میں سے برگزیدہ بیٹی! تو ہی میرا سوگ منانے کی زیادہ حقدار ہوگی۔

(مقتل الحسینؑ مقرم ص ۳۳۷، نفس المہموم، جلاء العیون سے نقل کرتے ہیں کہ)

ثُمَّ اِنَّهٗ وَدَّعَ عِيَالَهٗ وَاَمَرَهُمْ بِالصَّبْرِ وَلُبْسِ الْاَزْرِ وَقَالَ" اسْتَعِدُّوْا لِلْبَلَاءِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ حَامِيْكُمْ وَحَافِظُكُمْ وَسَيُنَجِّيْكُمْ مِنْ شَرِّ الْاَعْدَاءِ وَيَجْعَلُ عَاقِبَةَ اَمْرِكُمْ اِلٰى خَيْرٍ ،وَيُعَذِّبُ عَدُوَّكُمْ بِاَنْوَاعِ الْعَذَابِ ، وَيُعَوِّضُكُمْ عَنْ هٰذِهِ الْبَلِيَّةِ بِاَنْوَاعِ النِّعَمِ وَالْكَرَامَةِ، فَلَا تَشْكُوْا وَلَاتَقُوْلُوْا بِاَلْسِنَتِكُمْ مَايَنْقُصُ مِنْ قَدْرِكُمْ "

امام مظلومؑ نے ایک مرتبہ پھر اہل حرم سے وداع کیا اور انہیں صبر شکیبائی کی تلقین اور طاقت فرسا مصائب برداشت کرنے کی وصیت کی اور فرمایا: ''تمہیں سخت اور ہولناک مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا، لہٰذا جانے رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی اور ناصر ہوگا، اور بہت جلد تمہیں دشمن کے شر سے بچائے گا، اورانجام بخیر فرمائے گا جبکہ تمہارے دشمن کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرے گا، اوران سختیوں اور مصیبتوں کے بدلے میں وہ تمہیں مختلف نعمتیں اور بزرگواریاں عطا فرمائے گا، لہٰذا تم نے (خدا سے) کسی قسم کا گلہ شکوہ نہیں کرنا اور نہ ہی منہ سے کوئی ایسی بات نکالنی ہے جس سے تمہاری شان پر حرف آتا ہو''

سید سجادؑ سے الوداعی ملاقات:

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ حضرت سید الشہداءؑ نے معمول کے مطابق اہلِ حرم سے وداع کیا، پھر اپنے امام بیٹے، حضرت علی بن الحسینؑ (زین العابدین علیہ السلام) کے خیمہ میں تشریف لے گئے، ان حساس لمحات میں زخموں سے چور اور خون آلود جسم کے ساتھ امام حسینؑ نے اپنے فرزند اور اپنے ہونے والے جانشین سے کیونکر ملاقات کی؟ اور وہاں پر موجود باپ بیٹے کے علاوہ معصوم بچوں اور بیوہ اور ستمدیدہ لاچار و بے کس بیبیوں پر کیا گزری؟ خدا ہی بہتر جانتا ہے، اسے زبان یا قلم بیان کرنے سے قاصر ہیں، البتہ مسعودی ''اثبات الوصیۃ کے ص ۱۶۴ میں لکھتے ہیں'' جس کا خلاصہ یہ ہے: ''حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت امام سجادؑ کے ساتھ وداع کرتے ہوئے انہیں کچھ خاص وصیتیں فرمائیں جو امور امامت سے متعلق تھیں اور ساتھ ہی فرمایا کہ امامت سے مخصوص میراث مثلاً صحیفے اور اسلحہ وغیرہ، مدینہ واپس جا کر نانی ام سلمہ سے لے لینا''

خصال صدوق باب اول اور تحف العقول ص ۱۷۶ میں ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: ''بروز عاشورا میرے والد نے مجھے سینے سے لگایا، جبکہ خون آپ کے جسم اطہر سے مسلسل بہہ رہا تھا، اور فرمایا:

فرزند عزیز! مجھ سے وہ دعا یاد کرلو جو مجھے میری ماں زہراؑ نے تعلیم فرمائی تھی اور آنحضرتؐ کے پاس خدا کی طرف

سے جبرائیلؑ لے کر آئے تھے" اور کہا: "سخت حاجات اور رنج و غم کے وقت عظیم مصیبت کے وقت اس دعا کو پڑھوں:

"بِحَقِّ یٰسٓ وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ وَبِحَقِّ طٰہٰ وَالْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ ،یَامَنْ یَّقْدِرُ عَلٰی حَوَائِجِ السَّآئِلِیْنَ ،یَامَنْ یَّعْلَمُ مَا فِی الضَّمِیْرِ ،یَا مُنَفِّسَ عَنِ الْمَکْرُوْبِیْنَ یَا مُفَرِّجَ عَنِ الْمَغْمُوْمِیْنَ ، یَارَاحِمَ الشَّیْخِ الْکَبِیْرِ ،یَارَازِقَ الطِّفْلِ الصَّغِیْرِ ، یَا مَنْ لَّا یَحْتَاجُ اِلَی التَّفْسِیْرِ ،صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَّافْعَلْ بِی ___ کذا کذا ___"

یعنی یٰس والقرآن الحکیم اور طٰہٰ والقرآن العظیم کے واسطے سے، اے وہ ذات جو اپنے سے مانگنے والوں کی حاجات کو پورا کرنے کی قدرت رکھتی ہے! اے وہ عظیم ہستی جو دلوں کے رازوں کو جانتی ہے! اے وہ اللہ جو غم زدوں کے دلوں سے غم کو دور فرماتا ہے! اے خستہ حال بوڑھوں پر رحم کرنے والے! اور اے چھوٹے معصوم بچوں کو رزق عطا کرنے والے! اے وہ جسے کسی قسم کی تفسیر کی ضرورت نہیں! تو حضرات محمد و آل محمدؐ پر درود بھیج اور میری حاجتوں کو پورا فرما!!

حضرت امام محمد باقرعلیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے بوقت شہادت مجھے اپنے گلے سے لگا کر فرمایا:

"بیٹے میں تمہیں وہی وصیت کرتا ہوں جو میرے والد حسین مظلومؑ نے مجھے بوقت شہادت فرمائی تھیں ان میں سے یہ بھی تھی کہ "یَا بُنَیَّ اِیَّاکَ وَظُلْمَ مَنْ لَّا یَجِدُ عَلَیْکَ نَاصِراً اِلَّا اللّٰہَ" اے فرزند عزیز! اس شخص پر ظلم سے بالکل پرہیز کرنا جس کا خدا کے سوا کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔

بہر حال مظلوم کربلا، سلطان بے سپاہ سب سے وداع کرنے کے بعد تن تنہا میدان جنگ میں تشریف لائے جبکہ تلوار کو نیام سے نکالا ہوا تھا، سیدھے دشمن کے سامنے آ کر یہ اشعار پڑھنا شروع کیے:

اَنَا ابْنُ عَلِیِّ نِ الطُّھْرِ مِنْ آلِ ھَاشِمٍ
کَفَانِیْ بِھٰذَا مَفْخَرًا حِیْنَ اَفْخَرُ
وَجَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَکْرَمُ مَنْ مَّشٰی
وَنَحْنُ سِرَاجُ اللّٰہِ فِی الْخَلْقِ نَزْھَرُ
وَفَاطِمُ اُمِّیْ مِنْ سُلَالَۃِ اَحْمَدٍ
وَعَمِّیْ یُدْعٰی ذَالْجَنَاحَیْنِ جَعْفَرُ

وَفِیْنَا کِتَابُ اللّٰہِ اُنْزِلَ صَادِقًا
وَفِیْنَا الْھُدیٰ وَالْوَحْیُ بِالْخَیْرِ یُذْکَرُ
وَنَحْنُ اَمَانُ اللّٰہِ فِی الْخَلْقِ کُلِّھِمْ
نَطُوْلُ بِھٰذَا فِی الْاَنَامِ وَنَجْھَرُ
وَ نَحْنُ وُلَاۃُ الْحَوْضِ نُسْقِیْ وُلَاتَنَا
بِکَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَالَیْسَ یُنْکَرُ
وَشِیْعَتُنَا فِی النَّاسِ اَکْرَمُ شِیْعَۃٍ
وَمُبْغِضُنَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَخْسَرُ

ا۔ میں خاندانِ ہاشم سے علیؑ پاک کا فرزند ہوں، جب بھی میں اس بات پر فخر کرتا ہوں تو یہی فخر میرے لیے کافی ہوتا ہے۔

۲۔ میرے جد بزرگوار، اللہ کے رسولؐ ہیں جو ان تمام لوگوں سے بہتر ہیں جو روئے زمین پر چل رہے ہیں، اور ہم اللہ کی مخلوق میں اس کے روشن چراغ ہیں۔

۳۔ میری ماں فاطمہ زہرا (ع) ہیں جو احمد مجتبیٰؐ کی پاکیزہ نسل ہیں اور میرے چچا جناب جعفر طیارؑ ہیں جو دو پروں کے حامل ہیں۔

۴۔ ہمارے ہی درمیان میں اللہ کی کتاب صدق وصفا کے ساتھ اتاری گئی ہے اور ہمارے ہی درمیان میں ہمیشہ ہدایت اور وحی کا ذکر خیر ہوتا رہتا ہے۔

۵۔ ہم ہیں اللہ کی تمام مخلوق میں اللہ کی امان اور ہم ہی اسی حقیقت کو عیاں اور پنہاں دونوں صورتوں میں بیان کرتے رہتے ہیں۔

۶۔ ہم ہی حوض کوثر کے مالک ہیں اور ہم ہی اپنے دوستوں کو اس سے سیراب کریں گے۔

۷۔ ہمارے شیعہ اور پیروکار ہی دوسرے تمام لوگوں کے پیروکاروں سے اعلیٰ اور افضل ہیں، اور ہمارے دشمن ہی قیامت کے دن خسارہ اٹھائیں گے۔

(احتجاج طبرسی جلد ۲ ص ۱۰۳)

(مقتل الحسینؑ مقرم، ص ۲۷۴ میں ہے کہ) اس کے بعد امامؑ نے مبارز طلبی کی اور دشمن کو جنگ کے لئے للکارا

چنانچہ جو بھی سامنے آتا اسے واصل جہنم کرتے، اس طرح کافی اشقیاء کو تہہ تیغ کیا پھر یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن کے میمنہ لشکر پر حملہ کر دیا۔

اَلْمَوْتُ اَوْلیٰ مِنْ رُّکُوْبِ الْعَارِ   وَالْعَارُ اَوْلیٰ مِنْ دُخُوْلِ النَّارِ

ننگ و عار کے ساتھ آلودہ ہونے سے موت بہتر ہے، اور جہنم میں جانے سے عار کی زندگی بہتر ہے، اس کے بعد یہ شعر پڑھ کر دشمن کے میسرہ پر حملہ کر دیا۔

اَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیّ   آلَیْتُ اَنْ لَّا اَنْثَنِی

اَحْمِی عِیَالَاتِ اَبِی   اَمْضِی عَلٰی دِیْنِ النَّبِی

میں ہوں علیؑ بن ابی طالبؑ کا فرزند حسینؑ، میں نے قسم کھالی ہے کہ تمہارے سامنے سر تسلیم خم نہیں کروں گا، میں اپنے والد کے اہل و عیال کی ہر ممکن حفاظت کروں گا اور نبی مصطفیؐ کے دین پر گامزن رہتے ہوئے جان قربان کر دوں گا۔

جبکہ خوارزمی اپنی کتاب مقتل (جلد۲ص۳۳) میں کہتے ہیں امام ان اشعار کو بھی حملہ کرتے ہوئے پڑھ رہے تھے۔

کَفَرَ الْقَوْمُ وَقِدْمًا رَغِبُوْا

عَنْ ثَوَابِ اللّٰہِ رَبِّ الثَّقَلَیْنِ

قَتَلُوْا قِدْمًا عَلِیًّا وَّ ابْنَہٗ

حَسَنَ الْخَیْرِ وَجَآءُ وَالِلْحُسَیْنِ

خِیَرَۃُ اللّٰہِ مِنَ الْخَلْقِ اَبِی

بَعْدَ جَدِّیْ وَاَنَا ابْنُ الْخِیَرَتَیْنِ

ا۔ یہ لوگ کفر اختیار کر چکے ہیں اور پہلے بھی یہ جن و انس کے خدا کے ثواب سے منہ موڑ چکے ہیں۔

۲۔ وہ پہلے بھی (میرے بابا) علیؑ اور ان کے نیک سیرت فرزند حسن (مجتبیٰؑ) کو قتل کر چکے ہیں، اور اب حسینؑ کے قتل کیلئے آ گئے ہیں۔

۳۔ میرے نانا کے بعد میرے بابا ہی خدا کے برگزیدہ ترین لوگوں میں سے ہیں اور میں ان دونوں برگزیدہ ہستیوں کا فرزند ہوں۔

مورخین لکھتے ہیں کہ، امام نے حملہ کر کے ساڑھے نو سو اشقیاء کو واصل جہنم کیا، جبکہ زخمی ان سے کئی گنا زیادہ تھے۔

اس دوران میں عمر بن سعد نے زور زور سے اپنے لشکریوں سے کہا: ''تمہارا برا ہو! جانتے ہو کہ کس سے جنگ کررہے ہو؟'' ھٰذَا ابْنُ الْاَنْزَعِ الْبَطِیْنِ، ھٰذَا ابْنُ قَتَّالِ الْعَرَب '' یہ علی مرتضیٰؑ کا بیٹا ہے، یہ عربوں کے قاتل کا فرزند ہے، اس پر چاروں طرف سے حملہ کردو'' چنانچہ (مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۱۱۰) میں ہے کہ، یہ فرمان سن کر ایک سو اسی (۱۸۰) لوگوں نے نیزوں اور چار ہزار سپاہیوں نے تیروں کے ساتھ آپ پر حملہ کردیا۔

(مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ ص ۱۱۰)

دریائے فرات میں:

امامؑ نے دریائے فرات پر متعین چار ہزار لشکر کے ساتھ اعور سلمی اور عمرو بن حجاج زبیدی پر حملہ کر کے اپنے راہوار کو دریائے فرات میں ڈال دیا، گھوڑے نے جونہی اپنا سر جھکایا تو امام نے فرمایا:

''تو بھی پیاسا ہے اور میں بھی پیاسا ہوں، میں اس وقت تک پانی نہیں پیوں گا جب تک تو نہیں پی لے گا'' راہوار نے امامؑ کی بات سن کر پانی نہیں پیا اور سر اٹھالیا، گویا اس نے امامؑ کی باتوں کو سمجھ لیا تھا، امامؑ نے اسے فرمایا: ''پہلے تو پی لے تا کہ میں تمہارے بعد پیوں!'' پھر امامؑ نے اپنا ہاتھ پانی کی طرف بڑھایا اور چلو میں پانی لیا ہی تھا کہ شمر نے بکواس کرتے ہوئے کہا: ''خدا کی قسم ہم تمہیں پانی نہیں پینے دیں گے!'' ساتھ ہی ایک اور شخص نے کہا: ''حسینؑ! دیکھ رہے ہو نا فرات کو؟ کہ کس طرح شکم ماہی کی طرح موجزن ہے، مگر خدا کی قسم! تم اس سے ایک گھونٹ بھی نہیں پی سکتے ہو تا آنکہ تشنہ لبی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوجاؤ!!''

یہ سن کر امامؑ نے بارگاہِ رب العزت میں دعا کی:

''خدایا اسے پیاس کی موت سے مار!!''

چنانچہ لکھتے ہیں کہ وہ شخص اسی وقت ایسا پیاسا ہوا کہ پانی، پانی کی فریاد کرنے لگا، اسے جس قدر پانی پلایا جاتا پیاس بجھنے میں نہیں آتی تھی، اس قدر پانی پیتا تھا کہ اس کے منہ سے گرنے لگ جاتا تھا، مگر پیاس تھی کہ بجھنے میں نہیں آتی تھی، اور وہ یہی کہتا تھا کہ: ''' مجھے پانی پلاؤ کہ پیاس مجھے مارے جارہی ہے !!! اسی حالت میں وہ جہنم واصل ہوا''

(مقاتل الطالبیین ص ۸۶)

غرض آپ نے چلو میں پانی لیا ہی تھا کہ دشمن کے ایک گھوڑے سوار نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا: ''اے ابا عبد

اللہ! تم پانی کی سوچ رہے ہو ادھر خیام پر حملہ ہو گیا ہے"

یہ سن کر امام دریا سے باہر آ گئے اور اپنے کو گھیرے میں لینے والے سواروں پر حملہ کر کے محاصرہ کو توڑا اور سیدھے خیام کی طرف واپس آ گئے، دیکھا کہ خیمے دشمن کی دستبرد سے محفوظ ہیں"

(مناقب ابن شہر آشوب جلد۴ ص ۵۸)

آخری خطبہ:

اب وقتِ آخر قریب آ گیا تھا، فرزند رسولؐ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی شخص میرے قتل کی وجہ سے جہنم میں جائے، لہٰذا آپ نے ایک مرتبہ پھر کوشش کی کہ انہیں سمجھائیں اور اپنے قتل سے باز رکھیں، میدان کی طرف آئے اور دشمن کی طرف منہ کر کے انہیں ان الفاظ کے ساتھ نصیحت کی

عِبَادَ اللّٰہِ! اِتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مِنَ الدُّنْیَا عَلٰی حَذَرٍ، فَاِنَّ الدُّنْیَا لَوْ بَقِیَتْ لِاَحَدٍ وَّبَقِیَ عَلَیْھَا اَحَدٌ لَّکَانَتِ الْاَنْبِیَآءُ اَحَقُّ بِالْبَقَآءِ وَاَوْلٰی بِالرِّضَا، وَاَرْضٰی بِالْقَضَآءِ، غَیْرَ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ الدُّنْیَا لِلْبَلَآءِ وَخَلَقَ اَھْلَھَا لِلْفَنَآءِ، فَجَدِیْدُھَا بَالٍ، وَنَعِیْمُھَا مُضْمَحِلٌّ، وَسُرُوْرُھَا مُکْفَھِرٌّ اَلْمَنْزِلُ بُلْغَۃٌ، وَالدَّارُ قُلْعَۃٌ، فَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی، وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ.

اے اللہ کے بندو! خدا کا تقویٰ اختیار کرو اور دنیا سے بچ کر رہو، کیونکہ اگر دنیا کسی کے لئے باقی رہتی یا کوئی دنیا میں جاویدانی طور پر رہتا تو تمام لوگوں سے زیادہ انبیاء اس بات کے مستحق تھے اور وہ اپنے معبود سے بھی سب سے زیادہ راضی تھے، لیکن خداوند تعالیٰ نے دنیا کو ابتلاء وآزمائش کے لئے پیدا کیا ہے اور دنیا والوں کو فنا کے لئے خلق فرمایا ہے، دنیا کی ہر نئی چیز بوسیدہ ہو جائے گی اس کی نعمتیں ختم ہو جائیں گی اور اس کا سرور تلخی میں بدل جائے گا، دنیا، رہائش کرنے کی جگہ نہیں بلکہ توشہ کے حصول کا مقام ہے، لہٰذا تم یہاں سے آخرت کے لئے توشہ تیار کر کے جاؤ، کیونکہ بہترین توشہ تقویٰ ہے، اور خدا کے تقویٰ کی عادت کر لو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔ (حیاۃ الامام الحسینؑ جلد۳ ص ۲۱۲)

آخری وداع

(کتاب نفس المہموم ص ۵۵ میں ہے کہ) اس کے بعد امام عالی مقامؑ ایک مرتبہ پھر خیام کے اندر تشریف لے

گئے اور اپنے اہلِ بیتؑ سے وداع کیا، انہیں صبر کی تلقین کی اجرِ الٰہی اور ثواب کا وعدہ دیا، اور حکم دیا کہ اپنا لباسِ سفر پہن لو اور مصیبتوں کے برداشت کرنے کے لئے مکمل طور پر تیار ہو جاؤ! تمہیں معلوم ہو جانا چاہئے خدا تمہارا حامی اور مددگار ہے تمہیں بہت جلد دشمن کے شر سے نجات دے گا، اور انجام بخیر ہوگا اور تمہارے دشمنوں کو مختلف مصیبتوں اور پریشانیوں میں جکڑ دے گا، تمہیں برداشت کرنے کے بدلے میں انواع واقسام کی نعمتوں سے نوازے گا، شرف اور بزرگی میں اضافہ فرمائے گا، پس تم نے نہ تو خدا کا کوئی شکوہ کرنا ہے اور نہ ہی کوئی ایسی بات منہ سے نکالنی ہے جو تمہاری شان کے خلاف ہو"

اس کے بعد فرمایا:

"بہن زینبؑ! اِیۡتِیۡنِی بِلِبَاسٍ لَّا یُرۡغَبُ فِیۡهِ" مجھے وہ لباس لادو جس کی طرف کوئی رغبت نہ کرے تاکہ میں اسے اپنے لباس کے نیچے پہن لوں اور وہ اسے جسم سے نہ اتاریں"

جس پر آپ کو ایک پرانا لباس دیا گیا، آپ نے اسے مزید پارہ پارہ کر کے زیب تن کیا (الملہوف ص ۵۱) اور میدان کی طرف جانے لگے تو دیکھا کہ ایک معصوم بچی تمام بی بیوں سے ہٹ کر ایک کونے میں بیٹھی بین کر رہی تھی، امام کا دل بھر آیا اس بچی کے پاس گئے، اسے تسلی دی پیار کیا گلے سے لگایا اور زبانِ حال سے فرمایا:

هٰذَا الۡوِدَاعُ عَزِیۡزَتِیۡ وَالۡمُلۡتَقٰی

یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ عِنۡدَ حَوۡضِ الۡکَوۡثَرِ

فَدَعِی الۡبُکَآءَ وَلِلۡاِسَارَةِ هَیِّئِیۡ

وَاسۡتَشۡعِرِی الصَّبۡرَ الۡجَمِیۡلَ وَبَادِرِیۡ

وَاِذَا رَاَیۡتِیۡنِیۡ عَلٰی وَجۡهِ الثَّرٰی

دَامِی الۡوَرِیۡدِ مُبَضَّعًا فَتَصۡبِرِیۡ

اے میری عزیز بچی! میرا یہ آخری وداع ہے اور پھر ملاقات قیامت کے دن، حوضِ کوثر کے کنارے ہوگی، بیٹی رونا چھوڑ کر قیدی بننے کی تیاری کرو اور دیر نہ کرو صبرِ جمیل کو اپناؤ اور جب میرے پارہ پارہ بدن کو روئے زمین پر، رگوں سے جاری خون کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا تو صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا

ایک بار پھر خیام پر حملہ:

(مقتل الحسینؑ مقرم ص ۲۷۷ میں ہے) ابھی امامؑ مظلوم اپنے اہل بیتؑ سے آخری وداع کرنے میں مشغول

تھے ہی کہ عمر سعد ملعون نے فوج اشقیاء کو حکم دیا کہ ''جب تک حسینؑ خیموں میں اپنے اہل بیتؑ سے وداع کرنے میں لگے ہوئے ہیں ان پر حملہ کردو، کیونکہ اگر وہ ان سے فارغ ہوگئے تو تمہیں ایسا منتشر کردیں گے کہ پتہ نہیں چل سکے گا کہ میسرہ والے کون ہیں اور میمنہ والے کون؟''

عمر ملعون کا حکم سن کر ظالموں نے یک بارگی خیام پر تیروں کی بارش کردی، حتیٰ کہ تیر، طنابوں کو کاٹ کر اور چادروں کو پارہ پارہ کرکے خیام کے اندر پہنچنے لگے اور مخدرات عصمت کے لباس تک کو پارہ پارہ کرنے لگے یہ دیکھ کر امام فوراً خیام سے باہر آگئے اور غضبناک شیر کی مانند علیؑ کے لعل نے ان پر حملہ کردیا، تیروں کی بارش کی پرواہ نہیں کی تیروں کو سینے پر لیا اور آگے بڑھنے لگے، اس عالم میں امام عالی مقامؑ نے کوفیوں کو مخاطب کرکے فرمایا:

''تم مجھ سے کس لئے لڑ رہے ہو؟ آیا میں نے کسی کے حق کو نظر انداز کردیا ہے؟ آیا کسی سنت کو تبدیل کردیا ہے؟ آیا کوئی شریعت میں تبدیلی کی ہے؟''

سپاہ یزید نے جواب دیا، ایسی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ ہم اس کینے کی وجہ سے آپ سے جنگ کررہے ہیں جو ہمارے سینوں میں موجود ہے، جو تمہارے باپ نے بدر و حنین کے موقعہ پر ہمارے بزرگوں کو قتل کرکے ہمارے لئے پیدا کیا ہے۔ (الامام الحسینؑ واصحابہ ص ۳۶)

کتاب ذریعۃ النجاۃ گرم رودی ص ۱۳۴ میں ہے کہ جب امامؑ نے ان کی زبانی یہ باتیں سنیں تو آپ سے گریہ ضبط نہ ہوسکا، خوب روئے پھر دائیں بائیں دیکھا کوئی یار وانصار نظر نہ آیا، سب جام شہادت نوش کرکے خاک وخون میں غلطاں روئے زمین پر محو آرام تھے۔

تین شعبہ تیر

جنگ کی شدت، گرمی کا عروج، زخموں کی کثرت اور پیاس کا غلبہ، یہ سب عوامل مل کر کسی کی موت کیلئے کافی ہوتے ہیں، مگر کیا کہنے فرزند زہراؑ کے حوصلے، صبر اور تحمل کے، سب کچھ برداشت کرنے کے ساتھ صبر اور شکر کا ورد زبان پر جاری ہے، چاہتے ہیں کہ تھوڑی دیر آرام کرلیں مگر ہائے مظلومی کہ ایک شخص نے نشانہ لے کر مظلوم کی پیشانی پر ایسا پتھر مارا کہ خون کے فوارے پھوٹنے لگ گئے، چاہا کہ عبا کے دامن کے ساتھ خون کو چہرے سے صاف کریں کہ اتنے میں زہر میں بجھا ہوا ایک تین شعبہ تیر آپ کے سینے کو آلگا اور پار ہوگیا، جہاں پر سکینہ آرام کیا کرتی تھی۔

بعض روایات کے مطابق وہ تیر آپ کے قلب مبارک میں پیوست ہوگیا۔

امام مظلومؑ نے "بِسمِ اللّٰہِ وَباللّٰہِ وَعَلیٰ مِلَّۃِ رَسُولِ اللّٰہِ" کہہ کر آسمان کی طرف منہ کر کے عرض کیا:
"خداوندا تو بہتر جانتا ہے کہ یہ لوگ اس شخص کے قتل کے درپے ہیں جس کے علاوہ روئے زمین پر تیرے پیغمبرؐ کا نواسہ موجود نہیں ہے"

اس کے بعد آپ نے جھک کر وہ تیر اپنی پشت سے نکالا جس کے باہر آتے ہی خون کے پرنالے جاری ہو گئے، وہ خون آپ نے اپنے ہاتھوں میں لیا اور آسمان کی طرف پھینک دیا جس سے ایک قطرہ واپس نہیں آیا، پھر دوسری مرتبہ ہاتھوں میں لے کر اپنی ریش اقدس اور چہرہ مبارک کو رنگین کیا، اور فرمایا: "اسی حالت میں اپنے نانا رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کروں گا" "نانا رسولؐ! یہ ہے تیری امت کا میرے ساتھ سلوک"

(بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۵۳)

پھر خیام پر حملہ:

مقتل الحسینؑ خوارزمی (جلد ۲ ص ۳۳) میں ہے کہ شیر خدا کا فرزند، جرأت و شجاعت رسولؐ کا وارث حسینؑ یہ ظاہری زخم کھا کر ابھی سنبھلا ہی نہیں تھا کہ دشمنوں نے آپ کو یکدم روحانی صدمے سے دوچار کرنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ وہ آپ کے اور خیام کے درمیان حائل ہو گئے اور خیام پر حملہ کر دیا، یہ کیفیت دیکھ کر غیور امام تڑپ گیا اور بلند آواز کے ساتھ فرمایا:

"یَا شِیعَۃَ آلِ اَبِیْ سُفیَانَ اِن لَّم یَکُن لَّکُمْ دِینٌ وَّکُنتُم لَاتَخَافُونَ الْمَعَادَ فَکُونُوا اَحرَاراً فِی دُنیَاکُم وَارْجِعُوا اِلیٰ اَحسَابِکُم اِنْ کُنتُم عُرُباً کَمَاتَزعَمُونَ ...... اَنَا الَّذِیْ اُقَاتِلُکُمْ وَتُقَاتِلُونِیْ وَالنِّسَآءُ لَیسَ عَلَیْہِنَّ جُنَاحٌ فَامْنَعُوا عُتَاتَکُم عَنِ التَّعَرُّضِ لِحَرَمِی مَادُمْتُ حَیّاً"

اے خاندان ابوسفیان کے شیعو! اور آلِ ابوسفیان کے پیروکارو!! اگر تمہارا کوئی دین دھرم نہیں ہے اور نہ ہی تمہیں قیامت کے دن کا خوف ہے، کم از کم دنیوی شرافت کا ثبوت تو دو، اور دنیا میں آزاد مرد بن کر رہو، اگر تم خود کو عرب کہتے ہو تو تم اپنے اسلاف کی طرف نگاہ دوڑاؤ اور اپنے انسانی شرف کو تو بچا کر رکھو......"

اس موقع پر شمر ملعون نے آپ کی بات کاٹتے ہوئے کہا: "مَاتَقُولُ یَاحُسَینُ!" "حسینؑ کیا کہتے ہو؟ امامؑ نے

فرمایا:

''میں کہتا ہوں کہ میں تم سے لڑ رہا ہوں اور تم مجھ سے جنگ کر رہے ہو، ان مستورات کا تو کوئی قصور نہیں، ابھی میں زندہ ہوں، ان سرکش لوگوں کو خیام پر حملے سے باز رکھو''

شمر نے کہا: ''لَکَ ذَالِکَ یَابْنَ فَاطِمَۃَ!'' ایسا ہی ہوگا اے فرزند زہراؑ!

پھر اس نے اپنے سپاہیوں کو بلا کر کہا:

''اِلَیْکُمْ عَنْ حَرَمِ الرَّجُلِ وَاقْصُدُوْہُ بِنَفْسِہٖ فَلِعُمْرِی لَھُوَ کُفُوٌ کَرِیْم'' اس شخص کے حرم اور سرا پردے سے ہٹ جاؤ اور اپنے حملے کا نشانہ خود اسے ہی بناؤ، مجھے اپنی جان کی قسم وہ شریف خاندان کا فرد ہے''

یہ سننا تھا کہ پوری فوج کے تمام اسلحہ کا رخ ایک تن مجروح کی طرف ہوگیا، ایک بھوکا پیاسا زخموں سے چور انسان، تیروں، تلواروں، نیزوں، پتھروں اور گرم ریت کی مٹھیوں کا نشانہ بن چکا تھا۔

(ملہوف ص ۵۰ اور بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۵۱ میں ہے کہ) اس وقت ساقی کوثر کے پیاسے بیٹے نے ایک گھونٹ پانی مانگا مگر کسی نے نہ دیا بلکہ اس کے بدلے میں جسمِ نازنین پر تیروں کے بہتر (۷۲) کاری زخم لگائے۔

مورخین کا کہنا ہے کہ امامؑ کے مبارک بدن میں اس قدر تیر لگ چکے تھے کہ آپ کی زرہ چھلنی ہو چکی تھی اور تیروں میں تیر پیوست ہو چکے تھے، اور یہ سب جسم کے سامنے اور اگلے حصے میں لگے ہوئے تھے۔

______ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ ص ۱۱۱) ______

اب دن کافی گزر چکا تھا، کوئی نہیں چاہتا تھا کہ امام مظلومؑ کے قتل سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کرے اور ابدی لعنت کا مستحق قرار پائے، اتنے میں شمر نے چیخ کر کہا: ''تمہارا ستیاناس! تمہاری مائیں تمہارے غم میں روئیں، اب کس چیز کا انتظار ہے؟ پس اسے قتل کر دو!!'' یہ سننا تھا کہ اشقیاء ہر طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑے۔

______ (کامل ابن اثیر جلد ۴ ص ۷۸) ______

(کتاب تظلم الزہراؑ ص ۲۱۱ میں ہے کہ): آپ گھوڑے کی زین سے زمین پر آ گرے!

امامؑ کی مناجات:

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ آپ تین گھنٹے زمین پر پڑے آسمان کی طرف منہ کر کے اس مناجات میں مشغول تھے:

''صَبْرًا عَلٰی قَضَآئِکَ لَا مَعْبُوْدَ سِوَاکَ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ ،مَالِی رَبٌّ سِوَاکَ وَلَامَعْبُوْدٌ غَیْرُکَ ، صَبْرًا عَلیٰ حُکْمِکَ ،یَاغِیَاثَ مَن لَّا غِیَاثَ لَہٗ ، یَا دَآئِمًا لَّا نَفَادَ لَہٗ ، یَا مُحْیِیَ الْمَوتیٰ یَا قَآئِمًا عَلیٰ کُلِّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ ،اُحْکُمْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَھُمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الْحَاکِمِیْنَ''

تیری قضاوقدر پر صبر کیے ہوئے ہوں اے میرے پروردگار! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اے فریاد کرنے والوں کی فریاد کو سننے والے! تیرے سوا میرا کوئی رب اور معبود نہیں، تیرے حکم اور تیری تقدیر پر صابر وشکیبا ہوں اے اس کی فریاد کو پہنچنے والے جس کا کوئی فریاد رس نہیں ہے، اے ہمیشہ زندہ کہ جس کی کوئی انتہا نہیں ہے، اے مُردوں کو زندہ کرنے والے! اے وہ ذات کہ جو ہر شخص کی اس کے اعمال کے مطابق پرکھ کرتا ہے!! میرے اور ان لوگوں کے درمیان تو ہی فیصلہ فرما! کیونکہ تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے!!''

(کتاب ''لہوف'' میں ہے کہ امامؑ نے پھر اپنا نورانی چہرہ تپتی ہوئی ریت پر رکھ دیا اور فرمایا:

''بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَعَلیٰ مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ''

اتنے میں عمر سعد نے حکم دیا کہ جلدی سے اسے قتل کر دو تو چالیس آدمی آگے بڑھے کہ آپ کا سرتن سے جدا کر دیں ،شبث بن ربعی ہاتھ میں تلوار لے کر امامؑ کے قریب پہنچا کہ آپ کو شہید کرے، ایک مرتبہ امامؑ نے جلالت مآب نگاہوں کے ساتھ اس کی طرف دیکھا، جس کی وجہ سے اس کے دل میں اس قدر خوف طاری ہو گیا کہ وہ تلوار وہیں پر چھوڑ کر چیختے ہوئے بھاگ کھڑا ہوا ___ (تظلم الزہرا ص ۲۱۱) ___

امامؑ پھر سوار ہو کر آگے بڑھے

امامؑ کی ایک اور مناجات:

لمحہ بہ لمحہ حالات سخت سے سخت تر ہوتے جا رہے تھے، اب امام مظلومؑ نے اپنا مبارک سر آسمان کی طرف کر کے ان الفاظ میں دعا کی:

(جیسا کہ مقتل الحسین مقرم ص ۲۸۲ میں ہے)

''اَللّٰھُمَّ مُتَعَالِیَ الْمَکَانِ، عَظِیْمَ الْجَبَرُوْتِ ، شَدِیْدَ الْمِحَالِ ،غَنِیٌّ عَنِ الْخَلَآئِقِ،

عَـرِیْـضَ الْـکِبْرِیَآءِ ، قَادِرٌ عَلٰی مَاتَشَآءُ ،قَرِیْبَ الرَّحْمَةِ، صَادِقَ الْوَعْدِ ،سَابِغَ النِّعْمَةِ، حَسَـنَ الْبَلَآءِ قَـرِیْـبٌ اِذَا دُعِـیْتَ ،مُحِیْطٌ بِمَا خَلَقْتَ، قَابِلَ التَّوْبَةِ لِمَنْ تَابَ اِلَیْکَ ، قَـادِرٌ مَّآ اَرَدْتَّ ، تُدْرِکُ مَا طَلَبْتَ ،شَکُوْرٌ اِذَا شُکِرْتَ ،ذَکُوْرٌ اِذَا ذُکِرْتَ، اَدْعُوْکَ مُـحْتَـاجـاً، وَاَرْغَـبُ اِلَیْکَ فَـقِیْراً ، وَاَفْزَعُ اِلَیْکَ خَآئِفاً وَّاَبْکِیْ مَکْرُوْباً ،وَاَسْتَعِیْنُ بِکَ ضَـعِیْـفًا ،وَاَتَـوَکَّـلُ عَـلَیْـکَ کَـافِیاً،اَللّٰھُمَّ احْکُمْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَافَاِنَّھُمْ غَرُّوْنَا وَخَذَلُوْنَا وَغَدَرُوْابِنَا وَنَحْنُ عِتْرَةُ نَبِیِّکَ وَوُلْدُ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ (ص)الَّذِی اصْطَفَیْتَهٗ بِـالـرِّسَـالَةِ وَائْتَـمَـنْتَـهٗ عَـلَـی الْـوَحْـیِ فَـاجْـعَل لَّنَا مِنْ اَمْرِنَا فَرَجًا وَّمَخْرَجًا ،یَآاَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ "

اے وہ اللہ کہ جس کا مرتبہ بہت بلند ہے، جو عظیم قدرت اور سلطنت کا مالک ہے، شدید عقاب اور تدبیر تیرے قبضے میں ہے، تمام مخلوق سے بے نیاز ہے، وسیع وعریض کبریائی کا مالک ہے، جو چاہتا ہے اسی پر قدرت رکھتا ہے، تیری رحمت قریب اور تو وعدے کا سچا ہے، تیری نعمتیں کامل اور آزمائشیں بھلی ہیں، جب تو پکارا جاتا ہے تو قریب ہوتا ہے، اور اپنی مخلوق کو احاطے میں لیے ہوئے ہے، توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے، جس کے بارے میں جو ارادہ کرتا ہے اسی پر قادر بھی ہے، جس کا طالب ہوتا ہے اسے حاصل کرلیتا ہے، شکر گزاروں کے شکر کی جزا عطا کرتا ہے اور جب تجھے یاد کیا جاتا ہے تو تو بھی یاد کرتا ہے۔

(میرے مالک!) میں تیرا محتاج ہو کر تجھ سے سوال کرتا ہوں، فقیر بن کر تیری طرف راغب ہوں ،خوف وہراس کے عالم میں تیری پناہ کا طالب ہوں، سختیوں میں گھر کر آہ وبکاء کر رہا ہوں، ضعف اور ناتوانی کی صورت میں تجھ سے مدد مانگ رہا ہوں، تجھے اپنے لئے کافی سمجھ کر تجھ پر توکل کئے ہوئے ہوں۔

بارالہا! تو ہمارے درمیان اور اس قوم کے درمیان خود ہی فیصلہ فرما، الوگوں نے ہم سے دغابازی کی اور ہمیں تنہا چھوڑ دیا، جبکہ ہم تیرے نبی کی آل ہیں اور تیرے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں، جس پیغمبرؐ کو تو نے رسالت کیلئے منتخب فرمایا اور اپنی وحی کا امین قرار دیا، پس ہماری یہی التجا ہے کہ تو ہمارے امور کے لئے آسانی اور کشادگی پیدا کردے اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے!!

(مقتل الحسینؑ مقرم ص۲۸۲)

زندگی کے آخری لمحات

(مقتل الحسینؑ مقرم ص ۲۸۳) میں ہے کہ، اب آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنا سر سجدہ خالق میں زمین پر رکھ دیا اور اپنے معبود کے ساتھ ان الفاظ میں محو مناجات ہو گئے:

”صَبْرًا عَلیٰ قَضَآئِکَ یَارَبِّ! لَااِلٰہَ سِوَاکَ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ مَالِیْ رَبٌّ سِوَاکَ وَلَامَعْبُوْدٌ غَیْرُکَ! صَبْرًا عَلیٰ حِلْمِکَ یَا غِیَاثَ مَنْ لَا غِیَاثَ لَہٗ، یَا دَآئِمًا لَانَفَادَ لَہٗ، یَا مُحْیِ الْمَوْتیٰ یَا قَآئِمًا عَلیٰ کُلِّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ، اُحْکُمْ بَیْنِیْ وَبَیْنَھُمْ، وَاَنْتَ خَیْرُ الْحَاکِمِیْنَ !!“

اے رب! تیری قضا اور تیرے فیصلے پر صبر کیے ہوئے ہوں، تیرے بغیر کوئی معبود نہیں، اے فریاد کرنے والوں کی فریاد کو پہنچنے والے اللہ! میرے لیے تیرے سوا کوئی رب نہیں اور تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اے اس کی فریاد رسی کرنے والے جس کی فریاد رسی کوئی نہیں کرتا میں تیرے حلم اور بردباری پر صابر ہوں، اے وہ ہستی جو ابدی اور دائمی ہے! اے مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے والے! اے وہ جو اپنی تمام مخلوق کے ہر ایک اعمال و افعال اور کردار کا شاہد، آگاہ اور ناظر ہے!! میرے اور ان کے درمیان میں خود ہی فیصلہ فرما کہ تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

مظلوم، بیکس کی شہادت:

تیروں، تلواروں اور نیزوں کے زخموں سے نڈھال، تین دن کے بھوکے پیاسے، عزیزوں کی موت کا داغ دل پر لیے، مخدرات عصمت وطہارت کی چادروں کے چھننے اور قیدی ہونے کے اندیشوں کا دل میں موجزن سمندر لیے حسینؑ کی یہ کیفیت دیکھ کر شمر ملعون نے بلند آواز کے ساتھ اشقیاء کو کہا کہ: ”تمہاری مائیں تمہارے سوگ میں بیٹھیں، کیا دیکھ رہے ہو؟ اس پر ہر طرف سے حملہ کیوں نہیں کرتے؟“

یہ سن کر ایک مظلوم وبیکس انسان پر پوری فوج نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا، حصین بن نمیر ملعون نے نشانہ لے کر ایسا تیر مارا کہ آپ کے دہن اقدس پر جا لگا، ابوایوب غنوی لعین نے آپ کے حلق نازنین پر تیر چلا دیا، زرعہ بن شُریک لعین نے آپ کے شانے پر تلوار کا وار کیا، سنان بن انس نخعی نے سینہ مبارک پر نیزہ مارا، صالح بن وہب ملعون نے اس بے کس وبے نوا کے پہلو میں ایسا نیزہ چبھویا کہ گھوڑے کی زین کو چھوڑنا پڑا اور آپ دائیں پہلو زمین پر جا گرے، پھر آپ نے

بیٹھ کر تیر کو اپنے حلق سے نکالا، اتنے میں عمر سعد بھی آپ کے نزدیک پہنچ گیا۔

(بحار الانوار جلد ج ۴۵ ص ۵۵)

مضطر بہن کی بے کسی:

(الملہوف ص ۵۱، کامل ابن اثیر جلد ۴ ص ۷۸) میں ہے کہ:

مظلومی کا یہ عالم دیکھ کر حسینؑ کی بیکس بہن زینب کبریٰ (ع) سے رہا نہ گیا۔

"وَا اَخَــاهُ ، وَا سَیِّــدَاهُ ،وَا اَهْـلَبَیْتَــاه" کہتی ہوئی خیمہ سے مقتل کی طرف دوڑتی ہوئی آئی اور کہا: "اے کاش آسمان زمین پر گر گیا ہوتا، اے کاش پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے !! ہائے میرا بھائی کس بے دردی سے مارا جا رہا ہے"

ارشاد شیخ مفید (ج ۲ ص ۱۱۲) میں ہے کہ بی بی زینبؑ نے عمر سعد کو مخاطب کر کے کہا:

"اَیُقْتَلُ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَاَنْتَ تَنْظُرُ"

"عمر سعد! حسینؑ مارا جا رہا ہے اور تم دیکھ رہے ہو؟ ارے بچالو میرے بھائی کو!!"

جب اس نے کوئی جواب نہ دیا تو عقیلہ بنی ہاشم نے بین کر کے کہا: "وَیْلَكُمْ اَمَا فِیْكُمْ مُسْلِم؟" "تم پر افسوس!! آیا تم میں کوئی مسلمان نہیں ہے؟!!"

مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا، بلکہ کامل ابن اثیر (جلد ۴ ص ۷۸) کے بقول: "زینب عالیہ کا بین اس قدر دردناک تھا کہ عمر سعد سے بھی گریہ ضبط نہ ہو سکا اور وہ منہ پھیر کر رونے لگا، اور کوئی جواب نہیں دیا"

ہلال بن نافع کا بیان:

نفس المہموم ص ۳۶۶ کے مطابق، دشمن کی فوج کا ایک سپاہی "ہلال بن نافع" کہتا ہے میں عمر بن سعد کے ساتھیوں میں موجود تھا اور دونوں صفوں کے درمیان آکر دیکھنے لگا کہ حسینؑ آخری لحات میں کس طرح اپنی جان، جان آفرین کے حوالے کرتا ہے؟ خدا کی قسم! میں نے حسینؑ کے علاوہ کسی مقتول کو ایسے نہیں دیکھا کہ بوقت قتل جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند دمک رہا ہو ان کے چہرے کے نور اور ان کی نگاہ کی ہیبت نے مجھے ان کے قتل کی کیفیت کو فراموش کرا دیا، کہ اتنے میں اس مظلوم نے پیاس بجھانے کے لئے پانی طلب فرمایا، مگر میں نے ایک شخص کو جواب دیتے ہوئے سنا:

"وَاللّٰہِ لَاتَذُوْقُ الْمَآءَ حَتّٰی تَرِدَ الْحَامِیَۃَ ،فَتَشْرِبَ مِنْ حَمِیْمِھَا " جس کا ترجمہ کرنا مشکل ہے، البتہ امام کے جواب سے معلوم ہو جائے گا کہ اس ظالم نے کیا کہا، امام نے فرمایا میں تو ابھی اپنے نانا رسولؐ کے پاس جا کر ان کے ہاتھوں سے بہشت کا جام پیوں گا، اور جو تو کہہ رہا ہے خود اسی کا مستحق ہے اور جو سلوک تم میرے ساتھ کر رہے ہو اس کی بھی شکایت ان کے پاس جا کر کروں گا" یہ سن کر تمام کوفی غصے میں اس قدر پاگل ہو گئے کہ گویا خدا نے ان کے دلوں میں رحم خلق ہی نہیں فرمایا، میں نے کہا :"خدا کی قسم! اب میں تمہارا کسی کام میں تمہارا ساتھی نہیں بنوں گا"

آخری سانسیں:

وقت اور آگے بڑھا، ہر ایک شخص ظلم تو کر رہا تھا مگر مظلوم کو قتل کرنے کی جرأت کوئی نہیں کر پا رہا تھا، کہ اتنے میں "مالک بن نمیر کندی" آگے بڑھا، یہ بڑا اشقی اور گستاخ درندہ تھا، اس کے دل میں رحم نام کی کوئی چیز نہیں تھی، مظلوم اور بیکس حسینؑ کے پاس آکر اس نے سر اقدس پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ جس سے سر اقدس شدید زخمی ہو گیا امام نے بددعا دی کہ:

"خدا تجھے ظالموں میں شمار کرے کبھی اس ہاتھ سے کھا سکے نہ پی سکے"

امام زخموں سے چور ہو چکے تھے، چاہا کہ دائیں کروٹ زمین پر لیٹیں مگر زخموں کی کثرت نے ایسا نہیں کرنے دیا، بائیں کروٹ لیٹنے کا ارادہ کیا مگر ناممکن!! آپ نے ایسا کیا کہ کچھ ریت کو اکٹھا کر کے سرہانہ بنایا اور اس پر اپنا سر رکھ دیا، بقول کتاب "المفید فی ذکریٰ السبط الشہید" (ص ۱۲۳) کے یہ کیفیت دیکھ کر سپاہ کوفہ حیران ہو گئی کہ یہ کیا حالت ہے؟ چنانچہ کچھ لوگ کہنے لگے کہ حسینؑ دنیا سے رخصت ہو گئے، کچھ کہنے لگے کہ ابھی زندہ ہیں مگر اب جنگ کرنے کے قابل نہیں رہے"

قتل کا حکم:

الملہوف ص ۵۲ میں ہے کہ، یہ کیفیت دیکھ کر عمر سعد نے اپنے دائیں طرف موجود شخص سے کہا: "تجھ پر لعنت ہو جلدی کر کہ اس کا سر تن سے جدا کر دے!!" وہ شخص خولی بن یزید تھا جلدی سے گھوڑے سے اترا کہ امام کا سر تن سے جدا کر دے کہ فوراً سنان بن انس ملعون آگے بڑھا گھوڑے سے اترا اور امام عالی مقام کی گردن پر تلوار کا وار کر کے کہا: "واللہ اے حسینؑ! میں جانتا ہوں کہ تو فرزند رسولؐ ہے اور تیرے ماں باپ فاطمہ زہراؑ اور علی مرتضیٰؑ ہیں جو اللہ کی بہترین مخلوق ہیں لیکن تیرا سر تن سے جدا کر کے رہوں گا" پھر اس ظالم نے سر تن سے جدا کر دیا۔

مگر (کتاب الاستیعاب جلد ا ص ۳۹۵، ابصار العین ص ۱۴) کے مطابق امام مظلومؑ کا قاتل شمر بن ذی الجوشن ملعون ہے، لکھا ہے کہ شمر غصے میں تھا، اس نے آپ کے سینہ اقدس پہ سوار ہو کر ریش مبارک کو پکڑا، چاہا کہ سر تن سے جدا کرے، امامؑ نے اسے دیکھ کر حقارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا:

''تو مجھے قتل تو کر رہا ہے مگر جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟''

اس ملعون نے کہا:

''اچھی طرح جانتا ہوں، فاطمہ زہراؑ تیری ماں ہے، علی مرتضیٰؑ تیرا باپ ہے، محمد مصطفیٰؐ تیرا نانا ہے، میں تجھے قتل کر کے رہوں گا اور کسی کا مجھے خوف بھی نہیں ہے''

یہ کہا اور اس ظالم نے تین دن کے بھوکے پیاسے کو خنجر کی بارہ ضربوں کے ساتھ شہید کر کے سر تن سے جدا کر دیا۔

___ (بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۵۶) ___

قاتل کے بارے میں اگر چہ روایات مختلف ہیں مگر ہیں یقینی! اس لئے کہ انعام کے لالچ میں کوئی کسی سے پیچھے نہیں تھا سب نے مل کر شہید کیا، شمر کا خنجر، سنان بن انس کا نیزہ اور زُرعہ بن شُریک کی تلوار، خولی بن یزید کا تیر، سب مظلوم کے قتل میں برابر کے شریک ہیں، البتہ شمر نے سر کاٹ کر نیزے پر سوار کر دیا، خولی نے اس نیزے کو بلند کیا اور اٹھا کر آگے بڑھا۔

___ (الاستیعاب جلد ا ص ۳۹۳، کسف الغمہ جلد ۲ ص ۵۱، مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ ص ۱۱۱) ___

ذوالجناح کی خیام آمد:

اب کوئی نہیں تھا کہ جو مظلوم کی شہادت کی خبر خیمہ گاہ میں پہنچائے تو امام عالی مقام کے راہوار ذوالجناح نے یہ فریضہ انجام دیا، چنانچہ (کتاب ''الفتوح'' جلد ۵ ص ۲۲۰) میں ہے کہ گھوڑے نے اپنی پیشانی امام کے خون سے رنگین کی گریہ کرتے ہوئے خیام کی طرف بڑھا، دروازے پر پہنچا، امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

''مظلوم گھوڑا بزبان حال کہہ رہا تھا''اَلظَّلِیمَه اَلظَّلِیمَه مِنْ اُمَّةٍ قَتَلَتِ ابْنَ بِنْتِ نَبِیِّهَا'' ہائے کیا ظلم کیا اس امت نے کہ اس نے اپنے نبیؐ کے نواسے کو بے جرم وخطا شہید کر دیا'' ___

بعض روایات میں ہے کہ جناب سکینہ بنت الحسینؑ دروازے پر کھڑی تھیں، جب ذوالجناح کو اس غمگین حالت میں دیکھا تو اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور اس سے سب سے پہلے یہی سوال کیا ''هَلْ سُقِیَ اَبِیْ اَم قُتِلَ عَطْشَانًا

''بابا کے گھوڑے! مجھے یہ بتا کہ آیا میرے بابا کو کسی نے پانی بھی دیا تھا یا پیاسا مارا گیا؟''
کہ اتنے میں فضائے عالم یہ آواز گونجی:

''یَا اَهْلَ الْعَالَمِ قُتِلَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلَاءَ عَطْشَانًا''

او دنیا والو! حسینؑ کربلا میں پیاسا مارا گیا (مقتل الحسین مقرم ص ۲۸۳)

خیام میں کہرام:

راوی کا بیان ہے کہ جب ذوالجناح خیمہ میں پہنچا تو مخدرات عصمت نے ذوالجناح کے گرد حلقہ بنایا اور سر و صورت پر ماتم کرنے لگیں اور یہ کہہ کر بین کرنے لگیں ''وَامُحَمَّدَاہ وَاعَلِیَّاہ''، اور جناب ام کلثومؑ نے اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر یوں بین کیا:

وَامُحَمَّدَاہُ ،وَاجَدَّاہُ ، وَانَبِیَاہُ ، وَااَبَاالْقَاسِمَاہ ، وَاعَلِیَّاہ ،وَاجَعْفَرَاہ ،وَاحَمْزَتَاہ ، وَاحَسَنَاہ !! هٰذَاحُسَیْنٌ بِالْعَرَاءِ ،صَرِیْعٌ بِکَرْبَلَاءَ ، مَجْزُوْرُ الرَّأْسِ مِنَ الْقَفَاءِ ،مَسْلُوْبُ الْعِمَامَةِ وَالرِّدَاءِ .

بی بی نے اس قدر بین کیا کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑیں، دوسری مخدرات عصمت کی بھی یہی کیفیت تھی، صحیح طور پر کون جانے کہ اہلِ بیت اطہارؑ پر اس وقت کیا گزر رہی تھی، نہ تو انسان کا تصور وہاں تک پہنچ سکتا ہے، اور نہ ہی تحریر و تقریر اسے بیان کر سکتی ہیں۔

حضرت امام زمانہؑ کی طرف منسوب زیارت ناحیہ کے الفاظ خیام کی ان الفاظ میں منظر کشی کر رہے ہیں:

وَاَسْرَعَ فَرَسُکَ شَارِدًا،اِلٰی خِیَامِکَ قَاصِدًا مُهَمْهِمًا،بَاکِیًا، فَلَمَّا رَأَیْنَ النِّسَآءُ جَوَادَکَ مَخْزِیًّا ، وَنَظَرْنَ سَرْجَکَ عَلَیْهِ مَلْوِیًّا، بَرَزْنَ مِنَ الْخُدُوْرِ،نَاشِرَاتِ الشُّعُوْرِ،عَلَی الْخُدُوْدِ لَاطِمَاتٍ، وَنَحْنُ الْوُجُوْهُ سَافِرَاتٍ ،وَبِالْعَوِیْلِ دَاعِیَاتٍ ،وَبَعْدَ الْعِزِّمُذَ لَّلَاتٍ وَّاِلٰی مَصْرَعِکَ مُبَادِرَاتٍ .

وَالشِّمْرُ جَالِسٌ عَلٰی صَدْرِکَ ،مُوْلِعٌ سَیْفَهٗ عَلٰی نَحْرِکَ ،قَابِضٌ عَلٰی شَیْبَتِکَ بِیَدِهٖ ،ذَابِحٌ لَّکَ بِمُهَنَّدِهٖ ،قَدْ سَکَنَتْ حَوَاسُّکَ وَخَفِیَتْ اَنْفَاسُکَ ، وَرُفِعَ عَلَی الْقَنَاةِ رَأْسُکَ......''

اے جد مظلوم! آپ کا راہوار خیام کی طرف جلدی جلدی بڑھا، غم کی حالت میں ہنہنا تا ہوا، روتا ہوا آنسو بہاتا ہوا، جب مستورات حرم نے اسے ایسی حالت میں دیکھا کہ زین ڈھلی ہوئی، گردن کے بال اور سر خون سے رنگین ہے تو وہ خیموں سے باہر آگئیں، ان کی حالت یہ تھی کہ بال بکھرے ہوئے تھے، چہروں پر ماتم کررہی تھیں، نقابیں ڈھلی ہوئی تھیں، زور زور سے نالہ وشیون کررہی تھیں، ہائے جنگل بیابان میں اجڑ گئیں، عزت کے بعد ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔

جبکہ شمر (ملعون) آپ کے سینے پر بیٹھ چکا تھا، ایک ہاتھ میں اپنے خنجر سے آپ کو ذبح کررہا تھا دوسرے ہاتھ میں آپ کی ریش اقدس کو پکڑا ہوا تھا، اب آپ کی حس وحرکت جواب دے گئی اور آپ کی سانسیں خاموش ہوچکی تھیں، اور آپ کا سر اقدس نوک نیزہ پر سوار کیا جاچکا تھا۔

(زیارت ناحیہ، منقول از بحار الانوار جلد ۹۸ ص ۳۱۷)

کائنات میں تبدیلی:

(کتاب الملہوف اور ذریعۃ النجاۃ میں ہے کہ) جب مظلوم کربلا بے جرم وخطا شہید کردیا گیا تو سپاہ کوفہ وشام نے بلند آواز کے ساتھ تین مرتبہ تکبیر کہی، زمین میں زلزلہ آیا شرق وغرب عالم تاریک ہوگئے، زمین میں زلزلے کے ساتھ آسمان سے سیاہ آندھی چلنے لگی، پھر سرخ طوفان آیا جس سے دنیا دہل گئی، آسمان سے خون برسنے لگا، ہاتف نے آسمان سے آواز دی:

خدا کی قسم امام بن امام اور برادر امام اور والدِ امام، حسینؑ بن علیؑ کو شہید کردیا گیا، ظالموں نے سمجھا کہ اب ان پر عذاب نازل ہوگیا ہے اور یہ کیفیت کئی گھنٹے تک جاری رہی۔

واقعات بعد از شہادت:

(کتاب ذریعۃ النجاۃ ص ۱۴۷ میں ہے اور) جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ امام مظلوم کی شہادت کے بعد کوفیوں نے تین مرتبہ نعرہ تکبیر بلند کیا، زمین میں زبردست زلزلہ آیا، شرق وغربِ عالم تاریکی میں ڈوب گئے، دن کو ستارے نظر آنے لگے، آسمان اور زمین کے درمیان سرخ ہوا کا طوفان بلند ہوا، آسمان سے خون برسنے لگا، فضا میں ہاتف غیبی کی آواز گونجی:

اَلَا قُتِلَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلَا اَلَا ذُبِحَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلَاءَ ، یَا اَهْلَ الْعَالَمِ قُتِلَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلَاءَ عَطْشَانًا

(مورخ طبری ابومخنف سے نقل کرتے ہیں کہ) امام مظلومؑ کی شہادت کے بعد اب ظالموں نے لوٹ مار شروع کردی، سب سے پہلے امامؑ کے بدن اقدس سے لباس اتارنا شروع کردیا، تہبند کو بحر بن کعب تمیمی نے، قمیص کو اسحاق بن حیاۃ حضرمی نے، عمامہ کو اخنس بن مرثد نے ___ یا بقولے ___ جابر بن یزید نے، کلاہ کو مالک بن بشیر کندی نے ''بتراء'' نامی زرہ کو عمر بن سعد نے لوٹ لیا جبکہ ایک اور زرہ کو مالک بن نسیر نے لوٹا، قیس بن اشعث نے ایک چادر کو لوٹا ، جوتے بنی اَوَدْ کے ایک شخص نے لوٹے، تلوار بنی نہشل کا ایک شخص لوٹ کر لے گیا جو بعد میں حبیب بن بدیل کے ہاتھ لگی اور وہ لے گیا، تیر کمان اور دوسری متعلقہ چیزیں رُحیل بن خثیمہ جعفی، ابن شبیب حضرمی، جریر بن مسعود اور ثعلبہ بن اسعد اوسی لے گیا، انگوٹھی کی انگلی کو کاٹ کر سلیم بن بجدل المعروف جمال ملعون لے گیا، بہر حال جس کا جتنا بس چلا اس نے لوٹ لیا حتیٰ کہ (بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۱۷۹ کے مطابق) ابن زائدہ راوی کا بیان ہے کہ سپاہِ کوفہ و شام نے صرف امام عالی مقامؑ کو ہی لوٹنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ دوسرے اصحاب اور اہلِ بیتؑ کے شہداء کے لباس اور اسباب کو بھی لوٹ لیا۔

شامِ غریباں ___ اور ___ تاراجی خیام

ادھر شام ہو چکی تھی، جی ہاں شامِ غریباں!!! ابھی ظالم اشقیاء شہداء کے لباس اور اسباب کو لوٹ کر فارغ نہیں ہو پائے تھے کہ عمر سعد نے حکم دیا:

لوٹو تبرکات علیؑ و بتولؑ کو

قیدی بنا کے لے چلو آلِ رسولؐ کو

یہ سننا تھا کہ کوفہ اور شام کے اوباش، بے رحم اور سنگدل خیام حسینی پر ٹوٹ پڑے، اب چونکہ نہ پہرہ تھا، نہ پہرے دار، نہ اکبرؑ و قاسمؑ تھے نہ عباس علمدارؑ، چونکہ سرکاری حکم بھی تھا اور روکنے ٹوکنے والا بھی کوئی نہیں تھا، سب فوجی بیکسوں اور بے بسوں کے خیموں کو لوٹنے کیلئے ایک دوسرے پر سبقت لینے لگے، جس گھر کے دروازے پر آیت تطہیر پڑھ کر پیغمبر اسلامؐ اجازت لیتے اور اندر داخل ہوتے تھے، آج اسی گھر کو لوٹنے کے لئے ظالم فوج نے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، ہجوم بنا کر خیام کے اندر گھس گئے سب سے پہلے خانوادۂ رسولؐ کی مخدرات عصمت کے سروں سے چادریں چھیننا شروع کردیں، ان رسول زادیوں کے سروں سے چادریں چھیننے لگے جن کے عزیز ابھی تازہ دم ہی جامِ شہادت نوش کر چکے تھے، ابھی ان کی موت کی مصیبت تازہ ہی تھی کہ اس سے بڑھ کر ایک اور مصیبت ان پر ڈھائی گئی کہ سروں سے چادریں چھیننا شروع کردیں، ہر ایک بی بی جہاں اپنے عزیز کا ماتم کر رہی تھی وہ بھول گئی اور اپنی بے پردگی کا ماتم شروع کر

دیا۔

حمید بن مسلم روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ: عمر سعد کے سپاہیوں نے خیموں میں جب لوٹ مار شروع کی تو وہاں پر موجود مال ومتاع اور لباس وزیورات لوٹتے وقت ان کی آپس میں لڑائی بھی ہوگئی تھی۔

راوی کے بقول ایک پست فطرت شخص نے حضرت ام کلثومؑ کے گوشوارے ان کے کانوں سے چھین لیے، جس کی وجہ سے ان کے کانوں سے خون جاری ہوگیا، وہ خبیث روتا بھی جاتا تھا اور لوٹتا بھی جاتا تھا، یہاں تک کہ اس نے جناب فاطمہ بنت الحسینؑ کے پاؤں کے زیور اتارنا شروع کیے، بی بی نے پوچھا: ''ظالم روتے کیوں ہو؟'' اس نے کہا کیوں نہ روؤں جبکہ میں رسولؐ کی مظلوم اولاد کے زیورات لوٹ رہا ہوں!!، بی بی نے کہا: ''تو پھر لوٹتے کیوں ہو؟'' کہا: ''میں نہیں لوٹوں گا تو کوئی اور لوٹ لے جائیگا'' شمر ملعون نے خیمہ امام سے سونے کا ایک ٹکڑا لوٹا۔

جناب فاطمہ بنت الحسینؑ فرماتی ہیں:

''میں نے ایک شخص کو دیکھا جو نیزے کی نوک کے ساتھ سیدانیوں کے سروں سے چادریں اتار رہا تھا، اور بیبیاں ایک دوسرے پر گر رہی تھیں اور وہ چادر اور زیورات اتارتا جاتا تھا، جب اس ظالم نے مجھے دیکھا تو میری طرف دوڑا، اور میں پھوپھی زینبؑ کی تلاش میں ادھر کو دوڑی، مگر اس ظالم نے پشت پر نیزے کے ساتھ مجھ پر حملہ کر دیا اور میں منہ کے بل زمین پر گر پڑی، اور بے ہوش ہوگئی، جب ہوش میں آئی تو دیکھا کہ پھوپھی ام کلثومؑ میرے سرہانے بیٹھی گریہ کر رہی تھیں''

حضرت مسلم بن عقیل کی ایک سات سالہ صاحبزادی جس کا نام عاتکہ تھا اور والدہ کا نام ''رقیہ بنت علیؑ'' تھا عاشورا کے دن خیام کی تاراجی کے دوران گھوڑوں کی ٹاپوں سے شہید ہوگئیں۔

اسی طرح امام حسن علیہ السلام کی دو صاحبزادیاں بھی خیام پر اشقیاء کے ہجوم کی وجہ سے شہید ہوگئیں۔

حمید بن مسلم کہتا ہے کہ:

شمر اپنے ساتھ کچھ پیادہ سپاہیوں کو لے کر امام زین العابدینؑ کے خیمہ میں داخل ہوگیا، امام شدت بیماری کی وجہ سے غشی کی حالت میں بستر بیماری پر پڑے ہوئے تھے، ساتھیوں نے شمر سے کہا: ''اس بیمار کو قتل نہیں کرو گے؟''

حمید کہتا ہے کہ میں نے کہا:

''سبحان اللہ! اس نوجوان بیمار کو بھی قتل کرنا چاہتے ہو؟ اس کے لئے تو اس کی یہی بیماری ہی کافی

ہے!!'' شمر نے کہا: ''ابن زیاد نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمام اولادِ حسینؑ کو قتل کردوں'' جب علیا مخدرہ زینب کبریٰؑ نے شمر کا اصرار ملاحظہ فرمایا تو کہا: ''جب تک میں زندہ ہوں تم اسے قتل نہیں کر سکتے ہو!!''

یہ صورت حال دیکھ کر ابن سعد نے اسے سختی کے ساتھ منع کر دیا اور اپنے ارادے سے باز آ گیا۔

حمید بن مسلم ہی راوی ہے کہ:

''میں نے قبیلہ بنی بکر بن وائل کی ایک عورت کو دیکھا جو اپنے شوہر کے ہمراہ لشکر عمر سعد میں تھی، جب اس نے دیکھا کہ اشقیاء نے خیامِ حسینیؑ پر حملہ کر کے ان میں لوٹ مار شروع کر دی ہے اور دخترانِ رسول کو لوٹ رہے ہیں تو وہ تلوار ہاتھ میں لے کر خیام کے پاس آ کر زور سے یہ نعرہ لگایا'': ''اے آلِ بکر بن وائل! تم دیکھ رہے ہو کہ اولادِ رسول کو لوٹا جارہا ہے!!'' لَاحُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ ، یَالَثَارَاتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ !'' فرمان خدا کے علاوہ کسی اور فرمان کی کوئی حیثیت نہیں ہے!'' اے اولادِ رسول کے خون کا بدلہ لینے والو! اٹھو!! اور ان بے کس مظلوموں کو ظالموں کے چنگل سے نجات دلاؤ!!'' مگر اس کے شوہر نے اس کے ہاتھ کو پکڑا اور اسے خیمے میں لے گیا۔

____ (بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۷۹، ۱، الملہوف ص ۵۵، امالی شیخ صدوق مجلس ۳۱ حدیث ۲، حیاۃ الامام الحسینؑ جلد ص ۳۰۱، ارشاد شیخ مفید جلد ۲ ص ۱۱۲) ____

خیام کی آتش زنی

اہلِ بیتِ عصمت وطہارتؑ کی پاکدامن بی بیاں اور معصوم شہزادیاں لٹتی رہیں مگر خیمے سے باہر قدم نہیں نکالا، اتنے میں ظالموں نے یہ کہہ کر ایک اور عظیم مصیبت کا اضافہ کر دیا، عمر سعد اور شمر نے حکم دیا کہ

''حَرِّقُوْا! بُیُوْتَ الظَّالِمِیْنَ''

ہائے کیسے ترجمہ کروں؟ ہمت نہیں ہو پاتی ''ان خیموں کو جلا دو!!''

کا حکم سن کر ظالموں نے خیام کو ہر طرف سے آگ لگا دی جب ایک خیمہ جل جاتا تو سیدانیاں دوسرے خیمے میں چلی جاتیں مگر آگ تھی کہ بجھنے میں نہ آتی تھی، جب بعض چھوٹے چھوٹے معصوم بچے اپنی ماؤں، اپنی پھوپھیوں کے دامن کو پکڑے پناہ کی تلاش میں تھے تو بعض دوسرے جنگل کی طرف بھاگ رہے تھے کہ کسی نشیبی جگہ پر جا چھپیں، کچھ بچے وہ تھے جو اپنی معصومیت کی بناء پر ظالموں کی سنگدلی اور بے رحمی سے بے خبر تھے، معصومانہ انداز میں حسینؑ واصحابِ حسینؑ کے قاتلوں سے استغاثہ اور مدد طلب کر رہے تھے، مگر جواب میں جھڑکیاں اور طمانچے ملتے تھے۔

(حیاۃ الامام الحسینؑ جلد۳ ص ۲۹۸ میں ہے کہ) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد ساری زندگی دسویں محرم کے تلخ مصائب کو نہیں بھولے، جب بھی عاشورا کا نام آتا آپ کی آنکھوں سے آنسو کی بارش شروع ہو جاتی، اور فرماتے تھے:

''خدا کی قسم! میں جب بھی اپنی ماؤں، پھوپھیوں اور بہنوں کے چہروں کو دیکھتا ہوں تو اپنے رونے کو ضبط نہیں کر سکتا، اور مجھے وہ منظر یاد آجاتا ہے جب مخدرات عصمت وطہارت آگ کے شعلوں سے بچنے کے لیے تڑپ تڑپ کر ایک خیمے سے دوسرے خیمے کی طرف منتقل ہو رہی تھیں اور سپاہ کوفہ کا منادی زور زور سے کہہ رہا تھا کہ ''ان ظالموں کے خیموں کو جلا کر راکھ کر دو''

بعض روایات کے مطابق، جب تمام خیام جل چکے تو ایک خیمہ باقی رہ گیا اسے بھی آگ نے چاروں طرف سے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، تمام بی بیاں جنابِ زینب (ع) کے پاس آگئیں اور پوچھا بی بی! ہم کیا کریں؟ جل کے مرجائیں یا باہر نکل جائیں؟ تو جنابِ زینبؑ امامؑ زین العابدینؑ کے پاس آئیں اور ان سے یہی سوال کیا تو امامؑ نے فرمایا:

''عَلَیکُنَّ بِالصَّحرَآءِ'' آپ سب باہر چلی جائیں''

میں نے کہا: ''ہماری چادریں چھین لی گئی ہیں''

تو امامؑ نے فرمایا: ''اپنے بالوں سے اپنے چہرے کا پردہ بنالینا'' یہ سن کر سب بیبیاں واجاباہ کہتی ہوئی جلتے ہوئے خیمے سے باہر آگئیں۔

اب صرف امام زین العابدین علیہ السلام جلتے ہوئے خیمے میں رہ گئے جو بیمار تھے اور چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہے تھے، انہیں جناب زینبؑ نے اٹھایا اور باہر لے آئیں۔

صاحب معالی نے لکھا ہے کہ عاشورا کی شام کو اہلِ بیتؑ کے خیام سے دو ننھے معصوم بچے تین دن کے بھوکے پیاسے تو تھے ہی جب خیام کو لوٹنے کیلئے ملعون آئے تو وہ ان کی دہشت سے انتقال کر گئے۔

چنانچہ جب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے اہلِ حرم اور بچوں کو شمار کیا تو دو بچے نہیں ملے، بی بی نے ان کی تلاش شروع کر دی آخر ایک جگہ پر دیکھا کہ یہ دونو نہال ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے سوئے ہوئے ہیں، نبض پر ہاتھ رکھنے سے پتہ چلا کہ بچے اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔

''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیهِ رَاجِعُون''

پامالی لاشہ

(الملہوف ص ۵۶، الامام الحسینؑ واصحابہ ۳۶۷ میں ہے کہ) آج حرم اہلِ بیتؑ پر ظلم کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں ، یکے بعد دیگرے مصائب ہیں کہ رکنے کا نام نہیں لے رہے، ابھی تاراجی خیام کا غم تازہ تھا کہ ایک مرتبہ عمر سعد کی آواز میدان کربلا میں گونجی کہ ''مَن یَّنۡتَدِبُ الۡحُسَیۡنؑ '' کون ہے جو رضا کارانہ طور پر آگے آئے اور حسینؑ کے لاشے کو پامال کرے؟ سب سے پہلے ملعون شمر آگے بڑھا اور اس کے ساتھ ہی دس اور کوفی آگے بڑھے جن کے نام یہ ہیں:

۱۔اسحاق بن حوّیہ ۲۔اخنس بن مرثد ۳۔حکیم بن طفیل ۴۔عمرو بن صبیح

۵۔رجاء بن منقذ ۶۔سالم بن خثیمہ جعفی

۷۔واحد بن ناعم ۸۔صالح بن وہب ۹۔ہانی بن ثبیت ۱۰۔اسید بن مالک

ان خدا اور رسولؐ کے دشمن ملعونوں نے مظلوم کے بغیر سر کے لاشے کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر دیا، یہ ایسا ظلم تھا کہ جو مظلوم کربلا نے اپنے شیعوں کو یاد دلایا کہ اسے یاد کر کے روئیں جب گیارہ محرم کو امامؑ کی پیاری بیٹی سکینہؑ نے اپنے بابا کے پامال شدہ نورانی لاشے کو دیکھا اور گلے لگایا اور بین کرنا شروع کر دیئے جنہیں سن کر تمام حاضرین رونے لگ گئے تھے،، اور شدت غم کی وجہ سے سر اور سینہ پر ماتم کرنے لگ گئے تھے، سکینہ کہتی ہیں کہ میں نے بابا کے کٹے ہوئے گلے سے سنا کہ کہہ رہے تھے:

شِیۡعَتِیۡ مَا اِنۡ شَرِبۡتُم عَذۡبَ مَآءٍ فَاذۡکُرُوۡنِی
اَوۡسَمِعۡتُم بِغَرِیۡبٍ اَوۡ شَهِیۡدٍ فَانۡدُبُوۡنِی
لَیۡتَکُمۡ فِیۡ یَوۡمِ عَاشُوۡرَا ءَ جَمِیۡعًا تَنۡظُرُوۡنِیۡ
کَیۡفَ اَسۡتَسۡقِی لِطِفۡلِیۡ فَاَبَوۡا اَنۡ یَّرۡحَمُوۡنِیۡ
وَ اَنَا السِّبۡطُ الَّذِی بِغَیۡرِ جُرۡمٍ قَتَلُوۡنِیۡ
وَ بِجُرۡدِ الۡخَیۡلِ بَعۡدَ الۡقَتۡلِ ظلماً سَحَقُوۡنِیۡ

اے میرے شیعو! تم جب بھی ٹھنڈا پانی پیو تو مجھے ضرور یاد کرنا کہ میں پیاسا مارا گیا یا کسی مسافر یا شہید کا سنو تو میری غربت پر آنسو بہانا۔ اے کاش کہ تم عاشورا کے دن کربلا میں ہوتے تو دیکھتے کہ میں نے اپنے ننھے سے معصوم بچے کے لیے کیسے پانی مانگا؟ مگر انہوں نے رحم کرنے سے

انکار کر دیا۔ میں وہ نواسہ رسول ہوں جسے بغیر کسی جرم و خطا کے پیاسا مارا گیا، اور پھر اسی بات پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ قتل کرنے کے بعد کسی خطا کے بغیر میرے لاشے کو پامال کر دیا گیا۔

غرض مذکورہ ملاعین جب ابن زیاد کے پاس کوفہ گئے تو اس کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اس سے انعام کا مطالبہ کیا، اس نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ ان میں سے ایک بنام اسید بن مالک نے کہا:

نَحْنُ رَضَضْنَا الصَّدْرَ بَعْدَ الظَّهْرِ　　　بِكُلِّ يَعْبُوْبٍ شَدِيْدِ الْاَ سْرِ

ہم نے قوی ہیکل تیز رفتار گھوڑوں کے سموں سے حسینؑ کی پشت کو پامال کرنے کے بعد اس کے سینہ کو بھی پامال کیا ہے۔

یہ سن کر ابن زیاد نے خوش ہو کر انہیں مختصر ناچیز سا انعام دیدیا۔

ایک اور ظلم

اب رات ہو چکی تھی، تاریک رات! لاشوں کے درمیان جمال یعنی ساربان جس کا نام بجدل بن سلیم ہے، اس ملعون نے لاشے کے پاس آ کر آپ کا کمر بند اتارنا شروع کیا، مگر شہید مظلوم نے اسے بچانے کے لئے اپنا داہنا ہاتھ اس پر رکھ کر کمر بند کو پکڑ لیا، اس ملعون نے اس مظلوم کا دایاں ہاتھ قلم کیا، پھر آپ نے اپنا بایاں ہاتھ کمر بند پر رکھا مگر ظالم نے وہ بھی کاٹ دیا (اثبات الہداۃ جلد۲ ص ۵۸۸)

غرض رات چھا گئی، سیدانیاں سہمی ہوئی تھیں، بچے ڈرے ہوئے تھے کسی کو آرام اور سکون حاصل نہیں تھا، جنابِ زینبؑ نے لٹے ہوئے کاروان کو اکٹھا کیا، انہیں تسلیاں دیں، دلاسے دیئے، رات بھر پہرے دیتی رہیں، ادھر سید سجاد بیماری کی حالت میں ساری رات سجدہ خالق میں سر رکھے یہی کہہ رہے تھے

"سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ، رِضىً بِقَضَائِكَ وَتَسْلِيْماً لِاَمْرِكَ"

لٹ گیا کاروانِ شہادت، کٹ گیا بتولؑ کا کنبہ، بچ گیا اللہ کا دین، پڑھا گیا محمد مصطفیٰؐ کا کلمہ، گونج گئی ولایت علیؑ کی آواز، پہنچ گئے معراجِ شہادت کو حسینؑ۔

O اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ وَعَلَى الْاَرْوَاحِ الَّتِىْ حَلَّتْ بِفِنَائِكَ عَلَيْكَ مِنِّىْ سَلَامُ اللّٰهِ اَبَداً مَا بَقِيْتُ وَبَقِىَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ، اَلسَّلَامُ عَلَى الْحُسَيْنِ وَعَلٰى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ وَعَلٰى اَوْلَادِ الْحُسَيْنِ وَعَلٰى اَصْحَابِ الْحُسَيْنِ O

یا حسین (ع)

راہیانِ شہادت
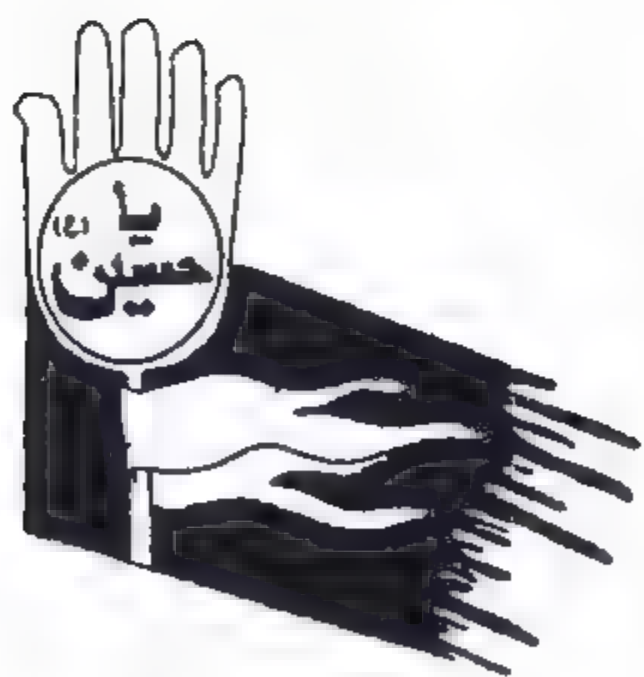
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فوجِ حسینیؑ کے جوانانِ حسین

حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کے یار وانصار اور اصحاب و بنی ہاشم کی تعداد، اسماء، سلسلہ نسب اور ان سے متعلق گفتگو سے پہلے ان کے علوِ شان، بلندی مرتبہ اور مقام و منزلت کے بارے میں ان احادیث کا عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو معصومین علیہم السلام نے ان کے بارے میں ارشاد فرمائی ہیں کیونکہ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کی شان کو بیان کرنا ہمارے جیسے عاجز، کم علم اور کم فہم لوگوں کے بس سے باہر ہے، اس لیے کہ خالق کائنات نے انہیں نصرتِ حق کے لیے چن لیا ہے اور تا قیامت قیامت ان کی حق کے لیے لازوال اور بے مثال قربانیاں متلاشیانِ حق و حقیقت کے لیے منارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے اور زمانے کی حدود و قیود سے ماوراء ہر دور اور دہر میں ان کی جاں نثاری، جان سپاری، وفا شعاری اور ایثار و قربانی نمونہ عمل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس کے لیے ہمیں معدن علم و حکمت اور اہلِ بیت عصمت و طہارت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کہ انہوں نے ان خدا پرست، محافظینِ اسلام، مدافعین فرزند رسول خیر الانام کے لیے کیا فرمایا ہے؟ چنانچہ ان میں سے سرِ فہرست خود سرکار سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذاتِ بابرکات ہے جو خود ان میں موجود تھے اور ان کے قیام و قعود اور رکوع و سجود اور نشست و برخاست اور خلوص کو اپنی آنکھوں کے ساتھ ملاحظہ فرمایا، وہ بھی اس وقت جب شبِ عاشورا اپنی تمام مشکلات اور مصائب کو لے کر خیام حسینؑ کا محاصرہ کر چکی تھی، جب امام عالی مقامؑ نے اپنے یار و انصار اور اصحاب و احباب بنی ہاشم کو اکٹھا کیا اور ان سے خطاب فرمایا، ایسا خطاب جو تا قیامت دنیا کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

آیئے امام الشہداء کا یہ خطاب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی زبانی سنتے ہیں:

چنانچہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

کتاب الارشاد شیخ مفیدؒ جلد ۲ ص ۹۱، تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر میں ہے:

جب میرے بابا نے تمام اصحاب و انصار اور یار و مددگار کو ایک خیمہ میں اکٹھا کیا
تو میں بھی ان کے نزدیک ہوا اور اس وقت میں بیمار تھا، میں نے بابا سے یہ

فرماتے سنا:

میں خداوندعالم کی بہترین حمد وثنا کرتا ہوں اور ہر خوشی اور غم کے موقع پر اس کی حمد بجالاتا ہوں، بارالہا! میں تیری اس بات پر حمد کرتا ہوں کہ تو نے ہمارے خاندان کو نبوت کے شرف سے نوازا ہے، قرآنِ مجید کا علم عطا فرمایا ہے، دین کی سوچ و سمجھ عطا کی ہے اور ہمیں کان آنکھیں اور دل عطا کیا ہے، اب تو ہمیں اپنا شکر گزار بھی بنادے۔

بعد از حمد وصلواۃ: میں اپنے اصحاب سے زیادہ باوفا تر اور بہتر کسی کے اصحاب کو نہیں سمجھتا اور نہ ہی اپنے اہلِ بیتؑ سے بڑھ کر نیکوکار اور صلہ رحمی کرنے والا کسی کے اہل بیت کو جانتا ہوں، پس خداوند عالم آپ لوگوں کو میری طرف سے جزائے خیر عطا کرے۔

یہ آخری جملہ کسی عام انسان کی زبانی بیان نہیں ہوا اور نہ ہی کسی غیر ذمہ دار شخص کی زبان سے بیان ہوا بلکہ ایک معصوم امام کی طرف سے ہے جس اللہ نے تا قیامت، ما کان وما یکون کا علم عطا فرمایا ہے اور آپ کے اس فرمان ذی شان سے آپ کے انصار واہلِ بیتؑ عزت، شرافت رفعتِ شان، بلندی مرتبہ اور مقام ومنزلت کی نشاندہی ہوتی ہے، اور نہ تو جن سے کوئی شخص سبقت لے گیا ہے اور نہ ہی کوئی ان کی شان اور مقام تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔

ہماری اس گفتگو کی تائید حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ذریعہ بیان ہونے والا امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کا وہ فرمان ہے جو انہوں نے فرمایا ہے:

حضرت علی علیہ السلام کچھ لوگوں کے ہمراہ چل رہے تھے تو کربلا سے ایک یا دو میل کا فاصلہ رہ گیا تھا، آپ اُن لوگوں سے آگے بڑھ گئے اور ''مقذ فان'' نامی جگہ پہنچے تو فرمایا: یہاں پر دوسو نبی اور دوسو اولادِ پیغمبر شہید ہوئے ہیں اور یہ عاشق الٰہی شہداء کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور شہداء کے قتل ہونے کا مقام ہے، ان سے پہلے لوگوں کو ان پر سبقت حاصل ہے نہ بعد میں آنے والے لوگ ان کو مل سکتے ہیں۔

اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ شہداء کربلا کا مقام ومرتبہ شہداء بدر سے بھی بالاتر ہے یہ اور بات ہے کہ بعض لوگوں

نے شہداءِ بدر کو ان کے ساتھ ملانے کی کوشش کی ہے، جیسا کہ المعجم الکبیر جلد ۳ ص ۱۱۱ میں طبرانی نے اپنی سندِ متصل کے ساتھ شیبان بن محزم سے روایت کی ہے جو کہ مذہب کے لحاظ سے عثمانی تھا، شیبان کہتا ہے کہ ''میں حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ہمراہ سفر کر رہا تھا کہ اتنے میں آپ ''کربلا'' نامی جگہ پر پہنچے تو فرمایا: اس جگہ پر ایسے لوگ شہید ہوں گے سوائے شہدائے بدر کے کوئی شہید ان کی مانند نہیں ہوگا'' (یاد رہے کہ روایت کا بیان کرنے والا عثمانی شیعہ تھا جسے اہلِ بیتؑ سے کسی قسم کی عقیدت نہیں ہوسکتی)

شہدائے کربلا کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے لیے تمام پردے ہٹا دیئے گئے تھے اور انہوں نے اپنی ثباتِ قدمی، شجاعت اور فرزندِ رسولؐ کے لیے جان کی قربانی کی جزا کو اپنی انہی آسمانی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا جب انہیں فرزندِ پیغمبرؐ نے بہشت بریں میں ان کے قصور و محلات دکھلا دیئے تھے اور دکھلائے بھی اس وقت تھے جب انہیں خوب آزما لیا تھا، اس پر وہ اس کے اہل ثابت ہوئے اور سید الشہداءؑ کے معیار پر پورے اتر چکے تھے، علل الشرائع جلد ۱ ص ۲۲۹ میں ہے جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کے اصحاب اور ان کی موت کے لیے آمادگی کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا:

''اِنَّهُمْ كُشِفَ لَهُمُ الْغِطَآءُ حَتّٰى رَأَوْا مَنَازِلَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ، فَكَاَنَّ الرَّجُلَ مِنْهُمْ يُقْدِمُ عَلَى الْقَتْلِ لِيُبَادِرَ اِلٰى حَوْرَاءَ لِيُعَانِقَهَا وَ اِلٰى مَكَانِهِ مِنَ الْجَنَّةِ''

اس حد تک اُن کے لیے سارے پردے ہٹا دیئے گئے تھے کہ انہوں نے بہشت میں اپنے محلات کا مشاہدہ فرما لیا تھا اور ان میں سے ہر ایک شہید ہونے کے لیے بے تاب تھا تا کہ دوسروں سے پہلے وہاں جا کر حوران جنت سے بغل گیر ہو۔

اسی بات کی طرف امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی طرف منسوب زیارت ناحیہ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ:

''أَشْهَدُ لَقَدْ كَشَفَ اللّٰهُ لَكُمُ الْغِطَآءَ وَ مَهَّدَ لَكُمُ الْوِطَآءَ وَ أَجْزَلَ لَكُمُ الْعَطَآءَ..........''

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ نے تمہارے لیے تمام پردے ہٹا دیئے تھے اور تمہارے لیے ساری راہیں ہموار کر دی تھیں اور عطا و بخشش کو کئی گنا کر دیا تھا.......... (بحار الانوار ج ۴۵ ص ۷۳)

صرف یہی نہیں بلکہ ان پاک باز اور نیک نہاد اصحاب و انصار حسین علیہ السلام کی شجاعت اور ثبات قدمی کا اعتراف ان کی جان کے دشمنوں تک نے کیا، ملاحظہ فرمائیے ان کے بارے میں کربلا میں اموی لشکر کے کمانڈر عمرو بن حجاج زبیدی لعنۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ کو جن کے ذریعہ اس نے اپنے گمراہ شیطانی ٹولے کو مخاطب کر کے کہا:

''اے احمقو! کیا تم سمجھتے بھی ہو کہ کن لوگوں کے ساتھ جنگ کر رہے ہو؟ تم عالم عرب کے چیدہ شہسواروں کے ساتھ جنگ کر رہے ہو، ایسے افراد کا تمہیں سامنا ہے جو مسکرا مسکرا کر میدان جنگ میں آ رہے ہیں اور خوش ہو ہو کر موت کو گلے لگا رہے ہیں، لہٰذا تم ایک ایک ہو کر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہو.................''

عمر بن سعد کے لشکر کا ایک اور سردار اور کمانڈر عروہ بن قیس چیخ چیخ کر اس سے کمک طلب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا:

''تمہیں معلوم نہیں ہے کہ آج صبح سے میرا گھوڑا اس مختصر سی تعداد کے کن لوگوں کا سامنا کر رہا ہے.................؟''

(الارشاد جلد۲ ص۱۰۴)

کتاب شرح ابن ابی الحدید جلد۳ ص ۳۰۷ میں ہے کہ:

''بروز عاشوراء حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے عمر بن سعد کے لشکر کے ایک شخص سے کسی نے کہا: بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم نے اولادِ رسولؐ کے ساتھ جنگ کی ہے اور انہیں قتل کیا ہے!!'' اس نے کہا تم چٹان سے ٹکراؤ تو تمہیں پتہ چلے!! اگر تم کربلا کے میدان میں ہوتے اور جو کچھ ہم نے دیکھا ہے وہ تم دیکھتے تو تم بھی وہی کرتے جو ہم نے کیا ہے، وہ ہم پر اپنی تلوار کے ذریعہ ایسے وار کیا کرتے تھے جس طرح بپھرے ہوئے شیر وار کرتے ہیں، دائیں بائیں جدھر کا رخ کرتے سوار اور پیادوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیتے، انہیں موت کی ہرگز پرواہ نہیں تھی، بلکہ وہ خود موت پر ٹوٹ پڑتے تھے، امان کی فرصت بھی نہیں دیتے تھے اور نہ ہی انہیں مال کی کوئی رغبت تھی، موت کے گھاٹ اور ان کے درمیان میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی تھی، جو بھی ان کے سامنے آتا اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے، اگر ہم ایک لمحہ کے لیے بھی ان سے غافل ہو جاتے تو ان کے گھوڑوں کی ٹاپیں ہمارے لشکر کے

درمیان میں سنائی دیتیں، تمہاری ماں تمہارے سوگ میں بیٹھے مجھے بتاؤ اس وقت ہم کیا کرتے؟''

اصحاب حسین علیہ السلام کی تعداد

سب سے پہلے ہم اپنے ناظرین کیلئے اس امر کی وضاحت کرتے چلیں کہ ''اصحاب وانصار'' ایسے الفاظ ہیں جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، یعنی اصحابِ حسینؑ یا انصارِ حسین علیہ السلام۔

چنانچہ ایک تو انصار حسینؑ عمومی ہیں اور دوسرے وہ انصار جن کا واقعہ کربلا کے یومِ عاشورا کے ساتھ خصوصی تعلق ہے اور پھر کچھ شہداء ایسے ہیں جن کا تعلق حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی تحریک کے ساتھ ہے اور کچھ شہداء کا تعلق حضرت امام حسین علیہ السلام کے عاشورا کے ساتھ ہے۔

اس لیے کہ ''انصارِ حسینؑ'' کا جملہ عمومی ہے جبکہ عاشورا کے دن اصحاب کا امام علیہ السلام کے ساتھ خصوصی تعلق ہے، کیونکہ آپ کے وہ انصار بھی ہیں جنہیں بصرہ یا کوفہ میں شہید کر دیا گیا یا جنہیں ابن زیاد ملعون کے قید خانہ میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا اور ان میں وہ بھی شامل ہیں جو امام علیہ السلام کی نصرت کی تڑپ رکھنے کے باوجود اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے جیسے مثلاً طرماح بن عدی ہیں۔

اسی طرح ''تحریک سید الشہداء علیہ السلام'' کے شہداء اور ''شہداء کربلا'' میں فرق ہے، اس لیے کہ پہلا عنوان عمومی ہے اور اس میں وہ شہداء شامل ہیں جو مثلاً بصرہ میں شہید ہوئے ہیں، جیسے سلیمان بن رزینؓ جسے امام علیہ السلام نے بصرہ کے سرداروں کے نام خط دے کر بھیجا تھا اور اسے عبید اللہ بن زیاد نے شہید کر دیا تھا اور جیسے کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل، عبد اللہ بن یقطر، قیس بن مسہر صیداوی، ہانی بن عروہ، عمارۃ بن صلخب الازدی اور عبد الاعلی بن یزید کلبی وغیرہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین ہیں اور اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ''کربلا میں انصارِ حسینؑ'' کا عمومی عنوان ہے اور ''شہداء روزِ عاشورا'' خصوصی، اس لیے کہ سرکار سید الشہداء علیہ السلام کے بعض انصار وہ بھی تھے جنہوں نے بروزِ عاشورا آپ کے سامنے دشمن کے ساتھ جنگ تو کی لیکن اس دن شہید نہیں ہوئے، جیسے جناب حسن مثنیؒ ہیں۔

عاشورا محرم کے دن انصار کی تعداد:

بروزِ عاشورا حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے شہید ہونے والے انصار کی تعداد میں مورخین کے درمیان بہت اختلاف ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان کے درمیان انصارِ حسینؑ اور شہداء یومِ عاشورا کی تعداد میں فرق قائم نہ کرنے کی وجہ سے

یہ اختلاف پیدا ہوا ہے، کیونکہ بعض مورخین نے شہداء کربلا کے سروں سے انصارِ امام حسین علیہ السلام کی تعداد کا اندازہ لگالیا، جن سروں کومختلف قبائل ابن زیاد کے پاس کوفہ میں لے گئے، اس مقام پر ہم مختلف مورخین کے مختلف اعداد وشمار کو مع اس کے حوالے کے آپ کی نذر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

نمبر شمار	نامِ کتاب	تعداد
۱	ذہبی کی کتاب مختصر تاریخ دول الاسلام جلد۱ص ۳۱، تاریخ خمیس جلد۲ص ۲۲۷	۷۰افراد
۲	شیخ مفیدؒ کی کتاب الارشاد جلد۲ص ۹۵، الاخبار الطّوال ص ۲۵۶، تاریخ ابن الوردی جلد۱ ص۱۶۴ المنتظم جلد۵ص ۳۳۸	۷۲افراد
۳	مناقب آلِ ابی طالبؑ جلد۴ص ۹۸، نور الابصار ۲۵۹، مرآۃ الجنان جلد۱ص ۱۳۳	۸۲
۴	ابن عنبری کی کتاب تاریخ مختصر الدول ص۱۱۰	۸۷
۵	حیاۃ الامام الحسین علیہ السلام جلد۳ص ۱۲۶ منقول از تہذیب التہذیب مخطوطہ جلد۱ص ۱۵۶	۱۰۰
۶	تذکرۃ الخواص ص ۱۴۵، مثیر الاحزان ص ۵۴، اللہوف ص ۴۳	۱۴۵
۷	مروج الذہب مسعودی جلد۳ص ۷۰ دار المعرفۃ بیروت	۵۰۰سوار ۱۰۰ پیادے

اس کے علاوہ کچھ مورخین ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس سے بھی کم تعداد بیان کی ہے مثلاً:

۸	حیوۃ الحیوان دمیری جلد۱ص ۷۳	۶۰
۹	اثبات الوصیۃ ص ۱۴۱	۶۱
۱۰	لیکن مشہورترین تعداد	۷۲

کربلا میں بنی ہاشم کے افراد:

مورخین نے کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ افراد بنی ہاشم کی تعداد کے بارے میں مختلف اعداد پیش کیے ہیں اور اس سلسلے میں ان کے اختلاف کی وجہ بھی وہی ہے کہ انہوں نے شہداء بنی ہاشم کو انصار سید الشہداء علیہ

السلام میں شمار کیا ہے۔

البتہ سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ شہداء بنی ہاشم کے علاوہ کچھ اور افراد بھی تھے مگر وہ سنِ طفولیت میں تھے جیسے:

ا۔حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ۲۔عبداللہ بن الحسین الرضیع (شیر خوار معصوم)

اسی طرح مورخین کے درمیان سانحہ کربلا میں بچ جانے والوں کی تعداد میں بھی اختلاف ہے، کتاب حیاۃ الامام الحسین بن علیؑ جلد۳ ص۳۱۳،۳۱۴ (منقول از مقاتل الطالبین ص۱۱۹) میں ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے صحابی فضیل بن زبیر کوفی اسدی اپنی کتاب ''تسمیۃ من قتل مع الحسین علیہ السلام'' میں لکھتے ہیں کہ ''بروز عاشورا جنگ سے بچ جانے والے تین حضرات تھے ا۔حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

۲۔حضرت حسن مثنی اور

۳۔حضرت محمد بن عمرو بن حسنؑ اس وقت آپ نابالغ ہونے کے قریب تھے۔

(کتاب تسمیۃ من قتل مع الحسین علیہ السلام، مطبوعہ مجلّہ ''تراثنا'' جلد ا شمارہ۲ خریف ۱۴۰۶ھ موسسۃ آل البیتؑ قم ایران)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ: حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ان اہل بیتؑ میں سے صرف پانچ افراد باقی رہ گئے تھے۔ ا۔علی بن حسین اصغر (امام زین العابدین علیہ السلام) امام حسین علیہ السلام کے بچ جانے والے فرزند تھے اور آج امام حسین علیہ السلام کی نسل اور جو اولاد موجود ہے وہ آپ ہی کے پشت سے چلی ہے، میدان کربلا میں آپ بیمار تھے۔

ا۔حسن بن حسن بن علی (المعروف حسن مثنی) آپ کی اولاد آج بھی موجود ہے۔

۳۔عمرو بن حسن بن علی، آپ کی اولاد نہیں ہے۔

۴۔قاسم بن عبداللہ بن جعفر اور ۵۔محمد بن عقیل اصغر (ملاحظہ ہو کتاب: ترجمۃ الامام الحسین علیہ السلام و مقتلہ، طبقات ابن سعد کا غیر مطبوعہ حصہ، ناشر موسسۃ آل البیت ص۷۷،۷۸، تحقیق عبدالعزیز طباطبائی اور ذہبی کی کتاب سیر اعلام النبلاء جلد۳ ص۳۰۳، البتہ باقر شریف قرشی نے عمرو بن حسن کی جگہ ''عمر بن حسن'' لکھا ہے اور ایک چھٹے فرد کا اضافہ بھی کیا ہے اور وہ ہیں ''زید بن الحسن'' اور اس کی نسبت کتاب ''مقاتل الطالبین ص۱۱۹ کی طرف دی گئی ہے'' ملاحظہ ہو کتاب حیاۃ الامام الحسین جلد۳ ص۳۱۲،۳۱۴)

اسی لیے کافی غور و خوض اور تحقیق کے باوجود یقین کی حد تک یہ کہنا مشکل ہے کہ میدان کربلا حضرت امام حسین

علیہ السلام کے ساتھ بنی ہاشم کے افراد کی تعداد کتنی تھی؟ لیکن جب ہم سید الشہداء کے علاوہ شہداء بنی ہاشم کی تعداد کو اور زندہ بچ جانے والوں کی تعداد کو ملا کر دیکھتے ہیں تو ہمیں ایک تخمینی تعداد ملتی ہے، مثلاً تاریخ کی کتابوں کے حوالہ سے بنی ہاشم سے شہداء کربلا کی مختلف تعداد کو ذکر کیا گیا ہے، جیسے تاریخ اسلام ذہبی ص ۲۱ میں ۶۱ھ کے حالات کے ضمن میں مراۃ الزمان یافعی جلد ۱ ص ۱۳۱ میں یہ تعداد گیارہ (۱۱) بتائی گئی ہے، لیکن ابن ابی حاتم نے سیرۃ نبویہ ص ۵۵۸ میں یہ تعداد نو (۹) لکھی ہے، جبکہ مشہور تعداد سترہ (۱۷) ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ تعداد صحیح بھی ہو کیونکہ بشارۃ المصطفیٰ ص ۴۲۶ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے آپ نے فرمایا:

> ''............ یہ وہ خون ہے جس کا مطالبہ خود خدا فرمائے گا جو اولادِ فاطمہؑ کو مصیبتیں پہنچی ہیں اور جو مصائب حسین علیہ السلام پر ڈھائے گئے ہیں اتنا کسی اور پر نہیں ڈھائے گئے، انہیں اہلِ بیتؑ کے سترہ افراد کے ساتھ شہید کیا گیا، انہوں نے راہِ خدا میں خیر خواہی کا مظاہرہ کیا اور صبر کیا، اللہ تعالیٰ انہیں صابروں کو ملنے والی سب سے بہتر جزا سے نوازے!''

جبکہ سب سے زیادہ تعداد جو ذکر کی گئی ہے وہ ستائیس (۲۷) شہداء کی ہے، اب اگر سب سے زیادہ اور سب سے کم تعداد کو دیکھا جائے تو یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے:

ا۔مجدی کی کتاب ''انساب الطالبیین ص ۱۵'' میں تاریخ خلیفہ ص ۱۴۶ میں البدایۃ والنہایۃ، جلد ۸ ص ۱۹۱ میں، الحسن ص ۱۳۴ میں، الاصابۃ ج ۱ ص ۳۳۴ میں، جواہر المطالب ج ۲ ص ۲۷۳ میں، تاریخ اسلام ص ۵ حالات ۶۱ ہجری میں، تاریخ مدینہ دمشق ج ۱۴ ص ۲۲۴، تاریخ الخلفاء ص ۲۰۷ میں یہ تعداد سولہ (۱۶) بتائی گئی ہے، جبکہ بعض میں انیس (۱۹)، بعض میں اکیس (۲۱) بعض میں بائیس (۲۲) اور بعض میں اس سے مختلف تعداد کا ذکر بھی ہے۔

مگر جب ہم کتاب طبقات ابن سعد کی روشنی میں کربلا میں بچ جانے والے بنی ہاشم کی تعداد کو دیکھتے ہیں تو وہ پانچ ہے اور بروزِ عاشورا شہداء کی تعداد سولہ ملتی ہے، اگر ان سب کو ملا کر دیکھا جائے تو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تمام بنی ہاشم کی تعداد بائیس (۲۲) بنتی ہے، جبکہ صحیح تعداد کا علم خدا کو ہے۔

میدانِ کربلا میں اصحابِ رسولؐ کی تعداد:

میدانِ کربلا میں حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے ساتھ خود آپ کے علاوہ صحابہ رسولؐ کافی تعداد

میں موجود تھے، کچھ تو وہ تھے جنہوں نے حضور اکرمؐ کی صحبت کا شرف حاصل کیا اور ساتھ ہی آپ سے احادیث بھی روایت کیں اور کچھ وہ تھے جنہوں نے آپ کی زیارت کا شرف اور آپؐ سے فیض حاصل کیا تھا۔

ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کی صحابیت کے بارے میں نہ تو کسی مورخ نے اختلاف کیا ہے اور نہ ہی کسی عالمِ علمِ رجال نے بالفاظِ دیگر وہ ''متفق علیہ'' صحابی ہیں، بعض وہ ہیں جن کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ صحابی تھے یا نہیں؟ بعض وہ ہیں جن کے بارے میں نام کی مشابہت کی وجہ سے شک ہے کہ آیا اس نام کا آدمی وہی شہید صحابی ہے یا کوئی اور؟ آگے چل کر ہم اسی کی وضاحت کریں گے اور اختلاف کی وجوہات بھی بیان کریں گے، اس وقت ہم صحابہ کرام اور انصار حسین علیہ السلام کا ذکر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

۱۔انس بن حارث کاہلی اسدیؓ:

یہ وہ بزرگوار صحابی ہیں جنہوں نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ: ''ان ابنی هذا...... یعنی الحسین علیه السلام ...... یقتل فی ارض یقال لها کربلا، فمن شهد ذالک منکم فلینصره '' (یعنی میرا یہ بیٹا...... حسینؑ...... ایسی سرزمین میں شہید کر دیا جائے گا جس کو کربلا کہتے ہیں، تو تم میں سے جو شخص بھی اس وقت موجود ہو اسے اس کی امداد کرنا چاہئے)

(ملاحظہ ہو تاریخ ابن عساکر ترجمہ امام حسینؑ، تحقیق محمودی ص ۳۴۷ نشر مجمع احیاء الثقافۃ الاسلامیہ)

۲۔عبدالرحمٰن بن عبدرب انصاری خزرجیؓ:

یہ وہ عظیم المرتبت صحابی رسولؐ ہیں جنہوں نے مقام ''رحبہ'' میں حضرت علی علیہ السلام کو یہ خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب آپؑ نے لوگوں کو گواہ بنا کر کہا حضور رسالت مآبؐ ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''أَلا اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَلِيِّي، وَ أَنَا وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ، أَلا فَمَنْ كُنْتُ مَوْلاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلاهُ، اَللّٰهُمَّ وَالِ مَن وَالاهُ وَ عَادِ مَنْ عَادَاهُ وَ اَحِبَّ مَنْ اَحَبَّهُ وَ أَبْغِضْ مَنْ أَبْغَضَهُ وَ أَعِنْ مَنْ أَعَانَهُ''

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ خداوند عزوجل میرا ولی ہے اور میں مومنوں کا ولی ہوں، تو جس کا میں ولی اور مولا ہوں اس کا علی مولا ہے، بارالہا! جو علیؑ کو دوست رکھے تو اسے دوست رکھ، جو اس سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ، جو اس

سے محبت کرے تو بھی اس سے محبت فرما، جو اس سے بغض رکھے تو اسے مبغوض قرار دے اور جو اس کی اعانت کرے تو اس کی اعانت فرما۔

(ابصار العین ص ۱۴۷، ۱۴۸، بحوالہ اسد الغابہ جزری جلد ۳ ص ۳۰۷)

۳۔ حبیب بن مظاہر۔ یا مظہر۔ اسدیؓ

آپ کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔

(ابصار العین ص ۱۰۰، بحوالہ جمہرۃ النسب بن کلبی ج ۱ ص ۲۴۱)

۴۔ عبداللہ بن یقطر حمیریؓ:

صحابی رسولؐ تھے کیونکہ آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہم عمر تھے اور دونوں ایک ہی آیا کی گود میں پلے تھے، حضور پیغمبر خداؐ کی زیارت، صحبت اور استفادہ کا شرف حاصل کیا۔

(ابصار العین ص ۹۳، اسے ابن حجر نے اپنی کتاب الاصابہ ج ۴ ص ۵۹، ابن حجر نے ان کا نام ''ابن یقطہ'' لکھا ہے۔)

۵۔ مسلم بن عوسجہ اسدیؓ:

صحابی رسولؐ تھے آنحضرتؐ کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔ (ابصار العین ص ۱۰۸، اسد الغابہ جزری ج ۴ ص ۲۶۴ انہوں نے ''ابوعوسجہ'' نام لکھا ہے، اصابہ ابن حجر ج ۶ ص ۹۶ میں)

۶۔ کنانہ بن عتیق تغلبی:

صحابی رسولؐ تھے اپنے والد عتیق کے ہمراہ جنگ احد میں شرکت کی، رسول خداؐ کے شہسواروں میں شمار ہوتے ہیں۔

۷۔ عمار بن ابی سلامہ دالانی ہمدانیؓ:

صحابی رسولؐ تھے حضورؐ کی زیارت کا شرف حاصل ہے اور حضورؐ کی ذات سے فیض حاصل کیا ہے۔

(ابن حجر اپنی کتاب ''الاصابہ'' ج ۳ ص ۱۱۲ نمبر شمار ۶۴۶۳ میں لکھتے ہیں کہ ''عمار بن سلامۃ بن عبداللہ بن عمران بن راس بن دالان، ہمدانی، دالانی، حضور پاکؐ سے فیض حاصل کیا، حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ ان کی جنگوں میں بھی شریک رہے، میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مل کر شرفِ شہادت حاصل کیا، ابن کلبی نے اسے ذکر

کیا ہے")

۸۔حضرت حمزہؑ کے غلام "حرث بن نبھان":

حضرت حرث کے والد "نبھان" حضرت حمزہ علیہ السلام کے غلام تھے اور حضرت حمزہ کی شہادت کے دوسال بعد ان کی وفات ہوگئی، حضرت حرث کوایک عرصے تک پیغمبر خداؐ کی زیارت کا شرف حاصل رہا، چونکہ حرث حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی زیرنگرانی پروان چڑھے تھے اور تربیت پائی تھی لہٰذا حضور رسالت مآبؐ کی قریب سے کئی مرتبہ زیارت کا شرف بھی ضرور حاصل کیا ہوگا۔

(تنقیح المقال ج ا ص ۲۴۸، ابصارالعین ص ۹۸، وسیلۃ الدارین ص ۱۱۷ نمبر شمار ۲۷)

اس مقام پر ہمیں دو اور اکابر صحابہ کرام کے نام بھی ملتے ہیں جن کے متعلق بتایا گیا ہے کہ ان کو بھی زمانہ رسالت مآبؐ نصیب ہوا ہے البتہ یہ معلوم نہیں ہوسکا ہے کہ انہوں نے آپؐ کی زیارت اور ملاقات بھی کی ہے یا نہیں؟ ان کے اسمائے گرامی یہ ہے:

ا۔زیاد بن عُریب ہمدانی صائدیؓ:

ابوعمرہ کے نام سے مشہور ہیں، انکے والد "عُریب" صحابی رسولؐ تھے، اسی چیز کو جملہ اہلِ طبقات نے بیان کیا ہے، ان کے یہی بیٹے ابوعمرہ کو زیارت رسالت مآبؐ کا شرف حاصل ہے۔ (ابصارالعین ص ۱۳۴، ۱۳۵)

۲۔عمرو بن ضبعہ ضبیعی تمیمیؓ:

زنجانی نے ان الفاظ میں آپ کے بارے میں ذکر کیا ہے:

"عسقلانی اپنی کتاب "الاصابہ" میں کہتے ہیں کہ ان کا نام عمرو بن ضبعہ بن قیس بن ثعلبہ ضبعی تمیمی" ان کا تذکرہ جنگوں اور غزوات میں ملتا ہے، بہادر شہسوار تھے، صحابیت کا شرف رکھتے ہیں۔ (وسیلۃ الدارین ص ۱۷۷ نمبر شمار ۱۱۲)

جن شہداء کی صحابیت کے بارے میں اختلاف ہے:

ا۔اسلم (یامسلم) بن کثیر اعرج ازدیؓ:

کتاب وسیلۃ الدارین میں محقق سماوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ آپ پیغمبر اکرمؐ کے تابعی تھے، لیکن "مستدرکات علم رجال الحدیث" ج ۷ ص ۴۱۵ نمبر شمار ۱۴۹۱۹ میں محقق نمازی نے ان کی صحابیت کا ذکر کیا ہے، اور وسیلۃ

الدارین ص ۱۰۵، ۱۰۶ میں زنجانی ابن حجر عسقلانی کی کتاب ''الاصابہ'' سے نقل کیا ہے کہ ''انہیں رسول اکرمؐ کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہوا ہے''

۲۔عمرو بن حمق خزاعیؓ کے غلام حضرت زاہرؒ:

بحارالانوار ج ۴۵ ص ۷۲ میں ہے کہ آپ پر زیارت ناحیہ میں سلام بھیجا گیا ہے، بعض علماء علم رجال نے ذکر کیا ہے کہ ''زاہر'' عمرو بن حمق خزاعی کے ساتھی تھے۔(ملاحظہ ہو''معجم رجال الحدیث'' جلد ۷ ص ۲۱۴ قاموس الرجال جلد ۴ ص ۴۰۳) اور محقق سماوی نے ذکر کیا ہے کہ ''زاہر بن عمرو کندی'' ہیں (ابصار العین ص ۱۷۳) محقق نمازی نے محقق مامقانی سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے: آپ زاہر بن عمر اسلمی کندی ہیں، بیعت شجرہ کرنے والوں میں سے ہیں، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث کو روایت کیا ہے، صلح حدیبیہ اور جنگ خیبر میں بھی آپ کی شرکت پائی جاتی ہے۔(مستدرکات علم رجال الحدیث ص ۲۱۳، ۲۱۴)

۳۔مولا علی علیہ السلام کے غلام سعد بن حرثؒ:

ان کے بارے میں محقق سماوی نے رسول خداؐ کی صحابیت کا ذکر نہیں کیا، بلکہ کہا ہے: سعد، حضرت علی علیہ السلام کے غلام تھے، آپ کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام کی صحابیت میں اور ان کے بعد امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آگئے، جب امام حسین علیہ السلام کاروان شہادت کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور پھر کربلا تشریف لے آئے تو سعد بھی ان کے ہمراہ تھے اور حملہ اولیٰ میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔(ابصار العین ص ۹۶)

محقق زنجانی نے عسقلانی کی کتاب ''الاصابہ'' سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''سعد بن حرث بن ساریۃ بن مرۃ......بن کنجب خزاعی، حضرت علی علیہ السلام کے غلام تھے، سرکار رسالت مآبؐ سے فیض پایا اور کوفہ میں حضرت علی علیہ السلام کی فوج میں شامل تھے.........''

محقق نمازی نے محقق مامقانی پر اعتماد کرتے ہوئے لکھا ہے: ''حضرت علی علیہ السلام کے غلام سعد بن حارث خزاعی، اصحاب رسولؐ میں سے تھے اور امیر المومنین علی علیہ السلام کے ''شرطۃ الخمیس'' سے تعلق بھی تھا اور آنجنابؑ کی طرف سے آذربائیجان کے گورنر بھی رہے ہیں..........'' (مستدرکات علم رجال الحدیث ج ۴ ص ۲۷، ۲۸ نمبر شمار ۶۱۴۶) لیکن شوشتری نے مامقانی کے ساتھ اتفاق نہیں کیا، (قاموس الرجال ج ۵ ص ۲۷، ۲۸)۔

نوٹ: ''شرطۃ الخمیس'' سرکار کی طرف سے لڑاکا فوجی دستہ جو ہر وقت جنگ کے لیے تیار رہتا تھا اور اس دستے کا یہ

نام حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فوج کے پیشگام دستے کے لیے تجویز کیا تھا اور اس کو ''خمیس'' اس لیے کہتے ہیں کہ اس لشکر کے پانچ حصے ہوا کرتے تھے ۱۔مقدم ۲۔ساقہ ۳۔میمنہ ۴۔میسرہ ۵۔قلب

۴۔یزید بن مغفل جعفیؒ:

محقق سماوی نے مرزبانی کی کتاب ''معجم الشعراء'' میں مذکور عبارت کو اس بارے میں نقل کیا ہے کہ: ''انہ کان من التابعین و ابوہ من الصحابة'' یعنی یزید تو تابعین میں سے ایک تھا اور اس کا باپ اصحاب رسولؐ میں سے تھا۔

جبکہ مامقانی کہتے ہیں: ''ادرک النبی (ص) و شهد القادسية فی عهد عمر...... ''یعنی صحبت پیامبرؐ کو حاصل کیا ہے اور عہد عمر میں جنگِ قادسیہ میں شریک ہوئے......۔

(تنقیح المقال جلد ۳ ص ۳۲۸، مستدرکات علم رجال الحدیث جلد ۸ ص ۲۶۳)

نوٹ: یاد رہے مستدرکات...... میں آپ کا نام ''یزید بن معقل'' لکھا ہے، جبکہ زنجانی نے الاصابۃ عسقلانی سے نقل کیا ہے کہ: ''آپ کا نام یزید بن مغفل بن عوف بن عمیر بن کلب بن ذہیل..........بن جعف سعد مذحجی جعفی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے شرفیاب ہوئے تھے اور عہد عمر بن خطاب میں آپ بھی اور آپ کے ایک بھائی زہیر بن مغفل جنگ قادسیہ میں شرکت کر چکے ہیں'' (وسیلۃ الدارین ص ۱۵۵)

۵۔شبیب بن عبداللہؒ، حرث بن سریع کوفی کے غلام:

محقق سماوی نے آپ کا رسول اکرمؐ کی صحبت اور استفادہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، لیکن محقق زنجانی نے ابن کلبی سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: ''شبیب بن عبداللہ کو حضرت پیغمبر خداؐ کی صحبت اور آپ سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا ہے اور حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہے'' (وسیلۃ الدارین ص ۱۵۵)

۶۔جنادہ بن حرث سلمانی ازدی کوفیؒ:

کتاب وسیلۃ الدارین میں محقق زنجانی کہتے ہیں: علی بن الحسین ابن عساکر اپنی تاریخ میں کہتے ہیں کہ ''آپ کا نام جنادہ بن حرث بن عوف بن امیہ بن قلع بن عبادہ بن حذیق بن عدی بن زید بن عامر بن ثعلبہ بن حارث بن حرث مذحجی مرادی، سلمانی کوفی ہیں آپ کو شرفِ صحبت رسول اکرمؐ اور کسبِ فیض حاصل ہوا ہے'' اسی طرح محقق مامقانی نے اہلِ سیَر سے بیان کیا ہے کہ آپ کا شمار اصحابِ رسولؐ میں ہوتا ہے'' (ملاحظہ ہو: تنقیح المقال مامقانی جلد ۱ ص ۲۳۴، مستدرکات علم رجال الحدیث جلد ۲ ص ۲۳۹)

۷۔جندب بن حجیر خولانی کوفیؒ:

محقق زنجانی کتاب ''وسیلۃ الدارین ص۱۱۴'' میں فرماتے ہیں: ابن عساکر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ آپ کا نام جندب بن حجیر بن زہیر بن حارث بن کثیر بن جشم بن حجیر کندی خولانی کوفی ہے، آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ کو سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحابیت کا شرف حاصل ہے، کوفہ کے رہنے والے تھے علی بن ابی طالبؑ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئے، قبیلہ کندہ اور قبیلہ ازد کے لشکروں کی کمان آپ کے پاس تھی۔

مامقانی تنقیح المقال جلد ۱ ص ۲۳۶ میں اور ابن منظور مختصر تاریخ دمشق جلد ۶ ص ۱۲۱ میں فرماتے ہیں کہ: اہلِ سیر نے ذکر کیا ہے کہ آپ صحابی رسولؐ تھے اور شیخ سماوی کتاب ابصار العین ص ۱۷۴ میں فرماتے ہیں: ''جندب کا شمار مشہور اور باوقار شیعوں میں ہوتا ہے اور آپ کو امیر المومنین علی علیہ السلام کی صحابیت کا شرف حاصل ہے............''

شہداء کربلا میں اصحاب امیر المومنین علیہ السلام:

کربلا کے میدان میں حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کے یار و انصار میں جہاں اصحاب رسولؐ شامل ہیں وہاں اصحاب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ایک بہت بڑی تعداد بھی شامل ہے اور یہ تعداد اس کے علاوہ ہے جن کا اصحاب رسولؐ میں ذکر ہو چکا ہے یا جن کا تعلق بنی ہاشم سے ہے یا مورخین نے جنہیں صراحت کے ساتھ اصحاب امیر المومنینؑ میں ذکر نہیں کیا، یا تاریخ نے جن کی سیرت کے بارے انصاف سے کام نہیں لیا، ان کی کم از کم اور یقین کی حد تک تعداد بیس افراد بنتی ہے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱	سعد بن حرثؒ (مولا علیؑ کے غلام)	۲	نصر بن ابی نیزر (مولا علیؑ کے غلام)
۳	ابوثمامہ صائدی	۴	بریر بن خضیر ہمدانیؒ
۵	شوذب بن عبداللہؒ	۶	جنادہ بن حرث سلمانی مذحجیؒ
۷	مجمع بن عبداللہ عائذیؒ	۸	نافع بن ہلال جملیؒ
۹	حجاج بن مسروق جعفیؒ	۱۰	یزید بن مغفل جعفیؒ
۱۱	نُعیم بن عجلان انصاری خزرجیؒ	۱۲	جندب بن حجیر کندی خولانیؒ
۱۳	جون بن حویؒ (حضرت ابوذر کے غلام)	۱۴	اسلم یا (مسلم) بن کثیر اعرج اسدیؒ

۱۵	نعمان بن عمرو ازدی راسبیؓ	۱۶	حُلاس بن عمرو ازدی راسبیؓ
۱۷	امیہ بن سعد طائیؓ	۱۸	قاسط بن زہیر بن حرث تغلبیؓ
۱۹	کردوس بن زہیر بن حرث تغلبیؓ	۲۰	مقسط بن زہیر بن حرث تغلبیؓ

لشکرِ امام کے عناصر ترکیبی:

حضرت سید الشہداء اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کے لشکر میں عالمِ اسلام کے تین مشہور و معروف علاقوں کے افراد شریک تھے: ۱۔حجاز (بنیادی طور پر مدینہ منورہ کا شہر اور جُہینہ کے اطراف) ۲۔کوفہ اور ۳۔بصرہ

مرحوم محقق شیخ سماوی کی تحقیقی کتاب ابصار العین میں اور بعض دوسرے محققین کی تحقیق کے مطابق بنو ہاشم، ان کے غلاموں، صحابی رسول عبد الرحمٰن بن عبد رب انصاری خزرجی، جنادہ بن کعب بن حرث انصاری، ان کے فرزند عمرو بن جنادہ، حضرت ابوذر غفاری کے غلام جون، ان سب پر خدا کی رحمتیں ہوں ان کا تعلق ''حجاز'' سے تھا اور تین دیگر افراد جو امام علیہ السلام کے ساتھ آملے تھے اور آپ کے حضور تادمِ شہادت آپ کی خدمت میں رہے ان کا تعلق جُہینہ کے اطراف سے تھا اور ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ۱۔مجمع بن زیاد جہنی ۲۔عباد بن مہاجر جہنی اور ۳۔عقبہ بن سلت جہنی، رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

کوفہ سے جن اصحاب و انصار حسینؑ کا تعلق شیخ سماوی کی تحقیق کے مطابق ان کی تعداد مع ان کے اپنے غلاموں کے اڑسٹھ (۶۸) بنتی ہے اور ان کوفی حضرات رضوان اللہ علیہم اجمعین، کی لشکرِ حسین علیہ السلام میں سب سے زیادہ تھی۔

جہاں تک بصرہ والوں کا تعلق ہے تو اس بارے میں ان کی تعداد نو (۹) بنتی ہے، مع اپنے غلاموں کے یہ ہیں:

۱۔یزید بن ثبیط (یا نبیط) عبدی بصری (بنی عبد قیس سے) ان کے دونوں فرزند ۲۔عبداللہ

۳۔عبیداللہ ۴۔عامر بن مسلم عبدی بصری ۵۔ان کے غلام سالم اور ۶۔سیف بن مالک عبدی بصری

۷۔ادہم بن امیہ عبدی بصری ۸۔حجاج بن بدر تمیمی بصری ۹۔قعنب بن عمر نمری بصری

(خدا کی ان سب پر رحمتیں ہوں)

نوٹ: محقق زنجانی نے ایک اور دسویں شخصیت کا ذکر بھی کیا ہے اور وہ ہیں حضرت شبیب بن عبداللہ نہشلی بصریؒ ملاحظہ فرمایئے: شیخ طوسیؒ اپنی کتاب رجال کے صفحہ ۷۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''شبیب بن عبداللہ نہشلی بصری، حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے'' اور علامہ محمد صادق بحر العلوم شیخ طوسی کے اسی قول کے ذیل میں کہتے ہیں:

اہلِ سیر کا کہنا ہے کہ شبیب بن عبداللہ تابعی تھے، امیر المومنینؑ کے صحابی تھے۔ امیر المومنینؑ کے بعد امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی خدمت میں، آپ کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں رہ کر زندگی گزاری اور کربلا میں بروز عاشورا حملہ اولیٰ میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

(یہی بات ابن شہر آشوب اپنی کتاب مناقب میں، اسی طرح ذخیرۃ الدارین ص ۲۱۹، وسیلۃ الدارین ص ۱۵۵، ۱۵۶ اور مستدرکات علم رجال الحدیث ص ۴ ص ۱۹۹ میں تحریر ہے)

انصارِ حسینؑ میں غلاموں کی تعداد:

محقق سماوی کی تحقیق کے مطابق امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہونے والے غلاموں کی تعداد قطعی اور یقینی حد تک سولہ (۱۶) ہے۔

یہ تعداد کم از کم یقینی حد تک ہے اس لیے کہ کچھ افراد وہ بھی ہیں جن کا تاریخ نے ذکر نہیں کیا اور کچھ وہ ہیں جن کے بارے میں صحیح معلومات حاصل نہیں ہو سکیں، جیسے حضرت نافع بن ہلال جملی ہیں۔

اب ان حضرات کے اسمائے گرامی:

۱	حضرت علیؑ کے غلام نصر بن ابی نیزرؓ	۲	حضرت علیؑ کے غلام سعد بن حرثؓ
۳	امام حسینؑ کے غلام اسلم بن عمروؓ	۴	امام حسینؑ کے غلام قارب بن عبداللہ دئلیؓ
۵	امام حسینؑ کے غلام منجح بن سہمؓ	۶	حضرت حمزہؓ کے غلام حرث بن نبہانؓ
۷	عمرو بن خالد صیداوی کے غلام سعدؓ	۸	شاکر کے غلام شوذبؓ
۹	حرث بن سریع ہمدانی جابر کے غلام شبیبؓ	۱۰	حرث مذحجی سلمانی کے غلام واضح ترکیؓ
۱۱	عمرو بن حمق خزاعی کے غلام زاہرؓ	۱۲	حضرت ابوذر غفاریؓ کے غلام جون حویؓ
۱۳	اہلِ مدینہ میں سے غلام سالم بن عمروؓ	۱۴	اسلم یا مسلم بن کثیر کے غلام رافع بن عبداللہؓ
۱۵	عامر بن مسلم عبدی کے غلام سالمؓ	۱۶	حضرت ربابؑ کے غلام عقبہ بن سمعانؓ
	(ابصار العین ص ۱۱۵)	۱۷	حر بن یزید ریاحی کے غلام ترکیؓ (مقتل خوارزمی جلد ۲ ص ۱۱)

لشکرِ امام حسین علیہ السلام کے القاب:

حضرت امام حسین علیہ السلام کے الٰہی لشکر اور مجاہدین فی سبیل اللہ کو روایات اور تاریخ میں بہت سے مختلف ناموں کے ساتھ یاد کیا گیا ہے، جس سے ان کی پاکباز جانبازوں کی علومرتبت اور بلندیٔ شان کا پتہ چلتا ہے، ان مقدس القاب کو ہم یہاں تاریخ کے حوالے کے ساتھ ذکر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

۱۔عِبَادُ اللّٰہِ الصَّالِحُوْنَ (اللہ کے نیک بندے) بحوالہ مقتل الحسینؑ خوارزمی جلد۲ص ۱۵

۲۔عُشَّاقُ شُھَدَاءَ (شہادت کے عاشق) بحارالانوار جلد۴۱ص ۲۹۵

۳۔اَلطَّیِّبُوْنَ (پاک و پاکیزہ لوگ) ابصارالعین ص۱۲۱

۴۔الذَّاکِرُوْنَ اللّٰہَ (اللہ کو یاد رکھنے والے) ابصارالعین ص ۱۰۷

۵۔اَھْلُ الْبَصَآئِرِ (صاحبانِ بصیرت) مقتل الحسینؑ خوارزمی جلد۲ص ۱۸

۶۔حَمَلَۃُ الْحَدِیْثِ (محدثین) ابصارالعین جلد۲ص ۱۲۹

۷۔اَلْاَتْقِیَاءُ الْاَبْرَارِ (متقی اور نیکوکار) الفتوح جلد۵ص ۱۷۷

۸۔الْمُجْتَھِدُوْنَ بِالْاَسْحَارِ (بوقت سحر جد و جہد کے ساتھ خدا کو پکارنے والے) ابصارالعین ص ۱۰۳،الفتوح جلد۵ ص ۱۷۷

۹۔الْعُبَّادُ النُّسَّاک (عابد و زاہد) ابصارالعین ص ۱۰۷

۱۰۔شُیُوْخُ الْقُرَّآءِ، قُرَّآءُ الْقُرْآن (حفاظ اور قاریان قرآن) ابصارالعین ص ۱۲۱، مقتل الحسین خوارزمی جلد۲ص ۲۸

۱۱۔اُسُدُ الْاُسُوْدِ (شیروں کے شیر) مقتل الحسین خوارزمی جلد۲ص ۲۷

۱۲۔فُرْسَانُ الْمِصْرِ (شہر کے شہسوار) تاریخ طبری جلد۳ص ۳۲۴

۱۳۔اَلْقَوْمُ الْمُسْتَمِیْتُوْنَ (موت کے عاشق لوگ) مقتل الحسین خوارزمی جلد۲ص ۱۸

۱۴۔قَتَلَۃُ الْمُشْرِکِیْنَ (مشرکوں کے قاتل) مقتل الحسین خوارزمی جلد۲ص ۱۹، ابصارالعین ص ۱۱۰

۱۵۔فَقَرَۃُ الظَّھْرِ وَ رَأْسُ الْفَخْرِ (ریڑھ کی ہڈی اور قابلِ فخر سردار) ابصارالعین ص ۲۱۲

اموی فوج کا تعارف:

اس مقام پر بہتر معلوم ہوتا ہے کہ قدرے ان لوگوں کا بھی تعارف کراتے چلیں جو الٰہی لشکر اور خدائی فوج کے مقابلے میں میدانِ کربلا آئے اور آکر ان سے جنگ کی انہیں قتل کیا، ان کے لاشوں کو پامال کیا، ان کے خیام کو غارت کرنے کے بعد آگ لگادی، آلِ رسولؐ کے معصوم اور یتیم بچوں اور پیغمبر اسلام کی بہو بیٹیوں اور دوسری مخدرات عصمت کو قید کر کے در بدر پھرایا کوفہ وشام کے بازاروں اور درباروں میں ان کی بے مقنع وچادر تشہیر کی۔

کیونکہ روشنی کی قدر و قیمت اس وقت ہوتی ہے جب تاریکی کا وجود ہو، باطل کی موجودگی میں حق کی صحیح معرفت ہوتی ہے، باطل نہ ہو تو حق کا صحیح معنوں میں پتہ نہیں چل سکتا، اس لیے کہ مشہور قول ہے: ''تُعْرَفُ الْاَشْيَآءُ بِاَضْدَادِهَا'' چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں، لہٰذا ہم مناسب یہی سمجھتے ہیں کہ ان کا کسی حد تک تعارف کرایا جائے، کیونکہ خدا کے ان دشمنوں نے تاریخ عالم کے اس انوکھے جرم کا ارتکاب کیا ہے کہ جس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ان کے بارے میں خود حضرت سید الشہداء علیہ السلام اور ان کے جاں نثار ساتھیوں نے کیا فرمایا؟ تاریخ کی روشنی میں ہم یہاں کچھ عرض کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسی سے اس شیطانی لشکر کی اصلیت اور کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔شِيْعَةَ آلِ ابی سفيان (آلِ ابوسفیان کے پیروکار) الفتوح جلد۵ ص۱۳۴

۲۔عُتَاة (سرکش اور نافرمان) الفتوح جلد۵ ص۱۳۴

۳۔جُهَّال (بے علم جاہل) وقعۃ الطف ص۲۵۲

۴۔شیعةُ الشیطان (شیطان کے پیروکار) نورالابصار ص۴۴

۵۔فُسّاق (فاسق وفاجر لوگ) عمدۃ الطالب

۶۔المَلِيْئَةُ بُطُوْنُهُمْ مِنَ الْحَرَامِ (حرام مال سے پیٹ بھرنے والے) الحقائق الوردیہ ص۱۱۸

۷۔اَلْمَمْسُوْخُوْنَ (بگڑی ہوئی مخلوق) مقتل الحسین خوارزمی جلد۲ ص۲۴

۸۔عَبِيْدُ الْاَمَةِ (ایک لونڈی کے غلام) مقتل الحسین خوارزمی جلد۲ ص۲۴

۹۔شُذَّاذُ الْاَحْزَابِ (پسماندہ گروہ) مقتل الحسین خوارزمی جلد۲ ص۲۴

۱۰۔شِرَارُ الْاَحْزَابِ (بدترین گروہ) اللھوف ص۱۵۶

۱۱۔نَبَذَةُ الْكِتَابِ، مُحَرِّفُوالْكَلِمِ، عُصْبَةُ الْاِثْمِ، نَفَثَةُ الشَّيْطَانِ، مُطْفِؤُو السُّنَنِ (کتاب خدا کو پس پشت ڈالنے والے، کلامِ الٰہی کی تحریف کرنے والے، گناہوں کا مجموعہ، شیطانی روحیں، چراغِ سنت کو بجھانے والے) مقتل الحسین

خوارزمی جلد۲ص۲۴

۱۲۔ظالمون (ستم گار) کامل ابن اثیر جلد۴ص۷۵

۱۳۔سُفَہَآء (عقل سے عاری) نوارالابصار ص۱۴۴

۱۴۔اَلْمَطْبُوْعُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (ان کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے) الارشاد شیخ مفیدؒ جلد۲ص۹۸

۱۵۔اُمَّةُ السُّوْءِ (بہت بری قوم) مقتل الحسین خوارزمی جلد۲ص۹۔۳۹

۱۶۔شَارِبُوا الْخَمْرِ (شرابی) تذکرۃ الخواص ص۲۱۸

۱۷۔مُوذُو الْمُؤْمِنِیْنَ (مومنین کواذیت دینے والے) مقتل الحسین خوارزمی جلد۲ص۹

۱۸۔صُرَاخُ اَئِمَّةِ الْمُسْتَھْزِئِیْنَ (دین کا مذاق اڑانے والے سربراہوں کے مددگار) مقتل الحسین خوارزمی جلد۲ص۹

۱۹۔أَكَلَةُ الْغَاصِبِ (چٹ کر جانے والے غاصب لوگ) مقتل الحسین خوارزمی جلد۲ص۹

۲۰۔قَتَلَةُ اَوْلَادِ الْاَنْبِیَآءِ (اولادِ انبیاء کے قاتل) مقتل الحسین خوارزمی جلد۲ص۹

۲۱۔مُبِیْرُوا عِتْرَةِ الْاَوْصِیَآءِ (اوصیاء رسول کی عترت کو تباہ کرنے والے) مقتل الحسین خوارزمی جلد۲ص۹

۲۲۔مُلْحِقُوا الْعِھَارِ بِالنَّسَبِ (زنا کاروں کو اپنے نسب کے ساتھ ملانے والے) مقتل الحسین خوارزمی جلد۲ص۹

۲۳۔عُظَمَآءُ الْجَبَّارِیْنَ (بہت بڑے جابر اور ظالم لوگ) الارشاد شیخ مفید جلد۲ص۹۶، تاریخ طبری جلد۳ص۳۱۸

۲۴۔قَتَلَةُ اَوْلَادِ الْبَدْرِیِّیْنَ (جنگِ بدر کے مجاہدین کی اولاد کے قاتل) مقتل الحسین خوارزمی جلد۲ص۱۴

۲۵۔قَتَلَةُ عِتْرَةِ خَیْرِ الْمُرْسَلِیْنَ (پیغمبر خدا کی اولاد کے قاتل) مقتل الحسین خوارزمی جلد۲ص۱۴

۲۶۔قَتَلَةُ الْمُؤْمِنِیْنَ (مومنین کے قاتل) مقتل الحسین خوارزمی جلد۲ص۱۴

۲۷۔اَلْخَبِیْثُوْنَ (بدباطن وبدطینت) ابصار العین ص۱۲۳

۲۸۔اَوْلَادُ الزِّنَاءِ (زنازادے) تاریخ طبری جلد۳ص۳۲۱

۲۹۔اَلطُّغَامُ (رذیل ترین) وقعۃ الطف ص۲۵۲

۳۰۔مُظْھِرُوا لْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ (زمین میں فساد برپا کرنے والے) تذکرۃ الخواص ص۲۱۸

۳۱۔مُبْطِلُوا الْحُدُوْدِ (حدودِ الٰہی کو برباد کرنیوالے) تذکرۃ الخواص ص۲۱۸

۳۲۔اَلْمُسْتَاثِرُوْنَ فِی اَمْوَالِ الْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِیْنَ (غریبوں اور مسکینوں کے مال کو ہڑپ کر جانے والے) تذکرۃ الخواص ص۲۱۸

راہیانِ شہادت

مقدمہ:

حضرت سید الشہداء ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کے خونین قیام نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا اور اپنے مظلوم خون کی مقدس دھار سے دشمن کے ناپاک شیطانی عزائم پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ قیامت تک کیلئے اس کا نام داخلِ دشنام کر دیا اور تلوار پر خون کو غالب کر کے بتا دیا کہ دشمن خواہ کس قدر طاقت ور کیوں نہ ہو قربانی، فداکاری اور مظلومیت کے ذریعہ اس کو زیر کیا جا سکتا ہے۔

حضرت سید الشہداءؑ کا یزید کے مقابل قیام، اسلام اور مسلمانوں کی عظمت و سربلندی کی بحالی کیلئے تھا، اگر آپ کا قیام عمل میں نہ آتا تو آج نہ تو کسی مسلمان کا نام و نشان ہوتا اور نہ ہی کسی کو اسلام کا علم ہوتا، امام عالی مقام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مخلص، بے لوث، جانثار، وفادار اور جان سپار ساتھیوں یعنی اصحاب و اہلبیت کے برگزیدہ افراد کے ذریعہ مسلم امہ کی مصلحتوں کو پیشِ نظر رکھ کر ذاتی مفادات پر اسلامی مفاد کو ترجیح دی اور مقدس جانوں کا نذرانہ پیش کر کے اسلام کو حیاتِ جاوداں بخش دی۔

نقش الا اللہ بر صحرا نوشت

سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت

حقیقت یہ ہے کہ امام عالیمقامؑ کے جانثار اور وفادار ساتھیوں نے آپ کے مشن کی تکمیل کیلئے جس شجاعت، شہامت، جاں نثاری اور فداکاری کا مظاہرہ کیا تاریخ میں اس کی مثال ملنا محال ہے۔

کیونکہ میدانِ کربلا میں دشمن کی بے شمار ٹڈی دل فوج کہ جس کی تعداد کم از کم 37000 (سینتیس ہزار) اور زیادہ کی حد معلوم نہیں، کے مقابلہ کیلئے زیادہ سے زیادہ ایک سو ستر کی تعداد بنتی ہے جن میں سے سو پیادے اور ستر سوار تھے۔

اگر چہ وہ تعداد میں کم تھے مگر سب اس جذبہ سے سرشار کہ رسولِ خداؐ کے نواسے اور اپنے زمانہ کے امامؑ کی مدد کریں گے، ان کے بتائے ہوئے شرعی اور دینی مقاصد کو اندھی، گونگی اور بہری دنیا تک پہنچائیں گے، اور اپنی جان کا

نذرانہ پیش کر کے اللہ کے دین اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو زندہ کریں گے، چنانچہ وہ اس پختہ عقیدہ، کامل یقین اور حتمی اطمینان کے ساتھ بہشت جنت سرشت اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے پاک و پاکیزہ اہلِ بیت علیہم السلام کے پاس جانے کیلئے جان کی بازی لگادی۔

پوری جرأتِ ایمانی سے لڑے، ہتھیار نہیں ڈالے، دشمن کو قتل کیا مگر کسی کے ہاتھوں قید نہیں ہوئے، یہاں تک لڑے کہ جان قربان کردی اور شہادت کے عدیم المثال اور بے نظیر منصب کو حاصل کرلیا، جنگ کے دوران اپنا اور خاندان علم وسیادت اور شرافت وفضیلت کا تعارف کرایا، دین الٰہی کے تحفظ کا خدائی فریضہ پورا کر کے سرخرو ہو کر اپنے اللہ کی بارگاہ میں جا پہنچے۔

یہی وجہ ہے کہ خود حضرت اباعبد اللہ الحسین علیہ السلام نے شبِ عاشورا ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: جیسا کہ کتاب کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۸۴ جلد ۴ ص ۵۷، احقاق الحق جلد ۱۱ ص ۶۱۱، اعلام الوریٰ ص ۲۳۴ میں ہے:

''میں اپنے اصحاب سے بہتر اور باوفا تر کسی کے اصحاب کو اور نہ ہی اپنے اہلِ بیت (ع) سے بڑھ کر وفادار اور صلہ رحمی کرنے والا کسی کے اہلِ بیت کو دیکھتا ہوں، خداوندِ عالم آپ سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے......''

یہاں پر ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ مجاہدینِ راہِ خدا سورہ احزاب آیت ۲۳ میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق:

''مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ. وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا''

کچھ مومنین ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدے کو سچا کر دکھایا، ان میں سے بعض نے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کیا اور بعض ان میں سے انتظار کر رہے ہیں، اور وہ ذرہ برابر بھی نہیں بدلے۔

اسی طرح سورہ بقرہ آیت ۱۷۷ کے مطابق:

''وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا . وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ''

تنگدستی اور مصیبت کے وقت جنہوں نے ثابت قدمی اور اولوالعزمی کے ساتھ اپنی مقدس جانوں کا نذرانہ پیش کر کے اپنے آپ کو زندہ جاوید بنا دیا، اور قیامت کے دن تک آنے والی نسلوں کو وفاداری، حق کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے، اور بردباری اور فداکاری کا درس دیا۔

اور قرآنِ پاک کی سورہ آلِ عمران آیت ۱۶۹ کا حقیقی مصداق ٹھہرے:

''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا . بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ''

جو لوگ راہِ خدا میں جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں انہیں مردہ مت سمجھو، وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں سے روزی پا رہے ہیں۔

نیز سورہ بقرہ آیت ۱۵۴ کے مطابق:

''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ. بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ''

اور جو لوگ راہِ خدا میں مارے جاتے ہیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم ان کی زندگانی کا ادراک نہیں رکھتے۔

ناظرین! جیسا کہ ہم کامل ابن اثیر جلد ۴ ص ۵۷ کے مطابق عرض کر چکے ہیں کہ حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام نے اپنے جاں نثار ساتھیوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ:

''فَاِنِّيْ لَا اَعْلَمُ اَصْحَابًا اَوْفٰى وَلَا خَيْرًا مِّنْ اَصْحَابِيْ، وَلَا اَهْلَ بَيْتٍ اَبَرَّ وَ اَوْصَلَ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ''

میں نہ تو اپنے اصحاب سے بڑھ کر کسی کے اصحاب کو باوفا اور بہتر، اور اپنے اہلِ بیتؑ سے بڑھ کر کسی کے اہلِ بیت کو نیک سیرت اور صلہ رحمی کے لحاظ سے بالاتر سمجھتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ جامِ شہادت نوش کرنے والے اصحاب باوفا بھی تھے جن کا خاندانِ عصمت وطہارت کے ساتھ تعلق نہیں تھا، اور اہلِ بیت اطہار کے نیک سیرت اور پاک طینت افراد بھی تھے، جن کا تعلق بنوہاشم سے تھا اور ان میں نمایاں افراد خاندانِ ابوطالبؑ سے تھے۔

قابلِ احترام ناظرین! جہاں تک اصحابِ سید الشہداء علیہ السلام کی تعداد کا تعلق ہے تو اس بارے میں مورخین کے مختلف اقوال ہیں، ان میں سے بعض اصحاب تو وہ ہیں جنہوں نے عاشورا کے دن حملۂ اولیٰ میں جامِ شہادت نوش فرمایا، چنانچہ کتاب مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ ص ۱۱۳ میں ہے کہ ان کی تعداد چالیس تھی، مگر اس میں صرف اٹھائیس شہداء کے ناموں کو ذکر کیا گیا ہے، جن میں سے دس افراد حضرت امام حسین علیہ السلام کے خدمت گزار اور دو حضرت امیر علیہ السلام کے نوکروں میں سے تھے۔

البتہ ہم اس موقع پر ان شہداءِ راہِ خدا کے اسماءِ گرامی کو کتاب ''اِبصار العین فی انصار الحسین'' تالیف شیخ محمد بن

طاہر سماوی سے بیان کریں گے اور ساتھ ہی ان کا مختصر تعارف بھی پیش کریں گے جن کے تعارف کے بارے میں ہمیں کچھ مل سکا ہے، چنانچہ ان میں سے:

ا۔ ادہم بن امیہ:

ہیں جن کا تعلق بصرہ سے تھا اور بصرہ میں امام عالی مقام علیہ السلام کی نصرت کیلئے ایک مومنہ خاتون ''ماریہ'' کے گھر میں ان کا دیگر شیعیانِ علیؑ کے ساتھ اجتماع ہوا تھا اور وہ یزید بن شبیط ــــــ یا ــــــ یزید بن عبیط کے ہمراہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی نصرت کیلئے بصرہ سے چل پڑے تھے اور آپ کے ساتھ مکہ معظمہ میں آن ملے تھے، اور تا دمِ شہادت آپؑ کے ہمراہ رہے، اور کتاب وسیلۃ الدارین ص ۹۹ میں ہے کہ ان کا شمار صحابہ رسولؐ میں ہوتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقلِ حدیث کی تھی۔

۲۔ امیہ بن سعد:

ان کا شمار حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے اصحاب میں ہوتا ہے اور تابعین سے ان کا تعلق ہے، کوفہ میں رہائش پذیر تھے، جب انہیں معلوم ہوا کہ امام عالی مقامؑ کربلا تشریف لے آئے ہیں تو جنگ شروع ہونے سے پہلے آپ کی خدمت میں کربلا حاضر ہو گئے اور بروزِ عاشورا جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۳۔ بُشر بن عمر:

تابعین سے تعلق رکھتے تھے، جنگوں میں ان کے فرزندان کی دلاوری زبان زدِ خاص وعام تھی، جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی کربلا میں خدمتِ امامؑ میں حاضر ہو کر شرفِ شہادت حاصل کیا۔

۴۔ جابر بن حجاج:

آپ کا شمار حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے بہادر اور وفادار ساتھیوں میں ہوتا ہے، عاشورا کے دن ظہر سے پہلے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۵۔ حباب بن عامر:

کوفہ کے رہنے والے تھے، ان کا شیعیانِ علی علیہ السلام میں شمار ہوتا تھا، حضرت مسلم بن عقیلؑ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تھی، حالات کی تبدیلی کے ساتھ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ اثنائے راہ آن ملے تھے۔

۶۔ جبلہ بن علی:

کوفہ کے بہادروں میں سے تھے، اوائل میں حضرت مسلم بن عقیلؑ کے ساتھ تھے پھر حالات کی وجہ سے اثنائے راہ میں سید الشہداءؑ سے آن ملے تھے۔ جبکہ کتاب ''وسیلۃ الدارین ص ۱۱۷ میں ہے کہ آپ میدانِ کارزار میں آئے تھے اور جنگ کی اور جامِ شہادت نوش فرمایا''

۷۔ جنادہ بن کعب:

مکہ معظّمہ ہی سے امام عالی مقامؑ کے کاروانِ شہادت سے آ ملے تھے اور کربلا میں پہنچ کر بروزِ عاشوراء جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۸۔ جندب بن حُجیر کِندی:

ان کا شمار مولا علی علیہ السلام کے اصحاب میں ہوتا ہے، مشہور و معروف بزرگ شیعہ تھے، جب حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ سے کربلا کی طرف راہی سفر تھے، ''حرّ'' کی امامؑ سے ملاقات سے پہلے آپؑ سے آن ملے تھے اور کربلا تک آپ کے ہمراہ رہے، سیرت نگاروں کے نزدیک یہ ہے کہ آپ آغازِ جنگ ہی میں شرفِ شہادت حاصل کر کے راہی خلدِ بریں ہوئے، جبکہ بعض مورخین کے مطابق آپ کے فرزند حجیر بن جندب بھی حملہ اولیٰ میں شہید ہو گئے تھے، لیکن یہ کہیں نہیں ملتا کہ اپنے والد کے ساتھ شہید ہوئے تھے۔

۹۔ جوین بن مالک:

شیعوں سے تعلق تھا، قبیلہ بنی تمیم میں رہتے تھے اور انہی کے ساتھ مل کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے میدانِ کربلا میں آئے اور جب عمر بن سعد نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شرائط ماننے سے انکار کر دیا تو وہ بھی کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر سپاہِ کوفہ سے نکل کر ہنگامِ شب حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی خدمت میں آ پہنچے۔

یاد رہے کہ کتاب ابصار العین کی تصریحات کے مطابق شبِ عاشور الشکر ابن سعد سے تقریباً تمیں افراد نکل کر مظلومِ کربلا کی امداد کیلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

۱۰۔حارث بن امرؤالقیس:

کا شمار عرب کے مشہور بہادروں میں ہوتا تھا، اور کئی جنگوں میں شریک ہو کر دادِ شجاعت دی، عمر بن سعد کے لشکر میں شامل ہو کر امامِ مظلوم کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے کربلا آئے، جب دیکھا کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی باتوں کی طرف توجہ نہیں دی جا رہی، تو لشکرِ یزید کو چھوڑ کر سید الشہداء کی سپاہ کم تعداد سے آن ملے اور شرفِ شہادت حاصل کیا۔

۱۱۔حارث بن نبہان:

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے غلام نبہان کے صاحبزادے تھے جن کا بہادر شہسواروں میں شمار ہوتا تھا، خود حارث حضرت امام علی اور جناب امام حسن علیہما السلام سے تعلقات تھے کربلا میں تشریف لے آئے اور شرفِ شہادت کے حامل ہوئے۔

۱۲۔حجاج بن بدر:

بصرہ کے رہنے والے تھے، حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام نے اہلِ بصرہ کے نام جو خط لکھا تھا بصرہ والوں کی جانب سے ان کا جواب آپ کی خدمت میں کربلا پہنچے، اور دس محرم کو ظہر سے پہلے حملہ اولیٰ میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

جبکہ بعض مورخین آپ کی شہادت بعد از ظہر بتاتے ہیں کہ دشمن کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے، اور ان کے بھائی نعمان حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔

۱۳۔خُلاس بن عمرو:

اور ان کے بھائی نعمان حضرت امیر المومنینؑ کے اصحاب سے تھے اور خُلاس کوفہ میں آنجناب جناب امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر کا سالار تھا مگر حالاتِ زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے عمر بن سعد کی فوج میں شامل ہو کر کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے آئے مگر جب انہیں معلوم ہو گیا کہ عمر بن سعد ہر صورت میں امام علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے پر تلا ہوا ہے تو راتوں رات امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گئے اور عاشورہ محرم کے دن شربت شہادت نوش فرمایا۔

۱۴۔ زاہر بن عمرو:

ایک مجرب اور آزمودہ کار بہادر سپاہی تھے، اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام کے دوستوں میں شمار ہوتے تھے، ''عمرو بن حمق خزاعی'' کے قریبی دوست تھے اور ہر قول اور فعل میں ان سے متفق اور ہم نوا تھے، جب امیرِ شام کے حکم سے کوفہ کے گورنر زیاد بن ابیہ نے عمرو بن حمق کی گرفتاری کا فرمان جاری کیا تو زاہر کی گرفتاری کا حکم بھی ان کے ساتھ جاری کر دیا، لیکن عمرو تو ان کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے اور امیرِ شام کے حکم سے انہیں بیدردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا مگر زاہر ان کے ہاتھوں گرفتار ہونے سے محفوظ رہے اور وہ ایک عرصہ تک مخفی رہے ۶۰ھ میں فریضہ حج ادا کرنے کے بعد امام الشہداء علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کی آپ کے ہمراہ کربلا آ گئے اور بروزِ عاشورا بوقت حملہ اولیٰ عروسِ شہادت سے ہمکنار ہوئے۔

۱۵۔ زہیر بن سلیم:

سپاہِ کوفہ کے ساتھ مل کر امام حسین علیہ السلام سے لڑنے کیلئے کربلا آئے، جب دیکھا کہ عمر بن سعد کسی حالت میں بھی جنگ سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں تو شبِ عاشورا امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بے جگری سے دشمن کے ساتھ جنگ کی اور حملہ اولیٰ میں شرفِ شہادت حاصل کیا، کتاب تنقیح المقال جلد ۱ ص ۴۵۲ کے مطابق زیارت ناحیہ میں امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے آپ پر سلام کہا ہے۔

۱۶۔ سالم:

حضرت سالم، عامر بن مسلم کے غلام اور بصرہ کے ساکن تھے، جبکہ عامر کا شمار بصرہ میں علی بن ابی طالب علیہ السلام کے شیعوں میں ہوتا تھا، جب یزید بن ثبیط اپنی اولاد اور دیگر مومنین کے ساتھ امام عالیمقام علیہ السلام کی نصرت کے لئے بصرہ سے چلے اور مکہ مکرمہ میں امام علیہ السلام سے آملے تو یہ دونوں بزرگوار یعنی سالم اور ان کے آقا عامر بھی ان کے ساتھ تھے، کربلا تک امام علیہ السلام کے ہمرکاب رہے اور عاشورا کے دن جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۱۷۔ سالم بن عمرو:

کوفہ کے رہنے والے، شیعوں میں ان کا شمار ہوتا تھا، جنگِ کربلا معرضِ وجود میں آنے سے پہلے ہی امام علیہ السلام کی خدمت میں کربلا میں پہنچے اور اصحابِ امام علیہ السلام میں شریک ہو کر ظہر سے پہلے حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۱۸۔سوار بن ابی حمیر:

مقتل الحسین مقرم ص ۲۵۴ میں ہے: کربلا میں بروزِ عاشورا جنگ شروع ہونے سے پہلے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں سے آملے تھے، حملہ اولیٰ میں سخت مجروح ہو گئے تھے، سپاہِ دشمن نے انہیں گرفتار کر کے عمر سعد کے پاس بھیج دیا، عمر سعد نے انہیں شہید کرنا چاہا مگر سپاہِ کوفہ میں موجود ان کے رشتہ داروں نے اس سے آزاد کرنے کی درخواست کی جس کی وجہ سے انہیں آزاد کر دیا گیا، مگر چونکہ زخم کاری لگ چکے تھے لہٰذا چھ ماہ کے بعد جامِ شہادت نوش کیا، زیارتِ ناحیہ میں آپ کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے: ''السلام علی الجریح الماسور سوار بن ابی حمیر الفهمی'' ہمارا اسلام ہو مجروح اور قید ہونے والے شہید سوار بن ابی حمیر فہمی پر۔

۱۹۔شبیب بن عبداللہ:

مردِ دلاور اور شجاع تھے، اپنے آقاؤں سیف بن حارث اور مالک بن عبداللہ ــــ جو مادری بھائی بھی تھے ــــ کے ہمراہ خدمتِ امام علیہ السلام میں حاضر ہوئے اور بروزِ عاشورا نمازِ ظہر سے قبل پہلے حملہ میں شہادت کا شرف حاصل کیا۔

۲۰۔عائذ بن مجمع:

اپنے والد مجمع بن عبداللہ کیساتھ اثناء سفر میں امام عالی مقام علیہ السلام سے آملے تھے، جبکہ اس وقت حر بن یزید نے امام علیہ السلام کو اپنے محاصرہ میں لیا ہوا تھا، ''حر'' ان کے امام علیہ السلام کے ساتھ ملنے سے مانع ہوئے، امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ میرے ساتھی ہیں، تم ان کو میرے ساتھ ملنے سے نہیں روک سکتے، چنانچہ حر نے زیادہ اصرار نہیں کیا، ان لوگوں کے رہنما طرماح تھے، صاحبِ ''حدائق'' نے بھی انہیں حملہ اولیٰ کے شہداء میں شمار کیا ہے۔

۲۱۔عامر بن مسلم:

کا تعلق بصرہ سے تھا، شیعیانِ علیؑ میں شمار ہوتے تھے، اپنے غلام سالم کے ساتھ، یزید بن ثبیط کی ہمراہی میں نصرتِ امامؑ کے لئے بصرہ سے روانہ ہوئے مکہ مکرمہ میں امام عالیمقام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آملے اور بروزِ عاشورا حملہ اولیٰ کے شہداء کی فہرست میں شامل ہو گئے۔

۲۲۔عبداللہ بن بشیر:

کا شمار مشہور دلاورانِ شجاع میں ہوتا تھا،حق کے زبردست حامی تھے،عبداللہ اوران کے والد بشیر کا نام جنگوں میں بہت مشہور ہے، پہلے پہل عمر سعد کے لشکر کے ساتھ امامِ مظلوم علیہ السلام سے جنگ کرنے کیلئے کربلا میں آئے،لیکن جنگ شروع ہونے سے پہلے امام علیہ السلام سے جنگ کرنے کے لئے کربلا میں آئے،لیکن جنگ شروع ہونے سے پہلے امام علیہ السلام سے آملے اور دس محرم کو حملہ اولیٰ میں ظہر سے پہلے پہلے جامِ شہادت نوش کیا اور راہیٔ خلدِ بریں ہوئے۔

۲۳۔عبداللہ بن یزید:

اپنے والد یزید بن ثبیط کے ہمراہ بصرہ سے نصرت امام کے لئے روانہ ہوئے اور مکہ میں حضور امام علیہ السلام کے ساتھ آملے اور عاشور المحرم تک آپ کی خدمت میں رہے اور حملہ اولیٰ میں جامِ شہادت نوش کیا۔

۲۴۔عبید اللہ بن یزید:

آپ بھی اپنے بھائی اور والد یزید بن ثبیط اور کئی دوسرے شیعیانِ علیؑ کے ساتھ بصرہ سے چلے تھے اور مکہ مکرمہ میں امام علیہ السلام کی خدمت میں آپہنچے اور یومِ عاشورا حملہ اولیٰ اور نمازِ ظہر سے پہلے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۲۵۔عبدالرحمٰن بن عبدالرب:

صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے،حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے مخلص اصحاب میں شمار ہوتے تھے، جب ''رحبۂ کوفہ'' کے مقام پر حضرت علی علیہ السلام نے لوگوں سے کہا کہ: ''جو شخص مقامِ غدیرِ خم'' میں موجود تھا اور اس نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ سلم سے ''حدیثِ غدیر'' سنی تھی وہ کھڑا ہو جائے اور گواہی دے،تو اس وقت عبدالرحمٰن بن عبدالرب اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے: ''ہم نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ فرماتے سنا ہے کہ خداوندِ عزوجل میرا ولی ہے اور میں مومنین کا ولی ہوں، پس جس شخص کا میں مولا ہوں اسی کا یہ علیؑ بھی مولا ہے،خداوندا! جو اسے دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو اس کے ساتھ دشمنی رکھے تو بھی اسے دشمن رکھ''

اس شخص کی تربیت خود امیر المومنین علیہ السلام ہی نے کی تھی اور قرآن بھی پڑھایا تھا، مکہ مکرمہ ہی سے حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے ہمراہ ہوگئے تھے اور روزِ عاشورا کے دن، جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۲۶۔عبدالرحمٰن بن مسعود:

دونوں باپ بیٹا مشور شیعہ اور معروف بہادر انسان تھے، سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے عمر بن سعد انہیں اپنے ساتھ کربلا میں لے آیا، مگر جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی وہ دونوں امام عالی مقامؑ کی خدمت میں پہنچ گئے، آپ پر سلام کیا اور بروزِ عاشورا تک آپ ہی کے ساتھ رہے اور عاشورا کے دن نمازِ ظہر سے پہلے حملہ اولیٰ میں شہادت کے بلند مرتبے پر فائز ہو گئے۔

۲۷۔عمر بن ضبیعہ:

کتاب وسیلۃ الدارین ص ۱۷۷ کے مطابق بعض مورخین نے ان کا نام ''عمرو بن ضبعہ'' تحریر کیا ہے اور زیارت ناحیہ میں ان الفاظ میں آپ کو سلام کیا گیا ہے:

''السلام علیٰ عمرو بن ضبیعۃ الضبعی''

بہادر شہسواروں میں شمار ہوتے تھے، عمر بن سعد انہیں کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے لے آیا تھا مگر، ایمانی حرارت نے انہیں خدمتِ امامؑ میں پہنچایا اور بروزِ عاشورا حملہ اولیٰ میں شہید ہو کر خلدِ بریں کو سدھارے۔

کتاب وسیلۃ الدارین کے مطابق، ابن حجر نے اپنی کتاب ''الاصابۃ'' میں تحریر کیا ہے کہ: عمرو بن ضبعہ نامور دلاور اور بہادر جنگ جو انسان تھے، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے بھی شرفیاب ہو چکے تھے۔

۲۸۔عمار بن حسان:

کا شمار حضرت علی علیہ السلام کے مخلص شیعوں میں ہوتا تھا، اپنے زمانے کے معروف شجاع انسان تھے، ان کے والد حضرت حسان امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے، جمل اور صفین کی لڑائیوں میں مولا علی علیہ السلام کی فوج میں شامل ہو کر دادِ شجاعت دیتے رہے، بالآخر جنگِ صفین میں مولا علی علیہ السلام کے قدموں میں شہادت کا شرف حاصل کیا، حضرت عمار مکہ مکرمہ سے ہی امام عالی مقام حسین بن علی علیہ السلام کے ہم رکاب ہو گئے تھے اور آخری دم تک آپ کا ساتھ دیا، بروزِ عاشورا حملہ اولیٰ میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۲۹۔عمار بن سلامہ:

صحابیٔ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ناصر و مددگار علی بن ابی طالب علیہ السلام تھے آپ کے ساتھ مل کر

جنگوں میں شرکت کرتے رہے، جب جنگِ جمل کے لئے حضرت امیر علیہ السلام کے ہمراہ جارہے تھے تو آپؑ سے پوچھا:

''جب آپ اصحابِ جمل سے دوبدو ہوں گے تو ان سے کیا سلوک کریں گے؟''

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا:

''سب سے پہلے انہیں خداوندِ عالم اور اس کی اطاعت کی طرف دعوت دیں گے، اگر انہوں نے ہماری اس پیشکش کو نہ مانا تو پھر ان کے ساتھ جنگ کریں گے''

یہ سن کر عمار نے کہا: ''جو شخص لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہے وہ کبھی مغلوب نہیں ہوتا'' یہی عمار، کربلا میں بھی فرزندِ رسول کی نصرت کیلئے حاضر ہوئے اور حملہ اولیٰ میں عروسِ شہادت سے ہمکنار ہو کر راہیِ خلدِ برین ہوئے۔

۳۰۔ قاسم بن حبیب ازدی:

ان کا شمار کوفہ کے شیعوں میں ہوتا تھا، عمر بن سعد انہیں بھی امامؑ کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے کربلا لے آیا مگر وہ آغازِ جنگ سے پہلے ہی امام عالی مقامؑ کی خدمت میں پہنچ گئے اور حملۂ اولیٰ کے شہیدوں میں شامل ہو گئے۔

۳۱۔ قاسط بن زہیر:

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب اور حضرت امام حسینؑ کے یار وانصار میں ان کا شمار ہوتا ہے، کوفہ کے رہائشی تھے، حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ مل کر جنگوں میں شرکت کرتے رہے خصوصاً جنگِ صفین میں خوب دادِ شجاعت دی، جب حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کربلا تشریف لے آئے تو ہنگامِ شب آپؑ سے آملے اور بروزِ عاشورا حملہ اولیٰ میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

کتاب وسیلۃ الدارین ص ۱۸۴ کے مطابق آپ حضرت علی علیہ السلام کے کمانڈروں میں سے تھے، جنگِ جمل اور صفین میں شریک رہے، میدانِ کربلا میں شہادت پائی، زیارت ناحیہ میں آپ کو ان الفاظ کے ساتھ سلام پیش کیا گیا ہے: ''اَلسلام علیٰ قاسط و کردوسِ ابنی زهیر التغلبی'' زہیر تغلبی کے دونوں صاحبزادوں قاسط اور کردوس پر سلام ہو۔

۳۲۔ کردوس بن زہیر:

کا شمار بھی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں ہوتا ہے، اپنے بھائیوں کے ہمراہ بوقتِ شب کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور بروزِ عاشورا حملہ اولیٰ میں شہادت سے ہمکنار ہوئے۔

۳۳۔ کنانہ بن عتیق:

کوفہ کے پہلوانوں میں سے تھے، قاریانِ قرآن اور زاہدوں میں ان کا شمار ہوتا تھا، کربلا میں خدمتِ امامؑ میں حاضر ہوئے اور حملۂ اولیٰ میں جامِ شہادت نوش فرمایا، جبکہ بعض مؤرخین نے ان کی شہادت کو حملۂ اولیٰ کے بعد ذکر کیا ہے۔

۳۴۔ مسلم بن کثیر:

کوفہ کے تابعین اور حامیان امیر المومنین علیہ السلام میں ان کا شمار ہوتا ہے، امیر علیہ السلام کے ساتھ جنگوں میں شریک رہے اور کسی جنگ میں ان کی ایک ٹانگ ضائع ہوگئی تھی شاید اسی وجہ سے انہیں ''اعرج'' کہا جاتا تھا، کوفہ میں رہائش پذیر تھے، جب معلوم ہوا کہ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کربلا تشریف لے آئے ہیں تو آپ کی نصرت کیلئے کوفہ سے کربلا کی طرف چل دیئے، خدمتِ امامؑ میں پہنچے اور دس محرم کو حملۂ اولیٰ میں شہادت کا شرف حاصل کیا۔

۳۵۔ مسعود بن حجاج:

آپ اور ان کے فرزند معروف شیعوں اور بہادر جنگ جوؤں میں شمار ہوتے تھے، ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی کہ سید الشہداءؑ کی حمایت کیلئے کربلا تشریف لے آئے اور امامؑ کی خدمت میں موجود رہے عاشورا کے دن حملہ اولیٰ میں اپنے فرزند کے ساتھ شہادت کے فیض سے بہرہ مند ہوئے۔

۳۶۔ مسقط بن زہیر:

آپ اور آپ کے دو بھائی قاسط اور کردوس حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اصحابِ باوفا اور مجاہدینِ باصفا تھے، جنگِ جمل، صفین اور نہروان میں اپنے امام عالیمقام علیہ السلام کے ہم رکاب ہو کر جنگوں میں خوب دادِ شجاعت دی، جب انہیں معلوم ہوا کہ امیر المومنین علیہ السلام کے فرزند دلبند حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کربلا تشریف لے آئے ہیں تو راتوں رات آپؑ کی خدمت میں پہنچے اور بروزِ عاشورا جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۳۷۔ نصر بن ابی نیزر:

کتاب وسیلۃ الدارین ص ۱۹۹ میں کتاب کامل مبرد سے نقل کیا گیا ہے کہ ابی نیزر کا تعلق ایک عجمی بادشاہ کے خاندان سے تھا، بچپن میں اسلام کی طرف رغبت پیدا کر لی تھی اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ حق پرست پر ایمان لے آئے، جبکہ کتاب ابصار العین فی اصحاب الحسین ص ۵۴ میں ہے کہ نصر کے والد شاہانِ عجم یا اولادِ نجاشی

سے تعلق رکھتے تھے، اور خود نصر اپنے والد کے بعد حضرت علی اور امام حسن علیہما السلام کی اور پھر حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ میں رہے، مدینہ ہی سے امام علیہ السلام کے ہمرکاب ہو کر چلے تھے اور کربلا میں آپؑ ہی کے ساتھ تشریف لائے، عاشورِ محرم کے دن ظہر سے قبل حملۂ اولیٰ میں شہادت کا شرف حاصل کیا، پہلے تو گھوڑے پر سوار تھے، مگر جب آپ کے گھوڑے کو دشمن نے پے کیا تو پیدل ہو کر لڑے اور اسی حالت میں شہید ہو گئے۔

۳۸۔نعمان بن عمرو الراسبی:

نعمان اور ان کے بھائی کوفہ کے رہنے والے تھے اور اصحابِ علیؑ میں ان کا شمار ہوتا تھا، پہلے تو دشمن کے لشکر میں تھے جب دیکھا کہ عمر سعد پر امام عالی مقام کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تو رات کے وقت اسے چھوڑ کر امامؑ کی خدمت میں پہنچے اور شہادت کا بلند مرتبہ حاصل کیا۔

۳۹۔نعیم بن عجلان:

اور ان کے دو دوسرے بھائی نضر اور نعمان، حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں شمار ہوتے تھے، جنگِ صفین میں حضرت امیر علیہ السلام کے لشکر میں شریک ہو کر دادِ شجاعت دی، شیرِ دلاور ہونے کے علاوہ میدانِ سخن کے شہسوار بھی تھے، شعراء میں بھی ان کا شمار ہوتا تھا۔

واقعہ کربلا سے پہلے نضر اور نعمان تو راہیٔ مُلکِ بقا ہو چکے تھے، مگر نعیم اپنی باقی ماندہ زندگی کوفہ میں گزار رہے تھے۔ جب حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کے متعلق معلوم ہوا کہ آپ سرزمینِ عراق کی طرف عازمِ سفر ہو چکے ہیں تو کربلا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عاشوراء کے دن حملہ اولیٰ کے وقت جنگ کی غرض سے دشمن کے مقابلے میں آ گئے اور دشمن کے وار سے شہید ہو کر عازمِ بہشت ہوئے۔

۴۰۔زُہیر بن بشر خثعمی:

مناقب ابن شہر آشوب جلد۴ ص۱۱۳ میں انہیں بھی حملہ اولیٰ کے شہداء میں شمار کیا گیا ہے، جبکہ کسی دوسری کتاب میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔

کتاب الملہوف ص۴۹ میں ہے کہ:

حملہ اولیٰ کے بعد حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی فوج کم سپاہ کو مرتب اور منظم کرنے کے بعد آوازِ استغاثہ بلند کی اور فرمایا: ''اَمَا مِن مُغِيثٍ يُغِيثُنَا لِوَجهِ اللّٰهِ؟ اَمَا مِنْ ذَآبٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ

اللہ؟'' آیا کوئی فریاد رس ہے جو خدا کیلئے ہماری فریاد کو پہنچے؟ آیا کوئی ہے جو حرمِ رسول خدا (ص) کا دفاع کرے؟

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حملہ اولیٰ میں کم وبیش چالیس شہداء راہِ حق وفضیلت جامِ شہادت نوش فرما کر سرخرو اور سرفراز ہو کر راہیٔ خلدِ بریں ہوئے، اب دیگر اصحاب وانصار اور افراد بنی ہاشم کی باری تھی، چنانچہ ان میں سے ہر ایک، ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششوں میں تھا، لیکن اپنی باری کے مطابق اپنے امامِ زمانہ (ع) کے حکم کے مطابق میدانِ کارزار میں تشریف لے گئے اور نیزوں، تیروں اور تلواروں کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور شہادت کا سرخ لباس پہن کر لقاء اللہ، رضوان الٰہی اور جوارِ رحمت والطاف حق کے زیرِ سایہ خلدِ برین جا ساکن ہوئے۔

اس موقع پر ہم ترتیب کے ساتھ پہلے اصحابِ باوفا اور پھر اہلِ بیتِ اطہارؑ کے شہداء کا تذکرہ کریں گے، ہماری گفتگو کا بنیادی محور کتاب ''اِبصار العین فی انصار الحسینؑ'' ہوگی، البتہ جہاں کسی دوسری کتاب سے بات بیان ہوگی تو اس کا ذکر کیا جائے گا۔

ا۔ عبداللہ بن عمیر:

وسیلۃ الدارین ص ۱۶۸ میں ہے کہ ان کی کنیت ابو وہب ہے قبیلہ بنی عُلَیم سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی زوجہ ام وہب بنت عبداللہ کا تعلق قبیلہ بنی نمر بن قاسط سے تھا، کوفہ کے رہنے والے تھے، ایک دن کوفہ کی فوجی چھاونی ''نخیلہ'' آئے دیکھا کہ افواج کوفہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے کربلا جانے کی تیاری کر رہی ہیں، انہوں نے دل میں کہا:

> ''خدا کی قسم میں مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کا خواہش مند تھا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایسے لوگوں کے ساتھ جنگ بھی ثواب کے لحاظ سے مشرکین کے ساتھ جہاد سے کم نہیں، جو نواسہ رسولؐ کے ساتھ جنگ کرنے جا رہے ہیں''۔

چنانچہ وہ گھر آئے اور اپنی زوجہ ام وہب کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی اپنے عزم کا اظہار بھی کیا تو اس نیک سیرت خاتون نے کہا:

> ''آپ نے بالکل صحیح ارادہ کیا ہے خدا آپ کو اس کیلئے بہترین راہ کی راہنمائی فرمائے اور جزائے خیر عنایت کرے، مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں''

لہٰذا دونوں میاں بیوی نے امام مظلومؑ کی نصرت کیلئے تیاری کی اور ہنگامِ شب کوفہ سے کربلا کی جانب روانہ ہو کر

خدمت امامؑ میں شرفیاب ہوئے۔

بروزِ عاشورا جب عمر بن سعد نے خیامِ امام مظلوم کی طرف تیر چلا کر جنگ کا باقاعدہ اعلان کیا تو زیاد بن ابیہ کا غلام ''یسار'' اور عبید اللہ بن زیاد کا غلام ''سالم'' آگے بڑھے اور امام علیہ السلام کی فوج سے مبارز طلبی کی، ان کا جواب دینے کیلئے حبیب بن مظاہر اور بریر بن خضیر آگے بڑھنے لگے تو امام علیہ السلام نے انہیں روک لیا، اتنے میں عبد اللہ بن عمیر نے کھڑے ہو کر امامؑ سے اجازت طلب کی، امامؑ نے ان کے سراپا پر نگاہ ڈالی دیکھا کہ گندم گوں، دراز قد، قوی پنجہ اور کشادہ سینہ کے مالک ہیں، امامؑ نے انہیں فرمایا: ''معلوم ہوتا ہے کہ آپ دشمن پر غالب آجائیں گے لہٰذا اگر آپ جانا چاہتے ہیں تو جاسکتے ہیں۔''

ابن عمیر میدان میں آئے، سالم اور یسار نے جو میدان میں اتر چکے تھے، یسار، سالم کے آگے کھڑا ہوا تھا، انہوں نے یسار پر تلوار کے ساتھ حملہ کر کے اسے جہنم واصل کیا، یہ دیکھ کر سالم نے ان پر حملہ کر دیا، عبد اللہ بن عمیر نے تلوار کا وار روکنے کیلئے اپنا بایاں ہاتھ آگے برھایا جس سے ان کی دو انگلیاں کٹ گئیں مگر سالم کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور اس پر حملہ کر کے جہنم رسید کیا، اتنے میں امِ وہب زوجہ عبد اللہ نے خیمہ کی چوب اٹھائی اور عبد اللہ کی طرف منہ کر کے کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں ذریتِ رسولؐ کی حفاظت کیلئے دل و جان سے جنگ کرو''

یہ دیکھ کر عبد اللہ اسے خیمہ کی طرف واپس پلٹانے لگے تو اس نے ان کا دامن پکڑ لیا اور کہا کہ میں آپ سے ہرگز جدا نہیں ہوں گی اور آپ کے ساتھ شہید ہو جاؤں گی۔

لیکن چونکہ عبد اللہ کا ایک ہاتھ مقتولین کے خون کی وجہ سے دستہ تلوار سے چپکا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ کی انگلیاں کٹ چکی تھیں، لہٰذا وہ اسے پکڑ کر خیمہ کی طرف واپس نہ کر سکے، حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو ان کے پاس آکر امِ وہب سے فرمانے لگے، خداوندِ عالم تم دونوں کو جزائے خیر عطا کرے، مستورات کے خیمہ میں واپس چلی جاؤ، اور ان کے ساتھ رہو، خدا تم پر رحمت کرے عورتوں سے جہاد ساقط ہے'' امامؑ کی نصیحت کو سن کر وہ واپس خیمہ گاہ کی طرف چلی گئی۔

اسی اثناء میں عمرو بن حجاج زبیدی نے امامؑ کے میمنہ لشکر پر اور شمر بن ذی الجوشن نے آپ کے میسرہ پر یکبارگی حملہ کر دیا، مگر یارانِ امامؑ نے بڑی بے جگری کے ساتھ اس حملے کو روک کر اپنی استقامت کا ثبوت دیا۔

شیر دل مجاہد عبد اللہ بن عمیر جو امام علیہ السلام کے میسرہ لشکر میں رہ کر ان لوگوں کے ساتھ لڑ رہے تھے، ان میں سے بہت سوں کو جہنم واصل کیا، اسی اثناء میں ہانی بن ثبیت حضرمی اور بکیر بن حی تمیمی نے ان پر حملہ کر کے شہید کر دیا، اس

کے بعد سپاہِ یزید کے سوار اور پیادوں نے اصحاب حسین علیہ السلام پر یکبارگی حملہ کر دیا، جس سے جنگ میں شدت آگئی اور امام علیہ السلام کے اکثر مجاہدین اس جنگ میں عروسِ شہادت سے ہمکنار ہو گئے، جب جنگ کی شدت کم ہوئی اور میدانِ جنگ کا غبار بیٹھ گیا تو عبداللہ بن عمیر کی زوجہ اپنے شوہر کے لاشے کے سرہانے آکر بیٹھ گئی، ان کے رخساروں سے مٹی کو دور کیا اور کہا: ''عبداللہ! خداوندِ عالم کی بہشت آپ کو مبارک ہو، جس خدا نے آپ کو بہشت کا سزاوار بنایا ہے اسی سے میری دعا ہے کہ مجھے بھی آپ کے ساتھ بہشت میں جگہ عطا فرمائے''

اسی دوران میں شمر نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ اپنے عمود کے ساتھ اس کے سر پر وار کر کے اسے شہید کر دے، چنانچہ اس نے حکم کی تعمیل کر کے زوجہ عبداللہ کو شہید کر دیا اور زوجۂ عبداللہ کی آرزوئے شہادت پوری ہو گئی اور وہ اپنے شاہر کے ساتھ ہی راہی خُلدِ برین ہوئیں۔

۲۔ سیف بن حارث ۳۔ مالک بن عبداللہ:

کتاب وسیلۃ الدارین ص ۱۵۴ کے مطابق یہ دونوں مادری بھائی تھے، سعید کے والد حارث اور مالک کے والد عبداللہ، سریع بن جابر کے فرزند تھے، قبیلہ ہمدان سے ان کا تعلق تھا۔

یہ دونوں بھائی اپنے غلام شبیب کے ساتھ تھے، بروزِ عاشوراء جب انہوں نے امام عالیمقام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا دیکھا تو روتے ہوئے لشکرِ یزید سے جدا ہو کر حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے، امامؑ نے ان سے پوچھا: ''میرے بھتیجو! کیوں رو رہے ہو؟ خدا کی قسم ایک گھڑی گزرنے کے بعد تمہاری آنکھیں روشن ہو جائیں گی''

انہوں نے عرض کیا: ''مولا اللہ کرے ہم آپ پر قربان جائیں! ہم اپنی ذات کیلئے نہیں رو رہے بلکہ اس وجہ سے رو رہے ہیں کہ ہم آپ کو دشمن کے نرغے میں گھرا ہوا دیکھ رہے ہیں، لیکن ہم آپ سے دشمن کو دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے مگر یہ کہ جان کا نذرانہ پیش کر دیں''

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''خداوندِ عالم آپ لوگوں کو ہماری اس حد تک حمایت اور ہمارے ساتھ آملنے کی وجہ سے متقین جیسی جزا عطا کرے!!''

ابھی یہ دونوں بھائی کھڑے ہوئے تھے اور لشکرِ امامؑ سے حضرت حنظلہ بن اسعد کوفیوں کو نیکی کا موعظہ کر رہے تھے، آخر میں ان کے ساتھ جنگ کی اور درجہ شہادت کو حاصل کر لیا، اتنے میں ان دونوں بھائیوں نے سپاہِ یزید کی طرف

حرکت کی اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف رخ کر کے عرض کرنے لگے: ''السلام علیک یابن رسول اللہ''
امام علیہ السلام نے بھی ان کے سلام کا جواب دیا، وہ دونوں مل کر جنگ کر رہے تھے اور ایک دوسرے بھائی کے پیچھے پیچھے
چل رہا تھا اور دونوں برادر درجۂ شہادت کو پہنچ گئے۔

۴۔عمرو بن خالد صیداوی:

کتاب وسیلۃ الدارین ص ۱۷۶ میں ہے کہ آپ کوفہ کے رہنے والے نہایت شریف انسان اور مخلص محبّ آلِ
محمد (ص) تھے، حضرت مسلم بن عقیل (ع) کے ساتھ کوفہ میں قیام کیا، جب کوفہ والوں نے انہیں تنہا چھوڑ دیا تو عمرو بن خالد
کو مجبوراً مخفی ہونا پڑا، جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے قاصد، قیس بن مسہر صیداوی کو ''بطن الرمہ''
میں گرفتار کر کے شہید کر دیا گیا ہے تو وہ اپنے غلام سعد کے ساتھ کوفہ سے کربلا کی جانب روانہ ہو گئے، اور خدمتِ امام
عالیمقامؑ میں پہنچ گئے۔

۵۔عمرو بن خالد کے غلام، سعد:

ابصار العین ص ۶۸ میں ہے کہ آپ ایک شریف انسان اور بلند ہمت جوان تھے، اپنے آقا عمرو کے ساتھ مل کر
خدمتِ امام میں کربلا پہنچے۔

۶۔جابر بن حارث:

ابصار العین ص ۸۴ کے مطابق ہو سکتا ہے کہ یہ وہی جنادہ بن حرث ہوں جنہیں عبدالرزاق مقرم نے جابر اور محمد
بن طاہر سماوی نے ''جبار'' یا ''حیان'' کہا ہے، لیکن صحیح جابر بن حارث ہی ہے۔

۷۔مجمع بن عبداللہ:

وسیلۃ الدارین ص ۱۹۲ میں ہے کہ ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے، حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے اصحاب
میں سے تھے، جنگِ صفین میں بھی شریک ہو چکے ہیں، ان کے والد عبداللہ کا نام صحابہ رسولؐ میں شمار ہوتا ہے۔

غرض مذکورہ چاروں بزرگوار مل کر میدان میں آئے اور لشکرِ یزید پر مل کر حملہ کیا اور جنگ کرتے کرتے دشمن کے
درمیان پہنچ گئے تو سپاہِ یزید نے ان کا محاصرہ کر لیا اور امام علیہ السلام کے دوسرے اصحاب و انصار سے جدا کر دیا، امام علیہ
السلام نے اپنے بھائی حضرت عباس علمدار کو ان کی مدد کیلئے بھیجا چنانچہ ابوالفضل العباسؑ نے اپنی تلوار کے ساتھ

محاصرے کو توڑا اور انہیں دشمن کے نرغے سے نجات دلائی اور وہ سب اس وقت شدید زخمی ہو چکے تھے، سپاہِ دشمن نے ایک بار پھر ان پر حملہ کر دیا، مگر انہوں نے شدید مجروح ہونے کے باوجود ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، آخر کار جنگ کرتے ہوئے عروسِ شہادت سے ہم کنار ہوئے اور ہمیشہ کی سعادت حاصل کر لی۔

ارشاد شیخ مفید جلد ۲ ص ۱۰۲ کے مطابق اس مرحلے پر عمرو بن حجاج زبیدی نے ایک مرتبہ پھر اپنے لشکر کے ساتھ امام علیہ السلام کے میمنہ لشکر پر حملہ کر دیا اور جب لشکرِ امام علیہ السلام کے نزدیک ہوا تو امامؑ کے اصحاب باوفا نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر نیزوں کا رخ ان کی طرف کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے گھڑسوار ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے اور واپس پلٹ گئے، جب واپس لوٹ رہے تھے تو اصحابِ امامؑ نے انہیں اپنے تیروں کا نشانہ بنالیا جس سے کئی یزیدی واصل جہنم ہوئے اور بہت سے مجروح ہوئے۔

۸۔ بریر بن خضیر ہمدانی:

جب جنگ اپنے عروج کو پہنچی تو سپاہِ یزید میں سے ایک شخص بنام ''یزید بن معقل'' میدان میں آیا اور بریر ہمدانی کو پکار کر کہا: ''بریر! تم نے اپنے بارے میں خداوندِ عالم کے فیصلے کو کیسا پایا؟'' تو انہوں نے جواب دیا: ''خدا کی قسم! اس نے میرے بارے میں بہت اچھا فیصلہ کیا ہے جبکہ تجھے شر اور برائی کے راستے میں چھوڑ دیا ہے''

یزید بن معقل نے کہا: آیا چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ مباہلہ کروں تا کہ خداوندِ عالم جھوٹے پر لعنت کرے اور جو باطل ہے اسے کیفرِ کردار تک پہنچائے؟

انہوں نے اس کی پیشکش کو قبول کر لیا اور دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو گئے، اور آپس میں تلوار کے وار رد و بدل کرنے لگے، اتنے میں یزید نے بریر کے اوپر تلوار کو وار کر دیا، لیکن انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا، اور بریر نے اس کے سر پر تلوار دے ماری، جس سے اس کا خود دو ٹکڑے ہو گیا اور تلوار مغز تک پہنچ گئی اور وہ زمین پر گر پڑا، اور بریر اپنی تلوار اس کے سر سے نکالنے کیلئے سر کو ہلا ہلا کر ادھر اُدھر کر رہے تھے، اسی اثناء میں سپاہِ کوفہ میں سے ایک شخص ''رضی بن منقذ'' کے نام سے آگے بڑھا اور بریر پر حملہ کر دیا، اور ایک گھنٹے تک ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے رہے، آخر کار بریر اسے زمین پر چت گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو گئے، رضی نے شور مچانا شروع کر دیا کہ: کہاں ہیں میرے ساتھی جو مجھ کو اس سے چھٹکارا دلائیں؟

یہ سن کر کعب بن جابر اس کی مدد کیلئے آگے بڑھا، جب اسے بتایا گیا کہ یہ شخص بریر بن خضر ہمدانی ہے جو مسجدِ کوفہ میں لوگوں کو قرائتِ قرآن کا درس دیتا ہے اور اسی نے ہی ہمیں قرآن مجید کی تعلیم دی ہے، مگر اس نے اس شخص کی سنی ان سنی

کردی اور نیزے کے ساتھ بریر پر حملہ کردیا اور وہ ان کی پشت پر آ لگا۔

جیسا ہی بریر کو نیزے کے وار کا علم ہوا تو خود کو رضی بن منقذ کے اوپر گرادیا اور اس کی ناک کو اچھی طرح زخمی کردیا، کعب بن جابر نے نیزے کو زور سے دبایا اور رضی بن منقذ کی جان بریر سے چھڑائی، اور بریر کو تلوار کے وار سے شہید کردیا۔

کتاب نفس المھموم ص ۲۶۱ میں سے نقل کیا گیا ہے کہ بریر ہمدانی کا قاتل کعب بن جابر جب واقعہ کربلا کے بعد اپنے گھر واپس آیا تو اس کی بیوی اور اس کی بہن ''نوار'' نے اس سے کہا: ''تم نے فرزند زہراؑ کے دشمن کی مدد کی ہے اور قرآنِ کریم کے عظیم قاری یعنی بریر کو شہید کرکے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے خدا کی قسم ہم کبھی بھی تمہارے ساتھ بات نہیں کریں گے'' کتاب حیاۃ الامام الحسینؑ جلد ۳ ص ۲۰۹ میں ہے:

کعب کے چچازاد بھائی عبید اللہ اس پر سخت برہم ہوئے اور کہا: تم پر لعنت ہو تم کس منہ سے خدا کے حضور میں پیش ہو گے؟ چنانچہ لکھا ہے کہ کعب کو ہر طرف سے لعنت ملامت کا سامنا کرنا پڑا، آخر کار وہ اس قدر پشیمان ہوا کہ اپنی پشیمانی کا اظہار نظم کی صورت میں کیا جن میں چند ایک اشعار کا خلاصہ یوں ہے:

''جس دن سے میں نے ہوش سنبھالا ہے اس وقت سے لے کر آج تک میں نے ان جیسے عظیم المرتبہ اور شجاع لوگوں کو نہیں دیکھا، جو میدانِ جنگ کے شیر تھے اور اپنی تلواروں سے دشمنوں پر پے در پے وار کرکے ان کے دانت کھٹے کر رہے تھے، اس لئے کہ جو لوگ اپنی ذمہ داریوں کو صحیح معنوں میں نبھاتے ہیں وہ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں''

۹۔ عمرو بن قرظہ بن کعب انصاری:

حضرت عمرو کے والد قرظہ بن کعب انصاری، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی اور امیر المومنین بن ابی طالب علیہ السلام کے دوستوں میں سے تھے، جنگوں میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ شریک ہو کر ان کے دشمنوں سے خوب جنگ کی حضرت امیر علیہ السلام نے انہیں ''فارس'' کی حکومت کا والی بنایا تھا، ۵۱ ھ میں وفات پائی، ان کے کئی فرزند ہیں جن میں سے زیادہ شہرت ''عمروؓ'' اور ''علیؓ'' کو حاصل ہے۔

کتاب وسیلۃ الدارین ص ۱۷۳ کے مطابق جنگ شروع ہونے سے پہلے خدمتِ امامؑ میں کربلا پہنچ گئے تھے، حضرت سید الشہداءؑ نے انہیں عمر بن سعد کے ساتھ مذاکرات اور اسے راہِ راست کی ہدایت کیلئے مامور فرمایا، اور یہ سلسلہ کربلا میں شمر ملعون کے آنے تک جاری رہا لیکن کے بعد منقطع ہو گیا۔

نفس المھموم ص ۲۶۲ میں ہے:

بروزِ عاشورا امام علیہ السلام سے اذنِ جہاد لے کر میدانِ کارزار میں رجز پڑھتے ہوئے تشریف لائے جس کا مطلب یہ ہے کہ سپاہِ انصار کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اس ہستی کی حفاظت اور حمایت کر رہا ہوں جس کی حفاظت کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے، میری تلوار کے وار ایسے جوانمرد کے وار کے مانند ہیں جو کبھی میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار نہیں کرتا، میری جان اور میرا مال قربان ہے حسینؑ پر۔

آپ کافی دیر تک جنگ کرتے رہے، ایک مرتبہ خدمتِ امام علیہ السلام میں واپس آگئے، تاکہ امام عالیمقامؑ کا دشمنوں سے دفاع کر سکیں، کیونکہ دشمن کے تیر خیام اہل بیتؑ کی طرف جا رہے تھے۔

ابن نما کہتے ہیں کہ عمرو بن قرظہ نے امام علیہ السلام کی حفاظت کیلئے اپنا سر اور سینہ ڈھال بنا دیا اور امامؑ کی طرف جانے والے ہر تیر کو اپنے جسم پر لیا اور تیروں کے کافی زخم کھا کر زمین پر گرے۔

امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: فرزندِ رسولِ خدا کیا میں نے وفا کی ہے؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: ''یقیناً تم نے وفا کا حق ادا کر دیا ہے اور تم مجھ سے پہلے جنت میں جاؤ گے، میرا اسلام نانا رسولِ خداؐ کی خدمت میں پہنچانا اور عرض کرنا کہ میں (حسینؑ) بھی بہت جلد خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں''

عمرو نے فرزندِ رسولِ خداؐ کی زبانی یہ بشارت آمیز کلمات سننے کے بعد اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دی، خداوند عالم کی ہزاروں رحمتیں ہوں ایسے پاکیزہ انسانوں پر۔

ادھر ان کا بھائی ''علی بن قرظہ'' بھی عمر سعد کے لشکر میں امام علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آیا ہوا تھا، جب اس نے دیکھا کہ اس کے بھائی کو شہید کر دیا گیا ہے تو اس نے سپاہِ یزید سے نکل کر امام علیہ السلام کی طرف منہ کر کے کہا: ''حسینؑ! تم نے میرے بھائی کو ورغلایا ہے اور پھر اسے قتل کرا دیا ہے'' امام علیہ السلام نے فرمایا: ''میں نے اسے دھوکہ نہیں دیا بلکہ خدا نے اسے ہدایت کی ہے اور تو گمراہی میں مبتلا ہو چکا ہے''

اس ملعون نے کہا: ''خدا مجھے غارت کرے اگر میں تمہیں قتل نہ کروں یا خود تمہارے ہاتھوں سے قتل نہ ہو جاؤں!!'' یہ کہا اور امام علیہ السلام کی طرف حملہ آور ہوا۔

امامؑ کے جاں نثار صحابی، نافع بن ہلال اس منظر کو دیکھ رہے تھے، انہوں نے اس کے سر پر نیزے سے حملہ کر دیا جس سے وہ زمین پر گر پڑا، یہ دیکھ کر اس کے ساتھی اسے میدان سے اٹھا کر معرکہ کارزار سے باہر نکال کر لے گئے، ابصار العین ص ۹۲ کے مطابق اس کے زخموں کا علاج کیا گیا۔

۱۰۔ سعد بن حارث　۱۱۔ ابوالحتوف بن حارث:

کتاب وسیلۃ الدارین ص ۱۲۹ میں ہے کہ سعد بن حارث بن سلمہ انصاری اوران کے بھائی ابوالحتوف کا تعلق فرقہ ''محکِّمہ'' یعنی خوارج سے تھے، عمر بن سعد کے ساتھ کوفہ سے کربلا امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے آئے تھے۔

عاشورا کے دن ظہر کے بعد جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے تمام انصار شہید ہو چکے تھے صرف عمرو حضرمی کے دوفرزند سوید اور بشر امام کے ساتھ باقی رہ گئے تھے، اور امام علیہ السلام نے صدائے ''الامن ناصر ینصرنا'' کوئی ہے جو ہماری امداد کرے؟ امامؑ کی یہ صدائے استغاثہ سن کر اہلِ حرم میں کہرام برپا ہو گیا اور مخدراتِ عصمت اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں تو یہ منظران دونوں بھائیوں سے دیکھا نہ گیا اور کہنے لگے: ''لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰهِ وَلَا طَاعَةَ لِمَنْ عَصَاهُ'' حق حاکمیت صرف اللہ کو حاصل ہے اور خدا کے نافرمان کی اطاعت جائز نہیں، جب ہم ایک طرف تو حسینؑ کے نانا کی شفاعت کے امیدوار ہیں اور دوسری طرف ان کے نواسے سے جنگ کر رہے ہوں؟ آیا مناسب ہے؟ یہ کہا اور لشکرِ ابن زیاد سے جدا ہو کر سپاہِ یزید پر تلواروں سے حملہ کر دیا اور اس قدر لڑتے رہے کہ خود جامِ شہادت نوش فرما کر راہیٔ خلدِ برین ہوئے۔ (وسیلۃ الدارین ص ۱۴۹، مقتل الحسین مقرم ص ۲۴۰ اور ابصار العین ص ۹۲)

۱۲۔ نافع بن ہلال:

حضرت امیر علیہ السلام کے صحابی، بزرگوار شخصیت کے مالک، بیشہ شجاعت کے شیر، قاریٔ قرآن اور کاتبِ حدیث تھے، حضرت علی علیہ السلام کی معیت میں جنگِ جمل، صفین اور نہروان میں دادِ شجاعت دی، جب حضرت امام حسین علیہ السلام عراق کی جانب عازمِ سفر تھے تو نافع اپنے تین دیگر دوستوں کے ساتھ اثنائے راہ میں آپؑ سے آملے۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ جب عمرو بن قرظہ شہید ہو گئے اور ان کے بھائی علی بن قرظہ نے امام علیہ السلام کے آگے ہرزہ سرائی شروع کی اور اپنے بھائی کا بدلہ لینے کیلئے آگے بڑھا تو نافع بن ہلال نے اس پر حملہ کر دیا جس سے وہ مجروح ہو گیا اور اس کے دوستوں نے اسے نافع سے نجات دلائی اور اٹھا کر اپنے ساتھ لے جانے لگے تو نافع نے یہ رجز پڑھتے ہوئے ان پر حملہ کر دیا:

اِنْ تَنْکُرُوْنِیْ وَ اَنَا ابْنُ الْجَمَلِیْ

دِیْنِیْ عَلٰی دِیْنِ حُسَیْنِ بْنِ عَلِیْ

اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو لو سنو کہ میں قبیلہ جملی سے تعلق رکھتا ہوں اور میرا دین وہی ہے جو حسین بن علی علیہ السلام کا دین ہے۔

اس کے جواب میں مزاحم بن حرث نامی ایک شخص نے اس رجز کے جواب میں کہا: ''میں فلاں شخص کے دین پر ہوں'' نافع نے کہا: ''تو شیطان کے دین پر ہے!'' یہ کہا اور اس پر حملہ کر دیا، مزاحم نے جان بچانے کی کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا، اور وہیں پر مارا گیا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر عمرو بن حجاج نے اپنے فوجیوں کو نعرہ مار کر کہا: ''آیا تم جانتے ہو کہ کیسے لوگوں کے ساتھ جنگ کر رہے ہو؟ یاد رکھو کوئی بھی شخص میدانِ جنگ میں اصحابِ حسینؑ کے مقابلہ کیلئے ایک ایک کر کے نہ جائے!!''

ابو مخنف کے بقول، نافع نے اپنا نام تیروں پر لکھا ہوا تھا، اور وہ انہیں زہر آلود کر کے دشمن کی طرف پھینک رہے تھے، سپاہِ یزید میں سے بارہ لوگوں کو جہنم رسید کیا اور بہت سی تعداد کو زخمی بھی کیا، جب تمام ترکش تیروں سے خالی ہو گیا تو تلوار کو نیام سے نکال لیا اور یہ کہتے ہوئے دشمن پر جھپٹ پڑے

اَنَا الْهِزَبْرُ الْجَمَلِی اَنَا عَلیٰ دِیْنِ عَلِیٌ

میں قبیلہ جملی کا بہادر شیر ہوں اور میں علیؑ کے دین کا پیروکار ہوں۔

فوجِ اشقیاء کے پاس صرف ایک چارہ کار رہ گیا تھا اور وہ یہ کہ اس اکیلے مظلوم پر سب لشکر نے یکبارگی حملہ کر دیا اور انہیں چاروں طرف سے اپنے محاصرے میں لے لیا، اور ہر طرف سے تیروں اور پتھروں کی بارش کر دی جس سے ان کے بازو ٹوٹ گئے اور وہ اپنا دفاع کرنے کے قابل نہ رہے، شمر نے اپنے سپاہیوں سے مل کر انہیں گرفتار کر لیا اور عمر بن سعد کے پاس آئے۔

عمر بن سعد نے نافع سے کہا: ''نافع! تم پر افسوس ہے، آخر تم اپنے ساتھ یہ ظلم کیوں کر رہے ہو؟''

نافع نے جواب دیا: ''میرا پروردگار میرے ارادوں سے اچھی طرح واقف ہے!!'' نافع کے سر و صورت سے خون جاری تھا، سپاہِ یزید نے کہا: ''دیکھ لیا اپنا انجام کہ اپنے ساتھ کیا کیا؟'' نافع نے کہا: ''میں نے تمہارے بارہ آدمیوں کو قتل کیا ہے، لیکن پشیمان نہیں ہوں کہ خود کو ملامت کروں، اگر میرے بازو سالم ہوتے، تم مجھے ہرگز گرفتار نہ کر سکتے'' شمر نے عمر سے کہا: ''اسے قتل کر دو'' عمر نے کہا: ''تم ہی اسے لائے ہو اور تم ہی اسے قتل کرو'' یہ سن کر شمر نے تلوار کو نیام سے نکالا اور انہیں قتل کرنے کی قصد سے آگے بڑھا تو نافع نے اس سے کہا: ''خدا کی قسم! اگر تم مسلمان ہوتے تو تمہیں پتہ چلتا کہ خدا کے حضور تمہاری پیشی کس قدر سنگین ہوگی، اور ہمارا خون تمہارے لئے کس قدر بھاری ثابت ہوگا؟ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میرا قتل اللہ

کی ایک بدترین مخلوق کے ہاتھوں عمل میں آرہا ہے'' یہ سن کر شمر نے ان پر تلوار کا وار کر کے شہید کر دیا، خدا کی رحمت اور رضوان ہو اللہ کی اس پاک مخلوق پر۔

۱۳۔ ابوالشعثاء کندی:

کتاب وسیلۃ الدارین ص۱۰۳ میں ہے کہ زیارت ناحیہ میں آپ کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے:
''اَلسَّلَامُ عَلیٰ یَزِیْد بن مهاجر'' سلام ہو یزید بن مہاجر کندی پر، جبکہ بعض کتابوں میں آپ کا نام یزید بن زیاد ہے، بہادر اور شریف انسان تھے، کوفہ سے عمر بن سعد کے ساتھ امام حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے کے لئے کربلا آگئے اور صلح کی تمام کوششیں بے سود اور جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا اور عمرِ سعد کو جنگ کے لئے مکمل طور پر آمادہ پایا تو اُسے چھوڑ کر امام مظلومؑ کی خدمت میں پہنچ گئے، ماہر تیر انداز تھے، حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دشمن کی طرف تیر اندازی کرنے لگے، امام علیہ السلام نے دعا دی اور فرمایا: ''خداوندا! اس کے تیروں کو نشانے پر لگا اور اپنی بہشت اس کی جزا قرار دے!!'' جب سب تیر ختم ہو گئے تو کھڑا ہوتے ہوئے کہنے لگے: ''پانچ یزیدیوں کو فی النار کر چکا ہوں'' اس کے بعد دشمن پر حملہ آور ہو گئے، سپاہِ یزید کے انیس سپاہیوں کو واصلِ جہنم کیا اور بعد میں خود بھی درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

۱۴۔ مسلم بن عوسجہ:

کتاب ابصار العین ص۶۱ کے مطابق:

آپ شریف، عابد اور زاہد انسان تھے، اصحابِ رسولؐ میں آپ کا شمار ہوتا ہے، اسلامی فتوحات اور جنگوں میں آپ کی شجاعت زبان زد خاص و عام تھی، کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل کے وکیل اور مالیات کی وصولی، اسلحہ کی خریداری اور حضرت مسلم کیلئے لوگوں سے حصولِ بیعت آپ کی ذمہ داری تھی، حالات خراب ہو جانے کے بعد کوفہ سے کربلا آگئے اور حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

بروزِ عاشورا جب امام عالی مقام علیہ السلام نے اپنے لشکر کو ترتیب دیا تو میمنہ لشکر کی ذمہ داری زہیر بن قین کے سپرد کی، عمر سعد کے لشکر کے میسرہ کی ذمہ داری عمرو بن حجاج زبیدی کی تھی، دریائے فرات کے نزدیک عمرو بن حجاج نے امام علیہ السلام کے میمنہ لشکر پر حملہ کر دیا، کافی دیر تک جنگ جاری رہی، میدانِ جنگ میں موجود لوگوں کا کہنا ہے کہ جب جنگ کا غبار بیٹھ گیا تو دیکھا کہ حضرت مسلم بن عوسجہ اسدی کا جسد مبارک خاکِ کربلا پر پڑا ہوا ہے، ابھی رمقِ سانس باقی تھی کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام آپ کے بالینِ سر پہنچے، ان کے حق میں دعائے خیر دیتے ہوئے فرمایا:

''اے مسلم بن عوسجہ! خدا تم پر رحمت نازل فرمائے'' اس کے بعد سورہ احزاب کی تیسویں آیت تلاوت فرمائی:
''فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ ۔ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا''
ان میں سے بعض نے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کیا اور ان میں سے بعض انتظار کر رہے ہیں اور وہ ذرہ بھی نہیں بدلے۔

اتنے میں حبیب بن مظاہر ان کے پاس آگئے اور فرمایا: ''مسلم! تمہاری جدائی میرے لئے سخت گراں ہے، میں تمہیں بہشت کی خوشخبری دیتا ہوں''

مسلم بن عوسجہ نے نحیف آواز میں کہا: ''خدا تمہیں بھی خیر کی خبر سنائے!'' حبیب نے کہا: ''اب آپ کے آخری لمحات ہیں مجھے کوئی وصیت فرمائیے کہ میں اس کی تعمیل کروں''

مسلم نے امام علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''عَلَيۡکَ بِهٰذَا الرَّجُلِ'' میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اس (مظلوم) کا خاص خیال رکھنا، اپنی جان ان پر قربان کر دینا، اس کے بعد آپ نے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دی اور سیدھے بہشتِ برین کو سدھارے۔

اتنے میں مسلم بن عوسجہ کی کنیز نے ''یَاسَیِّدَاہ، یا ابن عوسجاہ'' کے ساتھ بین کرنا شروع کر دیئے، عمرو بن حجاج کے سپاہیوں نے کہا: ''ہم نے اسے قتل کر دیا ہے'' یہ سن کر شبث بن ربعی جوان کے پاس کھڑا تھا، ان سپاہیوں سے کہنے لگا:

''تمہاری مائیں تمہارا سوگ منائیں، تم نے خود ہی اپنے آپ کو قتل کر ڈالا ہے اور اپنی ندامت وخجالت کا سبب بنے ہو، اس بات پر خوش ہو رہے ہو کہ تم نے مسلم بن عوسجہ کو قتل کر دیا ہے؟''

خدا کی قسم میں نے مسلم بن عوسجہ کو مسلمانوں کے درمیان ایک معزز اور محترم مقام میں دیکھا ہے مین نے اسے دشتِ آذربائیجان میں دیکھا تھا کہ وہ مسلمانوں کا لشکر آنے سے پہلے سے چھ کفار کو قتل کر چکا تھا اور تم ہو کہ اس کو قتل کر کے خوشیاں منا رہے ہو!!

نفس المھموم ص ۲۶۴ میں ہے کہ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مسلم بن عوسجہ کو دو ملعونوں نے مل کر شہید کیا ایک کا نام مسلم بن عبداللہ ضبابی ہے اور دوسرے کا نام عبدالرحمان بن ابی خشکارہ بجلی ہے۔

۱۵۔ حربن یزید ریاحی:

وسیلۃ الدارین ص ۱۲۷ میں ہے آپ کا نام حر بن یزید بن ناجیہ بن عتاب ہے، آپ اپنی قوم میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے خواہ زمانہ جاہلیت ہو یا زمانہ اسلام، آپ کے دادا ''عتاب'' حیرہ کے بادشاہ ''نعمان بن منذر'' کے ردیف وندیم تھے، ان کے چچا ''احوص'' جو شاعر بھی تھے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے۔ عمرِ سعد نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا راستہ روکنے کیلئے انہیں ایک ہزار کا لشکر دے کر امامؑ کی طرف روانہ کیا ادھر امام علیہ السلام مکہ سے چل کر ۲۷ ذی الحجہ ۶۰ ھ بروز اتوار منزلِ ''ذوحسم'' پر پہنچ چکے تھے، وہیں سے امام کو اپنے محاصرہ میں لے لیا اور دو محرم کو کربلا میں پہنچ گئے، دس محرم تک فوجِ یزید میں رہے، جب امامؑ کی آوازِ استغاثہ ''اَمَامِنْ مُغِيْثٍ يُغِيْثُنَا لِوَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى، اَمَا مِنْ ذَآبٍ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ'' بلند ہوئی تو حر کا دل سخت مضطرب ہو گیا آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ابنِ سعد کے پاس پہنچے اور پوچھا:

''آیا واقعاً حسین (ع) کے ساتھ جنگ کرو گے؟'' اس نے کہا ہاں! بخدا! اس قدر جنگ کریں گے کہ سرتن سے اور ہاتھ بازوؤں سے کٹ کر گر جائیں گے!! حر نے کہا: ''جو کچھ حسینؑ نے تمہیں کہا ہے اور بیان کیا ہے وہ تمہارے لئے کافی نہیں ہے؟''

عمرِ سعد نے کہا: ''اگر معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو مان لیتا، مگر کیا کیا جائے تمہارا امیر ابن زیاد نہیں مانتا''

یہ سن کر حر واپس آ گئے اور اپنے قبیلہ کے ایک شخص کے پاس آئے جس کا نام قرہ بن قیس تھا، اس سے کہا: قرہ! آیا تم نے اپنے گھوڑے کو پانی پلایا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! کہا: ''تمہارے گھوڑے بھی پانی پئیں اور اولادِ رسولؐ پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دے؟'' یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ دی اور امام علیہ السلام کے خیام کے نزدیک پہنچ گئے، اسی اثناء میں مہاجر بن اوس نے ان سے پوچھا: ''حر میں تمہاری کیفیت عجیب محسوس کر رہا ہوں کیا وجہ ہے؟'' کہا: ''خدا کی قسم میں اپنے آپ کو جنت اور دوزخ کے درمیان دیکھ رہا ہوں، اور خدا گواہ ہے کہ میں بہشت کے علاوہ کسی کو اختیار نہیں کروں گا، خواہ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا آگ میں جلا دیا جائے''

مقتل الحسین خوارزمی جلد ۲ میں ۱۰ میں ہے کہ حر کے ساتھ ان کا غلام ''ترک'' بھی تھا، جبکہ بعض دیگر روایات میں ان کے ساتھ ان کا بیٹا علی بھی تھا، غرض امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گئے، اور بڑے عاجزانہ انداز میں عرض کیا:

''فرزندِ رسولؐ! میری جان آپ پر قربان جائے میں ہی پہلا شخص تھا جس نے آپ کو محاصرے میں لے کر آپ پر سختی کر کے

آپ کو یہاں تک لے آیا، لیکن میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ ظالم لوگ آپ کے ساتھ یہ سلوک کریں گے اور آپ کی باتوں پر کان نہیں دھریں گے، خدا گواہ ہے کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اشقیاء ایسا کریں گے تو ہرگز میں یہ قدم نہ اٹھاتا، اب میں اپنے کئے پر نادم ہوں خداوندِ عظیم کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں، آیا میری توبہ قبول ہے؟'' امامؑ نے فرمایا: ''ہاں! تمہاری توبہ قبول ہے، گھوڑے سے نیچے اترا!'' حر نے عرض کیا: ''بہتر یہی ہے کہ میں اس پر سوار ہی رہوں اور سوار ہو کر آپ کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کروں اور آخری وقت میں اس سے نیچے آؤں''

امامؑ نے فرمایا: ''جو ارادہ کر چکے ہو اس پر عمل کرو خدا تمہارا بھلا کرے!''

کتاب حیاۃ الامام الحسین (ع) ج ۳ ص ۲۲۱ میں ہے کہ:

حر، اذنِ امامؑ پا کر فوجِ اشقیاء کے سامنے آگئے اور فرمایا: ''اے اہلِ کوفہ! تمہاری مائیں تمہارا سوگ منائیں تم نے خدا کے اس نیک بندے (یعنی حسین بن علی علیہ السلام) کو خط لکھ کر بلایا ہے اور اس سے کہا ہے کہ ہم آپ پر اپنی جانیں قربان کر دیں گے، لیکن جانیں قربان کرنے کی بجائے الٹا ان کے قتل کے لئے اپنی تلواریں نکال لیں اور انہیں ہر طرف سے گھیر لیا ہے اور اللہ کی وسیع و عریض زمین میں انہیں کسی طرف جانے کی اجازت نہیں دیتے ہو، اس وقت وہ ایک قیدی کی طرح تمہارے محاصرے میں ہیں، جبکہ ان کی عورتیں اور بچے بھی ان کے ہمراہ ہیں، اور تم نے ان سب پر پانی بھی بند کر دیا ہے، جبکہ اسی فرات کے پانی کو یہود اور نصاریٰ تک پی رہے ہیں اور چوپائے اس میں نہا رہے ہیں اور یہ بے گناہ پیاس کی شدت سے جاں بلب ہیں اور العطش العطش کی صدائیں بلند کر رہے ہیں، تمہیں حرمتِ رسول کا کوئی احساس نہیں ہے کہ آخر یہ بھی تو رسولِ گرامی کی عترت ہیں، خدا تمہیں قیامت کی پیاس میں کبھی سیراب نہ کرے!'' یہ سنتے ہی عمرو بن حجاج زبیدی نے اپنے لشکریوں کو پکار کر کہا: ''اے نادانو! جانتے ہو کہ کن کے ساتھ لڑ رہے ہو؟ یہ کوفہ کے شجاع اور دلاور لوگ ہیں، اور تم ان لوگوں کے ساتھ جنگ کر رہے ہو جنہوں نے خود کو موت کے لئے پوری طرح آمادہ کر لیا ہے، ان کے ساتھ اکیلے لڑنے کی بجائے یکبارگی حملہ کر دو یہ تعداد میں بہت کم ہیں، اگر انہیں پتھروں کا نشانہ بھی بناؤ گے تو مارے جائیں گے''

حر مردانہ وار جنگ کرتے رہے اور رجز بھی پڑھتے رہے، کافی دیر تک جنگ کرتے رہے، اگرچہ حر کے گھوڑے کو کاری زخم لگ چکے تھے، مگر اس نے اپنے آقا کے ساتھ پوری وفاداری کا ثبوت دیا، ایک مرتبہ یزید بن سفیان نامی شخص نے ان پر اچانک حملہ کر دیا، یزید کو حر کے ساتھ پرانی دشمنی تھی، حصین بن نمیر کے اکسانے کی وجہ سے اس نے آپ پر حملہ کر دیا، مگر حر نے اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور اپنی تلوار کے ذریعے اسے قتل کر دیا، اتنے میں ایوب بن شرح نامی شخص نے حر کے گھوڑے کو تیر مار دیا، جس سے گھوڑا زمین پر آ گرا، اب حر کو پیدل جنگ کرنا پڑی اور انہوں نے چالیس سے زیادہ لوگوں کو

تہ تیغ کر دیا، آخر کار عمرو بن حجاج کے کہنے پر لشکرِ یزید نے آپ پر یکبارگی حملہ کر کے ساحلِ شہادت سے ہمکنار کر دیا، اصحابِ امام علیہ السلام جلدی سے آگے بڑھے اور انہیں اس خیمہ میں پہنچا دیا جس کے سامنے وہ جنگ کر رہے تھے، امام علیہ السلام ان کے بالین سر پہنچ گئے، ان کے چہرے سے خون صاف کیا اور یہ الفاظ ادا فرمائے:

''تو حر ہے اور آزاد انسان، جیسا کہ تمہاری ماں نے تمہارا نام حر رکھا ہے، تو دنیا میں بھی آزاد اور حر ہے اور آخرت میں بھی آزاد ہے''

۱۶۔ حبیب بن مظاہر اسدی:

کتاب نفس المہموم ص۳۰۲ میں ہے کہ:

آپ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابِ باوفا میں سے تھے، کوفہ کے باشندے اور امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے دوست اور آپ کے خواص اصحاب میں سے تھے، آپؑ کے ہمرکاب ہو کر تمام جنگوں میں شریک رہے، حضرت امیر علیہ السلام نے آپ کو بہت سے علوم تعلیم فرمائے تھے، جنگ کربلا میں آپ نے حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی خلوصِ قلب اور تہہ دل سے نصرت کا حق ادا کر دیا اور اس راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔

جب حضرت مسلم بن عقیل کوفہ تشریف لے آئے تو آپ اور حضرت مسلم بن عوسجہ جناب مسلم بن عقیل کیلئے بیعت لینے پر مامور ہوئے اور جب ابن زیاد نے کوفہ آ کر شیعیانِ علیؑ پر سختیاں شروع کر دیں اور ان پر مظالم کے پہاڑ توڑنا شروع کر دیئے تو حبیب بن مظاہر اور مسلم بن عوسجہ کے قبیلہ والوں نے انہیں مخفی کر دیا تا کہ وہ ابنِ زیاد کی گرفت سے محفوظ رہیں اور جب انہوں نے سنا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا تشریف لے آئے ہیں تو یہ دونوں حضرات، امام عالی مقامؑ کی امداد اور نصرت کیلئے آپ کی طرف روانہ ہوئے، دن کو چھپ کر رات کو سفر کرتے تھے اسی طرح سے وہ خدمتِ امام میں پہنچ گئے۔

بروزِ عاشورا جب حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام نے نماز ظہر کی بجا آوری کیلئے سپاہِ یزید سے مہلت طلب کی تو گستاخ حصین بن نمیر ــــ یا حصین بن تمیم ــــ نے بکواس کی کہ ''تمہاری نماز قبول نہیں ہے!'' یہ سن کر حبیبؓ نے اسے کہا: اے احمق جاہل! تو یہ سمجھتا ہے کہ آلِ رسولؐ کی نماز قبول نہیں، اور تجھ احمق کی نماز قبول ہے؟

یہ سن کر حصین نے ان پر حملہ کر دیا، حبیب بھی اس پر حملہ آور ہوئے اور اس کے گھوڑے پر تلوار کا وار کیا جس سے وہ

گھوڑے کی زین سے زمین پر جا گرا، یہ دیکھ کر حصین کے ساتھی اس کی نجات کیلئے آگے بڑھے اور اسے اٹھا کر لے گئے، حبیب نے رجز پڑھتے ہوئے ان پر حملہ کر کے بہت سے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اسی اثنا میں "بدیل بن صریم" نے تلوار کے ساتھ حبیب پر حملہ کر دیا، جس سے وہ زمین پر گر گئے، اٹھنا چاہتے تھے کہ حصین نے ان کے سر پر تلوار سے ایک اور حملہ کر دیا، اتنے میں بدیل تمیمی نے ان کا سر تن سے جدا کر دیا، اور وہ باغِ بہشت کو جا پہنچے۔

حصین نے تمیمی سے کہا: حبیب کو قتل کرنے میں، میں بھی تمہارے ساتھ شریک تھا، اس نے کہا: میں نے اکیلے اسے قتل کیا ہے۔

حصین نے کہا: ایسا کرو کہ حبیب کا سر مجھے دے دو تا کہ میں اسے گھوڑے کی گردن میں لٹکا کر لوگوں کو دکھاؤں کہ میں نے بھی حبیب کو قتل کیا ہے اور اس کے قتل میں تیرے ساتھ شریک ہوں پھر تم کو واپس کر دوں گا، بعد میں اسے لے کر تم ہی امیر ابن زیاد سے انعام وصول کرنا، مگر اس نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

ان میں سے کچھ لوگوں نے درمیان میں آ کر ان میں صلح کرا دی اور حصین کو حبیب کا سر دلا دیا اور اس نے وہ سر گھوڑے کی گردن میں لٹکایا اور لشکرِ یزید کے درمیان ایک چکر لگا کر اسے واپس کر دیا۔

نفس المہموم ص ۲۷۲ میں ہے کہ حبیب بن مظاہر کی شہادت حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام پر نہایت گراں گزری اور اس سے آپ کو زبردست صدمہ پہنچا، جس سے آپ کا دل ٹوٹ گیا، آپ نے فرمایا: "مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے حامی اور مددگاروں کو اجر عطا فرمائے گا"

جبکہ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ امام عالیمقام علیہ السلام نے حبیب سے مخاطب ہو کر فرمایا: "حبیب تم کس قدر خدا کے برگزیدہ بندے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ توفیق عطا فرمائی تھی کہ ہر رات قرآن مجید کا ایک ختم کیا کرتے تھے"

۱۷۔ سعید بن عبداللہ حنفی:

کوفہ کے معروف شیعوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا، جہاں فنِ سپاہ گری کے ماہر تھے وہاں عابد شب زندہ دار بھی تھے، تیسری مرتبہ امام علیہ السلام کے نام اہلِ کوفہ کا خط لے کر مکہ مکرمہ میں خدمتِ امامؑ میں حاضر ہوئے تھے، جب حضرت مسلم کوفہ تشریف لائے تھے تو عابس بن ابی شبیب اور حبیب بن مظاہر کے بعد آپ ہی نے کھڑے ہو کر مسلم کی بیعت اور نصرت کا اعلان کیا تھا۔

حضرت مسلمؑ نے ایک مرتبہ پھر انہی کے ذریعہ امام حسین علیہ السلام کے نام خط روانہ کیا تھا، چنانچہ آپ خدمتِ امام میں پہنچ

کرامامؑ ہی کے ہم رکاب ہو لئے اور کربلا پہنچ کر بروزِ عاشورا جامِ شہادت نوش فرمایا۔

یہ اس موقع کی بات ہے جب ظہر کا وقت ہو گیا تھا، امام علیہ السلام کے ایک صحابی ''ابوثمامہ صیداوی یا ابوثمامہ صائدی'' نے آپؑ کی خدمت میں عرض کیا: ''یا اباعبداللہ! میری جان آپؑ پر قربان! فوجِ اشقیاء لحظہ بہ لحظہ ہمارے نزدیک ہوتی آرہی ہے اور میں آپ پر اپنی جان قربان کرنا چاہتا ہوں، اسلیئے میری خواہش ہے کہ آخری نماز آپ کی اقتدا میں پڑھ کر اپنے اللہ کے حضور جا پیش ہوں!''

یہ سن کر امامؑ نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا: ''تم نے نماز کو یاد کیا ہے خداوندِ عالم تمہیں نماز گزاروں میں قرار دے'' پھر آپ نے سعید بن عبداللہ حنفی اور زہیر بن قین جبکہ بعض روایات کے مطابق عمرو بن قرظہ کعبی انصاری سے فرمایا کہ: آپ کے آگے دفاع کے لئے کھڑے ہو جائیں تاکہ نمازِ خدا کو ادا کیا جا سکے، امامؑ نے اپنے اصحاب کو نماز کی ادائیگی کا حکم دیا، (بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۲۱) میں ہے کہ امامؑ نے اپنے کچھ اصحاب کے ساتھ نمازِ خوف شروع کی سعید بن عبداللہ امام علیہ السلام کے آگے کھڑے ہو گئے، ادھر دشمن نے تیر چلانا شروع کر دیئے، ہر آنے والا تیر سعید اپنے سینے پر لیتے مگر امام علیہ السلام کو تیروں سے بچالیا، تیروں کی کثرت سے سعید بن عبداللہ یہ کہتے ہوئے زمین پر گر پڑے: ''خداوندا! ان لوگوں پر ایسے لعنت بھیج جیسے تو نے قومِ عاد وثمود پر بھیجی تھی اور میرا سلام اپنے پیغمبر (ص) کے حضور پہنچا دے!'' اس کے ساتھ ہی خداوندِ عالم کے حضور عرض کیا: ''پروردِگارا! میں نے یہ زخم تیرے ثواب کے حصول اور تیرے نبی کے نواسے کی نصرت کیلیئے برداشت کئے ہیں!!'' انہوں نے امامِ مظلومؑ کی طرف منہ کر کے کہا: ''ہل وفیت یا ابن رسول اللہ؟'' فرزندِ رسولؐ! آیا میں نے وفا کی ہے؟ امامِ عالی مقامؑ نے فرمایا: ''یقیناً تمنے وفا کا حق ادا کر دیا ہے اور بہشت میں تم ہم سب سے پہلے جاؤ گے!'' بوقتِ شہادت تیروں اور تلواروں کے زخموں کے علاوہ تیرہ تیر ان کے بدن پر میں پیوست ہو چکے تھے۔

۱۸۔ ابوثمامہ صائدی:

آپ کا نام عمرو بن عبداللہ بن کعب تھا، تابعین میں شمار ہوتے تھے، شیعیانِ علیؑ میں سے برجستہ دلاور شخصیت کے مالک تھے، آپ کے اصحاب میں انہیں اعلیٰ مقام حاصل تھا، تمام جنگوں میں آپ ہم رکاب رہے، امیر علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام کے جانثار صحابی تھے، امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد کوفہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ ارشاد شیخ مفید جلد ۲ ص ۲۶ میں ہے: جب حضرت مسلم بن عقیل کوفہ تشریف لائے تھے ابوثمامہ صائدی ان کے معاونین میں شامل تھے، آپ کے مالی امور کے نگران تھے اور اسلحہ کی خریدنے کی ذمہ داری بھی آپ ہی کے پاس تھی اور

حضرت مسلم بن عقیل کے کمانڈروں میں سے تھے جب کوفہ کے حالات نے پلٹا کھایا تو آپ مخفی ہو گئے، ابن زیاد شب و روز آپ کی تلاش میں تھا مگر اسے آپ تک رسائی نہ ہو سکی، جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت ابا عبد اللہ الحسین علیہ السلام جانبِ عراق عازمِ سفر ہیں تو آپ جناب نافع بن ہلال کے ساتھ اثنائے راہ میں امامؑ سے آن ملے تھے۔

بروزِ عاشورا امام علیہ السلام کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کے بعد آپ کی خدمت میں عرض کیا: "یا ابا عبد اللہ! اب آپ مجھے جہاد کی اجازت دیں کیونکہ میں آپ کو شہید ہوتا نہیں دیکھ سکتا، لہٰذا میں آپ کے حکم سے شرفِ شہادت حاصل کر کے اپنے دوستوں سے جاملنا چاہتا ہوں"

امامؑ نے آپ کو اذنِ جہاد دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ: "ہم بھی تھوڑی دیر میں تمہارے ساتھ آملیں گے" چنانچہ ابو ثمامہ امامؑ کی اجازت حاصل کرنے کے بعد میدان جنگ میں آئے، سپاہِ کفر کے ساتھ خوب جنگ کی، تیروں اور تلواروں کے کافی زخم کھائے، جنگ زوروں پر تھی کہ اتنے میں لشکرِ یزید میں موجود ان کے چچا کے بیٹے "قیس بن عبد اللہ صائدی" نے اپنی سابقہ دشمنی کا بدلہ لینے کیلئے ان پر وار کیا جس سے وہ زمین پر گر گئے اور شہادت کا درجہ حاصل کر لیا۔

۱۹۔ سلمان بن مضارب:

زہیر بن قین کے چچازاد بھائی تھے حج کے لئے ان کے ساتھ تشریف لے گئے تھے جب حضرت زہیر بن قین امام علیہ السلام کی دعوت پر ان کے ساتھ جا ملے تھے تو سلمان بھی اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ہی کے ہو کر رہ گئے تھے، بروزِ عاشورا، امامؑ کی اقتدا میں نمازِ ظہر پڑھ کر میدان میں گئے اور شرفِ شہادت حاصل کیا۔

۲۰۔ زہیر بن قین بَجَلی:

کوفہ کے رہنے والے اور اپنے قبیلہ کے شجاع اور شریف لوگوں میں شمار ہوتے تھے، جنگوں میں ان کی شجاعت کے چرچے تھے، اوائل میں عثمانی شیعوں میں شمار ہوتے تھے لیکن جب امام علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو، خداوندِ عالم نے ان کی رہنمائی فرمائی اور خدمتِ امامؑ میں حاضر ہو کر آپ کی معیت اختیار کر لی اور کربلا آ گئے۔

بروزِ عاشورا جب امام عالیمقام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کر چکے تو آپ کے شانہ اقدس پر ہاتھ رکھ کر رجز پڑھا جس کا مطلب ہے کہ: "اے میرے ہادی و مہدی پیشوا! قدم بڑھایئے کہ آج اپنے نانا رسولؐ بھائی حسن مجتبیٰؑ، بابا علی مرتضیٰؑ، جعفر طیارؓ اور اسد اللہ حمزہؓ شہید، راہِ خدا سے ملاقات کرنے والے ہیں"

نفس المہموم ص ۲۷۷، ص ۲۸۱ اور تذکرۃ الخواص ص ۱۴۵ کے مطابق:

اس کے بعد اذنِ امامؑ سے معرکہ کارزار میں آئے سپاہِ کفر کے ساتھ خوب جنگ کی اور ایک سو بیس ملعونوں کو واصلِ جہنم کیا۔

بشیر بن عبداللہ شعبی اور مہاجر بن اوس تمیمی نے آپ پر مل کر حملہ کیا جس سے آپ جامِ شہادت نوش کر کے خدمتِ رسولِ خدا میں بہشتِ برین جا پہنچے، امام عالی مقامؑ نے ان کے لاشے پر پہنچ کر فرمایا:

''زہیر! خداوندِ عالم تمہیں ہمیشہ اپنے لطف و کرم کے سایہ میں رکھے اور تمہارے قاتلوں کو مسخ شدہ ملعونوں کی مانند اپنی ابدی لعنت میں گرفتار کیے رکھے''

۲۱۔ حجاج بن مسروق:

کوفہ کے رہنے والے تھے، حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے اصحاب اور شیعوں میں شامل تھے، جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام مدینہ سے مکہ کی جانب عازمِ سفر ہیں تو آپ بھی کوفہ سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوگئے، امام علیہ السلام سے ملاقات کرنے کے بعد ہمیشہ آپؑ ہی کی خدمت میں رہنے لگے، نماز کے اوقات میں اذان ان کے ذمہ تھی، اسی طرح امامؑ کی خدمت میں رہے تا آنکہ امامؑ کربلا تشریف لے آئے۔

کتاب مقتل الحسین مقرم ص ۲۵۴ میں ہے کہ جب بروزِ عاشورا جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے تو امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر جنگ کی اجازت مانگی، میدان میں تشریف لے گئے، کافی دیر تک لڑنے کے بعد امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ کا سارا جسم زخموں سے چور اور خون میں تر تھا اور یہ رجز پڑھنے لگے:

اَلْیَوْمَ اَلْقَا جَدکَ النَّبِیّا

ثُمَّ اَبَاکَ ذَا النَّدیٰ عَلِیا

ذاک الذی نعرفه الوصیا

آج میں جا کر آپ کے جد نبی اکرمؐ کی زیارت کروں گا پھر آپ کے والدِ گرامی علی مرتضیٰؑ کی جنہیں ہم پیغمبرؐ کا وصی سمجھتے ہیں۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے بھی تمہارے ساتھ مل کر ان کی ملاقات کروں گا، پھر حجاج میدان کی طرف لوٹ گئے اور اس قدر جنگ کی کہ عروسِ شہادت سے ہم کنار ہو کر راہیٔ خلدِ برین ہوئے۔

۲۲۔یزید بن معقل ــــ یا ــــ مغفل:

آپ کا شمار دلیر شیعوں اور بہترین شاعروں میں ہوتا ہے، جنگِ صفین میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے ہم رکاب ہو کر لڑتے رہے، حجاج بن مسروق کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام سے آ کر مل گئے تھے اور کربلا آ گئے تھے، بروز عاشورا امام عالی مقامؑ سے اجازت لے کر میدانِ جنگ میں آئے، رجز پڑھا جس کا مطلب ہے: ''میرا نام یزید اور میں مغفل کا بیٹا ہوں، میرے سیدھے ہاتھ میں صیقل شدہ تلوار ہے جو دشمنوں کے سروں میں اتاروں گا، میں فضیلتوں کے سردار اور بزرگوار حسین علیہ السلام کا دفاع کروں گا تمام مرسلین سے بہتر رسولِ اعظمؐ کے فرزند ارجمند ہیں''

یہ کہا اور دشمن پر حملہ آور ہو گئے، میدانِ جنگ میں وہ دادِ شجاعت دی کہ دشمن عش عش کر اٹھا، کافی تعداد میں لشکرِ کفر سے واصلِ جہنم کرنے کے بعد خود بھی شہادت کا فیض حاصل کیا اور ہمیشہ کی سعادت خرید لی۔

۲۳۔حنظلہ بن اسعد شبامی:

کا شمار اہلِ بیت علیہم السلام کے بزرگ شیعوں میں ہوتا ہے، فصاحت و بلاغت اور شجاعت میں بے نظیر ہونے کے باوجود قاری قرآن بھی تھے۔

جب حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام وارِد کربلا ہوئے تو آپ بھی امام عالی مقام علیہ السلام سے آ ملے تھے، اور آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ امام الشہداءؑ نے آپ کو اپنا قاصد بنا کر عمر بن سعد کی طرف بھیجا تھا۔

بروزِ عاشورا امام علیہ السلام سے اذنِ جہاد لے کر فوجِ اشقیاء کے سامنے آئے اور انہیں مشفقانہ نصیحتوں سے نوازنے اور فرزندِ رسولؐ کے قتل سے باز آ جانے کی تاکید کی مگر ان ظالموں پر آپ کی نصیحت کا کچھ بھی اثر نہیں ہوا، حضرت امام عالی مقامؑ نے انہیں فرمایا: آپ نے چونکہ انہیں نصیحتوں سے نوازا ہے اور انہیں راہِ حق کی دعوت دی ہے لیکن انہوں نے اسے قبول نہیں کیا ہے بلکہ تمہارے اور تمہارے دوستوں کے قتل کے درپے ہیں اور تمہارے دوسرے نیک دوستوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کر چکے ہیں، ان پر عذابِ الٰہی واجب ہو گیا ہے۔

حنظلہ نے کہا: ''مولا! آپؑ نے بالکل سچ فرمایا، میں آپ کے قربان جاؤں آیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے رب کی ملاقات کیلئے آگے بڑھوں اور اپنے دوسرے بھائیوں سے جا ملوں؟'' امامؑ نے انہیں اجازت دیتے ہوئے فرمایا: ''جاؤ اس چیز کی طرف جو دنیا و مافیہا سے بہتر ہے ایسے عالم کی طرف جس کی کوئی حد و انتہا نہیں اور ایسی سلطنت کی

طرف جسے زوال نہیں“

حنظلہ نے عرض کی: ”السلام علیک یا ابا عبداللہ! صلی اللہ علیک و علیٰ اھلِ بیتک، اب میری اور آپ کی ملاقات بہشت ہی میں ہوگی!“ یہ سن کر امامؑ نے فرمایا: ”آمین، آمین“ اس کے بعد عابس نے سپاہِ یزید پر حملہ کر دیا اور دادِ شجاعت دی، انجامِ کار خود بھی شہادت کا شرف حاصل کر کے خدمتِ رسالت مآبؐ اور امیر المومنینؑ میں پہنچ گئے۔

۲۴۔ عابس بن ابی شبیب:

کتاب تظلم الزہراص ۱۹۲ کی بنا پر آپ کا نام ’عابس بن شبیب‘ بتایا گیا ہے، جبکہ تنقیح المقال جلد۲ ص ۱۱۲ اور ابصار العین ص ۷۴ میں آپ کا نام ’عابس بن ابی شبیب‘ ذکر ہوا ہے، آپ کا تعلق قبیلہ ہمدان کی شاخ قبیلہ ابی شاکر سے تھا، کتاب وسیلۃ الدارین ص ۱۵۸ اور ابصار العین ص ۷۴ کے مطابق آپ کا شیعیانِ علیؑ سے تعلق تھا بلکہ شیعوں کے رئیس تھے، بہادر، دلیر، زبردست خطیب، عابد شب زندہ دار اور تہجد گزار انسان تھے، جب حضرت مسلم بن عقیل کوفہ تشریف لے آئے تھے اور کوفہ کے اٹھارہ ہزار لوگوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تو انہوں نے حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کی خدمت میں خط تحریر کیا اور انہی عابس کے ذریعہ امامؑ کی خدمت میں ارسال فرمایا، خط لے کر امامؑ کی خدمت میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگئے اور آپ کی خدمت میں خط کو پیش کیا، اور آخر دم تک آپ کے ساتھ رہے بروزِ عاشورا کہنے لگے: ”آج کا دن ہمارے لئے حصولِ سعادت کا دن ہے، لہٰذا ہم اس کے لئے مقدور بھر کوشش کر کے اسے حاصل کریں کیونکہ آج کے بعد صرف حساب ہوگا، عمل نہیں“

اس کے بعد امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: ”یا اباعبداللہ! خدا کی قسم! روئے زمین میں میرے نزدیک آپ سے بڑھ کر نہ تو کوئی محبوب ہے اور نہ ہی قابلِ احترام ہے اگر میرے پاس میری جان اور میرے خون سے زیادہ قیمتی چیز ہوتی تو یقیناً آپ پر قربان کر دیتا، اب میری یہی محبوب چیز آپ پر قربان ہونے کے لائق ہے“ یہ کہا اور شمشیر بکف ہو کر یہ کہتے ہوئے میدانِ کارزار کی طرف بڑھے: ”السلام علیک یا ابا عبداللہ! اشھد انی علیٰ ھداک و ھدیٰ ابیک“ سلام ہو آپ پر اے اباعبداللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں آپ کے اور آپ کے والد کے دکھائے ہوئے ہدایت کے راستے پر قائم ہوں۔

ربیع بن تمیم جو دشمن کے لشکر میں تھا، اس کا کہنا ہے کہ جب میں نے عابس کو میدان میں آتے دیکھا تو میں اسے پہچان گیا، فوراً اس کا ماضی میری آنکھوں کے سامنے آ گیا کہ میدان جنگ کے شہسوار اور شجاع ترین انسان ہیں، میں نے

لشکرِ ابن سعد سے کہا: ''یہ شخص شیروں کا شیر ہے اور شبیب شاکری کا بیٹا ہے، خبردار اس کے مقابل نہ آنا'' عابس میدان میں اتر چکے تھے اور مبارز طلبی کرنے لگے، مگر کسی کو ان کے مقابلے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی، عمر بن سعد نے جب اپنے لشکر کی یہ کیفیت دیکھی تو اس نے کہا: تم میں اس کے مقابلے کی جرأت نہیں ہے تو پھر اس پر پتھروں کی بارش کر دو، چنانچہ یزیدیوں نے اس کے حکم پر عمل کیا۔

عابس نے جب یہ دیکھا تو اپنی زرہ کو جسم سے اور خود کو سر سے اتار دیا اور سپاہ، یزید پر حملہ کر دیا۔

ابنِ تمیم کا کہنا ہے: ''خدا کی قسم میں نے اسے دیکھا کہ اس نے دو سو سے زیادہ جنگی جوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اب دشمن نے ہر طرف سے ان پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا، اور شہادت کے بعد ان کا سر تن سے جدا کر کے عمر سعد کے پاس لے گئے''

ربیع بن تمیم کا کہنا ہے کہ: ''میں دیکھ رہا تھا کہ کچھ لوگوں نے عابس کا سر اٹھایا ہوا تھا اور آپس میں الجھ رہے تھے، ایک کہتا تھا کہ میں عابس کو شہید کیا ہے اور دوسرا کہتا تھا کہ میں نے، غرض ہر ایک اس کے قتل کو اپنی طرف منسوب کرتا تھا، یہ سن کر عمرِ سعد نے کہا: لڑو نہیں! خدا کی قسم کسی شخص کے بس کی بات نہیں تھی کہ اسے قتل کرے، تم سب نے مل کر اسے قتل کیا ہے''

۲۵۔ شوذب بن عبداللہ:

ابصار العین ص ۷۶ میں ہے کہ حضرت شوذب کا شمار شیعیان علیؑ میں ہوتا تھا، معدودے چند دلیر انسانوں میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے، حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام سے احادیث کو حفظ کر کے ''حافظِ حدیث'' کہلائے، آپ روزانہ حدیث کا درس دیا کرتے تھے جس میں شیعیانِ علیؑ کی کثیر تعداد شرکت کیا کرتی تھی۔

عابس بن شبیب کے ہمراہ کوفہ سے مکہ آئے تو امامؑ ہی کے ہو رہے اور عاشورا کے دن تک آپ کے ساتھ رہے، جب جنگ شروع ہوئی تو میدان میں تشریف لائے ''عابس'' نے انہیں اپنے پاس بلا کر ان سے امام عالیمقامؑ کی نصرت اور ان کی راہ میں شہادت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے عابس کو ایسا جواب دیا کہ جس سے ان کی معرفتِ امام علیہ السلام کا بخوبی پتہ چلتا تھا، دلیر مردوں کی طرح میدان میں آئے اور شرفِ شہادت حاصل کیا۔

۲۶۔ جون بن ابی مالک:

کتاب وسیلۃ الدارین میں ہے کہ ابو علی نے اپنی کتاب ''رجال'' میں نقل کیا ہے کہ ''جون'' نوبہ یعنی حبش کے

رہنے والے تھے، حضرت علی علیہ السلام نے انہیں ڈیڑھ سو دینار میں خرید کر حضرت ابوذر غفاری کو بخش دیا تھا، اور جب حضرت ابوذر غفاری کو ''ربذہ'' کی طرف جلاوطن کر دیا گیا تھا تو یہ جون بھی انہی کے ساتھ جلاوطنی کے لئے ربذہ چلے گئے اور جب ۳۲ھ میں حضرت ابوذر غفاری کی ''ربذہ'' میں شہادت ہوئی تو وہ مدینہ واپس آ گئے اور حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں رہنے لگے، آپ کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں رہنے لگے، جب امام حسن مجتبیٰؑ کی شہادت ہو گئی تو حسین علیہ السلام کے حضور شرفیاب ہوئے اور مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا آپ کے ہمراہ رہے، عاشورا کے دن امام عالی مقامؑ سے اذنِ جہاد لینے کے لئے حاضر ہوئے تو امامؑ نے ان سے فرمایا: ''ہم نے تمہیں پہلے ہی سے اجازت دے رکھی تھی کہ تم واپس چلے جاؤ کیونکہ تم نے ہمارا ساتھ اس لئے اختیار کیا تھا کہ زندگی کے چند دن آرام سے گزارو، اب مشکل کا وقت آ گیا ہے، میں تمہیں پھر بھی کہتا ہوں کہ واپس چلے جاؤ اور خود کو مشکل میں نہ ڈالو!!'' جون نے عرض کی: ''میں آرام و راحت میں رہوں اور آپ کو مشکلات میں چھوڑ کر چلا جاؤں؟ خدا کی قسم اگرچہ میرے بدن سے بدبو آتی ہے، میرا رنگ کالا ہے، خاندان بھی اتنا بلند نہیں ہے لیکن تیرے جیسا بزرگوار امام ہی میرے بدبودار بدن کو خوشبودار، میرے کالے رنگ کو سفید اور میرے پست نسب کو بلند کر دے گا اور مجھے بہشت میں لے جائے گا'' میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ سے اس وقت تک جدا نہیں ہوں گا جب تک میرا سیاہ خون آپ کے پاک اور مقدس خون کے ساتھ مل نہ جائے، اس کے بعد رجز خوانی شروع کر دی کہ: ''اہلِ فسق و فجور ایک سیاہ غلام کی جنگ کو کس طرح دیکھ رہے ہیں؟ جو اپنی شمشیرِ براں کے ساتھ جہاد کر رہا ہے، میں اپنے ہاتھوں اور تلوار کے ساتھ آلِ رسول کا دفاع کروں گا مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن مجھے بہشت عطا ہو جائے گی''

مردانہ وار جنگ کی اور پچیس یزیدیوں کو واصلِ جہنم کیا اور آخر میں شرفِ شہادت حاصل کر کے راہیٔ بہشت ہوئے۔

حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام آپ کے بالین سر تشریف لے آئے اور دعا کرتے ہوئے فرمایا: ''خداوندا! اس کے چہرے کو سفید کر دے اس کی اس کی بو کو خوشبو میں تبدیل کر دے، اسے نیک لوگوں میں محشور فرما اور محمد و آلِ محمد علیہم السلام کا ہم نشین بنا دے''

۲۷۔ عبدالرحمٰن الارجبی:

صاحب مناقب ابن شہر آشوب نے آپ کو حملہ اولیٰ کے شہداء میں شمار کیا ہے اور (وسیلۃ الدارین ص ۱۶۴) میں

ہے کہ کتاب ''الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ'' میں ہے کہ: ''عبدالرحمن بن کلدان بن ارحب صحابی و کان من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ و آلہ، لہ ھجرۃ و فضل فی دینہ'' عبدالرحمٰن بن کلدان بن ارحب کا شمار پیغمبرِ اسلامؑ کے صحابہ میں ہوتا ہے، آپ کو ہجرت کا شرف بھی حاصل ہے اور دینی فضیلت کے حامل بھی ہیں، جبکہ تنقیح المقال جلد ۲ ص ۱۴۵ میں آپ کو تابعین میں شمار کیا گیا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن شجاع اور دلاور انسان تھے، حضرت قیس بن مسہر صیداوی کے ہمراہ اہلِ کوفہ کے خطوط لے کر خدمتِ امام حسین علیہ السلام میں پہنچانے کیلئے مکہ معظمہ بارہ رمضان المبارک ۶۰ ھ کی رات کو امامؑ کے حضور پہنچ گئے۔

انہی عبدالرحمٰن ارحبی کو امام علیہ السلام نے مکہ سے حضرت مسلم بن عقیل کے ہمراہ کوفے روانہ کیا تھا اور آپ حضرت مسلم کے حکم سے عبدالرحمٰن کے ہمراہ مکہ آئے تھے اور امام علیہ السلام کے ہمراہ کربلا پہنچے اور عاشور المحرم تک خدمت کا شرف حاصل کیا، بروز عاشورا جب امام عالی مقام علیہ السلام ہر لحہ مشکل سے مشکل تر ہوتا جارہا تھا تو آپؑ نے اپنے زمانہ کے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اذنِ جہاد مانگا، امامؑ نے اجازت دی اور وہ میدان میں تشریف لے آئے، فوجِ اشقیاء سے مبارزطلبی کی اور یہ رجز پڑھا:

صبرا علی الاسیاف والاسنۃ

صبرا علیھا لدخول الجنۃ

میں تلواروں اور نیزوں کے حملوں پر صبر کروں گا اور میرا یہ صبر جنت کے حصول کیلئے ہے میدانِ جنگ میں خوب دادِ شجاعت دی، آخر کار جامِ شہادت نوش فرما کر جنت کو سدھارے۔

۲۸۔ غلام ترکی:

بحار الانوار جلد ۵ ص ۳۰ میں ہے کہ آپ علیہ السلام کے ترکی غلام تھے، قرآن کے عمدہ قاریوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا، بروزِ عاشورا جنگ کے لئے امام عالیمقام علیہ السلام سے اجازت مانگی اور میدانِ کارزار میں تشریف لے آئے اور یہ رجز خوانی کی:

البحر من طعنی و ضربی یصطلی

و الجو من سھمی و نبلی یمتلی

اذا حسامی فی یمینی ینجلی
ینشق قلب الحاسد المبجلی

میرے نیزے اور تلوار کے واروں سے سمندروں میں حرارت پیدا ہو جائے گی اور فضا میرے تیروں سے بھر جائے گی، جب میری تلوار میرے دائیں ہاتھ میں چمکے گی تو بڑے بڑے حاسدوں کے دل پھٹ جائیں گے۔

یہ کہہ کر سپاہِ دشمن پر حملہ کر دیا بہت سے اشقیاء کو ٹھکانے لگایا آخرِ کار آپ پر ہر طرف سے حملہ کر دیا گیا، زخمی ہو کر زمین پر گرے، امام عالیمقامؑ آپ کے زخمی بدن کے پاس تشریف لائے اپنا منہ ان کے منہ پر رکھ کر خوب گریہ کیا، غلام نے اپنی آنکھ کھولی، امامؑ کی پاکیزہ صورت کی زیارت کی مسکرا دیئے اور جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔

۲۹۔انس بن حارث:

کتاب ''اسد الغابہ'' جلد اول ص ۳۴۹ میں ہے:

آپ کا شمار سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام میں ہوتا ہے، غزوہ بدر اور حنین میں شریک ہو چکے ہیں، حضور سرورِ کائنات ؐ سے بہت سی احادیث آپ منقول ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ: جب پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسین علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ''ان ابنی هذا ___ یعنی حسین ___ یقتل بارض کربلا فمن شهد منکم فینصره'' میرا یہ فرزند ___ یعنی حسینؑ ___ سرزمینِ کربلا میں شہید کر دیا جائے گا، لہٰذا تم میں سے جو بھی وہاں ہو اس کی مدد کرے۔

مقتل الحسین مقرم ص ۲۵۲ میں ہے: حضرت انس نے بروزِ عاشورا امام علیہ السلام سے اذنِ جہاد حاصل کیا اور اپنے عمامے کو پٹکا بنا کر کمر سے باندھا اور آنکھوں پر لٹکے ہوئے ابروؤں کو ماتھے پر پٹی باندھ کر اپنے اوپر کیا، جب امام علیہ السلام نے انہیں اس حالت میں دیکھا تو رو دیئے اور فرمایا: ''شکر اللہ لک یا شیخ! اے بزرگ! خدا تمہیں جزائے خیر دے!!'' میدان میں گئے اور پیرانہ سالی کے باوجود اٹھارہ یزیدیوں کو واصلِ جہنم کرنے کے بعد جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۳۰۔عبداللہ بن عروہ ۳۱۔عبدالرحمٰن بن عروہ:

ابصار العین ص ۱۰۴ اور وسیلۃ الدارین ص ۱۶۵ میں ہے: یہ دونوں بھائی تھے اور ان کے دادا حضرت امیر علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے، کربلا میں امامؑ سے آملے تھے، عاشورا کے دن خدمتِ امام میں حاضر ہوئے، سلام عرض کیا: ''ہمارا جی چاہتا ہے کہ آپ کی حرمت کے دفاع کیلئے دشمن کے ساتھ جنگ کریں اور شہادت کا جام نوش کر کے جنت کو

سدھاریں' امام علیہ السلام نے فرمایا: ''مرحبا بکما! شاباش! آفرین ہے تم دونوں پر''

دونوں بھائیوں نے امامؑ کا اذن کر لیا اور میدان میں آئے، امامؑ کے سامنے جنگ کی اور اپنے خون کے آخری قطرے تک جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے، زیارتِ ناحیہ میں آپ دونوں کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔

''السلام علی عبدالله و عبدالرحمن ابنی عروة بن حراق الغفاريين'' عروہ کے دونوں فرزندوں عبداللہ اور عبدالرحمٰن پر سلام ہو۔

شہدائے بنی ہاشم

مقدمہ:

ناظرینِ محترم! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم میدانِ کربلا میں شہید ہونے والے اصحاب وانصار امام حسین علیہ السلام کے حالات مسلسل بیان کرتے آرہے ہیں اور اب تک ہم نے ان شہداء میں سے امام عالی مقامؑ کے ان باوفا ساتھیوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جن کا تعلق خاندانِ بنی ہاشم سے نہیں تھا بلکہ اصحابِ حسین علیہ السلام میں شمار ہوتے ہیں چنانچہ ان میں سے کچھ تو وہ تھے جنہوں نے بروزِ عاشورا نمازِ ظہر سے قبل دشمن کے اچانک حملے میں جامِ شہادت نوش کیا جسے ''حملۂ اولیٰ'' کہا جاتا ہے، اور حملہ اولیٰ میں شہید ہونے والے اصحاب کی تعداد چالیس بتائی گئی ہے، جبکہ کچھ وہ تھے جو بعد از ظہر جنگ کرتے ہوئے اپنے امام عالی مقامؑ کے آگے شہادت کے عظیم منصب پر فائز ہوکر بہشتِ برین کو سدھارے ان کی تعداد پچاس بتائی گئی ہے۔

اس وقت یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شہدائے بنی ہاشم کا تذکرہ کیا جائے، ان میں سے بعض شہداء کا تو اجمالی ذکر کیا جائے گا اور بعض کے تفصیل کے ساتھ واقعات بیان کئے جائیں گے۔

ہمارے ناظرین کے لئے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ میدانِ کربلا میں جن شہدائے بنی ہاشم کا تذکرہ کیا جاتا ہے، درحقیقت ان سب کا تعلق اولادِ ابو طالبؑ سے ہے۔

جن میں اولادِ علی بن ابی طالبؑ، اولادِ حسن بن علی بن ابی طالبؑ، اولادِ حسین بن علی بن ابی طالبؑ، اولادِ جعفر بن ابی طالبؑ اور اولادِ عقیل بن ابی طالب علیہم السلام جمیعاً ہیں

چنانچہ اولادِ علی بن ابی طالبؑ میں:

۱۔ حضرت ابوالفضل العباسؑ ۲۔ حضرت عبداللہ بن علیؑ

۳۔ حضرت عثمان بن علیؑ ۴۔ حضرت جعفر بن علیؑ

۵۔ حضرت ابوبکر بن علیؑ ۶۔ حضرت محمد بن علیؑ اور

۷۔حضرت عباس اصغر ابن علیؑ شامل ہیں۔

اولادِ حسن بن علی بن ابی طالبؑ میں:

۱۔حضرت قاسم بن الحسنؑ ۲۔حضرت ابوبکر بن الحسنؑ

۳۔حضرت عبداللہ بن الحسنؑ

۴۔حضرت حسن بن الحسن (المثنی) جو میدانِ کارزار میں مردانہ وار داخل ہوئے خوب جنگ کی، آخر کارزمیں پر گرے اور لاشوں کے اندر رہ گئے، جب سپاہِ دشمن، شہداء کے سروں کو ان کے لاشوں سے جدا کرنے کے لئے آئے تو دیکھا آپ ابھی تک زندہ ہیں اور رمق سانس باقی ہے، ان میں اسماء بن خارجہ نامی شخص بھی تھا جو آپ کا مادری رشتہ دار تھا، اس نے آپ کی سفارش کی اور اپنے ساتھ کوفہ لے گئے، ان کا علاج معالجہ کیا، ٹھیک ہو جانے کے بعد آپ مدینہ چلے گئے ___ اسی لئے آپ کو شہداء کربلا میں شمار نہیں کیا جاتا ___

اولادِ حسین بن علی بن ابی طالبؑ میں:

۱۔حضرت علی بن الحسینؑ ___ علی اکبرؑ ___

۲۔حضرت عبداللہ بن الحسین الرضیع علی اصغر علیہ السلام شامل ہیں

اولادِ جعفر بن ابی طالبؑ میں:

۱۔عون بن عبداللہ بن جعفر ۲۔محمد بن عبداللہ بن جعفرؑ

۳۔عبیداللہ بن عبداللہ بن جعفرؑ ۴۔قاسم بن محمد بن جعفر بن ابی طالبؑ شامل ہیں

اولادِ عقیل بن ابی طالب علیہ السلام میں

۱۔عبداللہ بن مسلم بن عقیل بن ابی طالبؑ ۲۔محمد بن مسلم بن عقیل بن ابی طالبؑ

۳۔جعفر بن عقیل بن ابی طالبؑ ۴۔عبدالرحمٰن بن عقیل بن ابی طالبؑ

۵۔عبداللہ بن عقیل بن ابی طالبؑ ۶۔محمد بن ابی سعید بن عقیل بن ابی طالبؑ شامل ہیں۔

لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کا شمار بھی انہی شہداء نامدار میں ہوتا ہے، اس لئے کہ حقیقت میں آپ ہی واقعہ کربلا میں اولادِ ابو طالب میں سب سے پہلے شہید ہیں اور اس عظیم واقعہ کی شہادتوں کا آغاز آپ ہی کی شہادت سے ہوتا ہے، کیونکہ جب مکہ معظمہ میں قیام کے دوران حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کی خدمت میں اہلِ کوفہ کے خطوط کثیر تعداد میں پہنچ گئے جن میں آپ سے کوفہ تشریف لانے کی درخواست کی گئی تھی پھر بھی آپ نے

اس بارے میں تامل سے کام لیا مگر جب ایک دن میں چھ سو خطوط موصول ہوئے اور مسلسل اس تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ کتاب ''الملہوف ص ۱۵'' کے مطابق موصولہ خطوط کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی، تو آپ نے ان سب کو صرف ایک ہی جواب دیا جس کا خلاصہ ان لفظوں میں بیان ہوسکتا ہے:

''امابعد...... ہانی اور سعید نے جو آخری قاصد تھے، تمہارے خطوط میرے پاس لے آئے ہیں...... میں نے تمہارے خطوط کو اچھی طرح پڑھا ہے تم لوگوں نے لکھا ہے کہ ''اس وقت ہمارا کوئی امام اور رہبر و پیشوا نہیں لہٰذا آپ جلدی آیئے ہوسکتا ہے کہ خداوندِ عالم آپ کے ذریعہ ہمیں راہِ حق کی ہدایت کرے!'' تو تمہارے اس مطالبے کے جواب میں میں اپنے بھائی اور اپنے چچا کے بیٹے مسلم بن عقیل کو بھیج رہا ہوں جو میرے لئے قابلِ اطمینان شخصیت کے مالک ہیں، وہ تمہارے پاس آرہے ہیں، اگر وہ مجھے لکھیں گے کہ تمہارے صاحبانِ فضیلت و دانش، تمہارے قول کی تائید کرتے ہیں تو میں بھی بہت جلد تمہارے پاس آجاؤں گا، انشاء اللہ''

حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام:

چنانچہ امام علیہ السلام نے حضرت مسلم بن عقیل کو اہلِ کوفہ کے نام خطوط دے کر ۱۵/رمضان ۶۰ ھ کو کوفہ روانہ کیا اور حضرت مسلم پہلے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، مروج الذہب مسعودی جلد ۳ ص ۵۴ کے مطابق اس کے بعد آپ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے اور ۵ شوال کو کوفہ پہنچ گئے اور تاریخ طبری جلد ۶ ص ۱۹۹ کے مطابق آپ نے حضرت امیر مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر قیام فرمایا، اس وقت کوفہ کا گورنر نعمان بن بشیر تھا، اور امیر مختار جہاں اپنی قوم و قبیلہ کے اعلیٰ اور طاقتور ترین فرد تھے وہاں حقیقی محبِّ اہلِ بیت بھی تھے اور کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کے داماد بھی۔

جب اہلِ کوفہ کو آپ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو آپ سے ملنے کے لئے جوق در جوق حضرت مختار کے گھر آنا شروع ہوگئے، حضرت مسلمؑ نے ان کو امام حسین علیہ السلام کا خط پڑھ کر سنایا، جسے سن کر لوگوں نے سخت اثر لیا اور اشکِ شوق بہانا شروع کردیئے، اٹھارہ ہزار افراد نے حضرت مسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، تمام سرکردہ شخصیات اکٹھی ہوگئیں اور انہیں اپنی نصرت کا مکمل یقین دلایا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت مسلمؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام خط لکھا کہ:

''کوفہ کے اٹھارہ ہزار افراد میری بیعت کرچکے ہیں، لہٰذا آپ میرا یہ خط ملتے ہی کوفہ تشریف لے آیئے، کیونکہ لوگ آپ کے دیدار کے مشتاق ہیں اور امویوں کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے'' اس

خط کے ساتھ کچھ دیگر اہلِ کوفہ کے خطوط بھی تھے، جو انہوں نے قیس بن مسہر صیداوی اور عابس بن شبیب شاکری کے ذریعہ امام علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کئے۔

ادھر حضرت مسلم کی کوفہ میں تشریف آوری اور لوگوں کی آپ سے بیعت کا علم کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کو ہوا تو اس نے اہلِ کوفہ کو حضرت مسلمؑ کا ساتھ دینے سے ہر ممکن روکنے کی کوشش کی، لیکن زیادہ سختی سے کام نہ لیا، عبداللہ بن مسلم حضرمی اور دوسرے امویوں نے اسے سختی سے کام لینے کا مشورہ دیا، مگر اس نے کسی کی بات نہ مانی لہٰذا انہوں نے یزید کو ان تمام حالات کی اطلاع بذریعہ خط روانہ کی اور نعمان بن بشیر کی جگہ کسی ایسے سفاک گورنر کی تقرری کا مطالبہ کیا جو زیادہ سے زیادہ سختی سے کام لے، چنانچہ خط ملتے ہی اس نے اپنے باپ کے عیسائی غلام سرجون کے مشورہ سے عبیداللہ بن زیاد کو جو بصرہ کا گورنر تھا، نعمان بن بشیر کی جگہ کوفہ کا گورنر بھی بنا دیا اور اسے بہت جلد کوفہ پہنچنے کی تاکید کی اور اس نے حکم نامہ ملتے ہی بصرہ سے کوفہ کا سفر اختیار کیا اور بہت جلد کوفہ پہنچ گیا، رات کا وقت تھا جب وہ کوفہ پہنچا، اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا حلیہ اختیار کیا ہوا تھا لوگوں نے سمجھا کہ امام حسین علیہ السلام تشریف لے آئے ہیں، اس کا زبردست استقبال کیا لیکن جب وہ دارالامارہ پہنچ گیا تو پتہ چلا کہ یہ ابن زیاد ہے۔

دوسرے دن اس نے لوگوں کو کوفہ کی مسجد میں اکٹھا ہونے کا کہا، ایک زبردست خطبہ دیا جس میں لوگوں کو حضرت اباعبداللہ الحسینؑ اور جناب مسلم بن عقیل کی مدد اور نصرت سے باز رہنے کا حکم دیا اور خلاف ورزی کی صورت میں خطرناک نتائج کی دھمکی دی۔

ادھر اس نے لوگوں کے دلوں میں ہیبت ڈالنے اور ان کو مرعوب کرنے اور انہیں ڈرانے دھمکانے کیلئے بڑے بڑے لوگوں کو قتل کرنے اور قید میں ڈالنے کا سلسلہ شروع کر دیا اور صاف اعلان کر دیا کہ "میں گنہگاروں کے بدلے میں بے گناہوں اور غائب کے بدلے میں حاضر کو ایسی سزا دوں گا کہ نسلوں تک یاد رکھیں گے"

اس کے اس طرح کے اقدامات سے لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہو گیا اور کوفہ کی فضا یکسر تبدیل ہونے لگ گئی۔

اس کے ساتھ ہی اس نے سرکاری جاسوسوں کو سخت لہجے میں اطلاع رسانی کا حکم دیا اور ان افراد کا پتہ لگانے کا کہا جو حکومت کے خلاف کسی بھی قسم کی سوچ رکھتے ہیں، اگر کسی قسم کی سستی کا مظاہرہ کیا تو اس کی جان اور مال کی خیر نہیں ہے، بلکہ اس کو اسی کے گھر کے آگے سولی پر لٹکا دیا جائے گا یا پھر جلاوطن کر دیا جائے گا۔

ادھر جب مسلم بن عقیل کو ابنِ زیاد کے کوفہ آنے اور مسجدِ کوفہ میں خطاب کرنے اور جاسوسوں کو سخت تاکیدی حکم دینے اور کوفہ میں تبدیلی پیدا ہو جانے کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی جائے سکونت مختارِ ثقفی کے گھر سے تبدیل کر لی اور ہانی بن

عروہ کے گھر منتقل ہو گئے۔

حضرت مسلم جب حضرت ہانی کے گھر منتقل ہو گئے تو اس وقت بیعت کرنے والوں کی تعداد پچیس ہزار تک پہنچ گئی تھی، چاہتے تھے کہ ابن زیاد کے خلاف اعلانِ جنگ کریں، مگر ہانی نے انہیں جلدی نہ کرنے کا مشورہ دیا۔

غرض حضرت ہانی کی شہادت تک حضرت مسلم بن عقیل ان کے گھر میں مہمان رہے، جب ان کی شہادت ہوگئی اور کوفہ کے بزرگ شیعہ سلیمان بن صرد خزاعی، ابراہیم بن مالک اشتر، صعصعہ بن صوحان عبدی جیسی شخصیتوں کو گرفتار کر کے پسِ دیوارِ زندان ڈال دیا گیا، یا ان جیسی دوسری شخصیتوں کو شہید کر دیا گیا یا انہیں جلاوطن کر دیا گیا، تو جناب مسلم کو بہت سے لوگوں نے اکیلا چھوڑ دیا تو ان کے لئے کوفہ میں رہنا مشکل ہو گیا، اور وہ غریب الدیار کی حیثیت سے شہر کے گلی کوچوں میں پناہ گاہ کی تلاش کرنے لگے اسی حالت میں ''طوعہ'' نامی خاتون کے دروازے کو کھٹکھٹایا، یاد رہے کہ طوعہ ''اشعث'' کی آزاد کردہ کنیز تھی، اور ''اُسید حضرمی'' نے اس سے عقد کیا تھا جس سے ''بلال'' نامی لڑکا پیدا ہوا۔

چونکہ وہ اپنے اسی لڑکے کے انتظار میں دروازے کے پاس کھڑی تھی، حضرت مسلم نے اسے سلام کیا اور اس سے پینے کیلئے پانی مانگا، وہ جھٹ سے آپ کیلئے پانی لے آئی، آپ نے پانی پیا اور وہیں رکے رہے، اس نے پوچھا: آیا آپ نے پانی نہیں پیا؟ فرمایا: پی لیا ہے، اس نے کہا تو پھر آپ جائیے اپنے گھر! کیونکہ شہر کے حالات خراب ہیں مناسب نہیں ہے کہ آپ یہاں ٹھہرے رہیں اور نہ ہی میں اس بات پر راضی ہوں۔

حضرت مسلم وہاں سے چلنے لگے اور فرمایا: کنیزِ خدا! میں اس شہر میں پردیسی ہوں، میرا یہاں کوئی گھر نہیں ہے، تو کیا آپ میرے ساتھ نیکی کرسکتی ہیں کہ اس کا اجر آپ کو خداوندِ عالم عطا فرمائے گا۔ اس نے کہا وہ کیا؟ فرمایا: میں مسلم بن عقیل ہوں، کوفہ والوں نے جھوٹ بولا اور میرے ساتھ فریب کیا ہے!!

اس نے کہا: ''آپ مسلم ہیں؟''

فرمایا: ''ہاں!''

تو وہ فوراً انہیں اپنے گھر کے اندر لے گئی اور بستر بچھایا، کھانا پیش کیا، جب اس کا بیٹا بلال گھر میں آیا اور اپنی والدہ کی غیر معمولی آمد ورفت کو دیکھا تو اس کی وجہ پوچھی، پہلے اس نے حقیقت حال کو چھپانے کی کوشش کی، مگر جب اس کا اصرار بڑھنے لگا تو اسے مسلم بن عقیل کی موجودگی کا پتہ بتایا اور ساتھ ہی اس سے کہا کہ اس راز کا کسی کو پتہ نہیں چلنا چاہئے، بلال نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ کسی کو نہیں بتائے گا۔

مگر اس نے ابنِ زیاد تک حضرت مسلمؑ کی اپنے گھر میں موجودگی کی خبر جا پہنچائی، ابنِ زیاد نے محمد بن اشعث کو

عبید اللہ بن عباس سلمی اور دوسرے ستر (۷۰) سپاہیوں کے ساتھ طوعہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا، حملہ آوروں کے شور شرابے اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے حضرت مسلمؑ سمجھ گئے کہ ان کا محاصرہ ہو چکا ہے، لہٰذا آپ شمشیر بکف گھر سے باہر آ گئے اور انہیں طوعہ کے گھر داخل ہونے سے روک لیا، اور خود سے کہنے لگے:

''یَانَفْسُ اُخْرُجِی اِلَی الْمَوْتِ الَّذِیْ لَیْسَ مِنْهُ مَحِیْصٌ'' اب اس موت کی طرف چلو جس کے سوا چارہ نہیں ہے۔

تاریخ کامل بن اثیر جلد ۴ ص ۳۲ کے مطابق، بعض مورخین کے بقول ابنِ زیاد کے سپاہی محمد بن اشعث کی سرکردگی میں طوعہ کے گھر داخل ہو گئے، مگر مسلم نے انہیں اپنی شجاعت کے ذریعے گھر سے باہر نکال دیا، یہاں تک کہ بکر بن حمران نے ان کے چہرہ اقدس پر تلوار کا وار کر دیا، جس سے آپ کا ہونٹ اور سامنے کے دو دانت کٹ گئے۔

لیکن اس کے باوجود مردانہ وار جنگ کرتے رہے، محمد بن اشعث اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ ان میں جناب مسلم کے مقابلہ کی سکت نہیں تو وہ چھتوں پر چڑھ کر آپ پر آگ اور پتھر برسانے لگے۔

اب آپ کوچہ میں آ گئے اور فرمانے لگے کیوں کفار کی طرح مجھ پر پتھروں اور آگ کی بارش کر رہے ہو؟ میں تمہارے پیغمبرؐ کے اہلِ بیت میں سے ہوں، کیوں تم اپنے پیغمبر کے اہل بیتؑ کے حقوق کو پامال کر رہے ہو؟ کیوں رسولِ پاکؐ کے حقوق کی رعایت نہیں کرتے؟ یہ سن کر محمد بن اشعث نے کہا: ''خوامخواہ خود کو موت کے منہ میں نہ ڈالو میں تمہیں پناہ دیتا ہوں میری پناہ میں آ جاؤ'' آپ نے فرمایا: جب تک میری جان میں جان ہے ہرگز ایسا نہیں کروں گا، یہ کہا اور اس پر حملہ کر دیا، جس کی وجہ سے وہ فرار کر گیا، اسی دوران میں آپ پر پیاس کا غلبہ ہو چکا تھا کہ اچانک ایک شخص نے چھپ کر پشت پر نیزے کا وار کر دیا، جس سے آپ گھوڑے کی زین سے زمین پر گرے اور سنبھل کر دشمن پر حملہ کر دیا جس سے ۴۱ یا بقولے ۷۲ دشمنوں کو فی النار کیا۔

ابو مخنف لکھتے ہیں کہ دشمن سے مقابلے کی طاقت سلب ہو چکی تھی اس نے دھوکہ دینے کیلئے چال چلی کہ آپ کی راہ میں گڑھا کھود کر اسے ڈھانپ دیا گیا، آپ جنگ کرتے کرتے جب وہاں پہنچے اس میں گر گئے، اور آپ کو گرفتار کر کے ابنِ زیاد کے پاس لے جایا گیا، اس وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کہنے لگے۔

ابنِ عباس سلمی یہ دیکھ کر کہنے لگا: ''جو ایسا اقدام کرتا ہے اسے حوادث کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہئے، ڈرنا یا رونا نہیں چاہئے'' حضرت مسلم نے فرمایا: ''خدا کی قسم! میں اپنے لئے نہیں رو رہا، بلکہ میں اپنے مولا و آقا امام حسین علیہ السلام کی غربت پر رو رہا ہوں جو تمہارے خطوط پر اعتماد کر کے ادھر آ رہے ہیں، یقیناً تم ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کرو گے جو

میرے ساتھ کیا ہے''

اس کے بعد آپ نے محمد بن اشعث کی طرف منہ کر کے کہا: ''ایسا کرو کہ قاصد کو امام علیہ السلام کی طرف بھیجو جو انہیں جا کر میری اسیری کی اطلاع دے اور یہ بھی کہے کہ کوفہ والوں نے بے وفائی کا ثبوت دیا ہے لہٰذا آپ کوفہ کا ارادہ ترک کر دیں'' محمد بن اشعث نے ان سے یہ کام انجام دینے کا وعدہ کیا اور قاصد بھی روانہ کر دیا اور اس نے یہ خبر امام علیہ السلام کی خدمت میں منزلِ زبالہ پر جا پہنچائی۔

جب جناب مسلم دارالامارہ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے تو آپ کی نگاہ پانی کے جام پر پڑی تو آپ نے پانی طلب فرمایا مگر بدطینت مسلم بن عمرو باہلی نے پانی دینے سے انکار کر دیا، نہ صرف یہ کہ پانی نہ دیا، بدکلامی بھی کی، تو جناب مسلم نے فرمایا کہ: ''تیری ماں تیرا غم منائے تو کس قدر بدطینت، شقی اور بے حس ہے!! تو خود ہی آتشِ دوزخ اور خلودِ جہنم کا حق دار ہے'' لیکن اس دوران عمرو بن مخزومی نے اپنے غلام سے کہا کہ آپ کو پانی پلائے اور جونہی آپ نے پانی کا جام ہاتھ میں لیا اور منہ سے لگایا تو وہ خون سے رنگین ہو گیا، آپ نے وہ پانی پھینک دیا اور دوسری مرتبہ ایسا ہی کیا تیسری مرتبہ منہ کے خون کے ساتھ آپ کے سامنے کے دو دانت بھی اس میں گر گئے آخر کار وہ پانی بھی یہ کہہ کر گرا دیا کہ: ''خدا کا شکر ہے کہ اگر یہ پانی میری قسمت میں ہوتا تو ضرور پیتا'' (یعنی اب جامِ کوثر ہی جا کر پیوں گا)

جب آپ کو ابنِ زیاد کے دربار میں پیش کیا گیا تو آپ نے اس پر سلام نہیں کیا، دربان نے کہا:

تم نے امیر پر سلام کیوں نہیں کیا؟

آپ نے فرمایا:

''مَالِیَ الْاَمِیْرُ سِوَی الْحُسَیْنِ'' مولا حسینؑ کے سوا میرا امیر اور کوئی نہیں!

ابنِ زیاد نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا:

''سلام کرو یا نہ کرو تمہیں قتل ہونا ہی ہے!''

فرمایا:

اگر میں تمہارے ہاتھوں سے مارا جاؤں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے تجھ سے کئی درجہ بدتر افراد مجھ سے کئی درجہ بہتر افراد کو شہید کر چکے ہیں اور ہولناک صورت میں قتل کرنا اور پھر ان کی لاشوں کا مثلہ کرنا پست فطرت لوگوں کا کام ہوتا ہے جس کے تم زیادہ سزاوار ہو اور تم تمام غیر انسانی صفات کا حامل ہونے کے زیادہ لائق ہو۔

غرض کچھ دیر تک اس قسم کی باتیں ہوتی رہیں اور ابنِ زیاد حضرت مسلم کے دلائل سے عاجز آ گیا تو بکیر بن حمران کو حکم دیا کہ جناب مسلم کو قصرِ دارالامان کی چھت پر لے جا کر آپ کا سر تن سے جدا کر دے، جناب مسلم نے جب دیکھا تو سعد بن وقاص کے بیٹے عمر سے خلوت میں کچھ وصیتیں فرمائیں، مگر اس نے وہ وصیتیں ابن زیاد کو بتادیں، ابن زیاد نے کہا:

''یہ راز کی باتیں تھیں تم نے فاش کر دیں امانت میں خیانت کی اور امین کبھی خیانت نہیں کرتا البتہ بعض اوقات خائن کو امین سمجھ لیا جاتا ہے''

بہر حال بکیر بن حمران، ابن زیاد کے حکم کے مطابق جناب مسلمؑ کو دارالامارہ کی چھت پر لے جا کر بازار کی طرف منہ کر کے تلوار کے وار سے شہید کر دیا، سر تن سے جدا کر کے پیکرِ مقدس کو زمین پر پھینک دیا۔

فرزندانِ حضرت مسلمؑ
محمدؒ اور ابراہیمؑ

مورخین لکھتے ہیں کہ یہ دونوں معصوم شہزادے عاشورا کے دن اس وقت خیام سے صحرا کی طرف نکلے جب خیام کو لوٹ کر آگ لگائی جارہی تھی اور انہیں یزیدی لشکر نے قید کر لیا اور کوفہ میں ابن زیاد کے پاس لے آئے۔

جبکہ ریاض الاحزان ص ۵۲ میں ہے کہ دونوں شہزادے اپنے والد کے ہمراہ کوفہ آئے تھے۔

حضرت مسلم بن عقیلؑ کے فرزند اور حضرت رقیہ بنت علیؑ کے نورِ نظر تھے، بڑے کا نام محمد جس کی عمر نو سال اور چھوٹے کا نام ابراہیم اور اس کی عمر سات سال تھی۔

جب ان دونوں شہزادوں کو ابن زیاد کے دربار میں پیش کیا گیا تو اس نے داروغہ زندان جس کا نام بعض مورخین مشکور بتاتے ہیں کے سپرد کرتے ہوئے کہا:

''من طیب الطعام فلا تطعمهما و من الماء البارد فلا تسقهما و ضیق علیهما سجنهما''

انہیں نہ تو کبھی اچھا کھانا دینا اور نہ ہی ٹھنڈا پانی پلانا، جتنا ہو سکے زندان میں سختی سے کام لینا۔

چنانچہ رات کو ایک ایک روٹی اور گرم پانی کا ایک جام دیتا تھا، اسی حالت میں ایک سال گزر گیا۔

ایک دن محمدؒ نے داروغہ سے کہا: اگر مہربانی کر سکیں تو میں ایک درخواست کرتا ہوں۔

داروغہ نے بڑے ترش لہجے میں کہا:

بتاؤ کیا بات ہے؟

شہزادے نے کہا:

ہم ابن زیاد کے قیدی ہیں، تمہیں معلوم ہے ہمارا یہاں کوئی نہیں، تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہم بے گناہ ہیں، آپ جتنی چاہیں مجھ پر سختی کرلیں، میرے حصے کی روٹی اور پانی آپ خود رکھ لیں، مجھے صرف اپنے کمسن بھائی کے ساتھ کچھ دیر کے لیے بیٹھنے دیں، اگر آپ کو شک ہو کہ ہم آپ کے خلاف یا ابن زیاد کے کے خلاف کوئی بات کریں گے تو بے شک آپ ہمارے ساتھ بیٹھ جائیں، جتنی دیر آپ چاہیں گے ہم ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے رہیں گے، اگر آپ کہیں گے تو ہم ایک دوسرے سے بات بھی نہیں کریں گے، ہمیں صرف ایک دوسرے کو دیکھ لینے دیں، ہمیں تو ایک دوسرے کی شکل بھی بھول گئی ہیں۔

شہزادے کی یہ باتیں سن کر مشکور کا دل نرم ہوگیا:

مشکور نے پوچھا: تم کون ہوتے ہو؟ اور تمہارا جرم کیا ہے؟

شہزادے نے کہا:

خدا کے لیے آپ مجھے ایک مرتبہ میرا بھائی دکھادیں، پھر میں سب کچھ بتادوں گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھائی کو دیکھنے سے پہلے تجھے بتاؤں پھر تو مجھے بھائی کو دیکھنے کی مہلت بھی نہ دے۔

مشکور نے دوسرے زندان کا دروازہ کھولا، کمسن ابراہیمؑ دوڑ کر بھائی کے گلے مل گیا، دونوں بھائی کافی دیر تک ایک دوسرے کے گلے مل کر روتے رہے، آخر مشکور نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا، کمسن ابراہیمؑ نے بڑے بھائی محمدؑ سے کہا:

بھیا قید وہی ہے جو گزار رہے ہیں، بھوک اور پیاس سے اب یہ حالت ہے کہ ہم اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہوسکتے، موت کا ایک دن مقرر ہے، زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ وہ ہم پر ظلم کرے گا، وہ بھی برداشت کرلیں گے، اسے یہ تو بتادیں کہ ہم کون ہیں، تاکہ کل بروزِ محشر جب ہمارے نانا کے سامنے پیش ہو تو کوئی عذر تو نہ کرسکے۔

داروغہ دونوں کی یہ بات خاموشی سے سنتا رہا۔

محمدؑ نے کہا: کیا آپ خاتم الانبیاء کو پہچانتے ہیں؟

مشکور نے کہا:

''انہیں میں کیسے نہ پہچانوں گا وہ میرے نبی ہیں میں انہی کا کلمہ پڑھ کر مسلمان کہلاتا ہوں''

محمدؑ نے کہا:

کیا آپ دامادِ مصطفیٰؐ علی مرتضیٰؑ کو بھی پہچانتے ہیں۔

مشکور نے کہا:

علیؑ تو میرے آقا و مولا ہیں۔

اب چھوٹے ابراہیمؑ نے کہا:

کیا آپ سفیرِ حسینؑ مسلم بن عقیل کو بھی پہچانتے ہیں؟

مشکور کی آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں اور کہنے لگا:

میرے بچو کچھ بتاؤ بھی سہی آپ ان کے نام کیوں لے رہے ہیں میں مسلم کو کیسے نہیں پہچانتا ابھی تک میں تنہائی میں بیٹھ کر مسلم کی مظلومانہ شہادت پر آنسو بہاتا ہوں۔

کمسن ابراہیمؑ نے کہا:

بندہ خدا کاش تجھے معلوم ہوتا کہ جس مسلمؑ کی مظلومیت پر تم رو رہے ہو ہم اسی مسلمؑ کے بیٹے ہیں اور ایک سال سے تیری قید میں ہیں، اگر ہم سے نہیں تو کسی اور سے ہی پوچھ لیتا کہ ہم کون ہیں اور کیوں قید ہیں؟

جونہی مشکور نے سنا، دھاڑیں مار مار کر رونے لگا، دونوں شہزادوں کے پاؤں پکڑ لیے اور زمین پر لیٹ گیا۔

دونوں کے پاؤں چومنے لگا، اپنے رخسار دونوں کے قدموں پر ملنے لگا اور کہنے لگا:

میرے آقازادے! اپنے باپ کی مظلومیت کے صدقے میں مجھے معاف کردو مجھ بدنصیب کو معلوم نہ تھا کہ میں اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے لیے جہنم کی آگ دہکا رہا ہوں۔

آؤ یہ درِ زندان کھلا ہے، کھانا کھاؤ میں صرف اتنا کرسکتا ہوں کہ آپ کو قادسیہ کا راستہ دکھادوں، یہ میری انگوٹھی لے لو قادسیہ میں میرا بھائی رہتا ہے یہ اسے دے دینا قادسیہ سے آگے وہ تمہیں مدینہ تک پہنچانے کا انتظام بھی کردے گا۔

دونوں شہزادے رات کی تاریکی میں چلنے لگے، نہ کوئی راستہ تھا نہ شہزادے راستہ سے واقف تھے، تھوڑی ہی دیر

میں راستہ بھٹک گئے۔

چلتے چلتے ایک بڑھیا کے گھر کے دروازے پر پہنچ گئے اور اس سے کہا:

''ہم مسافر ہیں اور شہر سے بھی واقف نہیں ہیں آپ آج رات ہمیں مہمان سمجھ کر اپنے گھر ٹھہرا لو کل صبح سویرے ہم یہاں سے چلے جائیں گے''

بڑھیا نے کہا:

میرے پیارے تم کون ہوں کیوں کہ تم سے تو پھولوں سے بڑھ کر خوشبو آ رہی ہے!!

انہوں نے کہا:

ہم تمہارے پیغمبرؐ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، ابن زیاد کے قید خانہ سے بھاگے ہوئے ہیں۔

عورت نے کہا:

''میرے پیارے! میرا ایک نہایت ہی خبیث داماد ہے جو واقعہ کربلا میں ابن زیاد کی فوج میں بھی شامل تھا، مجھے خوف ہے کہ وہ آپ کو پہچان کر شہید نہ کر دے!''

بچوں نے کہا:

''ہم صرف آج کی رات آپ کے مہمان ہوں گے صبحدم ہم یہاں سے چلے جائیں گے''

مومنہ خاتون نے انہیں اپنا مہمان بنالیا ان کے لیے رات کا کھانا لے آئی بچوں نے کھانا کھایا اور سو گئے، چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا: بھیا! آج رات ہم ایک دوسرے کو گلے لگا کر سو جائیں، کیا پتہ کل موت ہمیں جدا کر دے؟

ابھی رات کا کچھ حصہ ہی گزرا تھا کہ اس مومنہ کے اُسی خبیث داماد نے جس کا نام ''حارث'' تھا دروازہ کھٹکھٹایا، خاتون نے پوچھا کہ: ''کون ہے؟'' کہا: تمہارا داماد، حارث!! خاتون نے پوچھا: اس قدر دیر سے کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا: جلد دروازہ کھولو، بہت تھکا ہوا ہوں! اس نے پوچھا: کیا ہوا؟ کہنے لگا: دو بچے ابن زیاد کے قید خانہ سے بھاگ گئے ہیں، اُس نے حکم جاری کیا ہے کہ جو بھی ان کا سر لائے گا اُسے ہر سر کے بدلے میں ایک ہزار درہم انعام دیا جائے گا۔ میں نے انہیں بہت تلاش کیا مگر افسوس کہ وہ مجھے نہیں مل سکے۔

اُس مومنہ خاتون نے کہا:

کچھ رسول خداؐ سے ڈرو کہ کل وہ تمہارے دشمن ہو جائیں گے!!

بولا: کیا کہتی ہو؟ جہاں تک ہو سکے ہمیں دنیا کو حاصل کرنا چاہئے!

اُس نے کہا: آخرت کے بغیر دنیا کس کام کی؟

وہ بولا: تو ان کی حمایت کر رہی ہے معلوم ہوتا ہے تجھے ان کا پتہ ہے تجھے بھی امیر کے پاس لے جاؤں گا!!

خاتون بولی: امیر کو مجھ بڑھیا سے کیا کام ہے میں تو دنیا سے دور ایک بیابان میں زندگی گزار رہی ہوں؟ وہ ملعون بولا: دروازہ جلدی کھولو، بہت تھکا ہوا ہوں، آج آرام کر کے کل صبح جلد ہی ان کی تلاش میں نکل جاؤں گا۔

بڑھیا نے دروازہ کھولا اور وہ گھر کے اندر آ گیا، کھانا کھانے کے بعد سو گیا، ابھی آدھی رات ہی گزری تھی کہ ان دو معصوموں کے رونے کی آواز اس کے کانوں میں پہنچی، وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور انہیں تلاش کرنا شروع کر دیا، جب ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا: کون ہو؟ کہا: میں اس گھر کا مالک ہوں! لیکن تم بتاؤ تم کون ہو؟ چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا: اُٹھو بھائی جس کے ڈر سے ہم یہاں آئے تھے اب وہی ہمارے سر پر پہنچ گیا ہے۔ پھر اس ملعون نے کہا: اگر ہم تمہیں سیدھی بات بتا دیں تو کیا تم ہمیں امان دے دو گے؟

اُس نے کہا: ضرور امان دے دوں گا! بچوں نے کہا: وہی امان جو خدا اور رسول خداؐ کے نزدیک قابلِ احترام ہے؟

کہا: ہاں! وہی امان! بچوں نے پھر کہا: تم اپنی امان پر خدا اور اُس کے رسول کو گواہ بنا کر امان میں دے رہے ہو؟ کہا: ہاں بالکل ایسا ہی ہے! اُن معصوم شہزادوں نے کہا: ہم تمہارے پیغمبرؐ کی اولاد ہیں، ابن زیاد کی قید سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں۔

یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا اور کہا: موت سے بھاگ کر موت کے پنجوں میں جکڑے جا چکے ہو! خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں میرے ہاتھوں سے اسیر بنایا ہے۔ اُس ظالم نے یہ کہہ کر مکان کے ستون کے ساتھ انہیں مضبوطی سے باندھ دیا کہ کہیں بھاگ نہ جائیں۔

جب صبح ہوئی تو اُس نے اپنے سیاہ فام غلام کو بلایا جس کا نام ''فلیح'' تھا اور اس سے کہا کہ انہیں دریا کے کنارے لے جا کر قتل کر دو اور اس کا سر میرے پاس لے آؤ تا کہ میں ان سروں کو ابن زیاد کے پاس لے جا کر دو ہزار درہم انعام حاصل کروں۔

غلام نے تلوار اٹھائی اور دریائے فرات کے کنارے شہید کرنے کے لیے انہیں اپنے ساتھ لے چلا، جب گھر سے دور آ گئے تو ایک معصوم شہزادے نے اُسے کہا: اے سیاہ فام غلام! تم حضرت رسول پاکؐ کے موذن حضرت بلالؓ سے کس قدر مشابہ ہو!!

اس نے کہا: مجھے آپ لوگوں کے قتل کا حکم دیا گیا ہے، آپ بتائیں کہ آپ کون ہیں؟

انہوں نے کہا: ہم اولادِ رسولؐ ہیں، ڈر کے مارے ابن زیاد کے قید خانہ سے فرار کیا ہے، اس بڑھیا نے اپنا مہمان بنایا ہے، لیکن اس کا داماد ہمیں قتل کرنے کے در پے ہے!

سیاہ فام غلام نے اُن کے ہاتھوں اور پاؤں کے بوسے لینے شروع کر دیئے اور کہنے لگا: میری جان تم پر قربان ہو اے اولادِ پیغمبرؐ! یہ کہا اور اپنی تلوار کو پھینک کر خود دریائے فرات میں چھلانگ لگا دی، حارث نے جب اُسے لعنت ملامت شروع کی تو اُس نے کہا: میں تمہارے حکم کا اس وقت پابند ہوں جب تم خود حکمِ خدا کی پابندی کرو گے، جب تم اس کی نافرمانی کرو گے تو پھر تمہارے حکم کی تعمیل کیسے کی جا سکتی ہے؟

حارث ملعون نے اِس کے بعد اپنے بیٹے کو بلایا اور ان معصوم شہزادوں کے قتل کا حکم دیا، وہ تلوار لے کر بچوں کو دریا کی طرف لے جانے لگا، ایک بچے نے اس سے کہا:

اے نوجوان ہمیں تمہاری جوانی پر رحم آ رہا ہے کہ اس حالت میں تم خود کو جہنم کے عذاب میں مبتلا کر رہے ہو!

اُس نے کہا: تم کون لوگ ہو؟

وہ کہنے لگے:

ہم رسول کی آل ہیں، تمہارا باپ ہمیں قتل کرنا چاہتا ہے!

یہ سن کر اُس نوجوان نے بھی ان کے قدموں کے بوسے لیے اور غلام کی طرح تلوار کو دور پھینک کر دریائے فرات میں چھلانگ لگا دی، باپ نے اُسے کہا: تو بھی میرا نافرمان ہو گیا ہے؟

اُس نے کہا: خدا کا فرمان تمہارے فرمان پر مقدم ہے۔

آخر کار اس ملعون نے خود ہی ان مظلوم بچوں کو قتل کرنے کا تہیہ کر لیا، تلوار پکڑی اور بچوں کو دریائے فرات کے کنارے لے گیا، جوں ہی تلوار کو نیام سے نکالا تو بچے رونے لگ گئے اور اس سے کہنے لگے: اے شخص! تو ہمیں قتل نہ کر اور اس طرح سے رسول خداؐ کی دشمنی مول نہ لے، بلکہ ہمیں بازار میں لے جا کر فروخت کر دے!!

اُس نے کہا: میں تمہارے سروں کو لے جا کر ابن زیاد سے انعام لوں گا۔

شہزادوں نے کہا: رسول خداؐ سے ہماری رشتہ داری کا تمہیں خیال نہیں ہے؟

کہا: تمہارا رسول خداؐ کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے۔

بچوں نے کہا: اے شخص تو ہمیں ابن زیاد کے پاس لے جا، وہ خود ہی ہمارے بارے میں فیصلہ کرے گا۔

اُس نے کہا: میں تمہارا خون بہا کر اُس کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

بچوں نے کہا: تو پھر ہمارے بچپن پر رحم کر!

اُس نے کہا: خدا نے میرے دل میں رحم نام کی کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی!

بچوں نے کہا: اچھا ایسا ہی ہے تو پھر ہمیں چند رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے دے!

اُس نے کہا: نماز تمہیں کیا فائدہ پہنچائے گی، اچھا پڑھ لو۔

بچوں نے چار رکعت نماز ادا کرنے کے بعد آسمان کی طرف منہ کر کے کھلی ہوئی آنکھوں کے ساتھ فریاد کر کے کہا:

''یا حی یا حلیم! اے احکم الحاکمین تو خود ہی ہمارے اور اس کے درمیان فیصلہ فرما''

اس کے بعد وہ ملعون اٹھا اور اُس نے پہلے بڑے بھائی کا سر تن سے جدا کیا اور اسے ایک چادر میں رکھ دیا۔ چھوٹا بھائی اٹھا اور خود کو اُس کے خون میں غلطان کر دیا اور کہا: میں اسی حالت میں رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

حارث ملعون نے کہا: کوئی بات نہیں ابھی تمہیں بھی اسی کے پاس پہنچاتا ہوں۔

یہ کہہ کر تلوار کے ساتھ اس معصوم اور مظلوم بچے کا سر تن سے جدا کر دیا اور اسی چادر میں رکھ کر دونوں کے مبارک جسموں کو دریا میں پھینک دیا اور سروں کو لے کر ابن زیاد کے پاس آ گیا۔

ابن زیاد اُس وقت تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور چوب خیزران اُس کے ہاتھ میں تھی، ملعون حارث نے معصوم بچوں کا سر اس کے آگے رکھ دیا، جب اس کی نگاہ معصوم شہزادوں کے سروں پر پڑی تو وہ بے چین ہو گیا اور تین بار اٹھا بھی اور بیٹھا بھی اور اس سے کہا: تمہارا برا ہو! تو نے انہیں کہاں سے تلاش کیا ہے؟

اُس نے کہا: میری رشتہ دار بڑھیا نے انہیں مہمان کیا ہوا تھا۔

ابن زیاد نے کہا: تو مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے؟ پھر پوچھا: بچوں نے قتل ہوتے وقت کچھ کہا بھی تھا؟

اُس ملعون نے تمام ماجرا بیان کر دیا، ابن زیاد نے کہا: تم انہیں زندہ گرفتار کر کے کیوں نہیں لائے کہ تمہیں چار ہزار درہم انعام دیتا!

اُس نے کہا: میرا دل نہیں مان رہا تھا اور چاہتا تھا کہ ان کا خون بہا کر آپ کا تقرب حاصل کروں!

ابن زیاد نے پوچھا: آخری وقت ان کے منہ سے کیا الفاظ نکلے تھے؟ ملعون نے بتایا کہ: انہوں نے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے کہا: یا حی یا حکیم! یا احکم الحاکمین!! ہمارے اور اس شخص کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما!

ابن زیاد بولا: خدا نے ان معصوم بچوں اور تمہارے درمیان فصلہ کر دیا ہے! پھر اُس نے حاضرین کی طرف منہ کر کے کہا: کون ہے جو اس نابکار کو کیفرِ کردار تک پہنچائے؟ یہ سن کر ایک شامی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور کہا: ''میں!''

یاد رہے کہ کتاب ''منتخب'' میں اس کا نام ''نادر'' مذکور ہے جبکہ بعض دیگر مورخین نے اس کا نام ''مقاتل'' لکھا ہے، اور وہ اہلِ بیت علیہم السلام کے دوستوں میں سے تھا۔ (ملاحظہ ہو ریاض الاحزان ص ۸)

ابن زیاد نے کہا: اسے اسی جگہ پر لے جاؤ جہاں اُس نے ان بچوں کو قتل کیا تھا، اور وہیں پر قتل کر دو، لیکن اس کے پلید خون کو معصوم بچوں کے پاکیزہ خون کے ساتھ نہ ملنے دینا، اور اس کا سر میرے پاس لے آؤ!!

ابن زیاد کے حکم کے مطابق وہ مومن اس کے گلے میں رسی ڈال کر کھینچتے ہوئے فرات کے کنارے اسی جگہ پر لے آیا جہاں اُس نے دو مظلوم شہزادوں کو شہید کر دیا تھا۔

حارث نے اُسے کہا: ایسا کر مجھے قتل نہ کر مجھے چھوڑ دے میں تجھے دس ہزار دینا دوں گا۔

اُس نے کہا: تو مجھ سے دس ہزار دینار کی بات کرتا ہے اگر ساری دنیا بھی دے دے تو قبول نہیں کروں گا، کیونکہ تو اولادِ رسولؐ کا قاتل ہے۔

چنانچہ اس نے پہلے اس ملعون کے پاؤں کاٹے پھر ہاتھ کاٹے آخر میں سر کو کاٹ کر اپنے پاس رکھا اور لاشے کو دریا میں ڈال دیا۔

مگر دریا نے باہر پھینک دیا، اُس نے پھر اُسے ڈالا دریا نے پھر نکال دیا اور جب تیسری مرتبہ بھی دریا نے قبول نہ کیا تو زمین میں گڑھا کھود کر دفن کرنے کی کوشش کی مگر زمین نے بھی اس پلید کے لاشے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور باہر اگل دیا اور زمین نے بھی تین مرتبہ اسے باہر نکال پھینکا تو آخر میں آگ جلا کر اس میں فی النار والسقر کر دیا۔

امالی شیخ صدوقؒ مجلس ۱۹ حدیث ۲ میں ہے کہ اس کے سر کو نیزے پر اٹھا کر کوفہ کی گلیوں میں پھرایا گیا، شہر کے چھوٹے چھوٹے بچوں نے اسے پتھر مارنے شروع کر دیئے اور پتھر بھی مارتے جاتے تھے اور کہتے بھی جاتے تھے:

''یہ ہے اولادِ رسولؐ کا قاتل''

حضرت قاسم بن الحسن علیہ السلام

ناظرین محترم! جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ میدانِ کربلا میں افرادِ اہلِ بیتؑ میں سے شہداء بنی ہاشم کا تعلق اولادِ ابی طالب علیہ السلام سے تھا اور اولادِ حضرت ابو طالب میں سے حضرت امام حسن مجتبیٰ ابن علی بن ابی طالب علیہ السلام کے چار فرزند کربلا میں حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کے ساتھ تشریف لائے تھے، جن کے نام اس طرح سے ہیں:

۱۔حضرت حسن بن الحسن مثنیٰ ۲۔حضرت ابوبکر بن الحسن ۳۔حضرت عبداللہ بن الحسن اور ۴۔حضرت قاسم بن الحسن علیہم السلام، جبکہ کتاب حیاۃ الامام الحسینؑ جلد۳ ص ۲۵۶ میں ہے کہ حضرت حسن بن الحسن مثنیٰ بروز عاشورا دلیر مردوں کی مانند میدان میں آئے اور خوب دادِ شجاعت دی مگر دشمن نے سمجھا کہ شہید ہو گئے ہیں، اور جب شہداء کا سر جدا کرنے کے لئے آئے تو دیکھا کہ ابھی رمق سانس باقی ہے، لہٰذا اسے گرفتار کر کے عمر بن سعد کے پاس لے آئے، اسماء بن خارجہ نے جو آپ کا مادری رشتہ دار تھا اور ابن زیاد کے لشکر میں شامل تھا، اس نے ان کی سفارش کی اور کوفہ لے آئے اور زخموں کا علاج معالجہ کیا جس سے وہ تندرست ہو گئے اور کوفہ سے مدینہ تشریف لے آئے، لہٰذا آپ کا شمار مجاہدین میں تو ہوتا ہے مگر شہداء کربلا میں ان کو شمار نہیں کیا جاتا۔

حضرت ابوبکر بن الحسنؑ:

کتاب الملہوف کے مطابق حضرت قاسم کے مادری اور پدری بھائی حضرت ابوبکر بن الحسنؑ بھی بروزِ عاشورا میدان میں تشریف لے آئے اور امام محمد باقر علیہ السلام کے فرمان کے مطابق آپ کو عقبہ غنوی نام کے شخص نے شہید کر دیا اور کتاب نفس المہموم ص ۳۲۵ کے مطابق ابوالفرج اصفہانی نے حضرت قاسم بن الحسنؑ کی شہادت سے پہلے اور طبری، جزری اور شیخ مفیدؒ نے حضرت قاسمؑ کی شہادت کے بعد ان کی شہادت کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن الحسنؑ :

کتاب الملہوف ص ۵۱، کے مطابق: حضرت عبداللہ بن الحسن کی شہادت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ: جب حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کو سپاہِ یزید نے اپنے محاصرہ میں لے لیا تو حضرت امام حسن علیہ السلام کے ایک فرزند عبداللہ بن

الحسن جو ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے، اپنے چچا جان کی خدمت میں جانے کیلئے بے تابانہ دوڑنے لگے، حضرت زینب کبریٰ نے اسے پکڑنے کی ہر چند کوشش کی تو وہ بار بار یہ کہتے ہوئے میدان کی طرف تیزی سے جانے لگے: ''خدا کی قسم! میں ہرگز اپنے چچا سے جدا نہیں ہوں گا'' اسی اثنا میں بحر بن کعب ___ یا بقولے ___ حرملہ بن کاہل ___ نے امام مظلومؑ پر تلوار کا وار کر دیا، عبداللہ نے اس سے کہا: ''او کمینے انسان تم میرے چچا کو شہید کرنا چاہتے ہو؟'' اس ملعون نے اس مظلوم بچے پر تلوار چلا دی، معصوم بچے نے تلوار کا وار روکنے کیلئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، جس سے ان کا ہاتھ کٹ گیا، مگر جلد سے جدا نہیں ہوا، تلوار لگتے ہی بچے نے چیخ کر کہا: ''اماں''!!

حضرت سید الشہداءؑ نے بچے کو اپنی آغوش میں لیتے ہوئے فرمایا: ''میرے عزیز بچے! صبر کرو اور اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبتوں کے اجر کی خدا سے امید رکھو'' اسی اثنا میں ظالم حرملہ نے تیر کا نشانہ بنا کر امامِ مظلومؑ کی آغوش میں ہی اسے شہید کر دیا۔

حضرت قاسم بن الحسنؑ

ریاض القدس کے مطابق جب اولاد جعفر و عقیل جامِ شہادت نوش کر کے اپنے خالق کے حضور جا چکے اور امام الشہداء حضرت اباعبداللہ الحسینؑ اور مخدرات عصمت ان پر آنسو بہا چکے اُن کے لاشوں پر نوحہ و ماتم کر چکے اُس وقت امام حسین علیہ السلام نے اتمام حجت کے طور پر نصرت طلبی کے لیے آواز بلند کی کہ:

اما من معین یعیننا؟ اما من مجیر یجیرنا؟ اما من ناصر ینصرنا؟
آیا ہے کوئی جو اس عالم غربت میں ہماری مدد کرے؟ آیا ہے کوئی جو کس مپرسی کے اس عالم میں ہمیں پناہ دے؟ آیا ہے کوئی جو اس غربت میں ہماری نصرت کرے؟

مقتل ابی مخنف میں ہے کہ اس وقت

''خَرَجَ اِلَیْهِ مِنَ الْخَیْمَةِ غُلَامَانِ کَاَنَّهُمَا قَمَرَانِ اسم احدهما احمد والآخر قاسم''
خیمہ سے دو ماہ رُو برآمد ہوئے ایک کا نام احمد اور دوسرے کا نام قاسم تھا اور یہ دنوں ماہ صورت شہزادے امام حسن مجتبیٰؑ کے فرزند دلبند تھے، دونوں کہہ رہے تھے: ''لبیک لبیک یا سیدنا نحن بین یدیک مرنا بامرک صلوات اللہ علیک'' چچا جان! ہم آپ کے غلام آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، آپ ہمیں حکم فرمائیں ہم اطاعت کریں گے، ہماری ہزاروں جانیں آپ پر قربان!!

امام الشہداء نے جب دونوں شہزادوں کو دیکھا تو اپنے شہید بھائی امام حسن مجتبیٰؑ کی تصویر آنکھوں کے سامنے آ گئی، ان کی یاد تازہ ہو گئی، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اس قدر گریہ کیا کہ ریشِ مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی قریب تھا کہ غش کر جاتے۔

روایت کے مطابق:

''جاء القاسم و قال یا عم "الاجازة" لا مضی الی قتال هؤلاء القوم'' چچا جان! دیکھ رہا ہوں کہ سب اصحاب وانصار عزیز اور پیارے شہید ہو چکے ہیں، اب زندگی بے کیف ہو رہی ہے مجھے بھی اذن جہاد عطا فرمائیں!!

امامؑ نے شہزادے کے چہرے پر نگاہ ڈالی تصویرِ حسن مجتبیٰؑ نگاہوں کے سامنے آگئی فرمانے لگے: قاسمؑ! میں تمہیں کیونکر معرکہ کارزار میں جانے کی اجازت دوں، تم میرے بھائی حسن مجتبیٰؑ کی نشانی ہو اور حسنؑ بھائی کی موت ہم سب کے لیے کافی ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ہم اپنے ناظرین کو یہ بتاتے چلیں کہ واقعہ کربلا میں جناب قاسم بن الحسنؑ کی عمر تیرہ برس اور ان کی والدہ گرامی کا نام ''رملہ'' تھا اور کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی مخدرات عصمت کے ساتھ تھیں اور اپنے تمام بیٹوں میں سے جناب قاسمؑ کے ساتھ انہیں زیادہ پیار تھا، انہوں نے جب دیکھا کہ حضرت سید الشہداءؑ ان کے فرزند قاسمؑ کو میدان میں جانے کے لیے اجازت نہیں دے رہے تو خود جا کر امام کی خدمت میں اپنی بیوگی اور حسنِ مجتبیٰؑ کی شہادت کے واسطے دے کر قاسمؑ کے لیے میدانِ جہاد میں جانے کی اجازت حاصل کر لی، امام عالی مقامؑ نے قاسمؑ کی طرف دیکھ کر فرمایا: اے نور دیدہ من قاسمؑ! تم اپنے ہی قدموں کے ساتھ موت کی طرف جاؤ گے؟ قاسمؑ نے عرض کیا: ''چچا! کیوں کر نہ جاؤں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ دشمن مبارز طلبی کر رہے ہیں''

روایات میں ہے:

''فلم یزل الغلام یقبل یدیه و رجلیه'' قاسمؑ اپنے چچا کے ہاتھوں اور پاؤں کے بوسے لینے لگ گئے۔

امام نے اذنِ جہاد عطا فرمایا، کمسن مجاہد کو اپنے ہاتھوں کے ذریعہ اٹھا کر گھوڑے پر سوار کیا، اس کے گریبان اور آستینوں کو چاک کر دیا، عمامہ کے دو ٹکڑے کیے ایک کو عمامہ کے طور پر سر پر باندھا اور دوسرے کو بطور کفنی گلے میں ڈال دیا، ہاتھ میں تلوار دے کر میدان کی طرف روانہ کیا۔

جب مخدرات عصمت نے قاسمؑ کواس حالت میں دیکھا تو خیام میں کہرام برپا ہوگیا، بی بیوں کی آنکھوں کے سامنے حسنِ مجتبیٰ کی تصویر مجسم ہوگئی، ان کا غم دوہرا ہوگیا، ایک حسن مجتبیٰؑ کی شہادت کا اور دوسرے موت کے لیے جوانِ ناکام قاسمؑ کے روانہ ہونے کا۔

روایات میں ہے:

جب قاسم بن الحسنؑ نے گھوڑے کی باگ میدان کارزار کی طرف موڑی اور میدان میں پہنچے تو لشکر والے قاسمؑ کا حُسن و جمال دیکھ کر حیران رہ گئے۔ تلوار کی چمک سے دشمنوں کی نگاہیں خیرہ ہوگئیں۔

چنانچہ علامہ مجلسیؒ بحار میں فرماتے ہیں کہ:

قاسمؑ کا چہرہ چاند کی مانند ضوفگن تھا اور آفتاب کی مانند چمک رہا تھا، حمید بن مسلم کی روایت ہے کہ: میں لشکرِ عمر بن سعد میں تھا کہ ''اذا خرج غلام وجهه شقة قمر و فی يده سيف و عليه قميص و ازار و نعلان و قدا نقطع شسع احداهما'' اچانک میں نے دیکھا کہ ایک خوبرو جوان مثل ماہِ تابندہ، ہاتھ میں تلوار لیے، پیراہن میں ملبوس، نعلین پہنے ہوئے خیمہ سے برآمد ہوا، میں نے دیکھا کہ اس کی ایک نعلین کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا، وہ میدان میں پہنچا، اہلِ کوفہ نے جب اس کی صورت کو دیکھا تو اس کے ساتھ لڑنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے، مگر ایک بدنہاد ظالم عمر بن سعید بن نوفل نے انہیں قتل کرنے کی ٹھان لی، عمر بن سعد نے اس سے کہا: ''تو اس نوجوان پر حملہ کر کے موت کے گھاٹ اتار دے''

حمید بن مسلم کہتا ہے کہ میں نے اس شخص کو کہا:

تو کیوں اسے قتل کرتا ہے؟ اسے کوئی دوسرا قتل کرے تو نہ کر۔

لیکن اُس بے رحم نے کمین گاہ میں چھپ کر اُس معصوم بچے کے سر پر ایسا وار کیا جس سے اس کا سر شگافتہ کر دیا اور وہ گھوڑے سے منہ کے بل آ گرا اور گرتے وقت آواز دی:

''یا عماه ادركنی! چچا جان مدد کو آیئے!!''

جبکہ بحارالانوار میں علامہ مجلسی یہ بھی لکھتے ہیں کہ: قاسم نے جب خیمہ میں ''هل من مبارز؟؟؟'' کی آوازیں سنیں تو امام عالی مقام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجازت لے کر اہلِ حرم سے آخری وداع کی اور انہیں خدا کے سپرد کیا اور میدانِ کارزار میں آ گئے اور دشمن کے سامنے یہ رجز پڑھنا شروع کیا:

ان تنکرونی فانا ابن الحسن
سبط النبی المصطفی المؤتمن
ھذا حسینؑ کالاسیر المرتھن
بین اناس لا سُقوا صوب المزن

اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو سن لو کہ میں حسن مجتبیٰؑ کا فرزند ہوں جو پیغمبر ختمی مرتبت پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰؐ کے نواسے ہیں جو اللہ کے امین رسول ہیں۔ جنہیں تم نے ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے اور اب وہ تمہارے درمیان ایک قیدی کی صورت میں محصور ہیں، تمہیں کبھی بھی بارانِ رحمت سے سیراب ہونا نصیب نہ ہو۔

اس کے بعد قاسم نے عمر سعد کی طرف منہ کر کے کہا:

اما تخاف الله! اما ترهب الله یا اعمی القلب!! اما تراعی رسول الله؟

اے ستمگار زمانہ! اور اے بدنہاد عمر سعد! تو خدا سے نہیں ڈرتا، او بے بصیرت انسان اور اے دل کے اندھے؟ تمہیں حرمتِ رسول کا بھی کوئی پاس اور لحاظ نہیں ہے؟

''ویلک قتلت الشبان و افنیت الکهول و قطعت الفروع واجتثثت الاصول و هذه بقیة الله شر ذمة قلیلة مستاصلة''

تو نے ہمارے جوانوں کو قتل کیا، ہمارے بوڑھوں کو موت کے گھاٹ اتارا، ہمارے چھوٹے بڑوں کا خاتمہ کیا، اب یہ چند افراد ذریت رسولؐ سے باقی رہ گئے ہیں تو انہیں بھی ختم کرنا چاہتا ہے؟

افلا تکُفّ عن الجفاء؟ و سفک الدماء؟

کیا تو پھر بھی جفا سے ہاتھ نہیں روکتا اور اولادِ رسولؐ کے بقیہ افراد کا خون بہانے سے باز نہیں آتا؟

مالک للرحم رعایة و بالقرابة عنایة؟

آیا قریش والی قرابت کا بھی تجھے کوئی احساس اور خیال نہیں؟

افلا تدعهم ان یرجعوا الی الاوطان مع ما
بهم من الاحزان و الاشجان؟

اے عمر سعد! اب جبکہ سارے مارے جا چکے ہیں، حسینؑ کے پاس چند بچے اور بیوہ عورتیں رہ گئی ہیں یا

وہ کچھ لوگ جن کا بھائی مارا جا چکا ہے، یا بیٹا صرف غمزدہ بیبیاں ہیں جو اپنے عزیزوں کی موت کا داغ اپنے اندر لیے ہوئے ان کی موت کو یاد کر کے رو رہی ہیں، تو کیا انہیں اجازت نہیں دیتا کہ وہ یہ غم اپنے ساتھ لیے وطن واپس جائیں؟

عمر سعد پھر بھی خاموش رہا۔

حضرت قاسمؑ نے پھر اُس سے مخاطب ہو کر کہا:

او ابن سعد! تو اور تیرے لشکر والے اور ان کے گھوڑے تک تو پانی پی رہے ہیں اور رسول کی آلؑ اور چھوٹے چھوٹے بچے پیاس کی شدت سے تڑپ رہے ہیں اور اسی پیاس کی وجہ سے موت کی تمنا کر رہے ہیں ''قد اسودت الدنیا فی اعینھم '' اور سعد کے بیٹے! کچھ پتہ بھی ہے کہ رسولؐ کی اولاد اس قدر پیاسی ہے کہ ان کی آنکھوں کے سامنے دنیا تاریک ہو گئی ہے۔

روضۃ الشہداء کے مطابق حضرت قاسمؑ کی اس موثر گفتگو سے پسرِ سعد کی آنکھوں سے بھی آنسو ٹپک پڑے اور لشکر والے بھی رونے لگ گئے، لیکن اس ملعون نے معصوم قاسمؑ کے بچپنے پر رحم نہ کیا اور اسے قتل کرنے کا حکم ایک مرتبہ پھر فوج کو جاری کر دیا۔

شیخ مفید فرماتے ہیں کہ عمر بن سعید بن نفیل ازدی نے عمر سعد کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اس مظلوم بچے کو قتل کرنے کا پورا تہیہ کر لیا اور کمین گاہ میں سے چھپ کر اس پر تلوار کے ساتھ سر پر حملہ کر دیا جس سے سر مبارک شگافتہ ہو گیا اور قاسمؑ گھوڑے سے زمین پر منہ کے بل گرے اور اپنے چچا حسینؑ کو آواز دی ''واعماہ'' چچا مدد کو آیئے!!

مقتل الحسین خوارزمی (۲، ۳۱) کے مطابق جناب قاسمؑ نے شہادت سے پہلے اپنی کم سنی کے باوجود پینتیس (۳۵) لعینوں کو جہنم واصل کیا۔

بہر حال شیخ مفید کے قول کے مطابق جب معصوم شہزادے نے ''واعماہ'' کہا تو امام حسینؑ اس کی امداد کو ایسے پہنچے جیسے شہباز اپنے شکار کو پہنچتا ہے اور میدان میں آتے ہی غضبناک شیر کی مانند قاسم کے قاتل عمر بن سعید بن نوفل پر حملہ کر دیا، اس نے بچاؤ کے لیے تلوار کے سامنے اپنا ہاتھ بڑھا دیا جس سے اس کی کہنی کٹ گئی، ملعون نے لشکر والوں سے فریاد کی کہ اُسے بچایا جائے، اس کی یہ فریاد سن کر تمام لشکر اس کی امداد کو پہنچ گیا اور امام حسینؑ اس سے ہٹ گئے، مگر خدا کی شان کہ ظالم کی مدد کو پہنچنے والے فوجیوں کے گھوڑوں نے اپنی ٹاپوں سے اسی ہی کو پامال کر کے واصل جہنم کیا۔

حمید بن مسلم کہتا ہے کہ گھوڑوں کے دوڑنے کے بعد جب غبار چھٹ گیا تو میں نے دیکھا کہ حسین علیہ السلام

شہزادے کے بالین سر بیٹھے ہوئے ہیں اور شہزادہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے، امامؑ نے سرد آہ کھینچی اور قاسم سے فرمایا:

''بُعْدًا لِقَوْمٍ قَتَلُوْکَ وَ مَنْ خصمهم یوم القیامة فیک جَدُّکَ'' اے قاسم! خدا لعنت کرے ایسی قوم پر جس نے تمہیں شہید کر دیا اور قیامت کے دن تمہارے نانا رسولؐ جس کے دشمن ہوں گے۔

اس کے بعد امامؑ نے فرمایا:

''عز واللہ علی عمک ان تدعوہ فلا یجیبک او یجیبک فلا ینفعک'' خدا کی قسم یہ تو اپنے چچا کے دل سے پوچھو کہ اس پر کیا گزر رہی ہے، دل پر شاق گزر رہی ہے یہ بات کہ تم ہمیں پکارو اور ہم تمہاری کوئی مدد نہ کر سکیں یا اگر کریں بھی تو بے فائدہ!!''صوت واللہِ من کثر واتروہ و قل ناصروہ'' میرے عزیز بچے یہ تمہارے اس چچا کی آواز ہے جس کے دشمن زیادہ اور مددگار کم ہیں۔

حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ اس کے بعد امام حسینؑ معصوم شہزادے کے لاشے کو اپنے سینے سے لگا کر خیمہ میں لے آئے، میں دیکھ رہا تھا کہ شہزادے کے پاؤں زمین پر خط کھینچ رہے تھے، امامؑ نے قاسمؑ کے لاشے کو اپنے فرزند علی اکبرؑ اور دوسرے شہداء کے لاشوں کے درمیان رکھ دیا۔

کتاب ''کفایۃ الطالب'' میں ہے کہ جب حضرتؑ زین سے زمین پر گرے اور اپنے چچا کو پکارا، اس وقت اس بچے کی والدہ خیمہ میں کھڑے ہو کر میدان میں اپنے فرزند کی جنگ دیکھ رہی تھی، ایک دفعہ دیکھا کہ امام مظلوم، جناب قاسمؑ کو سینے سے لگائے یہ مرثیہ پڑھ رہے تھے:

غریبون عن اوطانهم و دیارهم
تنوح علیهم فی البراری وُحوشها
و کیف و لا تبکی العیون لمعشر
سیوف الاعادی فی البراری تنوشها
بدور تواریٔ نورها فتغیرت
محاسنَها تربُ الفلاة نعوشُها

ہم اپنے گھر اور وطن سے دور ایسے لوگ ہیں کہ جن پر بیابانوں کے جانور نوحے پڑھ رہے ہیں، ایسے

لوگوں پر آنکھیں کیوں نہ آنسو بہائیں جن کو دشمنوں کی تلواریں نوچ رہی ہیں، ایسے دمکتے چودھویں کے چاند ہیں جن کے چہروں کے رنگ تبدیل ہو گئے ہیں اور صحرا کی مٹی نے جن کے لاشوں کو اپنے اندر ڈھانپ لیا ہے۔

بعض روایات کے مطابق امام عالی مقام زمین پر بیٹھ گئے اور ایک ہاتھ اکبر کے لاشے پر اور دوسرا ہاتھ قاسمؑ کے لاشے پر رکھ کر کہا:

''واغربتاه!'' ہائے میرے اللہ میں غریب ہو گیا نہ میرا اکبر رہا، نہ میرا قاسم رہا نہ عون و محمد رہے اور نہ اصحاب رہے نہ انصار رہے۔

پھر آپ نے اپنا منہ آسمان کی طرف کر کے دعا مانگی:

''اللهم احصهم عدددا و لا تغادر منهم احدا و لا تغفر لهم ابدا''

اے میرے معبود! ان کے قاتلوں میں سے ہر ایک کو کیفرِ کردار تک پہنچا، کسی کو بھی نہ چھوڑ اور انہیں کبھی معاف نہ کر۔

پھر اپنے اہلِ بیتؑ کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

''صبرا یا بنی عمومتی، صبرا یا اهل بیتی، لا رأیتم هوانا بعد هذا الیوم ابدا'' اے میرے عزیزو! اے میرے اہلِ بیتؑ صبر سے کام لو آج کے بعد تم کبھی ذلت کا منہ نہیں دیکھو گے۔

الا لعنة الله علی القوم الظالمین

حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام

جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ سید الشہداء حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کی نصرت کیلئے میدانِ کربلا میں بنی ہاشم میں سے اولادِ ابو طالب علیہ السلام کے جن افراد نے شرفِ شہادت حاصل کیا، ان میں فرزندانِ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے اسماء گرامی نمایاں نظر آتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ ۲۔ حضرت عثمان

۳۔ حضرت جعفر ۴۔ حضرت ابوبکر

۵۔ حضرت محمد ۶۔ حضرت عباس اصغر

اور ۷۔ حضرت ابوالفضل العباس علیہم السلام

۱۔ حضرت عبداللہ بن علیؑ

کتاب ابصار العین ص ۳۴ میں ہے: آپ حضرت ام البنین (ع) کے فرزند دلبند تھے، حضرت امیر المومنینؑ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر چھ سال تھی، تو اس طرح سے میدانِ کربلا میں آپ کی عمر ۲۶ سال تھی، جب بروزِ عاشورا تمام اصحاب حسینؑ اور اہلِ بیتؑ سے کچھ افراد جامِ شہادت نوش فرما چکے تو حضرت ابوالفضل العباس علمدار علیہ السلام نے اپنے تمام مادری بھائیوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا: ''میدانِ جنگ کی طرف جاؤ!''

چنانچہ سب سے پہلے جناب عبداللہ بن علی علیہ السلام نے آپ کے حکم پر عمل کیا، آپ حضرت عثمان اور حضرت جعفر سے بڑے ہیں، چنانچہ حضرت ابوالفضل العباسؑ نے انہیں فرمایا:

''میرے عزیز بھائی آپ میدان کی طرف جائیں تاکہ میں آپ کو راہِ خدا میں شرفِ شہادت حاصل کرتا ہوا دیکھوں ساتھ ہی آپ کی کوئی اولاد بھی نہیں ہے''

چنانچہ آپ میدان میں تشریف لائے، رجز پڑھا، تلوار چلائی اور جنگ کی، ہانی بن ثبیت نامی ایک یزیدی نے

آپ پر تلوار سے ایک ایسا وار کیا جس سے آپ شہید ہو کر راہی خُلدِ بریں ہوئے۔

۲۔ حضرت عثمان بن علیؑ

کتاب ابصار العین ص ۳۴ میں ہے کہ آپ بھی حضرت ابوالفضل العباس کے مادری بھائی ہیں ۲۱ سال کی عمر تھی روایات کے مطابق حضرت علیؑ نے ان کا نام اپنے پیارے دوست ''عثمان بن مظعون'' کے نام پر رکھا تھا۔
رجز پڑھتے ہوئے میدانِ جنگ میں آئے ابھی میدان میں قدم رکھا ہی تھا کہ خولی بن یزید ملعون نے آپ کو تیر سے شہید کر دیا، جبکہ بعض روایات کے مطابق آپ پر قبیلہ ابان کے ایک شخص نے حملہ کر کے شہید کر دیا اور سر تن سے جدا کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔

۳۔ حضرت جعفر بن علیؑ

ابصار العین ص ۳۵ اور مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ ص ۱۰۷ کے مطابق:
حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے وقت آپ دو سال کے تھے، اپنے بھائی امام حسن مجتبیٰؑ کے ساتھ بارہ سال اور امام حسین علیہ السلام کے ساتھ اکیس سال رہے، روایات کے مطابق امیر المومنینؑ نے ان کا نام اپنے بھائی جعفر بن ابی طالب علیہ السلام کے نام پر رکھا تھا، آپ میدان میں رجز پڑھتے ہوئے آئے، جنگ کر رہے تھے کہ ملعون خولی بن یزید نے آپ پر وار کر کے شہید کر دیا، جبکہ بعض مورخین نے آپ کے قاتل کا نام ''ہانی بن ثبیت'' بتایا ہے۔

۴۔ حضرت ابوبکر بن علیؑ

مقاتل الطالبین ص ۸۶ کے مطابق مورخین نے آپ کے نام کی وضاحت نہیں کی بلکہ کنیت ابوبکر ذکر کی ہے، آپ کی والدہ گرامی کا نام ''لیلیٰ بنت مسعود بن خالد'' ہے، آپ بھی میدان میں رجز خوانی کرتے ہوئے آئے جنگ کی اور قبیلہ ہمدان کے ایک شخص کے ہاتھوں شہید کر دیئے گئے۔

۵۔ حضرت محمد بن علیؑ

مقاتل الطالبین ص ۸۵ اور تاریخ طبری جلد ۶ ص ۸۹ کے مطابق آپ کو محمد اصغر بھی کہتے ہیں، آپ کی والدہ ام ولد تھیں، بعض روایات کے مطابق ''اسماء بنت عمیس'' تھیں، بروز عاشورا میدانِ جنگ میں جامِ شہادت نوش کیا قبیلہ بنی ابان سے تعلق رکھنے والے ملعون نے آپ کو میدان میں شہید کر دیا۔

۶۔حضرت عباس اصغر بن علیؑ

کتاب ''العباس'' مقرم ص ۵۲، وسیلۃ الدارین ص ۲۶۲ اور تذکرۃ الخواص ص ۲۸۱ میں ہے:

بعض مورخین کے مطابق حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ''عباس'' نامی دو فرزند تھے جو کربلا میں شہید ہوئے ہیں، ایک ''عباس اصغر'' ہیں، جو شب، عاشورا اس وقت شہید ہو گئے تھے جب آپ دریائے فرات سے پانی لینے گئے تھے، آپ کی والدہ ماجدہ کا اسمِ گرامی ''صہباء'' ہے۔

''قاسم بن اصبغ مجاشعی'' سے منقول ہے کہ ''جب شہداء کے سروں کو کوفہ لایا جا رہا تھا تو میں نے ایک سوار کو دیکھا کہ اس نے اپنے گھوڑے کی گردن میں ایک ایسے نوجوان کا سر لٹکایا ہوا تھا جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند دمک رہا تھا، جب گھوڑا اپنا سر جھکاتا تھا تو سر نازنین زمین سے جا لگتا تھا، میں نے گھوڑے سوار سے پوچھا کہ: یہ کس مظلوم کا سر ہے؟ جسے تو نے اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا ہوا ہے؟'' اس نے کہا: ''عباس بن علیؑ کا!'' میں نے پوچھا: ''تم خود کون ہو؟'' تو اس نے کہا: ''حرملہ بن کاہل اسدی''

راوی کا بیان ہے کہ زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ میں نے حرملہ کے چہرے کو دیکھا وہ بالکل سیاہ ہو چکا تھا۔

حضرت ابوالفضل العباس علمدارؑ

کتاب ابصار العین فی انصار الحسین ص ۲۵ میں ہے:

آپ کا اسمِ گرامی ''عباس'' کنیت ابوالفضل اور علمدار فوجِ حسینی، سقائے سکینہ اور قمرِ بنی ہاشم القاب ہیں، والدہ گرامی کا نام حضرت ام البنین فاطمہ بنت حزام بن خالد ہے۔

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بھائی عقیل بن ابی طالب علم الانساب اور تاریخ عرب کے عالم تھے، ایک مرتبہ مولا علیؑ نے فرمایا:

''میرے لئے کسی ایسی عورت کا انتخاب کریں جس کا تعلق شجاع خاندان سے ہو، میں اس سے عقد ازدواج کروں اور خدا اس سے مجھے بیٹا عطا کرے جو میری شجاعت کا وارث بنے اور میرے حسینؑ کی نصرت کرے''

تو جناب عقیل نے کہا:

''اس کے لیے پورے عرب میں فاطمہ بنت حزام کے خاندان سے بڑھ کر کوئی خاندان مجھے نظر نہیں آتا''۔

چنانچہ جناب امیر علیہ السلام نے فاطمہ بنتِ حزام سے عقد فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بطنِ مبارک سے جناب عباسؑ عطا فرمایا اور آپ اس قدر حسین تھے کہ آپ کو قمرِ بنی ہاشم کے لقب سے یاد کیا جانے لگا یعنی بنی ہاشم کا چاند، حضرت ابوالفضل العباسؑ کے بعد خداوندِ عالم نے حضرت ام البنین فاطمہ بنت حزام کے بطن سے تین اور فرزند عطا فرمائے جن کے اسمائے گرامی ہیں:

عبداللہ، عثمان اور جعفرؑ

۱۴ سال تک اپنے والدِ گرامی کے ہمراہ رہے اور بقیہ زندگی اپنے دونوں بھائیوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام کے ساتھ گزاری، شجاعتِ علیؑ کے وارث ہونے کی وجہ سے آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا، جب گھوڑے پر

سوار ہوتے تھے تو پاؤں زمین تک پہنچ جاتے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ہمارے چچا حضرت عباسؑ گہری بصیرت اور یقین محکم کے مالک تھے، حضرت سید الشہداءؑ کے ہمرکاب ہو کر جہاد کر کے شرفِ شہادت کو حاصل کر لیا''

حضرت امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

''خداوندِ عالم میرے چچا جناب عباس پر رحمت نازل کرے، کہ انہوں نے اپنی جان اپنے بھائی حسینؑ پر قربان کر دی اور ایثار کا اس قدر مظاہرہ کیا کہ ان کے دونوں ہاتھ کٹ کر زمین پر گر گئے، اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت جعفر طیار کی مانند دو پر عطا کئے ہیں جن کے ذریعہ بہشت میں فرشتوں کے ساتھ محوِ پرواز ہیں''

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ مقام و منزلت عطا کی ہے کہ بروزِ قیامت تمام شہداء اس پر رشک کریں گے۔

اربابِ مقاتل لکھتے ہیں کہ جب بروزِ عاشورا میدانِ کارزار گرم تھا، کہ اتنے میں حضرت سید الشہداءؑ کے ایک پیارے صحابی حضرت زہیر بن قین، حضرت عبداللہ بن جعفر بن عقیل کے پاس آئے اور ان سے کہا:

''یا اخی ناولنی الرأیة'' جانِ برادر اپنا علم مجھے عنایت فرمائیں! عبداللہ نے پوچھا: ''اوفی قصور عن حملها'' کیا میرے علم اٹھانے میں کسی قسم کی کمی محسوس کر رہے ہیں؟ زہیر نے کہا: نہیں ایسی کوئی بات نہیں، بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے مانگ رہا ہوں! حضرت عبداللہ نے اپنا علم جناب زہیر کو دیا اور وہ اسے لے کر حضرت ابوالفضل العباسؑ کی خدمت میں لے آئے اور ان کے زیرِ سایہ کھڑے ہو کر ان سے مخاطب ہوئے کہ: اے فرزندِ امیر المومنینؑ! آج اور اس وقت میں آپ کو آپ کے والدِ گرامی حیدرِ کرار امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کا ایک فرمان یاد دلانا چاہتا ہوں!

حضرت ابوالفضل العباسؑ نے فرمایا:

زہیر! یہ فرمان یاد دلانے کا کون سا وقت ہے؟

زہیر نے عرض کیا:

پہلے آپ سن لیجئے پھر آپ کو خود بخود اس کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا۔

یہ کہا اور مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کا فرمان سنانا شروع کر دیا کہ:

آپ کے والدِ گرامی نے حضرت فاطمہ زہرؑا کی شہادت کے بعد ازدواج کا ارادہ کیا تو اپنے بھائی حضرت عقیلؑ سے فرمایا: کسی ایسے خاندان کے بارے میں بتائیں شجاعت میں شہرت رکھتا ہوتا کہ اس خاندان کی خاتون سے ازدواج کروں اور خداوند عالم مجھے اس سے ایک ایسا فرزند عطا کرے جو میری شجاعت کا وارث قرار پائے اور میرے بیٹے حسینؑ کے لیے نصرت کا حق ادا کرے۔

اے فرزندِ امیر المومنینؑ! آپ کی مادرِ گرامی حضرت ام البنین ایسے ہی گھرانے کی خاتون ہیں جو تمام قبائل عرب میں شجاعت کے لحاظ سے بے مثال ہے، اے عباسؑ! اس وقت سے بڑھ کر اور کون سا وقت ہوگا جس میں تم اپنی شجاعت اور نصرت کے جوہر دکھا کر امیر المومنینؑ کی شجاعت اور بہادری کی یاد تازہ کرو!!

زہیر کے یہ الفاظ سن کر حضرت ابوالفضل العباسؑ نے فرمایا:

''اَتُشَجِّعُنِیْ یَا زُهَیْر! فِیْ مِثْلِ هٰذَ الْیَوْم؟ فَوَاللّٰهِ لَاُرِیَنَّکَ مَا رَأَیْتَهُ قَطُّ''

زہیر! تم مجھے جوشِ شجاعت دلاتے ہو؟ تو یاد رکھو! آج تمہیں بہادری کے وہ جوہر دکھاؤں گا کہ آج تک تم نے ایسی شجاعت نہیں دیکھی ہوگی۔

یہ کہہ کر ایک ایسی انگڑائی لی کہ گھوڑے کی رکابیں ٹوٹ کر زمین پر آگریں۔

چنانچہ جب آپ کو حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام نے دریائے فرات سے پانی لانے کے لیے بھیجا تو آپ نے اپنی شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ دنیا جسے ہمیشہ یاد رکھے گی اور یہ اس وقت کی بات ہے جب ظلم کی بادِ خزاں سے گلشنِ نبوی مرجھا گیا، پھول اور غنچوں سے چمنستانِ رسالت خالی ہوگیا، جوانانِ ماہ رو خاک وخون میں غلطاں ہوکر محوِ آرام ہوگئے، تیغ وتبر اور تیروں کا نشانہ بن چکے، محبت حسینؑ میں قربانی کی لذت چکھ چکے، اکبر جوان اپنی جوانی کو فرزندِ رسولؐ پر نچھاور کر چکے، قاسمِ ماہ رو اپنی تابانیاں خاکِ کربلا میں دفن کر چکے صرف عباس باوفا اور شجاعتِ علیؑ کے ورثہ دار کے علاوہ حسینؑ کے لشکر میں اور کوئی مجاہد نہیں رہ گیا تھا............ اپنے امام زمانہ حسین بن علیؑ کو تن تنہا دیکھا تو اپنے مولا کی خدمت میں حاضر ہوکر میدانِ جہاد میں جانے کی رخصت طلب کی جس پر امام مظلوم پر شدید گریہ طاری ہوگیا اور فرمانے لگے:

''برادر جان! تم تو میرے لشکر کے علمدار ہو، تمہیں جنگ کی اجازت کیسے دے سکتا ہوں؟'' تو انہوں نے عرض کیا: ''مولا! وہ لشکر ہی کہاں ہے کہ جس کا میں علمدار ہوں؟ اب میں جینے سے اکتا چکا ہوں، چاہتا ہوں کہ ان منافقوں سے آپ پر ظلم کا بدلہ لوں''

امامِ باوقارؑ نے فرمایا:

''بھیا عباسؑ ان معصوم پیاسے بچوں کیلئے پانی کی کوئی سبیل کرو!''

چنانچہ اذنِ امامؑ کے مطابق آپ میدان میں تشریف لائے، پہلے تو سپاہِ یزید کو موعظہ ونصیحت کی انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا، لیکن ان ملعونوں پر آپ کے کلام کا کوئی اثر نہ ہوا، اس کے بعد آپ واپس آگئے اور تمام ماجرا سید الشہداءؑ کے گوش گزار کیا اسی اثناء میں خیام سے چھوٹے چھوٹے بچوں کی العطش کی آوازیں بلند ہونے لگیں، یہ سن کر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے ہاتھ میں مشکیزہ اور نیزہ لیا سیدھے دریائے فرات کے کنارے پہنچے دریا پر چار ہزار فوجیوں کا پہرہ تھا، جنہوں نے آپ کو تیروں کا نشانہ بنالیا مگر آپ نے ان سب کو مار بھگایا اور ان میں سے اسی (۸۰) شامیوں کو جہنم رسید کیا اور خود دریا کے اندر داخل ہو گئے، چاہا کہ پانی پئیں مگر فوراً ہی حسینؑ اور ان کے اہلِ بیت اور بچوں کی پیاس کو یاد کر کے پانی دریا میں پھینک دیا اور کہنے لگے:

اے میرے نفس! حسینؑ کے بعد تو بس ذلت وخواری ہے اور ان کے بعد اس دنیا میں نہیں رہنا چاہئے کہ ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا، دیکھو! یہ حسینؑ تو اس قدر پیاسے ہوں کہ موت کے جام انہیں سیراب کر رہے ہوں اور تم ٹھنڈا اور خوشگوار پانی پی رہے ہو؟

مشک کو پانی سے بھرا اور اپنے کندھے پر اٹھایا اور خیام کا رخ کیا، لشکرِ یزید نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ ص ۱۰۸ میں ہے کہ: ابوالفضل العباسؑ نے یہ رجز پڑھتے ہوئے دشمنوں پر حملہ کر دیا۔

''میں موت سے نہیں ڈرتا، جب وہ پکار رہی ہو، میں ان سے اس وقت تک جنگ کرتا رہوں گا جب تک ان کے شجاع اور بہادروں کو تہہ تیغ نہ کرلوں، میں نے اپنے آپ کو فرزند رسولؐ کا محافظ قرار دے دیا ہے، میرا نام عباس ہے اور حسینؑ کا سقا ہوں اور موت سے ملاقات کے دن کا مجھے کوئی خطرہ نہیں''

اسی دوران میں ملعون ''نوفل ازرق'' نے آپ کے دائیں بازو پر وار کر کے اسے جسم سے جدا کر دیا، اس سے آپ نے مشکیزہ کو بائیں شانے پر اٹھایا اور علم کو ہاتھ میں لے لیا، اور رجزیہ انداز میں کہنے لگے:

خدا کی قسم اگر تم نے میرا دایاں ہاتھ قلم کر دیا ہے تو کیا ہوا؟ میں ہمیشہ اپنے دین کی حفاظت کرتا رہوں گا اور اپنے اس امام کی حفاظت بھی کرتا رہوں گا جس کا ایمان اور یقین بالکل صادق ہے، اور پاک اور امین پیغمبرؐ کا فرزند ہے۔

اس کے بعد اس ملعون نے آپ کے بائیں ہاتھ کو بھی تلوار سے قلم کر دیا۔

ایک روایت کے مطابق حکیم بن طفیل جو کھجور کے درخت کے پیچھے کمین لگائے ہوئے تھا، آپ کے بائیں بازو پر حملہ کر کے اسے جسم سے جدا کر دیا، آپ نے علم کو اپنے سینے سے لگالیا، اور رجز پڑھتے ہوئے مشک کو اپنے دانتوں کے ساتھ پکڑ لیا، کہ اتنے میں ایک تیر مشک کو آ لگا جس سے پانی زمین پر بہہ گیا۔

پھر ایک اور تیر آپ کے سینے پر آ لگا، بعض روایات کے مطابق آپ کی آنکھ پر آ لگا، بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ ملعون حکیم بن طفیل نے چھپ کر آپ کے سر پر گرز کا ایک ایسا وار کیا جس سے آپ گھوڑے کی زین سے زمین پر گر گئے اور امامؑ کو پکارا۔

بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۴۲ میں ہے کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام آپ کے بالین سر پہنچے، آپ کی حالت کو دیکھ کر کہنے لگے:

"**الآن انکسر ظھری و قلت حیلتی**" اب میری کمر ٹوٹ گئی اور تمام راہیں بند ہو گئیں۔

جھک کر دیکھا تو بدن لہو میں تر ہے اور ایک آنکھ میں تیر ہے وہیں پر بیٹھ گئے زار و قطار رونے لگے۔

بعض کتابوں میں ہے کہ امامؑ نے حضرت عباسؑ کا سر اپنی آغوش میں لیا اور آنکھوں سے خون کو صاف کیا، دیکھا کہ رو رہے ہیں، پوچھا:

"برادر جان کیوں رو رہے ہو؟"

عرض کیا اس لئے کہ آپ کو دشمنوں میں اکیلا چھوڑ کر جا رہا ہوں' اسی حالت میں آپ کی روح بہشت کی جانب پرواز کر گئی، امامؑ نے رو کر فرمایا:

"**وا اخاہ و اعباساہ**"

دمعۃ الساکبہ جلد ۴ ص ۳۲۴ میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت ابو الفضل العباسؑ کا لاشہ مقتل سے اٹھا کر خیام میں اس لئے نہیں لائے کیونکہ آپ کے بدن اقدس پر زخم اس کثرت کے ساتھ تھے کہ لاشہ اٹھانے کے قابل نہیں رہا تھا۔

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نے دشمن پر حملہ کر دیا اور دائیں بائیں ہر طرف تلوار چلانا شروع کر دی، اب دشمن راہ فرار اختیار کرنے لگے، امامؑ فرما رہے تھے: "کہاں بھاگتے ہو؟ تم ہی نے تو میرے بھائی کو شہید کیا ہے، اب کہاں بھاگتے ہو؟ تم نے میرا زور بازو توڑ دیا ہے" اس کے بعد آپ اسی جگہ واپس آ گئے۔

کتاب مقتل الحسین مقرم ص ۲۷۰ میں ہے کہ جب امام مظلوم خیمہ کی جانب واپس آئے تو سکینہ نے دوڑ کر اپنے چچا کے بارے میں پوچھا تو امامؑ نے فرمایا میری بچی تمہارے چچا شہید ہو چکے!! خیام میں کہرام برپا ہوا، علیا زینب نے بین شروع کر دیا: ''وا اخاہ، واعباساہ، وا ضیعتاہ بعدک'' ہائے میرے بھائی! ہائے عباس! اب ہم تمہارے بعد لٹ گئے، تمام مستورات نے ماتم شروع کر دیا، امام مظلومؑ سے بھی گریہ ضبط نہ ہو سکا، آپ رو بھی رہے تھے یہ بھی کہہ رہے تھے: ''واضیعتاہ بعدک'' عباس تمہارے بعد ہمارا سب کچھ لٹ گیا ''وانقطاع ظھراہ'' اب ہماری کمر ٹوٹ گئی۔

اس کے بعد آپ نے کچھ اشعار پڑھنا شروع کر دیئے جس کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

اے میرے بھائی! اے میرے نورِ چشم! اور اے بدن کے ٹکڑے! تم میرے لئے ایک مضبوط سہارا تھے، اے میرے بابا کے بیٹے! آپ نے خلوص دل سے اپنے بھائی کیلئے یہاں تک جنگ کی کہ آپ جامِ شہادت نوش کر کے ہم سے بچھڑ گئے۔

اے میرے روشن چاند! تم میرے لئے تمام مصائب اور سختیوں میں بہت بڑی مدد تھے، اب تمہارے بعد ہمارے لئے زندگی ایک تلخ حقیقت اختیار کر چکی ہے، اب ہماری اور تمہاری ملاقات بس کل بروز قیامت ہی ہو گی۔

یقیناً میری شکایت اللہ کی بارگاہ میں ہے اور میں اسی کیلئے ہی صبر کروں گا اور اپنی پیاس اور مشکلات میں اُسی کی پناہ کا طالب ہوں۔

روایت میں ہے کہ سید الشہداؑ نے آپ کے لاشہ پر یہ درد بھرا جملہ کہا:

''بھیا عباسؑ! آج کے بعد سوئیں گی وہ آنکھیں جو اب تک جاگتی رہیں اور جاگیں گی وہ آنکھیں جو اب تک روتی رہیں''

گویا آپ کہہ رہے تھے کہ تمہارے رعب اور دہشت کی وجہ سے یزیدی فوج کی نیندیں اڑ چکیں تھیں اور ہمیشہ جاگتے رہتے تھے مگر اب وہ آرام کے ساتھ سوئیں گے اور مخدرات عصمت تمہاری حفاظت کی وجہ سے آرام کی نیند سوتی رہیں مگر اب کے بعد جاگ کر راتیں گزاریں گی۔

حضرت علی اکبر علیہ السلام

جب اصحاب وانصار حضرت اباعبداللہ الحسینؑ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے اپنے اللہ کے حضور سرخرو اور سرفراز ہو کر داخلِ خلدِ بریں ہو چکے اور اپنے امام پاکؑ کے اہلِ بیتؑ اور اولادِ ہاشم سے پہلے مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے تو خاندانِ اہلِ بیتؑ کے افراد خواہ وہ بڑے تھے یا چھوٹے اپنے قائد اور امت کے امام فرزند رسول الثقلینؐ پر اپنی جان قربان کرنے کے لیے بے چین ہو گئے، ہر ایک دوسرے سے بازی لے جانے کوشش کر رہا تھا، ان میں اگر کوئی سن میں چھوٹا تھا پھر بھی اولادِ ابوطالبؑ ہونے کے ناتے شیرانہ انداز میں تیار ہو کر میدان جانے کے لیے کوشش کر رہا تھا، موت کا بھیانک تصور ان کے نزدیک بہشت کی خوشخبری میں تبدیل ہو چکا تھا، مصائب وآلام کے پہاڑ ان کے عزم واستقلال کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن رہے تھے، بلکہ سمٹ کر ان کی ٹھوکر سے رائی کی حیثیت اختیار کر چکے تھے، ہر ایک اپنے باوقار امام کی خدمت میں اذنِ جہاد لینے کے لیے دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں تھا، مگر امام عالیمقامؑ کو ان کا مرنا منظور نہیں تھا، اسی لیے اجازت دینے میں پس وپیش سے کام لینے لگے۔

مجاہدین راہِ حق نے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ اپنے جیتے جی فرزندِ رسولؐ پر آنچ نہیں آنے دیں گے، اپنی جان دے دیں گے مگر عزیز زہرؑا کی جان بچائیں گے، لہٰذا کبھی تو وہ امام کے ہاتھوں کو بوسے دے کر اور کبھی پاؤں کو چوم کر اجازت لینے کی کوشش میں کامیاب ہو جاتے تھے۔

اور رلا دینے والے اور دل دہلا دینے والا منظر اس وقت سامنے آتا جب یہ ہاشمی جوان میدان کی طرف جانے والے کسی مجاہد کو رخصت کرتے اور آخری الوداع کہتے۔ امام حسین علیہ السلام کے آلام ومصائب کی وجہ سے آنسوؤں کے سیلاب میں ڈوب کر اس مجاہد فی سبیل اللہ کو چوم چوم کر اور گلے لگا لگا کر رخصت کرتے، ساتھ وہ دیکھتے کہ حسین مظلومؑ کا ایک اور ساتھی اُنہیں داغِ مفارقت دے کر عروس شہادت سے ہمکنار ہونے جا رہا ہے اور فرزندِ رسول بے یار ومددگار ہوتے جا رہے ہیں، خون کے پیاسے دشمن لحہ بہ لحہ ان کے گرد گھیرا تنگ کرتا جا رہا ہے اور عصمت کی ورثہ دار بیبیاں نبی کی بیٹیاں اپنے وارثوں سے محروم ہوتی جا رہی ہیں اور ان کے غم میں گریہ وماتم کی صدائیں بلند کر رہی ہیں تو اس تصور کے

ساتھ دنیا ان کی آنکھوں میں تاریک ہو جاتی ہے۔

مگر کیا کہنے امام الصابرین کے کہ خالق نے انہیں اس قدر حوصلہ عطا فرمایا کہ دل دہلا دینے والے حادثات، ہولناک اور بھیانک مناظر ان کے پائے استقلال میں رائی برابر بھی لغزش پیدا نہیں ہونے دیتے اور اس قسم کا حوصلہ صرف اور صرف امام الصابرین سبطِ رسول الثقلین فرزند علیؑ و بتولؑ یعنی حسین علیہ السلام ہی میں پایا جاسکتا ہے۔

غرض اب بنی ہاشم کے افراد کی میدان کی طرف جانے کی باری آئی اور جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ بنی ہاشم سے مراد اولادِ ابو طالب علیہ السلام ہے یعنی اولادِ علیؑ، اولاد جعفر طیارؑ، اولاد عقیلؑ اور اولادِ علی علیہ السلام میں سید الشہداء، جناب ابوالفضل اور ان کے مادری بھائی اور سید الشہداءؑ کی اولاد میں سے جناب شہزادہ علی اکبرؑ اور علی اصغرؑ نمایاں نظر آتے ہیں۔

مورخین کے اس بارے میں تین اقوال ہیں کہ بنی ہاشم میں سب سے پہلا شہید کون ہے؟ چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے شہید قمر بنی ہاشم حضرت ابوالفضل العباسؑ ہیں جیسا کہ تذکرۃ الخواص کے مصنف نے ذکر کیا ہے اور شعبی نے بھی اسی قول کو لیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ ہیں اور اس قول کو سروی نے مناقب میں شیخ صدوقؒ نے امالی میں، ابن فتال نے روضۃ الواعظین میں اور حائری نے روضۃ المجالس میں ذکر کیا ہے:

تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت علی اکبرؑ ہیں، اس قول کو اکثر مورخین نے ذکر کیا ہے، مثلاً ابن اثیر نے کامل میں، شیخ مفید نے الارشاد میں، بلاذری نے انساب الاشراف میں، ابوالفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں، اندلسی نے جمھرۃ العرب میں، سید ابن طاؤس نے لہوف میں، طبرسی نے اعلام الوریٰ میں اور اسی طرح کئی دوسرے مورخین اور ارباب مقاتل نے اسے ذکر کیا ہے۔

اور اس قول کی تائید زیارت ناحیہ کے اس جملے سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ پر اس طرح سلام کیا گیا ہے:

"السلام علی اول قتیل من نسل خیر سلیل من سلالۃ ابراھیم الخلیل"

سلام ہو آپ پر اے نسلِ ابراہیمؑ کے بہترین خاندان کی اولاد جو کربلا میں سب سے پہلے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

لہٰذا ہم بھی اسی قول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہم شکلِ پیغمبرؐ، نور دیدہ حسین بن علیؑ کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

ناظرین! علی اکبرؑ کی شخصیت کا جامع اور مانع تعارف خود حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے ان الفاظ میں فرمایا کہ

''غلام اشبه الناس برسول الله خلقا و خلقا و منطقا''

یہ میرا جوان بیٹا رفتار و گفتار اور کردار میں سب لوگوں سے زیادہ رسول پاکؐ کے مشابہ ہے، آپ کا کون کتنا تعارف کرا سکتا ہے؟

کربلا کے میدان میں عاشورا محرم کے دن حضرت علی اکبرؑ کی عمر کے بارے مورخین کے مختلف اقوال ہیں جن میں مقتل الحسین مقرم ص ۲۵۵ میں آپ کی عمر ستائیس برس بتائی گئی ہے، جبکہ مقتل خوارزمی، ارشاد مفید، اعلام الوریٰ طبرسی اور تسلیۃ المجالس اور بعض دوسری کتابوں میں آپ کی عمر کم سے کم اٹھارہ سال بیان کی ہے گئی ہے، جیسا کہ مقتل الحسین خوارزمی میں، جناب علی اکبرؑ کے میدان کی طرف جانے کی اس طرح منظر کشی کی گئی ہے: ''فتقدم علی بن الحسین'' حضرت علی بن الحسینؑ یعنی علی اکبرؑ میدان کی طرف بڑھے، ''و امه لیلی بنت ابی مرة بن عروة بن مسعود ثقفی'' آپ کی والدہ کا اسمِ مبارک لیلیٰ ہے جو ابی مرۃ بن عروۃ بن مسعود ثقفی کی دختر نیک اختر ہیں، ''وھو یومئذ ابن ثمانی عشرة سنة'' اس وقت علی اکبرؑ کی عمر مبارک اٹھارہ سال کی تھی۔

ناظرین اس مقام پر ہم اس بات کی وضاحت بھی کرتے چلیں کہ عروہ بن مسعود اسلام کے چار عظیم سرداروں میں سے ایک تھے اور ان دو بڑے آدمیوں میں سے ایک تھے جن کے بارے میں خداوند عالم نے کفار قریش کی بات کو بیان کرتے ہوئے سورہ زخرف آیت نمبر ۳۱ میں فرمایا

''وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ''

یعنی یہ قرآن دو بستیوں کے کسی بڑے سردار پر کیوں نازل نہیں کیا گیا۔

ان کی ان دو میں سے ایک سے عروہ بن مسعود ہیں۔

ابھی عروہ اسلام نہیں لائے تھے کہ کفارِ قریش نے انہیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح کے لیے حدیبیہ بھیجا تھا، جب ۹ ھ میں حضور اکرمؐ طائف سے واپس تشریف لے آئے تو اسلام قبول کیا اور حضورؐ سے اپنے وطن واپس جانے کی اجازت لے کر آ گئے اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی، ایک مرتبہ نماز کے لیے اذان کہہ رہے تھے کہ کسی نے انہیں تیر کے ذریعہ شہید کر دیا، جب اس بات کی اطلاع حضور پاک کو ملی تو آپ نے فرمایا: عروہ کی مثال صاحب یسین (مومن آلِ یاسین) جیسی ہے کہ انہوں نے بھی خدا کی طرف دعوت دی تھی مگر لوگوں نے انہیں شہید کر دیا تھا۔

اسد الغابہ (۱:۱۹۱) میں ہے کہ ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا: اسلام میں چار سردار ہیں، بشر بن ہلال عبدی، عدی بن حاتم طائی، سراقہ بن مالک مدلجی اور عروہ بن مسعود ثقفی۔

جناب علی اکبرؑ کی مادرِ گرامی جناب لیلیٰ کی والدہ کا نام میمونہ ہے جو ابوسفیان بن حرب کی بیٹی اور معاویہ کی بہن

اور یزید کی پھوپھی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ بروزِ عاشورا عمر بن سعد نے علی اکبرؑ کی طرف ایک آدمی کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ: ''چونکہ آپ کی (نعوذ باللہ) امیر المومنین یزید کے ساتھ رشتہ داری ہے اور ہم اس رشتہ داری کا پاس کرتے ہوئے آپ کو امان دینا چاہتے ہیں، اگر آپ اسے قبول کریں''

غیرت مند شہزادے نے بڑی حقارت کے ساتھ اس امان کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ:

''لقرابة رسول الله احق ان تراعیٰ'' ''رسول خدا کی قرابت کو چھوڑ کر تم ملعون کی قرابت کو اختیار کروں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

ناظرین!

جیسا کہ ابھی بتایا جا چکا ہے کہ شہزادہ علی اکبرؑ نے بڑی مشکل کے ساتھ اپنے والد گرامی سے میدانِ کارزار میں جانے کی اجازت مانگی اور امام پاکؑ نے شہزادے کو اجازت دے دی اور جب وہ میدان میں جانے لگا تو مظلوم باپ نے اپنی ریشِ مبارک آسمان کی طرف کر کے اپنے رب سے یوں مناجات کی:

''اللهم اشهد علی هؤلاء القوم فقد برز الیهم غلام اشبه الناس خلقا و خلقا و منطقا برسولک محمد (ص)

بارالہا! تو ان لوگوں پر گواہ رہنا کہ ان کی طرف ایک ایسا جوان جا رہا ہے جو رفتار، گفتار اور کردار کے لحاظ سے تیرے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مشابہ ہے، **''کنا اذا اشتقنا الی وجه رسولک نظرنا الی وجهه''**

جب ہمیں تیرے رسولؐ کے چہرہ کی زیارت کا شوق ہوتا تو ہم اس کے چہرے کی زیارت کر لیتے تھے۔

بارالہا! تو ان لوگوں سے زمین کی برکتیں اٹھا لے، ان کے درمیان تفرقہ ڈال دے، انہیں ٹکڑیوں میں بانٹ دے، ان کے حکمرانوں کو کبھی بھی ان سے راضی نہ ہونے دے، اس لیے کہ ان لوگوں نے ہمیں دعوت دے کر بلایا کہ ہماری نصرت کریں گے پھر ہم پر ہی حملہ آور ہو گئے اور ہم سے جنگ کر رہے ہیں اور ہمارے پیاروں کا خون بہا رہے ہیں۔

اس کے بعد امام عالی مقام علیہ السلام نے عمر سعد کو کہا:

عمر سعد! تجھے کیا ہو گیا ہے؟ خدا تمہاری نسل کو قطع کرے، جس طرح تو میری نسل کے خاتمہ پر درپے

ہے، تیرے ہر کام سے برکت اٹھالے، تجھ پر ایسے شخص کو مسلط کرے جو تجھے بسترِ موت پر موت کے گھاٹ اتار دے، تو نے رسول کریمؐ کے ساتھ میری قریبی رشتہ داری کا بھی خیال نہیں کیا!!۔ اس کے بعد آپ نے سورہ بنی اسرائیل کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

''اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ، ذُرِّیَّۃً م بَعۡضُہَا مِنۡ م بَعۡضٍ ط وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ''

امام عالی مقامؑ سے حضرت علی اکبرؑ نے اجازت لی اور میدان کارزار کی طرف آئے اور رجز پڑھنا شروع کردیا:

انا علی بن الحسین بن علی

میں ہوں حسین بن علیؑ کا فرزند علی اکبرؑ،

نحن و بیت الله اولی بالنبی

قسم ہے بیت اللہ کی ہم ہی رسالتمآبؐ کے قریبی رشتہ دار ہیں،

الله لا یحکم فینا ابن الدعی

خدا کی قسم ایک بدکار انسان ہم پر حکومت نہیں کرسکتا،

اطعنکم بالرمح حتی ینثنی

میں تم پر نیزے کے اس قدر وار کروں گا کہ وہ ٹیڑھے ہو جائیں گے اور ایک ہاشمی جوان کی حیثیت سے تلوار کے ذریعہ تمہیں ایسے ماروں گا کہ یاد رکھے گی۔

آپ رجز بھی پڑھتے جاتے تھے اور تلوار اور نیزے سے وار بھی کرتے جاتے تھے اور اس حد تک گھمسان کی جنگ کی کہ دشمنوں کے فوجیوں کی چیخیں بلند ہونے لگ گئیں، روایات کے مطابق تین دن کی بھوک اور پیاس کے باوجود آپ نے ایک سو بیس یزیدیوں کو جہنم رسید کیا اور خود بھی تلواروں اور نیزوں کے وار سے بہت سخت مجروح ہو گئے تھے۔

زخمی حالت میں اپنے بابا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

یا ابة! العطش قد قتلنی

بابا پیاس نے مجھے مار ڈالا ہے

و ثقل الحدید قد اجهدنی،

لوہے کی سنگینی نے مجھے پریشان کردیا ہے،

فهل الی شربة من ماء سبیل؟ اتقوی بها علی الاعداء

کیا کوئی سبیل ہو سکتی ہے کہ مجھے پانی کا ایک گھونٹ مل جائے جس سے میں پیاس بجھا سکوں؟ پھر آپ دیکھیں گے کہ میں دشمن کے ساتھ کیسے جنگ کرتا ہوں!!

یہ سن کر سید الشہداءؑ پر گریہ طاری ہو گیا اور فرمانے لگے:

میرے پیارے بیٹے! تمہارے باپ ہی کے لیے نہیں بلکہ تمہارے نانا محمدؐ اور تمہارے دادا علیؑ کے لئے بھی یہ نہایت سخت موقع ہے کہ تم انہیں پکارو اور وہ جواب نہ دے سکیں، یا ان سے مدد طلب کرو اور مدد نہ کر سکیں، ہاں البتہ ''یا بنی ھاتِ لسانک!'' میری جان تم اپنی زبان میرے منہ میں دے دو!۔

علی اکبرؑ نے اپنی زبان شاہِ تشنہ کام کے منہ میں دی اور حسینؑ نے اسے چوسنا شروع کر دیا، پھر امامؑ نے اپنی انگشتری علی اکبرؑ کو دی اور فرمایا اسے منہ میں رکھ لو اور جاؤ میدان میں، مجھے امید ہے کہ شام ہونے سے پہلے پہلے اپنے نانا رسولؐ کے ہاتھوں سے جامِ کوثر پیو گے اور پھر کبھی پیاسے نہیں ہو گے۔

امام عالی مقامؑ کے حکم کے مطابق علی اکبرؑ میدان میں آئے اور رجز پڑھا اور دشمن پر حملہ آور ہوئے خوب جنگ کی اور دو سو لعینوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

ارشاد مفید میں ہے کہ حضرت علی اکبرؑ نے رجز پڑھا اور دشمن کی کاری ضربیں لگائیں حتی کہ ابن زیاد کی فوج ان کے وار سے بچنے کے لیے پناہ ڈھونڈنے لگی اتنے میں مرہ بن منقذ عبدی کی نگاہ آپ پر پڑی تو کہنے لگا: میرے اوپر تمام اہلِ عرب کا گناہ ہو کہ اگر اب کی مرتبہ وہ میرے پاس سے گزرے اور میں اسے قتل کر کے اس کے باپ کو سوگوار نہ بنا دوں!! اب جو علی اکبرؑ دوسری مرتبہ وہاں سے گزرے تو مرہ بن منقذ نے چھپ کر پشت پر نیزے کا ایسا وار کیا جس سے علی اکبرؑ گھوڑے کی زین پر نہ سنبھل سکے اور زمین پر گرتے وقت گھوڑے کی گردن میں بانہیں ڈال دیں، گھوڑے کی آنکھوں میں خون بھر چکا تھا، اُسے کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا جس کی وجہ سے وہ انہیں دشمن کی صفوں میں لے گیا، تاریخ کے الفاظ ہیں کہ:

''فقطعوہ باسیافھم اِربا اِربا'' انہوں نے علی اکبرؑ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، جب روحِ قفسِ عنصری سے پرواز کرنے لگی تو ایک مرتبہ بلند آواز کے ساتھ فریاد کی ''یا ابتاہ ھذا جدی رسول اللہ (ص) قد سقانی بکاسہ

یہ ہمارے نانا رسولؐ ہیں جنہوں نے بہشت کے جام سے ایسا سیراب کر دیا ہے

الاوفی شربۃ لا اظمأ بعدھا ابدا

کہ اب میں کبھی پیاسا نہیں ہوں گا

وھو یقول لک العجل! فان لک کأسا مذخورة ''اور وہ آپ سے بھی کہہ رہے ہیں آپ جلدی آیئے کہ جامِ بہشت آپ کے لیے رکھا ہوا ہے۔

اپنے جوان بیٹے کی فریاد کو سن کر امام مظلومؑ نے علی اکبرؑ سے فرمایا:

''قتل الله قوماً قتلوک یا بنی؟

اے میرے نورِ نظر، خدا غارت کرے ایسے لوگوں کو جنہوں نے تمہیں شہید کر دیا،

ما اجراھم علی الله و علی انتھاک حرمة رسول الله! یہ لوگ خدا اور رسول خداؐ کی ہتک حرمت کے لیے کس قدر جری ہو چکے ہیں،

علی الدنیا بعد ک العفا''

اکبرؑ بیٹے! تمہارے بعد اس دنیا پر خاک ہے۔

مقتل لہوف، الارشاد، تاریخ طبری، مقتل خوارزمی، درالنظیم، اخبار الطّوال، تذکرۃ الخواص اور بہت سی کتابوں میں ہے:

حمید بن مسلم کہتا ہے کہ میں دیکھ رہا تھا کہ خیمہ گاہ سے ایک مخدرہ جلدی سے باہر آئی جوان الفاظ کے ساتھ بین کرتی ہوئی گریہ کر رہی تھی: ''واحبیباہ، وا ثمرة فؤاداہ، وا نور عیناہ' ہائے میرے پیارے، ہائے میرے دل کے میوے، ہائے میری آنکھوں کے نور!! اور خود کو علی اکبرؑ کے لاشے پر گرا دیا۔ حسین مظلومؑ نے اس مخدرہ کا ہاتھ پکڑا اور خیمے پہنچا دیا، میں نے پوچھا کہ یہ کون مخدرہ ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ علی کی بیٹی اور حسینؑ کی بہن زینبؑ ہیں۔

اس کے بعد حسینؑ نے اطفالِ بنی ہاشم سے فرمایا:

آؤ میرے بچو! میرے ساتھ اپنے بھائی علی اکبرؑ کا لاشہ اٹھانے میں میری مدد کرو۔

مقتل الحسینؑ مقرم ص ۲۶۰ میں ہے کہ جب سید الشہداء مظلوم کربلا اپنے جوان بیٹے کے لاشے پر پہنچے تو اس کے رخسارے پر اپنا منہ رکھ کر پردرد لہجے میں شہید بیٹے سے اپنی مجبوری کا اظہار کیا اور کہا: ''تمہارے بعد دنیاوی زندگی پر خاک ہے'' اس کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ میں بے گناہ کا پاکیزہ خون لے کر آسمان کی طرف پھینکا، جس سے ایک قطرہ بھی زمین پر واپس نہ آیا۔

پھر بنی ہاشم کے چھوٹے چھوٹے بچوں کی مدد سے علی اکبرؑ کی میت کو خیام میں لا کر باقی شہداء کے لاشوں کے ساتھ رکھ دیا اور کہا: ''واغربتاہ' ہائے اللہ میں اس جنگل بیابان میں غریب ہو گیا۔

دمعۃ الساکبہ ج۴ ص ۳۳۲ میں ہے: امام مظلوم و محزون، غم کی حالت میں خیمے کی طرف واپس آ گئے، سکینہ نے بابا

کے سامنے آکر اپنے بھائی علی اکبر کے بارے میں پوچھا تو امامؑ نے فرمایا: ''سکینہ بیٹی! صبر تمہارے خاندان کا خاص شیوہ ہے'' سکینہ نے عرض کیا:

''بابا! مقامِ انصاف ہے، جس بہن کا بھائی دشمنوں کے ہاتھوں سے مارا جائے، وہ کیسے صبر کرے؟''

بحارالانوار جلد ۴۵ ص ۶۵، ۶۶ میں ہے کہ علی اکبرؑ کی عظمت اور شان کا اندازہ زیارت ناحیہ کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے جن کے ذریعہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

''السلام علیک یا اول قتیل من نسل خیر سلیل، من سلالة ابراهیم الخلیل صلی الله علیک

اے خاندانِ ابراہیم خلیل کی بہترین اولاد! اللہ کی رحمتیں ہوں آپ پر

و علی ابیک اذ قال فیک : قتل الله قوما قتلوک یا بنی! ما اجرأهم علی الرحمن، و علی انتهاک حرمة الرسول؟ اور آپ کے والدِ گرامی پر، جب وہ آپ سے کہہ رہے تھے کہ: ''میرے پیارے! خدا ایسے لوگوں کو غارت کرے جنہوں نے تمہیں شہید کر دیا، یہ لوگ رب رحمان اور پیغمبر عظیم الشان کی ہتک حرمت کرنے کے لیے کس طرح جری ہو چکے ہیں۔

کانی بک بین یدیه ما ثلا و للکافرین قاتلا.............. '' اے شہیدِ راہِ خدا! گویا میں آپ کے ساتھ آپ کے والد کے سامنے موجود ہوں اور کافروں کے ساتھ جنگ کر رہا ہوں''

آخر میں امام زمانہؑ فرماتے ہیں:

خداوند عالم ہمیں آپ کے زائرین میں اور آپ کے نانا، دادا، بابا، چچا اور مظلومہ ماں کے رفیقوں میں قرار دے! اور میں اظہار برائت کرتا ہوں آپ کے ظالم دشمنوں سے۔

انا لله و انا الیه راجعون

حضرت علی اصغر (ع)

جب سرزمین کربلا پر دشمنان دین کی طرف سے اولادِ ختم المرسلین پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، کوفہ وشام کے بدنہاد مسلمانوں نے چمنستانِ فاطمہ زہراؑ کو برباد کر دیا، بوستانِ دین نبوی مرجھا گیا، اوراقِ کتابِ ناطق پارہ پارہ ہو گئے اور اکثر اشجارِ چمنِ علیؑ وزہراؑ کو قطع کر دیا گیا، بے رحم کوفیوں نے دین نبوی اور گلستانِ مرتضوی کو ہی تباہ و برباد نہیں کیا بلکہ اشجارِ دینیہ اور شگوفہ ہائے ایمان کو بھی قطع کر دیا۔

صغیر وکبیر، برنا وُ پیر، سالار وسردار، غلام وخدمت گزار سبھی شہید ہو چکے، نہ سپاہ تھی نہ اصحاب وانصار۔ اصحاب و انصار اور یاورانِ امام مظلومؑ سر کٹائے ہوئے، بے گور وکفن ریگِ گرم پر پڑے ہوئے تھے، ان کے مبارک اجسام زخموں سے چور چور تھے، جگر تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے۔

اب امام الشہداء حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام بے یار وانصار رہ گئے نہ اصحاب وانصار نہ اہلِ بیت کے جوانان وفادار جدھر کو دیکھتے یا دشمن کی ٹڈی دل فوج یا عزیزوں کے بے گور وکفن لاشے! ایک مرتبہ امام الصابرین نے ان بے گور وکفن لاشوں کو بحسرت ویاس دیکھا، جگر سے آہ سوزاں کھینچی، رخِ انور پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ سوائے ذاتِ اقدس الٰہی کے کسی کو اس پر آگاہی حاصل نہ تھی۔

بروزِ عاشورا حسین علیہ السلام کے خیام میں ایک وقت ایسا آیا کہ تمام بھرے ہوئے خیمے خالی ہو گئے۔ تو سید الشہداءؑ نے ایک آہِ جگر سوز کھینچی اور فرمایا:

ھل من یقدم الی جوادی؟

آیا ہے کوئی جو میرے راہوار کو میرے پاس لے آئے اور مجھے اس پر سوار کرے؟ میرا اکبرؑ کہاں ہے؟ میرا قاسمؑ کہاں ہے؟ کہاں ہیں میرے عباسؑ؟ کہاں ہیں عون ومحمدؑ؟ آئیں اور مجھے سوار کریں،،

پھر آپ نے مقتل کی طرف منہ کر کے کہا:

''یـا حبیب بن مظاھر! و یا زھیر بن القین! و یا مسلم بن عوسجة! و یا ابطال الصفا و یا فرسان الھیجآء

اے حبیب بن مظاہر! اور اے زہیر بن قین! اے مسلم بن عوسجہ! اے پاک دل بہادرو! اور اے معرکہ کارزار کے شہسوارو!

ما لی انادیکم فلا تسمعون؟

کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں بلاتا ہوں مگر تم سنتے نہیں؟

و ادعوکم فلا تجیبون؟

تمہیں پکارتا ہوں مگر تم جواب نہیں دیتے؟ ت

و انتم نیام ارجوکم تنتبھون؟

تم آرام کی نیند سو رہے ہو امید ہے بیدار ہو جاؤ گے!!

''فھذہ نساء آلِ الرسول فقد علاھن من بعدکم النحول.

یہ دیکھو کہ آلِ رسولؐ کی پردہ دار ہیں اب تمہارے بعد ان کا کوئی ناصر و مددگار نہیں رہا۔

فقوموا عن نومتکم ایھا الکرام!

اے شریف انسانو! اپنی نیند سے بیدار ہو جاؤ

وادفعوا عن آلِ الرسول الطغاۃ اللئام''

اور آلِ رسول کے پردہ داروں کا ان ظالموں سے دفاع کرو۔''

جب کوئی جواب نہ ملا تو حسین مظلومؑ کی دکھیاری بہن زینبؑ خیمہ کے دروازہ پر آئیں اور کہنے لگیں: ''او میرے مظلوم بھائی! اور میرے بیکس و بے یار و مددگار بھائی! مجھ سے آپ کی بیکسی نہیں دیکھی جاتی، آؤ میرے ماں جائے حسینؑ! میں آپ کو سوار کراتی ہوں''

جناب زینبؑ کی اس درد بھری گفتگو کو سن کر تمام اہلِ حرم میں ایک کہرام برپا ہو گیا اور ''واحسیناہ، وامظلوماہ، واغربتاہ و قلة ناصراہ'' ہائے حسینؑ ہائے مظلوم، ہائے غربت اب ہمارا کوئی نہیں رہا۔ روایت کے الفاظ ہیں کہ:

''فـعند ذالک عجت النساء الھاشمیات و الحرائر الفاطمیات بمشاھدتھن ھذا

الحال و معاینۃ المآل''

آہ! اس وقت ہاشمی مخدرات اور فاطمہ زہراؑ کی شریف زادیاں گیسو پریشان کیے کوئی بی بی سینہ کوبی کررہی تھی، کوئی منہ پر طمانچے ماررہی تھی، کسی مخدرہ کو غش آرہی تھی، کوئی شدتِ غم سے نڈھال بے ہوش ہورہی تھی، حسینؑ کی لاڈلی سکینہ سکتے کی حالت میں خیمے کے ایک گوشے میں چپ چاپ کھڑی تھی، بیبیاں کبھی مولا علیؑ کو پکارتیں تو کبھی فاطمہ زہراؑ کو صدائیں دیتیں کہ آیئے اور ہماری غربت کا مشاہدہ کیجئے۔

امام مظلومؑ نے تمام مخدرات عصمت کو صبر کی تلقین کی اور راضی برضا رہنے کی ہدایت کی اور میدان کارزار کی طرف آئے اور

''ھل من ناصر ینصرنا؟

ہے کوئی جو اس عالم غربت میں ہماری مدد کرے؟

ھل من ذاب یذب عن حرم رسول اللہ؟

ہے کوئی جو اس جنگل بیابان میں حرم رسول خداؐ کی حفاظت کرے؟

ھل من موحد یخاف اللہ فینا؟

ہے کوئی خدا پرست جو ہمارے حال پر ترس کھائے؟

ھل من مغیث یرجو اللہ فینا؟''

ہے کوئی امداد کرنے والا ہماری امداد کرے اور اس کا اجر خدا سے مانگے؟

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام مظلوم کی اس صدائے استغاثہ کو مخدرات عصمت نے خیام میں سنا جس سے ایک مرتبہ پھر ان کا غم تازہ ہوگیا اور خیام میں کہرام برپا ہوگیا، امام عالیمقامؑ ایک مرتبہ پھر خیمہ گاہ تشریف لے آئے، مخدرات عصمت نے آپ کے گرد حلقہ بنایا، واحسیناہ کی آوازیں پھر بلند ہونے لگیں، امامؑ نے سب کو صبر کی تلقین کی، فرمایا:

خاندانِ رسالت کی پردہ دار بیبیو! میری جدائی کو صبر کے ساتھ برداشت کرلینا، آخر اسی راستے پر ہر ایک نے جانا ہے، میرے نانا، میرے بابا، میری اماں، بھائی حسنؑ سب اسی راہ پر چل کر ابدی سعادت حاصل کرچکے ہیں۔

قال ابو مخنف فی المقتل: انہ اقبل الی ام کلثوم و قال لھا:

ابومخنف اپنی کتاب ''مقتل'' میں لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے پھر اپنی بہن ام کلثوم کی طرف رخ کر کے فرمایا:

یا اختاہ! اوصیک بولدی الاصغر فانه طفل صغیر و له من العمر ستة اشهر

بہن! میں تمہیں اپنے معصوم بچے اصغر کے بارے میں وصیت کرتا ہوں میرا یہ بیٹا شیر خوار ہے اور ابھی اس کی عمر چھ مہینے ہے۔

ام کلثوم نے عرض کیا:

''**یا اخی ان هذا الطفل له ثلثة ایام ما شرب الماء**'' بھائی حسینؑ تین دن ہو گئے ہیں اس بچے نے نہ تو ماں کا دودھ پیا ہے اور نہ ہی اسے پانی ملا ہے۔

جبکہ سید بن طاؤس اپنی کتاب مقتل لہوف میں فرماتے ہیں:

''**فتقدم الی رباب الیه لیقبله، فرماه حرملة بن کاهل لعنه الله بسهم فوقع نحره فذبحه**''

امام دروازہ کی طرف بڑھے اور زینب عالیہؑ سے فرمایا کہ میرا یہ معصوم بچہ مجھے دے دیجئے تا کہ میں اس سے بھی آخری وداع کرلوں۔

جناب زینب بچے کو لے آئیں اور بچہ کی کیفیت یہ تھی کہ شدتِ پیاس کی وجہ سے رو رہا تھا اور تشنگی سے اس کے لب خشک ہو چکے تھے، امامؑ نے معصوم بچے کو ہاتھ پر لیا تا کہ اسے پانی پلا لائیں اور اسے بوسہ دیا، ابھی آپ بوسہ دے ہی رہے تھے کہ اتنے میں حرملہ ملعون نے تیر چلا دیا، جو معصوم کے گلے پر لگا اور اس سے پار ہو گیا اور اصغر اپنے مظلوم باپ کے کے ہاتھوں پر ہی شہید ہو گیا۔

امامؑ نے پھر جناب زینب کو آواز دی:

''آؤ بہن لے جاؤ بچے کو، اصغر تیر کا پانی پی چکا!!''

بی بی نے کانپتے ہاتھوں اور دھڑکتے دل کے ساتھ بچے کو حسینؑ سے لیا اور امام علیہ السلام نے علی اصغرؑ کا خون اپنے ہاتھوں میں لیا، روایت کے الفاظ ہیں:

''**فلما امتلئتا رمی بالدم نحو السماء**''

جب آپ کے دونوں ہاتھ خون سے بھر گئے اور وہ خون آپ نے آسمان کی طرف پھینکا اور فرمایا:

''**هون علی ما نزل بی انه بعین الله**'' اس بات کا یقین میرے مصائب کو آسان کر دیتا ہے کہ

خدا کی نظرِ کبریائی اُن پر ہے اور وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

"قال الباقر علیه السلام: فلم یسقط من ذالک الدم قطرة علی الارض............"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ علی اصغرؑ کا وہ خون جو امام الشہداءؑ نے آسمان کی طرف پھینکا تھا اس کا ایک قطرہ زمین پر نہیں گرا۔

ہوسکتا ہے وہ خون ملائکہ نے اپنے ہاتھوں پر لے لیا ہو، یا پھر اسے حضرت رسالت مآبؐ یا آپ کی ستم رسیدہ بیٹی جناب فاطمہ زہراؑ نے یا دونوں نے لے لیا ہو اور رسولِ خداؐ نے اپنی مقدس ریش پر خضاب کرلیا ہو؟ اور سید عالمؑ نے اس سے اپنے بالوں کو خضاب کیا ہو!!

کتاب تذکرة الخواص ص ۱۴۴ میں ہے کہ اس وقت آسمان سے ایک آواز سنائی دی: "اے حسین! یہ بچہ ہمیں دے دیں کیونکہ بہشت میں اس کو دودھ پلانے والی موجود ہے"

ایک اور روایت کے مطابق جسے علامہ مجلسیؒ اور کئی دوسرے مورخین نے ذکر کیا ہے وہ یہ کہ جب سید الشہداء علیہ السلام نے آواز استغاثہ بلند کی اور اسے خیام میں مخدرات عصمت نے سنا تو خیام میں کہرام برپا ہوگیا، خیموں سے گریہ و بکا کی آواز سن کر امام عالیمقام واپس خیام میں آگئے اور انہیں صبر کی تلقین کی مخدرات عصمت نے تو خاموشی اختیار کرلی مگر علی اصغرؑ کا گریہ نہ رکا اور وہ مسلسل روئے جا رہا تھا، امامؑ نے فرمایا:

"ناولونی علیا ابنی الطفل حتی اودعه"

میرا معصوم علی اصغر مجھے دو تا کہ میں اسے آخری وداع کرلوں!

بچہ امامؑ کے ہاتھوں پر دیا گیا امامؑ نے اس معصوم شیر خوار کو دیکھا تو حالت کافی حد تک بگڑ چکی تھی، پیاس نے معصوم بچے کو موت کے کنارے پہنچا دیا ہوا تھا، بچہ کمزور ہو چکا تھا اور طاقت جواب دے چکی تھی، تشنگی کی وجہ سے ہونٹ خشک ہو چکے تھے، آپ نے خیال فرمایا بچے کی حالت دیکھ کر شاید لشکر عمر سعد کو اس پر رحم آجائے اور معصوم بچے کو دو گھونٹ پانی دے دیں، چنانچہ آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور بچے کو اپنے ہاتھوں پر لیا اور لشکر کی صفوں تک پہنچ گئے۔

"فرفع بیده.........." آپ نے اپنے ہاتھوں کو بلند کیا "فدعا للقوم بالله" لشکر والوں کو خدا کا واسطہ دے کر ان سے پوچھا مجھے بتاؤ

"هل انا المذنب ام هذا الرضیع؟" کیا تمہاری نظروں میں گناہگار میں ہوں یا یہ معصوم شیر خوار؟ اگر معاذ اللہ میں تمہاری نظروں میں گنہگار ہوں تو ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو کہ معصوم شیر خوار تو

یقیناً بے گناہ ہے۔ یہ پیاسا ہے اس کے ہونٹ خشک ہو گئے ہیں، اسے تھوڑا سا پانی پلا دو اور پانی
پلانے میں دیر نہ کرو کہ پیاس کی وجہ سے یہ جان بلب ہے"

اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

لوگو! مجھے پہچانو! میں کون ہوں اور کس کے لیے سوال کر رہا ہوں؟ کیا میرے نانا محمد مصطفیٰؐ نہیں ہیں؟
کیا قرآنِ مجید میرے نانا پر نازل نہیں ہوا ہے؟ کیا یہ عبائے رسولؐ نہیں ہے جو میرے دوش پر ہے؟
کیا یہ رسولؐ کا عمامہ نہیں ہے جو میرے سر پر ہے؟ میرا یہ شیر خوار بچہ تین دن سے پیاسا ہے نہ اس نے
ماں کا دودھ پیا ہے اور نہ ہی اسے پانی ملا ہے، اسے تھوڑا سا پانی پلا دو۔

امام عالی مقامؑ کی چند الفاظ پر مشتمل گفتگو اس حد تک موثر ثابت ہوئی کہ فوجِ یزید میں انقلاب برپا ہو گیا، فوجی منہ پھیر کر رونے لگے، لشکر کے بعض سرداروں نے تو ابن سعد کو لعنت ملامت شروع کر دی کہ "کیا ہو جائے گا کہ اگر اس معصوم بچے کو ایک گھونٹ پانی کا دے دیا جائے اس سے فرات کا پانی کم تو نہیں ہو جائے گا؟ بچہ پیاس سے تڑپ رہا ہے"
عمر سعد نے جب دیکھا کہ لشکر میں انقلاب برپا ہو رہا ہے تو اس نے حرملہ بن کاہل اسدی کو حکم دیا کہ

"اقطع کلام الحسینؑ" "حسینؑ کے کلام کو قطع کر دے۔

عمر کا حکم سنتے ہی اس ملعون نے ایک تین شعبہ تیر اپنی کمان میں جوڑا اور چھ ماہ کے معصوم کو نشانہ بنایا۔
مقتل ابی مخنف میں ہے کہ یہ ایسا ظالم تیر تھا کہ

"فذبح الطفل من الاذن الی الاذن"

علی اصغرؑ کے کان پر لگا دوسرے کان سے پار ہو گیا

امام الصابرین نے معصوم کے بے گناہ لاشے کو سینے سے لگا لیا، جبکہ بعض اور روایات کے مطابق تیر بچے کے دوسرے کان سے نکل کر امام حسین علیہ السلام کے بازو میں پیوست ہو گیا،

"ثم رجع بالطفل مذبوحا و دمه یجری علی صدر الحسین"

امام حسینؑ اس معصوم شیر خوار کے ننھے لاشے کو لیے ہوئے خیمہ کی طرف واپس آئے۔

بچے کا خون ہتھیلی پر لے کر آسمان کی طرف پھینکا جس کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں آیا اور معصوم کے قاتلوں پر لعنت بھیجی اور بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا کہ:

"اللھم اشھد علی ھؤلاء القوم بارالٰہا! گواہ رہنا ان لوگوں پر

فانهم نذروا ان لا يتركوا احدا من ذرية نبيك"
کہ انہوں نے اس بات کی قسم کھا رکھی ہے کہ تیرے نبی کی اولاد سے کسی کمسن شیر خوار کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔
پھر امام نے اپنا ہاتھ اصغر کے گلے کے نیچے رکھا اور اس کا خون ہاتھ میں لے کر اپنے مالک سے راز و نیاز میں مشغول ہو گئے:

"الهی ماتری ما حل بنا فی العاجل،
معبود! تو دیکھ رہا ہے کہ دنیا میں ہم پر کیا بیت رہی ہے؟
اللهم احكم بيننا و بين قوم دعونا لينصرونا فقتلونا"
اے اللہ! ہمارے اور اس قوم کے مابین تو ہی فیصلہ فرما کہ جنہوں نے اپنے ہاں آنے دعوت دی اور نصرت کا وعدہ کیا مگر خود ہم ہی کو قتل کر رہے ہیں!!
ابھی امام عالی مقام مناجات میں مصروف تھے کہ مناجات کے لیے ہلتے لبوں کو حصین بن نمیر ملعون نے تیر کا نشانہ بنایا اور اس نے دونوں ہونٹوں کو زخمی کر دیا، اور لبوں سے خون جاری ہو گیا، امامؑ نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کی: "اللهم اشكوا اليک ما يفعل بی" میرے اللہ! جو سلوک مجھ سے ہو رہا ہے میں تیری بارگاہ میں اس کی شکایت کرتا ہوں۔

پھر آپ نے معصوم شہزادے کو سینے سے لگایا اور اسے خیام واپس لے آئے اور خیمہ کے اندر قدم رکھتے ہیں اس خیال سے پریشان ہو گئے کہ کہیں شیر خوار کی ماں نہ مر جائے، اپنی پیاسی زبان اور زخمی ہونٹوں سے یہ الفاظ بیان کرنا شروع کر دیئے:

"انا لله و انا اليه راجعون، رضى بقضائه و تسليما لامره"
ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ کی طرف پلٹیں گے، اللہ کی قضا پر راضی ہیں اور اسی کے آگے سر تسلیم خم ہے۔
یہ کہہ کر خیمہ سے باہر آ گئے کہ معصوم بچے کی ماں کو نہ دکھاؤں باہر ہی رکھ دوں، لیکن ساتھ ہی خیال آیا کہ آخر ماں ہے اسے بھی آخری بار بچے کا منہ دکھا دینا چاہئے! اسی طرح چھ مرتبہ کبھی خیمہ کی طرف جاتے ہیں اور واپس آتے ہیں، آخر کار ساتویں مرتبہ انا للہ پڑھ کر علی اصغرؑ کی ماں کے خیمے کے اندر آ گئے، معصوم سکینہ نے بابا اور بھائی کا استقبال کیا دیکھا معصوم شیر خوار اپنے بابا کے سینے سے لپٹا ہوا ہے، بی بی نے عرض کیا:

''یا ابة لعلک سقیت اخی الماء؟''

بابا جان! معلوم ہوتا ہے کہ آپ میرے بھائی کو پانی پلا لائے ہیں۔

امامؑ نے کوئی جواب نہیں دیا اور کہا:

''اصغرؑ کی ماں کہاں ہیں؟''

علی اصغرؑ کی والدہ آئیں امامؑ نے شیر خوار کا لاشہ اس کی ماں کے ہاتھوں پر رکھا، ماں نے صبر کا اظہار کیا، اور ششماہے اصغر کے خون آلود لاشے کو دیکھ کر سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۳ کی تلاوت کی کہ:

''والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین...... ''مائیں اپنے بچوں کو پورے دوسال دودھ پلائیں.......... لیکن میرے نورِ نظر تم نے تو صرف چھ مہینے دودھ پیا تھا، ابھی تمہارے دودھ پلانے کی کافی مدت رہتی ہے۔

جب معصوم شیر خوار کی گردن کو دیکھا تو صرف یہی کہا:

''أمِثْلُکَ یُنْحر؟''

کیا تیرے جیسے معصوم بچوں کو بھی بڑے بڑے جانوروں کی طرح

ذبح کیا جاتا ہے؟

شیخ طبرسی اپنی کتاب الاحتجاج میں فرماتے ہیں:

جب علی اصغرؑ دشمن کے تیر کا نشانہ بن چکے تو

''انه علیه السلام نزل حینئذ عن فرسه و جفر للصبی بجفن سیفه

امام مظلومؑ اپنے راہوار سے اترے اور تلوار کے نیام کے ساتھ ننھی سی قبر کھودی

و رقه بدمه و دفنه ثم و صب قائما''

اور بچے کو اس میں دفن کر دیا اور اپنے خون سے اسے تر کیا اور کھڑے ہو گئے۔

ننھی سی قبر کھود کر اصغر کو گاڑ کر
شبیر اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کر

پھر اپنے مالکِ حقیقی اور بے نیاز بادشاہ کے حضور ان الفاظ کے ساتھ مناجات کی:

''رب انتقم لنا من ھؤلاء الظالمین''

پروردِگارا! تو خود ہی ان ظالموں سے ہمارا انتقام لے!!

بعض روایات کی بنا پر امام علیہ السلام نے معصوم علی اصغرؑ کو دفن کرنے کے بعد اس پر نماز پڑھی۔

چنانچہ ابوالفتوح اور کمال الدین ابن طلحہ شافعی نے بھی یہی لکھا ہے امام حسینؑ نے علی اصغرؑ کو دفن کرنے کے بعد نماز پڑھی، اس وقت امامؑ کی طاقت جواب دے گئی تھی، بعض ارباب مقاتل نے لکھا ہے کہ جب شہیدوں کے سروں کو شمار کیا گیا تو معصوم علی اصغرؑ کا سر نظر نہیں آیا، تو ظالموں نے لاشہ علی اصغرؑ کو تلاش کرنے کے لیے جگہ جگہ زمین پر نیزے مارنے شروع کر دیئے کہیں سے تو مل جائے گا، بالآخر ایک ملعون نے علی اصغرؑ کے دفن والی جگہ پر زور سے نیزہ مارا تو اصغرؑ کے لاشے پر جالگا اور نیزے کی نوک کے ساتھ اوپر اٹھالیا اور تین دن کے پیاسے معصوم شیر خوار کے لاشے سے سر کو جدا کر لیا گیا۔

اللہ جانے اس وقت مخدرات عصمت کے دل پر کیا گزری ہوگی جب انہوں نے معصوم شیر خوار کے سینے میں لگا ہوا نیزہ دیکھا ہوگا جس نے معصوم کے لاشے کو اوپر اٹھایا ہوا تھا اور پھر جب سر تن سے جدا کیا گیا ہوگا تو ملائکہ آسمان، عالم حیرت میں ہوں گے کہ اصغر کو ایک مرتبہ تیر سے، دوسری مرتبہ نیزے سے اور اب تیسری مرتبہ تلوار کے وار سے شہید کیا جارہا ہے۔

اَلا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡقَوۡمِ الظّٰالِمِيۡنَ
اَلسَّلامُ عَلَى الۡحُسَيۡنِ وَعَلٰى عَلِيِّ بۡنِ الۡحُسَيۡنِ
وَ عَلٰى اَوۡلَادِ الۡحُسَيۡنِ وَ عَلٰى اَصۡحَابِ الۡحُسَيۡنِ

قال الامام السجاد علیه السلام:

اِنَّ الْقَتْلَ لَنَا عَادَةٌ وَّ كَرَامَتُنَا الشَّهَادَةُ

کاروانِ حریت

منزل به منزل

تالیف:

علامہ شیخ محمد علی فاضل

مقدمہ:

کربلا میں عصرِ عاشورا، شہادتِ امام حسین علیہ السلام، خیام کی تاراجی اور آتش سوزی کے بعد کاروانِ شہادت لٹ گیا ، اوراس کی ساری کاروائی اپنے اختتام کو پہنچ گئی، اب یا تو بیوہ بیبیاں تھیں یا پھر معصوم اور لاوارث بچے جن کی ذمہ داری حضرت زینب کبریٰ (س) اور سید سجاد امام زین العابدین علیہ السلام کو سنبھالنا پڑی اور یہ سب کے سب دشمن نے قیدی بنالیے تھے، لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جنہیں دشمن نے قیدی سمجھ کر پابند رسن کیا تھا وہ درحقیقت بطل حریت اور آزادمنش انسان تھے اور جس نے قید کیا تھا حقیقت میں وہ ہی شیطان اور نفسِ امارہ کے قیدی تھے، اسی لیے ہم نے اپنی گفتگو کے اس عنوان کا نام ''کاروانِ حریت'' رکھا ہے، یعنی آزادمنش افراد کا قافلہ۔

ناظرین! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہماری سابقہ گفتگو کا عنوان ''کاروانِ شہادت'' تھا اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ کتابِ شہادت کے اوراق کو طاقتور، قوی دل اور دلیر مردوں نے اپنے خون کی سرخی سے رقم کیا تھا، جبکہ کتابِ حریت کے اوراق کی تحریر کمزور ناتواں، بیمار، لاچار عورتوں اور بچوں کے حصہ میں آئی، مگر کیا کہنے ان کمزور و ناتواں عورتوں اور بچوں کے عزم واستقلال اور ہمت وحوصلے کے کہ انہوں نے وہ، وہ کارنامے انجام دیئے جو دنیا کے عظیم سورما بھی انجام نہ دے سکے۔

کتابِ شہادت کے معلم وراہنما حسینؑ تھے جبکہ کتابِ حریت کی آموزگار عالمہ غیر معلمہ، صدیقہ صغریٰ، ثانی زہرا زینب کبریٰ (س) ہیں جو امام سجاد علیہ السلام کی رہنمائی میں اپنا شرعی اور دینی فریضہ انجام دیتی رہیں، اور اپنے کاروانِ حریت کو ساحلِ کامرانی پر پہنچا کر اپنا سر فخر سے بلند کر کے زبانِ حال کے ساتھ اعلان کیا کہ:

''دنیا والو! جن سروں کو تم نے جھکانا چاہا انہیں خود ہی نوکِ نیزہ پر بلند کر کے ان کی سرافرازی اور سربلندی کا اعلان واعتراف کرلیا، اور جن بے کس و بے بس، کمزور و ناتواں عورتوں اور بچوں کو قید کر کے انہیں شہر بہ شہر اور بازاروں اور درباروں میں پھرایا انہوں نے حریت اور آزادی کی وہ تاریخ رقم کی کہ تمہارے اپنے سر شرم اور خوف کی وجہ سے قیامت تک کے لیے جھک گئے، اور دنیا میں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے، یزید حرفِ غلط کی طرح مٹ گیا اور حسینؑ تاابدالآباد زندہ ہے، پائندہ ہے اور تابندہ ہے''

حدیث عشق دو باب است کربلا و دمشق
یکے حسینؑ رقم کرد و دیگرے زینبؑ

ناظرین! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اس عشق کے بابِ کربلا کو ہم نے ''کاروانِ شہادت'' کے عنوان سے تاریخ وار ذکر کیا تھا، اور امام عالی مقامؑ کے ہم گام ہو کر مدینہ سے چلے تھے اور کربلا عصرِ عاشورا بلکہ شامِ غریباں اور شبِ یازدہم محرم الحرام تک ساتھ رہے تھے اور تمام واقعات کو منزل بہ منزل، روز بروز اور لمحہ بہ لمحہ بیان کیا تھا۔

بعینہ اس کے دوسرے باب یعنی بابِ دمشق کو بھی الحمد للہ ''کاروانَ حریت'' کے نام سے منزل بہ منزل بیان کر رہے ہیں، آیئے ہمارے ہمگام ہو کر چلیں اور یہ دیکھیں کہ یہ کاروان کیسے چلتا ہے؟ کہاں رکتا ہے؟ اس کے ساتھ کیا واقعات رونما ہوتے ہیں؟ کربلا سے کوفہ، کوفہ سے دمشق، دمشق سے پھر کربلا اور کربلا سے مدینۃ الرسول تک اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں، اور دیکھتے ہیں کہ یہ طویل، صبر آزما، کٹھن اور مصائب و آلام سے بھرپور سفر کس طرح طے ہوتا ہے؟............

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کاروانِ حریت

کتاب الملہوف ص ۶۰ میں ہے کہ:

عمر بن سعد نے حضرت مظلوم کربلا، سرکارِ سید الشہداء علیہ السلام کا سر مبارک روز عاشورا ہی خولی بن یزید اصبحی اور حمید بن مسلم ازدی کے ہاتھوں عبید اللہ بن زیاد کے پاس کوفے روانہ کر دیا چنانچہ سر مقدس کو لے کر کوفہ پہنچے تو خولی سر کو لے کر دار الامارہ کی طرف روانہ ہو گیا، جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ دار الامارہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا، لہٰذا وہ اسے لے کر اپنے گھر آ گیا اور سرِ مبارک کو ایک طشت کے نیچے رکھ دیا۔

تاریخ طبری جلد ۵ ص ۴۴۵ میں ہے کہ:

خولی کی بیوی جس کا نام ''نوار'' تھا، نے جب یہ دیکھا کہ خولی طشت کے نیچے کوئی چیز چھپا کر رکھ رہا ہے تو اس نے اس سے پوچھا:

''یہ کیا ہے؟''

اس نے کہا:

''تمہارے لئے ایک ایسی چیز لایا ہوں جس کی وجہ سے تُو ہمیشہ کے لئے بے نیاز ہو جائے گی، یہ حسینؑ بن علیؑ کا سر تمہارے آنگن میں ہے!''

نوار نے کہا:

''تجھ پر لعنت! لوگ تو اپنے گھروں میں سونا چاندی لے آئیں اور تو نواسہ رسول کا سر اپنے گھر لے آئے؟ خدا کی قسم! میں ہرگز تمہارے ساتھ ایک گھر میں نہیں رہوں گی''

چنانچہ وہ بستر سے اٹھی اور گھر کے صحن میں آ گئی، اس کے بقول کہ:

''خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ ایک ستون کی مانند نور ہے جو آسمان سے طشت کے ساتھ متصل ہے، اور ساتھ ہی سفید رنگ کے کچھ پرندوں کو میں نے دیکھا کہ جو صبح تک اس طشت کے گرد منڈلاتے رہے،

اور جب دن ہوا تو خولی وہ سر ابن زیاد کے پاس لے گیا"

شہداء کے سروں کی تقسیم:

ارشاد شیخ مفید جلد۲ ص ۱۱۳ میں ہے کہ:

عمر بن سعد نے حکم دیا کہ: "امام حسین علیہ السلام کے یار و انصار اور بنی ہاشم کے سروں کو جدا کیا جائے" چنانچہ بہتر (۷۲) شہداء کے سروں کو جدا کر کے عمر سعد کے پاس لے آئے اور اس نے وہ سر شمر بن ذی الجوشن، قیس بن اشعث اور عمرو بن حجاج کے ہاتھوں روانہ کر دیئے۔

کتاب الملہوف ص ۶۰ میں ہے کہ:

مختلف افراد نے حصول انعام کے لئے ان سروں کو آپس میں یوں تقسیم کیا:

۱۔ قبیلہ کندہ جس کا سردار قیس بن اشعث کندی تھا	(تیرہ) ۱۳ سر
۲۔ قبیلہ ہوازن کا سربراہ شمر بن ذی الجوشن	(بارہ) ۱۲ سر
۳۔ قبیلہ تمیم	(سترہ) ۱۷ سر
۴۔ قبیلہ بنی اسد	(سولہ) ۱۶ سر
۵۔ قبیلہ مذحج	(سات) ۷ سر
۶۔ باقی دوسرے لوگوں کے ہاتھ	(تیرہ) ۱۳ سر

کربلا سے روانگی

کتاب کامل ابن اثیر جلد۴ص ۸۱ میں ہے کہ:

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد عمر سعد دو دن کربلا میں قیام کرنے کے بعد کوفہ روانہ ہوگیا اور امام مظلوم کی بہنوں، بیٹیوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ کوفہ لے گیا، سید سجاد امام زین العابدین علیہ السلام اسی طرح بیمار تھے۔

نفس المہموم ص ۳۸۵، میں ہے کہ عمر بن سعد گیارہ محرم کے دن زوال آفتاب تک کربلا میں رہا اور اپنے مقتولوں کو اکٹھا کر کے ان پر نماز پڑھی اور دفن کر دیا مگر نواسہ رسولؐ اور آپؑ کے یار و انصار کو بے گور و کفن تپتی ریت پر چھوڑ کر اپنے لشکر سمیت کوفہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

قیدیوں کی تعداد:

مقتل اور دیگر مختلف تاریخی کتب کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم کی خواتین اور بچوں کی کل کتنی تعداد تھی جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ کربلا پہنچی اور امام مظلوم کی شہادت کے بعد انہیں قید کر کے کوفہ روانہ کیا گیا؟

اس بارے میں ہمیں کوئی حتمی تعداد نہیں مل سکی، اسی لیے ہم نے مختلف کتب سے ان کی کچھ معلومات اکٹھا کی ہیں جنہیں ہم ذکر کر رہے ہیں۔

بنی ہاشم کے مردوں کی تعداد:

۱۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

۲۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام (العقد الفرید ۴ص ۱۷۱)

۳۔ حسن بن الحسن علیہ السلام (مناقب ۴ص ۱۱۲)

۴۔ بقولے محمد اصغر بن علی بن ابی طالب (مناقب ۴ ص ۱۱۳)

۵۔ عمرو بن الحسن بن علی بن ابی طالب علیہ السلام

(بحار جلد ۴۵ ص ۱۴۳، مقاتل الطالبین ص ۱۱۹)

۶۔ زید بن الحسن بن ابی طالبؑ (مقاتل ایضاً)

۷۔۸۔ دو فرزندان مسلم بن عقیل (امالی شیخ صدوق مجلس ۱۹، حدیث ۲، کتاب الشہید مسلم بن مقتل مقرم ص ۱۸۹، اور ریاض الاحزان میں ان دونوں فرزندان مسلم کا نام محمد اور ابراہیم بتایا گیا ہے)

خواتین کی تعداد

۱۔ علیا مخدرہ زینب کبریٰ (ع) دختر امیر المومنین علیہ السلام　　(تنقیح المقال ۳ ص ۷۹)

۲۔ ام کلثوم زینب صغریٰ (ع) بنت امیر المومنین علیہ السلام　　(ایضاً ص ۷۳)

۳۔ فاطمہ بنت امیر المومنین علیہ السلام　　(ریاحین الشریعہ ۳ ص ۳۰۷)

۴۔ سکینہ بنت الحسینؑ　　(مقاتل الطالبین ص ۱۱۹)

۵۔ فاطمہ بنت الحسین علیہ السلام　　(العقد الفرید ۴ ص ۱۷۱)

۶۔ رباب بنت امرؤ القیس حرم امام حسین علیہ السلام　　(کامل بن اثیر ۴ ص ۸۸)

۷۔ امام حسین علیہ السلام کی چار سالہ بچی رقیہ بنت الحسین علیہ السلام

۸۔ رقیہ حرم مسلم بن عقیل

۹۔ مسلم بن عقیل کی ایک بچی (ریاحین الشریعۃ جلد ۴ ص ۲۵۵)

۱۰۔ خوصاء ''ام الثغر'' حرم حضرت عقیل و مادر جعفر بن عقیل　　(ایضاً جلد ۳ ص ۳۱۷)

۱۱۔ ام کلثوم صغریٰ بنت زینب بنت علی و عبداللہ بن جعفر، زوجہ قاسم بن محمد بن جعفر　　(تنقیح المقال ۲ ص ۲۴)

۱۲۔ رملہ مادر قاسم بن الحسن علیہ السلام　　(ابصار العین ص ۱۳۰)

۱۳۔ ایک معصوم بچے کی ماں جس کا نام ''شہر بانو'' ہے نا کہ مادر امام زین العابدین علیہ السلام، اس بچے کو ہانی بن شبث ملعون نے شہید کر دیا تھا۔　　(ریاحین الشریعہ جلد ۳ ص ۳۰۹)

۱۴۔ لیلیٰ بنت مسعود بن خالد تمیمی، حرم امیر المومنین علیہ السلام مادر عبداللہ اصغر، نا کہ حرم امام حسین علیہ السلام مادر علی اکبرؑ

(ریاحین الشریعہ جلد۳ ص ۳۰۹)

۱۵۔ فاطمہ بنت الحسن المجتبیٰ علیہ السلام زوجہ امام سجاد علیہ السلام اور مادر امام محمد باقر علیہ السلام (ایضاً ص ۱۵)

غیر بنی ہاشم خواتین:

۱۔ حضرت فضہ خادمہ حضرت فاطمہ زہرا (ع) (کافی ا ص ۴۶۵)

۲۔ حسنیہ خادمہ امام زین العابدین علیہ السلام مادر منجح شہید کربلا

(تنقیح المقال س ص ۲۴۷، ریاحین الشریعہ جلد۳ ص ۳۱۸)

۳۔ زوجہ عبداللہ بن عمیر کلبی

۴۔ فکیہہ خادمہ رباب زوجہ امام حسین علیہ السلام مادر شہید کربلا قارب بن عبداللہ بن اریقط (تنقیح المقال ۲ ص ۳۲۷)

۵۔ مسلم بن عوسجہ اسدی کی کنیز کہ جوان کی شہادت کے بعد ''یا ابن عوسجتاہ، یا سیداہ'' کہہ کر بین کر رہی تھی، جبکہ بعض مورخین نے اس کا نام ام خلف زوجہ حضرت مسلم بن عوسجہ کے طور پر ذکر کیا ہے۔

(نفس المہموم ص ۲۶۵، ریاحین الشریعۃ جلد۳ ص ۳۰۵)

۶۔ بحریہ بنت مسعود خزرجی، زوجہ شہید جنادہ بن کعب و مادر شہید عمرو بن جنادہ۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۳۲۷)

کتابوں میں تلاش بسیار کے بعد ہمیں بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم کے اسیروں کی یہی تعداد مل سکی ہے، ممکن ہے اس سے زیادہ بھی ہو مگر اربابِ مقاتل نے اسے بیان نہیں کیا ہے۔

غیر بنی ہاشم مردوں کی تعداد:

(کتاب کامل ابن اثیر جلد۴ ص ۸۰ میں ہے کہ) تاریخ میں غیر بنی ہاشم کے مردوں کا قیدیوں میں کہیں نام نہیں ملتا، سوائے ایک شخص کے جس کا نام ''مرقع بن ثمامہ اسدی'' ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ سپاہ کوفہ وشام کے ساتھ جنگ ختم ہو جانے کے بعد ان کے تیر بھی ختم ہو چکے تھے، لہٰذا انہیں گرفتار کر کے ابن سعد کے پاس لایا گیا، لیکن عمر کی فوج میں ان کے قوم وقبیلہ کے لوگ موجود تھے جو ان کے قتل میں آڑے آ گئے لہٰذا انہیں قتل کرنے کے بجائے دیگر اسیروں کے ساتھ کوفہ بھیج دیا گیا، بعد میں ابن زیاد نے انہیں ''زارہ'' نامی جگہ پر جلا وطن کر دیا۔

اسی طرح یہ بھی منقول ہے (جیسے کتاب ابصار العین ص ۱۳۳ میں ہے کہ) جب اسرائے کربلا کو کوفہ لایا گیا تو غیر بنی ہاشم کی قیدی خواتین اور بچوں کے رشتہ داروں نے کوفہ میں ابن زیاد کے پاس جا کر ان کی رہائی کا مطالبہ کیا تو اس نے

انہیں بھی آزاد کر دیا اب صرف اور صرف بنی ہاشم کی خواتین رہ گئی تھیں جنہیں بعد میں اس نے شام روانہ کر دیا تھا۔

قیدیوں کا قافلہ:

عمر بن سعد نے حکم دیا کہ قیدیوں کو کوفہ بھیجنے کے لئے انہیں رسیوں میں باندھ کر بے محمل اونٹوں پر سوار کیا جائے، چنانچہ اس کے حکم کی تعمیل کی لئے اہلِ بیت اطہارؑ کے معصوم بچوں اور غم زدہ خواتین کے بے مقنع و چادر بے پالان اونٹوں پر سوار کیا گیا، چنانچہ بے کس اور بے بس مظلوم بی بیاں اور بچے اپنے عزیزوں اور پیاروں کے مصائب اور بے دردی سے قتل کا داغ سینوں میں لیے سرزمین کربلا کو ترک کرنے پر مجبور ہو گئے، اور ایسی حالت میں انہوں نے اونٹوں پر بٹھایا گیا کہ ان کے چہروں اور سروں پر کوئی مقنع و چادر نہیں تھی، اس طرح سے انہوں نے حرمت رسولؐ کو پامال کر دیا اور انہیں اجنبی قیدیوں کی مانند قید کیا گیا اور حرمت رسولؐ کا کسی بھی طرح انہوں نے پاس نہیں کیا۔

مقتل سے گزر:

(کتاب مقتل الحسین مقرم ص ۳۰۶ میں ہے کہ)

جب قیدیوں کا قافلہ کوفہ جانے کے لئے تیار ہو گیا تو بی بیوں نے عمر سعد سے کہا:

''عمر! تمہیں خدا کی قسم ہمیں وہاں سے لے چل جہاں پر ہمارے شہید بے گور و کفن پڑے ہیں تاکہ ہم آخری مرتبہ ان کی زیارت کرتے جائیں'' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، جب مظلوم قیدیوں نے شہیدوں کے لاشوں کو دیکھا کہ تیروں، تلواروں اور نیزوں کے واروں سے شہید ہونے کے علاوہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے بھی پامال ہو چکے ہیں تو قیدیوں سے رہا نہ گیا انہوں نے منہ پر پیٹنا شروع کر دیا۔

(تظلم الزہراؑ ص ۲۵۵، ریاض الاحزان ص ۲۴ میں ہے) اور بعض اور روایات کے مطابق بنی امیہ نے امام حسینؑ اور ان کے اصحاب و انصار کے مقدس جسموں کو جو پارہ پارہ ہو چکے تھے زمین پر پڑا رہنے دیا اور قیدیوں کو روحانی صدموں سے دوچار کرنے کے لئے انہیں جان بوجھ کر مقتل شہداء سے لے جایا گیا اور جب جناب زینب سلام اللہ علیہا ___ بروایتے ام کلثومؑ ___ نے اپنے بھائی حسینؑ کے لاشے کو دیکھا کہ خاک و خون میں غلطان بے گور و کفن بلکہ عریان زمین پر پڑا ہے تو بی بی سے یہ حالت دیکھی نہ گئی، اپنے آپکو اونٹ پر سے گرا دیا اور اپنے بھائی کے پامال لاشے کو آغوش میں لے لیا۔

نفس المہموم میں ہے کہ: قرہ بن قیس کہتا ہے کہ:

''میں اس وقت اہلِ حرم کو دیکھ رہا تھا جب وہ اپنے مقتولین کے لاشوں پر سے گزر رہی تھیں، اس وقت وہ فریادیں کر رہی تھیں اور اپنے چہروں پر ماتم کر رہی تھیں، میں خواہ سب کچھ فراموش کر دوں مگر وہ لمحہ ہرگز نہیں بھول سکتا، جب وہ اپنے بھائی کے لاشے پر سے گزر رہی تھیں، اور بخدا اس وقت وہ اس قدر بے چین ہو کر بین کر رہی تھیں کہ جس سے ہر دوست اور دشمن رو رہا تھا''

زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کا خطاب

(کامل بن اثیر جلد۴ ص۸۱، الملہوف ۵۶) میں ہے کہ، حضرت زینبؑ نے اپنے ہاتھوں پر امام (ع) کے مقدس پیکر کو لے کر آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا: ''الٰھی تقبل منا ھٰذا القربان'' بارالٰہا! ہماری یہ قربانی قبول فرمالے!!

دوسرا خطاب:

(کامل بن اثیر جلد۴ ص۸۱ میں ہے کہ)

پس باز بان پُر گلہ آن بضعۃ الرسول

رو کر د در مدینہ کہا: یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْل !!

یَا مُحَمَّدَاہ ! صَلّٰی عَلَیْکَ مَلَآئِکَۃُ السَّمَآءِ ،ھٰذَا الْحُسَیْنُ بِالْعَرَاءِ ،مُرَمَّلٌ بِالدِّمَآءِ ،مُقَطَّعُ الْاَعْضَآءِ ، وَبَنَاتُکَ سَبَایَاوَ ذُرِّیَّتُکَ مُقَتَّلَۃ ،تَسْفِیْ عَلَیْھَا الصَّبَا ، فَاَبْکَتْ کُلَّ عَدُوٍّ وَّ صَدِیْقٍ''

اے اللہ کے رسول! اے وہ مقدس ذات جس پر آسمان کے ملائکہ نے درود بھیجا ہے، یہ آپ ہی کا بیٹا حسینؑ ہے جو خاک کربلا میں بے گور و کفن پڑا ہوا ہے، خاک و خون میں غلطان اور بدن ٹکڑے ٹکڑے ،جس کا گلا پسِ گردن کاٹا گیا، جس پر صحرا کی گرد و خاک پڑ رہی ہے، تیری بیٹیاں قیدی بنائی جا چکی ہیں، اور اولاد قتل ہو چکی ہے''

حضرت زینبؑ کے اس بین نے ہر دوست و دشمن کو رلا دیا۔

تیسرا خطاب:

(محرق القلوب نراقی مجلس ۱۵)

پس رو کرد ببقیع و به زہرا خطاب کرد

مرغ ہوا و ماہی دریا کباب کرد

کای مونسِ شکسته دلان، حالِ مابیین!

مارا غریب و بے کس و بے اقربا ببین !!

اس کے بعد زینب کبریٰؑ نے اپنی مادر گرامی زہرا مرضیہ کو مخاطب کر کے کہا:

''اے اماں جان! اے دختر خیر البشر! ذرا صحرائے کربلا کی طرف تو دیکھو اور اپنے نازوں کے پالے حسینؑ کی طرف ایک نگاہ تو کرو! کہ اس کا سر دشمن کے نیزے پر سوار ہے، اور بدن اسی صحرا میں خاک کربلا میں پڑا ہے۔''

''اے اماں! ذرا اپنی بیٹیوں کو بھی دیکھو کہ ان کے خیموں کو جلا دیا گیا ہے اور انہیں بے پالان اونٹوں پر قیدی بنا کر سوار کیا گیا ہے، ہم آپ کی بیٹیاں کس قدر غریب ہوگئی ہیں!!''

چوتھا خطاب:

(الملہوف ص ۵۶ میں ہے کہ) پھر ام المصائب زینبؑ روتی آنکھوں اور بہتے آنسوؤں کے ساتھ سید الشہداء کے بے سر جسم سے یوں مخاطب ہوئیں!!

''بِاَبِیْ مَنْ فُسْطَاطُهٗ مُقَطَّعُ الْعُرىٰ ،بِاَبِیْ مَنْ لَّا غَآئِبٌ فَیُرْتَجىٰ وَلَا جَرِیْحٌ فَیُدَاوىٰ ،بِاَبِیْ مَنْ نَّفْسِیْ لَهُ الْفِدآء،بِاَبِیْ الْمَهْمُوْمِ حَتّٰی قَضىٰ ،بِاَبِی الْعَطْشَانِ حَتّٰی مَضىٰ ،بِاَبِیْ مَنْ شَیْبَتُهٗ تَقْطُرُ بِالدِّمَآءِ ،بِاَبِیْ مَنْ جَدُّهٗ رَسُوْلُ اِلٰهِ السَّمَآءِ ،بِاَبِیْ مَنْ هُوَ سِبْطُ نَبِیِّ الْهُدىٰ ......''

اس کے قربان جس کے خیموں کی رسیوں کو کاٹ دیا گیا، اس کے قربان جاؤں جو ہماری آنکھوں سے غائب ہو چکا ہے، اور جس کے واپس آنے کی امید نہیں ہے، اور جو ایسا زخمی ہے کہ جس کے زخموں کا مداوا کیا جائے، اس کے قربان جس کے لیے میری جان اس کے اوپر فدا ہو، اس کے قربان جس کو غمناک دل اور پیاسے لبوں کے ساتھ شہید کیا گیا، اس کے قربان جس کے نانا رسول اللہ ہیں اور وہ رسول خداؐ خدیجۃ الکبریٰؑ، علی المرتضیٰؑ اور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؑ کا فرزند ہے......''

پانچواں خطاب:

(بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۵۹) میں ہے کہ: اب علیا مخدرہ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے اصحاب رسولؐ سے مخاطب

ہو کر فرمایا:

''یَاحُزْنَاهُ، یَا کَرْبَاهُ ،اَلْیَوْمَ مَاتَ جَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰه ، یَا اَصْحَابَ مُحَمَّدَاهُ ،هٰؤُلَآءِ ذُرِّیَّةُ الْمُصْطَفٰی ،یُسَاقُوْنَ سَوْقَ السَّبَایَا''

اے نانا محمدؐ کے صحابیو! آج میرے نانا رسول خداؐ اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں ، ہائے مصیبت !ہائے غم!! یہ اولادِ رسولؐ ہیں جنہیں قیدی بنا کر بھیجا جا رہا ہے۔

(محرق القلوب نراقی مجلس پنجم میں ہے کہ) راوی کہتا ہے کہ زینب کبریٰؑ کے اس بین سے دشمن کے فوجی بھی رونے لگ گئے ، اور صحرا کے جانور اور دریا کی مچھلیاں بے قرار ہو گئیں اور اس وقت اکثر لوگوں نے دیکھا کہ گھوڑوں کی آنکھوں سے آنسو گر گر کر ان کے سموں کو تر کر رہے تھے۔

حضرت سکینہؑ اور امام کا زخمی تن:

(الملہوف ص ۵۶ اور مقتل الحسینؑ مقرم ص ۳۰۸ میں ہے کہ) اب جناب سکینہؑ بنت الحسینؑ اپنے بابا کے لاشے پر جا کر اس سے لپٹ گئیں اور زخمی دل کے ساتھ اس قدر فریاد کرنے لگیں کہ تمام حاضرین پر گریہ طاری ہو گیا اور خود اتنا روئیں کہ غش کر کے زمین پر گر پڑیں ، وہ خود بیان کرتی ہیں کہ میں نے بابا کے زخمی تن سے یہ کہتے سنا کہ:

شِیْعَتِیْ مَا اِنْ شَرِبْتُمْ — عَذْبَ مَآءٍ فَاذْکُرُوْنِیْ
اَوْسَمِعْتُمْ بِغَرِیْبٍ — اَوْ شَهِیْدٍ فَانْدُبُوْنِیْ
لَیْتَکُمْ فِیْ یَوْمِ عَاشُوْرَا — ءَ جَمِیْعًا تَنْظُرُوْنِیْ
کَیْفَ اَسْتَسْقِیْ لِطِفْلِیْ — فَاَبَوْا اَنْ یَّرْحَمُوْنِیْ
وَاَنَا السِّبْطُ الَّذِیْ — بِغَیْرِ جُرْمٍ قَتَلُوْنِیْ
وَبِجُرْدِ الْخَیْلِ بَعْدَ — الْقَتْلِ ظُلْمًا سَحَقُوْنِیْ

اے میرے شیعو! تم جب بھی ٹھنڈا پانی پیو تو مجھے ضرور یاد کرنا کہ میں پیاسا مارا گیا یا کسی مسافر یا شہید کا سنو تو میری غربت پر آنسو بہانا۔ اے کاش کہ تم عاشورا کے دن کربلا میں ہوتے تو دیکھتے کہ میں نے اپنے ننھے سے معصوم بچے کے لیے کیسے پانی مانگا؟ مگر انہوں نے رحم کرنے سے انکار کر دیا۔ میں وہ نواسہ رسول ہوں جسے بغیر کسی جرم وخطا کے پیاسا مارا گیا ، اور پھر اسی بات پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ قتل

کرنے کے بعد کسی خطا کے بغیر میرے لاشے کو پامال کر دیا گیا۔

امام سجادؑ کی بے تابی:

حضرت امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب بروز عاشورا ہم پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے گئے اور میرے والد اور ان کے اصحاب وانصار کو شہید کر دیا گیا، تو ہمیں اونٹوں پر سوار کر کے کوفہ روانہ کر دیا گیا، میں نے شہداء کے لاشوں کو دیکھا کہ بے گور وکفن زمین پر پڑے ہوئے ہیں، اس وقت میرا دل سخت مضطرب ہو گیا اور حالت پریشان ہو گئی رنگ زرد ہو گیا، دل میں ایسا درد اٹھا کہ نزدیک تھا کہ روح پرواز کر جائے، میری یہ کیفیت دیکھ کر میری پھوپھی جناب زینبؑ نے مجھ سے کہا: ''اے میرے نانا، بابا اور اماں زہراؑ اور بھائی حسینؑ کی نشانی! تم نے اپنے آپ کو اس قدر کیوں بے تاب کر دیا ہے؟ اور اپنی جان کو خطرے میں کیوں ڈال دیا ہے؟ تو میں نے عرض کیا:

> پھوپھی اماں! کیوں نہ بے تابی کا اظہار کروں جبکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا والد، میرے چچا میرے بھائی اور ان کی اولاد بے گور وکفن خاک وخون میں غلطان پڑے ہوئے ہیں، میرے لیے یہ کیفیت نا قابلِ برداشت ہے، جنہیں نہ تو کسی نے کفن دیا نہ دفن کیا، پھوپھی اماں! ان لوگوں نے ایسا سمجھ لیا ہے کہ گویا ہم دیلم اور خزر کے لوگ ہیں۔

تو پھوپھی نے فرمایا:

> ''بیٹے! گھبراؤ نہیں!، یہ خداوند عالم کا تمہارے نانا رسولؐ اور بابا حسینؑ کے ساتھ ایک ایسا عہد ہے جو پورا ہو کر رہے گا، اور اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت سے عہد لیا ہے کہ جس کو اس سرزمین کے سرکش لوگ نہیں پہچانتے بلکہ آسمان کے فرشتوں کو اس کا علم ہے اور وہ آئے گی جوان پراگندہ اور جا بجا منتشر ہڈیوں کو یکجا کرے گی اور انہیں خون آلود پاکیزہ بدنوں کے ساتھ ملا کر زمین میں دفن کرے گی اور اس سرزمین ___ یعنی ___ کربلا میں تمہارے بابا کی قبر کا نشان لگائیں گے جو کبھی ختم نہیں ہوگا اور دشمنانِ دین اور رہبرانِ کفر اور پیروکارانِ ضلالت اس کے مٹانے کی جتنا بھی کوشش کریں گے وہ اتنا ہی واضح اور روشن، نمایاں اور برتر ہوتا جائے گا'' (کامل الزیارات ص ۲۶۱)

شہداء کے پاکیزہ اجسام:

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ حضرت سید الشہداء اباعبداللہ الحسین علیہ السلام نے بروز عاشورا ایک خیمے کو لاشہ ہائے شہداء

کے لئے مخصوص کر دیا تھا کہ جب بھی اہلِ بیتؑ یا اصحاب میں سے کوئی شخص شہید ہو جائے تو اس کے لاشے کو اسی خیمہ میں لایا جائے، چنانچہ سوائے ایک پاکیزہ لاشہ کے باقی تمام لاشے یہیں پر لائے گئے اور وہ تھا قمر بنی ہاشم ابوالفضل العباس علمدارؑ کا مقدس لاشہ اور اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس شہید مظلوم کا لاشہ اس قدر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا کہ حسینؑ جیسے تنہا انسان سے اس کا اٹھانا مشکل ہو گیا تھا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ جب بھی کسی شہید کا لاشہ اُسی خیمہ میں لایا جاتا تو امامؑ فرماتے:

''یہ پیغمبروں اور پیغمبروں کی آلؑ کی مانند شہید ہیں اور حضرت علی علیہ السلام نے شہداء کربلا کی شان میں فرمایا ہے کہ ''یہ دنیا اور آخرت میں، شہیدوں کے سردار ہیں اور آج تک نہ کوئی ان پر سبقت لے گیا ہے اور نہ ہی آئندہ سبقت لے جائے گا''

ایک شخص کے مشاہدات

(مدینۃ المعاجز ۴ ص ۰۷ میں ہے کہ) بنی اسد کا ایک شخص کہتا ہے کہ: ''جب قافلہ کربلا سے چلا گیا تو میں میدانِ جنگ میں آیا، یہاں آ کر میں نے عجیب و غریب کیفیت ملاحظہ کی اور وہ یہ کہ میں نے دیکھا اہلِ بیت رسولؐ اور امام حسین علیہ السلام کے یار و انصار کے پاک و پاکیزہ اجسام خون میں غلطان گرم زمین پر پڑے ہوئے ہیں، جن پر گرد و خاک پڑی ہوئی تھی ،نہایت ہی غم کا منظر تھا جسے دیکھ کر رونا آتا تھا، مگر ان کے نورانی اجسام سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں جو آسمان سے باتیں کر رہی تھیں ان لاشوں پر سے گزرنے والے ہوا کے جھونکے معطر ہوتے تھے جو آگے چل کر عطر پاشی کرتے تھے۔

اسی اثنا میں میں نے دیکھا کہ ایک شیر امام حسین علیہ السلام کے پاک و پاکیزہ لاشے کے قریب آیا اور خود کو امام مظلوم کے خون میں غلطان کر دیا اور ایسی دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا جو میں نے آج تک نہیں سنی تھیں، اور اس سے بڑھ کر میرے نزدیک جو بات تعجب آور تھی وہ یہ کہ میں نے رات کے وقت میدانِ کارزار کی طرف دیکھا مجھے یوں نظر آیا گویا ان میں سے ہر ایک کا بدن نور کی ایک شمع بن کر چمک رہا ہے، اور ان مقربانِ بارگاہِ الٰہی کے پاس سے نالہ و شیون کی دلگداز آوازیں آ رہی تھیں''

قَدْ غَيَّرَ الطَّعْنُ مِنْهُمْ كُلَّ جَارِحَةٍ
اِلَّا الْمَكَارِمَ فِيْ اَمْنٍ مِّنَ الْغِيَرِ

نیزوں اور تلواروں کے زخموں نے ان مظلوموں کے اجسام پر تو اثر کیا ہے مگر ان کی عظمت اور

بزرگواری میں ذرہ بھر تبدیلی نہیں کی۔

(مقتل الحسین مقرم ص ۳۱۸ میں ہے کہ) ان پاکیزہ لاشوں کے درمیان مظلوم و بے نوا سید جوانان جنت کے لاشہ کی ایسی کیفیت ہو چکی تھی جسے سخت سے سخت ترین دل بھی برداشت نہ کر سکے لیکن انوار الٰہی اس مقدس بدن سے سب سے زیادہ ساطع ہو رہے تھے اور دوسروں کی نسبت خوشبو بھی اس سے زیادہ معطر کر رہی تھی۔

شہداء کے لاشوں کی تدفین:

(ارشاد شیخ مفید جلد ۲ ص ۱۲۶) میں ہے کہ بعض روایات کے مطابق، قبیلہ بنی اسد کے کچھ لوگ امام مظلوم اور آپ کے پاکیزہ جانثاروں کے لاشوں کو دفن کرنے کے لئے آئے، لیکن دیکھا تو کسی بھی دھڑ کے ساتھ سر نہیں ہے، حتیٰ کہ بدن پر لباس بھی نہیں ہے، بہت سے لاشے شدت ضربات کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے، اس لئے قابلِ شناخت نہیں رہے تھے، اور بنی اسد کے لوگ حیران تھے کہ کیا کیا جائے؟ کہ اتنے میں چوتھے امام زین العابدین علیہ السلام تشریف لائے اور ابدان واجسام کا بنی اسد سے تعارف کراتے جا رہے تھے اور وہ دفن کرتے جا رہے تھے بلکہ اپنے والد بزرگوار کے لاشے کی تدفین کیلئے خود آگے بڑھے لاشے کو دفن کیا اور رو رو کر سخت گریہ کرتے ہوئے اپنے والد بزرگوار کی بارگاہِ عظمت وجلالت میں ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے جاتے تھے۔

طُوبیٰ لِاَرْضٍ تَضَمَّنَتْ جَسَدَکَ الطَّاهِرَ فَاِنَّ الدُّنْيَا بَعْدَکَ مُظْلِمَةٌ وَّالْاٰخِرَةُ بِنُوْرِکَ مُشْرِقَةٌ ،اَما اللَّيْلُ فَمُسَهَّدٌ وَالْحُزْنُ فَسَرْمَدٌ،اَوْيَخْتَارَ اللّٰهُ لِاَهْلِ بَيْتِکَ دَارَکَ الَّتِیْ اَنْتَ بِهَا مُقِيْم ،وَعَلَيْکَ مِنِّی السَّلَامُ يَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهُ .

خوش قسمت ہے وہ سرزمین جس نے آپ کے پاک و پاکیزہ جسم کو اپنی آغوش میں لے لیا ہے، کیونکہ آپ کے بعد دنیا تاریک اور آخرت نورانی ہے۔ ہماری رات کی نیندیں ختم ہو گئی ہیں، اور غموں اور دکھوں کا اس وقت تک کوئی خاتمہ نہیں۔ جب تک آپ کے اہل بیتؑ آپ کے ساتھ نہ آن ملیں، اے فرزند رسولؐ! میرا آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

پھر آپ نے قبر مطہر پر یہ عبارت تحریر فرمائی:

''هٰذَا قَبْرُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ (ع) اَلَّذِیْ قَتَلُوْهُ عَطْشَانًا غَرِيْبًا''

یہ حسین بن علی بن ابی طالبؑ کی قبر ہے جسے لوگوں نے عالم غربت میں پیاسا شہید کر دیا۔

تدفینِ شہداء بنی ہاشم:

اس کے بعد حضرت علی بن الحسینؑ یعنی علی اکبرؑ کو حضرت سید الشہداء کے مبارک قدموں میں دفن کیا گیا اور دوسرے تمام شہدائے اہلِ بیتؑ کو امامؑ کی قبر کے نزدیک یک جا دفن کیا گیا۔

____ (بقول ارشاد شیخ مفید ج ۲ ص ۱۲۶) ____ ظاہراً سترہ افراد اہلِ بیتؑ تھے جو حضرت امام حسینؑ کی اولاد بھائی اور بھتیجے تھے، جنہیں امام کے پائینتی میں دفن کیا گیا۔

(کتاب حیاۃ الامام الحسینؑ ج ۳ ص ۳۲۴ میں ہے کہ) پھر بنی اسد کے لوگ امام زین العابدینؑ کے ہمراہ، نہر علقمہ کی طرف چلے اور سرکار وفا حضرت ابو الفضل العباسؑ کو وہیں پر ہی دفن کر دیا جہاں پر آپ کی مظلومانہ شہادت ہوئی تھی، یہاں پر امام سجادؑ نے زبردست گریہ کیا اور ان الفاظ میں قمر بنی ہاشم کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کیا۔

عَلَی الدُّنْیَا بَعْدَکَ الْعَفَایَا قَمَرَ بَنِیْ هَاشِمِ ! وَعَلَیْکَ مِنِّی السَّلَامُ مِنْ شَهِیْدٍ مُّحْتَسِبٍ وَّرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ

اے بنی ہاشم کے چاند! آپ کے بعد زندگانی دنیا پر خاک ہے اور میری طرف سے آپ شہید راہِ خدا پر سلام ہو اور خدا کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

یہاں پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ بعض مورخین نے امام حسینؑ کی تدفین کی نسبت کئی دوسرے لوگوں کی طرف دی ہے، مثلاً انہوں نے کہا ہے کہ:

''بنی اسد نے ہی امام عالی مقامؑ کو دفن کیا ہے'' یا

''زہیر کے غلام نے'' یا

کچھ یہودیوں نے ...... وغیرہ، تو یہ سب نظریات باطل اور بے بنیاد ہیں، اس لیے کہ ہر امامؑ کے کفن اور دفن کا انجام دینے والا، اس کے بعد والا امام ہوتا ہے، اور اس کے بارے میں کتاب کافی اور دوسری بہت سی کتب احادیث میں تذکرہ موجود چنانچہ ''جلاء العیون شبر'' جلد ۲ ص ۲۱۶ میں ہے کہ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت امام زین العابدینؑ مخفیانہ طور پر کربلا تشریف لے آئے اور اپنے والدِ بزرگوار پر نماز ادا کی اور انہیں دفن فرمایا''

اسی چیز کو حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے بھی علی بن حمزہ پر واضح کر دیا تھا جب انہیں امامت کے بارے میں شک ہو تو امامؑ نے فرمایا:

''باوجودیکہ امام زین العابدین علیہ السلام عبید اللہ بن زیاد کی قید میں تھے مگر مخفیانہ طور پر کربلا تشریف لے آئے اور امام پاکؑ کے پاکیزہ جسم کو سپرد خاک کیا اور واپس چلے گئے، تو جس ذات نے امام زین العابدینؑ کو یہ قدرت دی کہ وہ کربلا جا کر اپنے والد گرامی کے جسد اطہر کو دفن کریں، اسی ذات نے اِس وقت کے امامؑ کو بھی قدرت دی کہ وہ بغداد جا کر اپنے والد کے امور کا متولی بنے ان پر نماز پڑھے، دفن کرے اور واپس آجائے'' البتہ وہ ___ خود امام رضا علیہ السلام ___ امام زین العابدین علیہ السلام کی طرح دشمن کی قید میں نہیں تھے۔ (بحار الانوار جلد ۴۸ ص ۲۷۰)

تدفین اصحاب:

(کتاب الامام الحسینؑ واصحابہ ص ۳۷۵ میں ہے کہ) اس کے بعد بنی اسد نے اصحابِ امام حسینؑ کو ایک جگہ دفن کیا، البتہ حبیب بن مظاہر کو وہاں پر دفن کیا جہاں پر امام حسین علیہ السلام کے بالائے سر کے نزدیک اس وقت آپ کی قبر مطہر ہے ، کیونکہ جناب حبیب بن مظاہر ایک تو اپنے قبیلہ کے سردار تھے دوسرے امام علیہ السلام کے نزدیک ان کو اعلیٰ مقام ومرتبہ حاصل تھا۔

کتاب کامل بہائی میں ہے کہ جناب حر بن یزید ریاحی کو وہیں پر دفن کیا گیا جہاں پر آپ کی شہادت واقع ہوئی تھی، جبکہ بعض روایات کے مطابق آپ کے لاشے کو آپ کے قبیلے کے لوگوں نے اٹھا کر اپنے پاس ہی دفن کیا۔

کتاب نفس المہموم ص ۳۸۸ میں ہے کہ: ''بنی اسد کے لوگ دیگر قبائل عرب عرب پر فخر کیا کرتے تھے کہ ہم ہی ہیں جنہوں نے حسین بن علیؑ اور اصحابِ حسینؑ پر نماز پڑھی اور انہیں دفن بھی کیا ''

تدفین کس وقت ہوئی:

(کتاب الامام الحسین واصحابہ ص ۳۸۰، ۳۸۲ میں ہے): جبکہ بعض ارباب مقاتل اس بات کے قائل ہیں کہ شہداء کے لاشوں کو بارہ محرم الحرام کے دن دفن کیا گیا، جبکہ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ بارہ کا دن گزرنے کے بعد تیرہ محرم کی رات کو دفن کیا گیا۔ لیکن جو قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ تدفین کا یہ عمل بارہ محرم کی رات واقع ہوا ہے۔
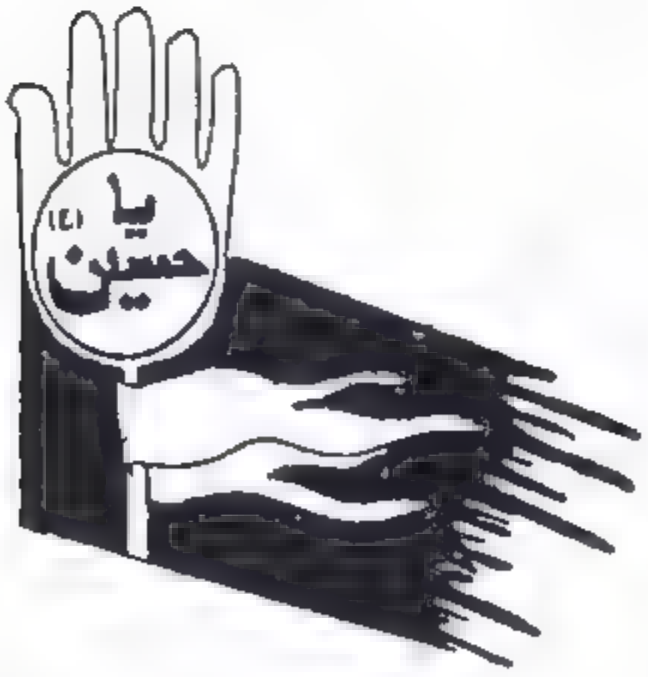
قیدیوں کا کوفہ میں داخلہ

قیدیوں کا کوفہ میں داخلہ

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بے کس و بے نوا اور مظلوم قیدیوں کا قافلہ کربلا سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا، اور یہ قافلہ کیونکر کوفہ پہنچا (کتاب تظلم الزہراؑ ص ۲۴۹) کے مطابق اس کا آنکھوں دیکھا حال کوفہ کے باشندے ''مسلم جصاص'' سے سنتے ہیں، جس کا کام مکانات کی سفیدی کرنا تھا، مسلم کا کہنا ہے کہ: ''عبید اللہ بن زیاد نے مجھے دارالامارہ کی مرمتی اور سفید کاری کے لئے بلایا اور یہ کام میرے ذمہ لگایا، میں اپنے کام میں سرگرم تھا کہ اچانک مجھے دور سے شور و غوغا کی عجیب و غریب آوازیں سنائی دیں، میں نے اپنے ایک ساتھی سے پوچھا کہ:

''یہ کیسی چیخ و پکار اور عجیب و غریب آوازیں آ رہی ہیں؟''

اس نے کہا:

''(نعوذ باللہ) ایک خارجی کا سر لائے ہیں جس نے یزید کے خلاف بغاوت کی تھی''

میں نے اس کا نام پوچھا تو اس نے بتایا کہ:

''حسینؑ بن علیؑ!''

میں کچھ دیر کے لئے دم بخود اور مبہوت و پریشان ہو گیا اور جونہی میرا وہ ساتھی کسی کام کی وجہ سے اِدھر اُدھر گیا گیا، تو سخت دلی صدمے کی وجہ سے میں نے اپنے منہ پر پیٹنا شروع کر دیا، اس قدر زور سے منہ پر ماتم کیا کہ مجھے ڈر پیدا ہو گیا کہ کہیں میری آنکھیں تو صدمہ سے دوچار نہیں ہو گئیں، اور میں اندھا تو نہیں ہو گیا؟''

چنانچہ میں نے کام سے ہاتھ روک لیا، ہاتھوں کو دھویا اور دارالامارہ کے عقبی دروازے سے باہر آ گیا اور کناسہ کے قریب پہنچ گیا، جہاں پر کوڑا کرکٹ ڈالتے ہیں، یہیں پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ لوگ قیدیوں اور مقتولوں کے سروں کے انتظار میں تھے، کہ اسی اثنا میں مَیں نے دیکھا کہ چالیس اونٹوں پر چالیس محملوں میں سوار خاندان اہلِ بیتؑ اور دخترانِ زہراؑ سوار تھیں، اچانک دیکھا تو ایک اونٹ کی برہنہ اور بے پالان پیٹھ پر سید سجاد امام زین العابدین علیہ السلام سوار ہیں، اور گلے میں طوق کی وجہ سے گردن سے خون جاری تھا، آپ رو بھی رہے تھے اور یہ اشعار بھی پڑھ رہے تھے:

یَـا اُمَّۃَ السُّـوءِ لَاسُـقْیَـا لِـرَبْعِکُمْ
یَـا اُمَّۃً لَّـمْ تُـرَاعِ جَـدَّنَـا فِیْـنَـا

اے بدکردار امت! کبھی تمہارے گھروں پر بارش نہ برسے، اے وہ امت کے جس نے ہمارے بارے ہمارے نانا رسول خداؐ کی کوئی رورعایت نہیں کی۔

لَـوْ اَنَّـنَـا وَرَسُـوْلَ اللّٰـہِ یَـجْـمَـعُـنَـا
یَـوْمَ الْـقِـیَـامَۃِ مَـا کُـنْـتُـمْ تَـقُـوْلُـوْنَـا؟

اگر قیامت کے دن ہم اور رسول خدا اکٹھے ہوئے تو تم اس دن ہمارے متعلق کیا جواب دو گے؟

تُسَیِّـرُوْنَ عَـلَـی الْاَقْتَـابِ عَـارِیَۃً
کَـاَنَّـنَـا لَـمْ نُشَیِّـدْ فِیْـکُمْ دِیْـنَـا

تم ہمیں بے پالان اونٹوں پر سوار کر رہے ہو گویا ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے تمہارے دین کی بنیادوں کو محکم کیا ہے۔

بَـنِـی اُمَیَّۃَ مَـا ھٰذَا الْوُقُوْفُ عَـلٰی
تِـلْـکَ الْـمَـصَـائِبِ لَمْ تَصْغُوا لِدَاعِیْنَا

اے بنی امیہ تم لوگ ہم پر ڈھائے جانے والے مصائب سے واقف ہو، لیکن تم گویا ہماری فریاد کو نہیں سن رہے۔

تُـصَـفِّـقُـوْنَ عَـلَـیْـنَـا کَـفَّـکُـمْ فَـرِحـاً
وَاَنْـتُـمْ فِـی فِـجَـاجِ الْاَرْضِ تَسْبُـوْنَـا

ہماری اسیری پر تم خوش ہو ہو کر تالیاں بجا رہے ہو اور ہمیں روئے زمین کے مختلف علاقوں میں قید کر کے پھرا رہے ہو۔

اَلَیْـسَ جَـدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰـہِ وَیْـلَـکُـمْ
اَھْـدَی الْـبَـرِیَّۃِ مِنْ سُبُلِ الْـمُـضِـلِّـیْـنَـا

تمہارا برا ہو!! کیا رسول خدا میرے نانا نہیں ہیں؟ کیا اس نے دنیا کو گمراہی سے نجات دلا کر ہدایت کا راستہ نہیں بتایا؟

یَـا وَقْـعَةَ الـطَّفِ قَـدْ اَوْرَثْتِنِیْ حُزْنًـا
وَالـلّٰــهُ یَهتِکُ اَسْتَـارَ الْـمُسِیْئِیْنَـا!

اے واقعہ کربلا! تو نے مجھے غمگین کر کے چھوڑا ہے اور اللہ تعالیٰ بدکار لوگوں کے چہرے سے پردے ہٹا کر انہیں رسوا کر دے گا۔

مسلم کہتا ہے کہ: میں نے کوفیوں کو دیکھا کہ وہ قیدیوں کے بھوکے بچوں کی طرف جو محملوں میں بیٹھے ہوئے تھے کھجوریں اور روٹیاں پھینک رہے تھے، ان ناہنجار لوگوں کا یہ ناروا سلوک دیکھ کر جناب ام کلثوم نے زور سے آواز دے کر فرمایا:

''یَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ نَحْنُ آلُ مُحَمَّدٍ وَّالصَّدَقَةُ عَلَيْنَا حَرَام''

اے کوفیو! ہم آل محمدؐ ہیں اور ہم پر صدقہ حرام ہے''

اور بچوں کے ہاتھوں سے کھجور اور روٹیاں لے کر واپس کر رہی تھیں، اور لوگ اپنی اس غفلت اور ہتک حرمتِ اہلِ بیتؑ پر آنسو بہا رہے تھے۔

پھر حضرت ام کلثوم نے فریاد کر کے کہا:

''اے کوفہ والو! تمہارے مردوں نے ہمیں شہید کیا اور خدا ہی بروز قیامت ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا''

مسلم کہتا ہے کہ: اسی اثنا میں زور زور سے رونے کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں، میں نے دیکھا تو مجھے شہداء کربلا کے سر نظر آنے لگے، جس میں سب سے آگے امام حسین علیہ السلام کا مقدس سر تھا، جنہیں ہماری طرف لا رہے تھے۔

امام مظلومؑ کا سر چاند کی طرح اور ستارہ زہرہ کی روشنی کی مانند چمک رہا تھا، امام کی شکل وصورت بالکل رسول خداؐ کے ساتھ ملتی جلتی تھی، آپ کی ریشِ اقدس سیاہ خضاب سے رنگین تھی، اور آپ کے نورانی چہرہ کی چمک ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے افق سے چاند اپنا چہرہ نکال رہا ہو، اور ہوا آپ کی ریش مبارک کو دائیں اور بائیں حرکت دے رہی تھی۔

اسی اثنا میں جناب زینب کبریٰؑ کی نگاہ اپنے امام بھائی کے نورانی چہرے پر پڑی، تو بی بی عالیہ نے بے ساختہ اپنی پیشانی محمل کی چوب پر ماردی جس کی وجہ سے مبارک پیشانی سے خون جاری ہو گیا، اس کے بعد علیا مخدرہ نے یہ اشعار پڑھنا شروع کر دیئے:

یَا ھِلَالًا لَمَّا اسْتَتَمَّ کَمَالًا
غَالَہُ خَسْفُہُ فَاَبْدیٰ غُرُوْبًا

اے میرے چاند! تو ابھی اپنے کمال کو نہیں پہنچا تھا کہ تجھے گہن لگ گیا اور جلد غروب ہو گیا۔

مَا تَوَھَّمْتُ یَا شَقِیْقَ فُؤَادِیْ
کَاَنَّ ھٰذَا مُقَدَّرًا مَکْتُوْبًا

اے میرے دل کے ٹکڑے! میرا یہ گمان ہرگز نہیں تھا کہ اس طرح کا دن بھی ہمارے مقدر میں لکھا ہو گا۔

یَا اَخِیْ فَاطِمَۃَ الصَّغِیْرَۃَ کَلِّمْھَا
فَقَدْ کَادَ قَلْبُھَا اَنْ یَّذُوْبَا

اے میرے ماں جائے! تو اپنی چھوٹی بچی فاطمہؑ سے بات کر، کیونکہ شدت غم کی وجہ سے اس کا دل پگھلا جا رہا ہے۔

یَا اَخِیْ اَقَلْبُکَ الشَّفِیْقَ عَلَیْنَا
لَہُ قَدْ قَسیٰ وَصَارَ صَلِیْبَا

اے میرے بھائی! آپ کا دل تو ہمارے اوپر بڑا مہربان تھا، مگر اب کیا ہو گیا ہے کہ وہ مہربانی باقی نہیں رہی۔

یَا اَخِیْ لَوْ تَریٰ عَلِیًّا لَدَی الْاَسْرِ
مَعَ الْیَتِیْمِ لَا یُطِیْقُ جَوَابًا

جانِ برادر! اے کاش کہ آپ اپنے فرزند علی زین العابدینؑ کو قید ہوتا دیکھتے کہ یتیم کے ساتھ اس میں بات کرنے کی طاقت نہیں تھی۔

کُلَّمَا اَوْجَعُوْہُ بِالضَّرْبِ نَادَاکَ
بِذُلٍّ یَفِیْضُ دَمْعًا سَکُوْبًا

جب بھی اس کو ظالم تازیانے مارتے تھے تو وہ تجھے آہ و زاری سے پکارتا تھا اور اس کی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب جاری ہو جاتا تھا

یَـا اَخِـیْ اِضُـمَّـهُ اِلَیْکَ وَقَـرِّبْـهُ

وَسَـکِّـنْ فُـؤَادَهُ الْـمَـرْعُـوْبَـا

اے میرے بھائی! تو اسے اپنی گرم گرم آغوش میں لے لے اور اپنے پاس بلا لے، اور اس کے سخت رنجیدہ دل کو تسلی دے۔

مَـا اَذَلَّ الْیَتِیْـمَ حِیْـنَ یُـنَـادِیْ

بِـاَبِیْـهِ وَلَایَـرَاهُ مُـجِیْـبَـا

کس قدر ذلت کا شکار ہے وہ یتیم جو اپنے باپ کو بلائے مگر وہ اسے جواب نہ دے۔

اعثم کوفی کی روایت:

نفس المہموم ص۴۰۲ میں ہے: اعثم کوفی نقل کرتے ہیں کہ: عمر سعد خاندان رسالتمآب ؐ کو برہنہ اونٹوں پر سرعریاں قیدیوں کی مانند کوفہ لے آیا، جب وہ کوفہ پہنچے تو ابن زیاد نے حکم دیا کہ امام حسین علیہ السلام کے مبارک سر کو شہر سے باہر لے جا کر قیدیوں کے ہمراہ شہر کے اندر لایا جائے، چنانچہ امامؑ کے سر کے ساتھ دوسرے شہداء کے سروں کو بھی نیزوں پر بلند کیا گیا اور سب سے آگے امام مظلومؑ کا سر اقدس تھا، اسی کیفیت کے ساتھ انہیں شہر کے اندر لایا گیا اور شہر کے ہر کوچہ و بازار میں پھرایا گیا اور اس دن شہر میں لوگوں کی اس قدر بھیڑ تھی کہ اس سے پہلے مرد اور عورتوں کی بھیڑ کبھی نہیں دیکھی گئی۔

(کتاب الدمعۃ الساکبۃ ج ۵ ص ۴۶ میں ہے کہ) ایک شخص کہتا ہے کہ میں کوفہ کے ایک بازار میں بیٹھا ہوا تھا اور شہادت حسینؑ سے بے خبر تھا، لیکن میں نے لوگوں کو اس دن عجیب حیرت اور عظیم دہشت میں مبتلا دیکھا، لیکن مجھے اس کا سبب معلوم نہیں تھا، اتنے میں میرے کانوں میں تکبیر و تہلیل (اللہ اکبر ، الہ الا اللہ) کی آوازیں سنائی دیں، یہ سن کر میں اٹھ کھڑا ہوا کہ دیکھوں کیا ہو رہا ہے؟ تو اچانک دیکھا کہ کچھ سروں کو نیزوں کی نوک پر بلند کئے ہوئے لایا جا رہا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھا کہ کچھ عورتیں اور چھوٹی چھوٹی بچیاں ہیں جنہیں بے پالان اونٹوں پر بٹھایا ہوا ہے اور ان کے سر شرم کی وجہ سے جھکے ہوئے ہیں، میں نے ایک اور دردناک منظر یہ دیکھا کہ ایک جوان کو اسی طرح کے اونٹ پر سوار دیکھا کہ سر سے ننگا مگر زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، اور پاؤں سے خون بہہ رہا تھا مقدس سروں کو اٹھانے والوں میں سے ایک کے نیزے پر ایک سر کو دیکھا جو سب سے زیادہ نورانی اور چمکدار تھا اتنا خوبصورت کہ اس پر قتل ہونے کے آثار نظر نہیں آرہے تھے، اس سر کے نیزے کو اٹھانے والا زور زور سے کہہ رہا تھا:

اَنَا صَاحِبُ الرُّمحِ الطَّوِیل ، اَنَا صَاحِبُ السَّیفِ الصَّقِیل ،اَنَا قَاتِلُ الدِّینِ الاَصِیل

میں ہوں بلند نیزے کے اٹھانے والا، میں ہوں صیقل شدہ چمکدار تلوار والا، اور میں ہی ہوں اصل اور حقیقی دین کو قتل کرنے والا۔

یہ سنتے ہی ان قیدی خواتین میں سے ایک مخدرہ بلند آواز کے ساتھ رو کر بولی:

ظالم یوں کہو:

''مَنْ نَاغَاهُ فِی الْمَهْدِ جبرائیل ''

جسے بچپن میں جبرائیل نے لوریاں دیں

''وَبَعْضُ خُدَّامِهٖ مِیکَائِیل وَاِسْرَافِیلُ وَعِزْرَائِیلُ''

جس کے خدمت گزاروں میں میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل شامل ہیں

''وَمِنْ عُتَقَائِهٖ صَلْصَائِیل''

جس کے آزاد کردہ افراد میں سے صلصائیل فرشتہ ہے

''وَمَنِ اهْتَزَّ بِقَتْلِهٖ عَرْشُ رَبِّ الْجَلِیْل''

جس کے قتل کی وجہ سے رب جلیل کا عرش بھی کانپ اٹھا

''وَقُلْ وَیْلَکَ!''

خدا تجھ پر لعنت کرے یوں کہہ!

''اَنَاقَاتِلُ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفیٰ ،وَعَلِیِّ نِ الْمُرْتَضیٰ وَفَاطِمَةُ الزَّهْرَاۗ وَالْحَسَنِ الْمُزَکّیٰ''

میں محمد مصطفیٰؐ کا، علی مرتضیٰؑ کا فاطمۃ الزہراؑ کا اور حسن مجتبیٰؑ کا قاتل ہوں!

''وَأَئِمَّةِ الْهُدیٰ وَمَلَائِکَةِ السَّمَآءِ وَالْاَنْبِیَآءِ وَالْاَوْصِیَآءِ''

اور تمام ائمہ ہدیٰ کا، ملائکہ سما کا اور تمام انبیاء واوصیاء کا قاتل ہوں!!

شہر کوفہ میں خطبوں کی بارش:

(احتجاج طبرسی جلد ۹ ص ۱۰۹ میں ہے کہ) جب کوفہ کی عورتوں نے قیدیوں کی یہ دردناک حالت دیکھی تو زار و قطار رونے لگیں اپنے گریبان چاک کر ڈالے اور مردوں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو ان سے بھی نہ رہا گیا وہ بھی ان کے ہمنوا ہو کر دھاڑیں مار مار کر رونے اور سخت بے چینی کا اظہار کرنے لگے، اسی اثنا میں علیؑ کی شیر دل بیٹی، ثانی زہراؑ شریکۃ الحسینؑ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے ایک بارعب آواز سے کہا:

''اَیُّھَا النَّاس ! اُسْکُتُوْا ''لوگو! خاموش ہو جاؤ!!

یہ سننا تھا کہ نہ صرف انسانوں کے رونے دھونے اور چیخنے چلانے کی آوازیں بند ہو گئیں بلکہ ماحول پر اس قدر سناٹا چھا گیا کہ اونٹوں کی گھنٹیوں کی آوازیں بھی بند ہو گئیں، تو اس وقت علیؑ کی فصاحت و بلاغت کی ورثہ دار زینب عالیہؑ خداوند عالم کی حمد و ثنا اور محمد و آل محمد پر درود و سلام کے بعد ان الفاظ کے ساتھ لوگوں سے مخاطب ہوئیں:

''اَمَّا بَعْدُ :یَآاَھْلَ الْکُوْفَۃِ اِیَآاَھْلَ الْخَتْلِ وَالْخَذْلِ وَالْغَدْرِ!!اَ لَافَلَارَقَأَتِ الْعَبْرَۃُ ،وَلَاھَدَأَتِ الزَّفْرَۃُ ، وَاِنَّمَامَثَلُکُمْ کَمَثَلِ الَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَھَا مِنْ بَعْدِ قُوَّۃٍ اَنْکَاثًا ،تَتَّخِذُوْنَ اِیْمَانَکُمْ دَخَلاً بَیْنَکُمْ ھَلْ فِیْکُمْ اِلَّاالصَّلَفَ وَالْعُجْبَ وَالشَّنَفَ وَالْکَذِبَ، وَمَلَقَ الْاِمَاءِ وَغَمْزَ الْاَعْدَآءِ،اَوْ کَمَرْعیً عَلیٰ دِمْنَۃٍ اَوْ کَفِضَّۃٍ عَلٰی مَلْحُوْدَۃٍ،اَلَابِئْسَ مَاقَدَّمَتْ لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ وَفِی الْعَذَابِ اَنْتُمْ خَالِدُوْنَ''

اے کوفہ والو! اور اے عیار اور غدار لوگو! کہیں تمہارے آنسو تھمنے میں نہ آئیں، اور نہ ہی تمہاری آہیں کبھی بند ہوں، تمہاری مثال تو اس عورت کی سی ہے جو سوت کاتنے کے بعد اسے توڑ دیتی تھی، تم نے اپنی قسموں کو اپنی تباہی اور بربادی کی دستاویز قرار دیا ہوا ہے، تمہارے پاس شیخی، غرور، عداوت اور جھوٹ کے علاوہ اور ہے کیا؟ یا پھر خدمت گزار لونڈیوں کی مانند چاپلوسی اور چغل خوری کے سوا کیا ہے؟ تم تو اس سبزے کی مانند ہو جو کسی جوہڑ پر اگا ہوتا ہے یا اس چاندی کی طرح ہو جو قبروں کو مزین اور چمکدار کر رہی ہوتی ہے، جس کا ظاہر تو بڑا خوبصورت اور چمکدار ہوتا ہے مگر باطن بدصورت اور قابلِ نفرت! تم نے اپنی آخرت کے لیے کیا بُرا زادِ راہ اکٹھا کر کے ابھی سے بھیج دیا ہے، اس سے تو تم نے اپنے رب کو ناراض کر کے اپنے لیے ہمیشہ کا عذاب مول لے لیا ہے۔ آیا تم لوگ ____ جی

ہاں تم لوگ جنھوں نے میرے بھائی کے ساتھ پختہ عہد و پیمان کیا تھے کہ ان کی مدد کرو گے مگر تم نے سب کچھ پسِ پشت ڈال کر عہد شکنی کی اور اب ___ میرے بھائی حسینؑ کے لیے رو رو کر مرے جا رہے ہو!!، جی ہاں خوب جی بھر کر روؤ، خدا کرے تمہارا رونا کبھی تھمنے میں نہ آئے اور ہمیشہ روتے رہو، اور بہت کم ہنسو!! اس بے رحمانہ قتل کا دھبہ تم پر ایسا لگ چکا ہے جو کبھی بھی نہیں دھل سکتا۔

غرض علیؑ کی شیر دل بیٹی نے کوفیوں کے ضمیر کو ایسا جھنجھوڑا کہ ہر شخص دم بخود چپ سادھے اپنی انگلیوں کو اپنے ہاتھوں سے کاٹ رہا تھا راوی کہتا ہے کہ میں نے اپنے ساتھ کھڑے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ شدت گریہ کی وجہ سے اس کی سفید ریش آنسوؤں سے تر ہو گئی تھی، اور وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے کہے جا رہا تھا:

''میرے ماں باپ تم پر قربان! تمہارے بزرگ دنیا کے بہترین بزرگ ہیں، جوان دنیا کے بہترین جوان، عورتیں تمام عورتوں سے افضل اور بچے تمام بچوں پر فوقیت رکھتے ہیں، تمہارا خاندان ہی کریم خاندان ہے، عظیم فضل اور رحمت الٰہی کا حامل ہے''

اس کے بعد اس نے یہ شعر پڑھا:

كُهُوْلُكُمْ خَيْرُ الْكُهُوْلِ وَنَسْلُكُمْ
إِذَا عُدَّ نَسْلٌ لَا يَبُوْرُ وَلَا يَخْزِىٰ

تمہارے بوڑھوں کے کیا کہنے کہ وہ سب سے بہتر لوگ ہیں، اور جب نسلوں کو شمار کیا جائے تو تمہاری پاکیزہ نسل ہر لحاظ سے نمایاں اور ممتاز نظر آئے گی۔

غرض ابھی خطبہ جاری تھا کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے صبر کی تلقین کرتے ہوئے اپنی پھوپھی جناب زینب عالیہ (ع) کی طرف منہ کر کے ارشاد فرمایا:

''پھوپھی جان! صبر سے کام لیجیے!!! امید ہے موجودہ لوگ اپنے مرنے والوں سے عبرت حاصل کریں گے، اور آپ تو بحمد اللہ ''عالمہ غیر معلّمہ'' ہیں ___ کہ درسگاہِ الٰہی کی تعلیم یافتہ ہیں دنیا کے کسی عام انسان سے آپ نے سبق نہیں پڑھا، ہمارا گریہ و زاری ہمارے بچھڑے عزیزوں کو واپس نہیں کرے گا''
یہ سن کر جناب زینبؑ خاموش ہو گئیں۔

جناب فاطمہ صغریٰؑ کا خطبہ:

(احتجاج طبرسی ج ۲ ص ۱۰۴ ہی میں ہے کہ) مورخین نے لکھا ہے کہ بازار کوفہ میں امام حسین علیہ السلام کی دختر جناب فاطمہ صغریٰ سلام اللہ علیہا نے بھی اپنی پھوپھی کی طرح ایک طویل مگر فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جسے سن کر تمام حاضرین پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ ہوش وحواس کھو بیٹھے، اور رو رو کر کہنے لگے:

''اے پاک و پاکیزہ خاندان کی دختر نیک اختر! بس کرو! اتنا کافی ہے، اب ہمارے دل جل جل کر کباب ہو رہے ہیں اور سینوں میں آتش غم شعلہ ور ہے''

یہ سن کر علیؑ کی پوتی اور حسینؑ کی لختِ جگر خاموش ہو گئیں۔

جناب ام کلثومؑ کا خطبہ:

اب امیر المومنین علیہ السلام کی دخترِ نیک اختر جناب ام کلثوم کی باری تھی، اس مخدومہ نے بھرے بازار میں یہ مختصر مگر جامع خطبہ ارشاد فرمایا: بعد از حمد وثنائے پروردگار!

''یَآاَھلَ الْکُوفَۃِ سوءً الَّکُم، مَالَکُم خَذَلتُم حُسَیناً وَّقَتَلتُمُوہُ وَانتَھَبتُم اَموَالَہٗ وَوَرِثتُمُوہُ، وَسَبَیتُم نِسَآئَہٗ وَنَکَیتُمُوہُ فَتَبًّا لَّکُم وَسُحقًا''

اے کوفہ والو! تمہارا برا ہو تمہیں کیا ہو گیا تھا کہ تم نے (میدانِ جنگ اور دشمن کے ہاتھوں) حسینؑ کو تنہا چھوڑ دیا اور اسے شہید کر دیا؟ اور پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کی اس کے مال واسباب کو بھی لوٹ لیا گویا اسے اپنی وراثت سمجھ کر اپنے گھر لے آئے، اور اس کے اہلِ حرم کو قیدی بنا کر انہیں قید و بند کی صعوبتوں میں گرفتار کر دیا ہے، تباہ و برباد ہو جاؤ اور تمہارا ستیاناس ہو جائے۔

آیا تم نہیں جانتے ہو کہ تم نے کتنا بڑا بوجھ اور وبال اپنی گردنوں میں ڈال لیا ہے؟ اس کس قدر سنگین گناہ کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا ہے؟ اور کس قدر پاک و پاکیزہ خون تم نے زمین پر بہایا ہے؟ اور کیسی باعظمت خواتین کو ان کے عزیزوں اور پیاروں کے غم میں دوچار کر دیا ہے؟ کیسی کیسی معصوم بچیوں کے ہاتھوں اور کانوں سے ان کے زیورات چھین لیے ہیں؟ ہم اہلِ بیتؑ کے کیسے کیسے گراں قیمت مال کو تم نے لوٹ لیا ہے؟

تم نے ہمارے مردوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے، پیغمبرؐ کے بعد جن کی نظیر کائنات میں ملنا مشکل

ہے، یقیناً تمہارے دلوں میں رحم نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی تھی، تو اب تمہیں آگاہ رہنا چاہیے کہ خدا وند عالم ہی کا گروہ غالب اور فاتح ہے جبکہ شیطان کا ٹولہ ہمیشہ ناکام و نامراد ہے"
پھر سیدہؑ نے چند اشعار پڑھے جن سے سننے والوں میں کہرام برپا ہوگیا، کتاب الملہوف ص ۶۵ کے مطابق اس دن اتنا گریہ ہوا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔

امام سجادؑ کا تاریخی خطبہ:

(بحارالانوار ۴۵ ص ۱۱۲ اور الاحتجاج ۲ ص ۱۱۷ میں ہے کہ)
اسی اثنا میں حضرت امام سجادؑ نے لوگوں سے خطاب کرنے کے لیے فرمایا:
"خاموش!"
یہ سن کر سب لوگوں پر سکوت طاری ہوگیا حتیٰ کہ سانسیں اپنے مقام پر رک گئیں۔
تو آپ نے ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا:

"اَیُّهَا النَّاسُ مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ ،وَمَنْ لَّمْ یَعْرِفْنِیْ فَاَنَاعَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ الْمَذْبُوْحِ بِشَطِّ الْفُرَاتِ مِنْ غَیْرِ ذَحْلٍ وَّلَا تُرَاثٍ ،اَنَا ابْنُ مَنِ انْتُهِکَ حَرِیْمُهٗ وَسُلِبَ نَعِیْمُهٗ وَانْتُهِبَ مَالُهٗ وَسُبِیَ عِیَالُهٗ اَنَا ابْنُ مَنْ قُتِلَ صَبْرًا ، فَکَفٰی بِذٰلِکَ فَخْرًا......"

اے لوگو! جو شخص مجھے پہچانتا ہے سو وہ جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟ اور جو نہیں جانتا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ میں حسینؑ کا فرزند علیؑ (زین العابدین) ہوں، جس حسینؑ کو دریائے فرات کے کنارے بھوکا پیاسا شہید کر دیا گیا اور وہ بھی کسی جرم اور خطا کے بغیر، میں اس کا بیٹا ہوں جس کی ہتک حرمت کی گئی، مال کو لوٹ لیا گیا اور اس کے افرادِ خاندان کو قیدی بنالیا گیا، میں اس کا فرزند ہوں جسے صبر کے عالم میں شہید کیا گیا اور یہی بات ہمارے فخر کے لیے کافی ہے۔
اے لوگو! میں تمہیں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ آیا تم نے میرے والد گرامی کو خطوط لکھے تھے یا نہیں؟ اور ان خطوط میں انہیں اپنے پاس آنے کی دعوت دی تھی یا نہیں؟ اور پھر دعوت دے کر ان کے ساتھ غداری کی؟ ان سے عہد و میثاق کیا اور بیعت کی اور پھر ان سے جنگ کی اور دشمن کے نرغہ میں انہیں تنہا چھوڑ دیا، پس تمہارے لیے بربادی ہو تم نے کس قدر برا زادِ راہ اپنے لیے تیار کر کے

آئندہ کے لیے روانہ کر دیا ہے، اور کس قدر خراب ہے تمہاری رائے؟

مجھے بتاؤ تم کس آنکھ کے ساتھ رسول گرامی اسلام کی طرف نگاہ کرو گے؟ جب وہ تم سے کہیں گے کہ ''تم نے میری عترت کو قتل کیا، میری حرمت کو پامال کیا، لہٰذا اب تم میری امت نہیں رہے''

جب امام علیہ السلام کا کلام یہاں پر پہنچا تو حاضرین پر شدید گریہ طاری ہو گیا اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور کہنے لگے ''دیکھ لیا اپنی بربادی کو، تمہیں کچھ بھی حاصل نہیں ہوا؟''

امام علیہ السلام نے اپنے خطبے کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''خدا کی رحمت ہو اس پر جو میری نصیحت کو قبول کرے اور خدا اور رسولؐ اور اہلِ بیت پیغمبرؐ کے بارے میں میری بتائی ہوئی باتوں کو دل میں جگہ دے، کیونکہ میں جو کچھ بتاتا ہوں وہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی ہوتی ہے''

یہ سن کر تمام لوگوں نے یک زباں ہو کر بلند آواز کے ساتھ کہا:

''اے فرزند رسول خداؐ! ہم آپ کے تابع فرمان ہیں، آپ کے پیمان کو محکم اور اپنے دلوں کو آپ کی طرف پھیر دیا ہے، آپ پر اللہ کی رحمتیں ہوں، آپ حکم تو دیں دیکھیں گے کہ جو آپ سے جنگ کرے گا، ہماری بھی اسی کے ساتھ جنگ ہے، جس کی آپ کے ساتھ جنگ ہے، جس کی آپ کے ساتھ صلح ہے ہماری بھی اسی کے ساتھ صلح ہے، اور ہم یزید کو (تخت سلطنت سے اتار کر) گرفتار کر لیں اور جن لوگوں نے آپ پر ظلم وستم روا رکھا ہے ان سے اظہار بیزاری کرتے ہوئے آپ کے پاک و پاکیزہ شہیدوں کے خون کا بدلہ لیں۔

تو امام نے فرمایا:

''هَيْهَاتَ اَيُّهَا الْغَدَرَةُ الْمَكَرَةُ حِيلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ شَهَوَاتِ اَنْفُسِكُمْ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَاْتُوْا اِلَيَّ كَمَا اَتَيْتُمْ اِلٰى آبَآئِيْ مِنْ قَبْلُ؟''

ہیہات! اے بے وفا دھوکے بازو! تمہارے اپنے اور تمہاری خواہشات کے درمیان پردے حائل ہو چکے ہیں، اب پھر وہی کچھ کرنا چاہتے ہو جو اس سے پہلے میرے بزرگوں کے ساتھ کر چکے ہو؟............

الغرض امام عالیمقام سید الساجدین علی زین العابدین علیہ السلام نے ایسا موثر خطبہ دیا کہ ان کوفیوں کے ضمیر ان کو ملامت

کر رہے تھے آخر میں آپ نے تین شعر پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اگر حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا ہے یا ان سے بہتر ان کے والدِ گرامی علی علیہ السلام کو جو ان سے بہتر تھے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اس لیے کہ تم ایسا کرتے ہی چلے آئے ہو، تو اے اہلِ کوفہ! حسینؑ کے قتل کر دینے پر تم خوشی نہ مناؤ اس لیے کہ یہ ایک بہت ہی عظیم مصیبت ہے، میری جان قربان جائے اس شہید مظلوم پر جسے دریائے فرات کے کنارے پیاسا شہید کیا گیا، اور جس نے انہیں شہید کیا اس کی سزا یقیناً جہنم ہے۔

دارالامارہ میں قیدیوں کی آمد:

(ارشاد شیخ مفید ج ۲ ص ۱۱۵، میں ہے کہ) آخر کار امام حسین علیہ السلام کے اہلِ بیتؑ کو ابن زیاد کے دارالامارہ لے جایا گیا، اور آپ کی ہمشیرہ معظّمہ علیا مخدرہ زینب کبریٰ (ع) ان قیدیوں میں موجود تھیں اور بدن پر بوسیدہ لباس تھا، ناشناختہ طور پر مجلس ابن زیاد میں پہنچیں، دارالامارہ کے ایک کونے میں بیٹھ گئیں، اور کنیزوں نے ان کو اپنے حلقے میں لے لیا، اتنے میں ابن زیاد (ملعون) نے پوچھا:

''وہ کون خاتون ہے جو وہاں پر کچھ عورتوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے؟''

علیؑ کی مظلوم بیٹی خاموش رہیں، اس نے اپنا یہی سوال دو تین مرتبہ دہرایا، آخر میں ایک کنیز نے کہا:

''هٰذِهِ زَيْنَبُ بِنْتُ فَاطِمَةَ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ص)''

''رسولؐ کی نواسی زینب بنت فاطمہؑ ہیں''

تو اس ظالم نے جناب زینب عالیہؑ کی طرف منہ کر کے کہا:

''خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں قتل کیا اور تمہاری باتیں غلط ثابت ہوئیں!!''

اس پر علیؑ کی شیر دل بیٹی کو جلال آ گیا اور اس ملعون کے جواب میں ارشاد فرمایا:

''اس خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہمیں اپنے رسولؐ، حضرت محمد مصطفیٰؐ کے ذریعہ عزت و کرامت عطا فرمائی اور ہر قسم کی نجاستوں سے دور رکھا، ہمیشہ فاسق لوگ ہی رسوا ہوتے ہیں اور نابکار جھوٹ بولتے ہیں، اور وہ ہم نہیں کوئی اور ہے!''

ابن زیاد نے کہا:

''اپنے بھائی اور اہلِ بیتؑ کے ساتھ خدا کے کام کو کیسا دیکھا؟''

تو دکھیا زینبؑ نے کہا:

''خدا کی جانب سے جو کچھ دیکھا بہت اچھا دیکھا، یہ وہ لوگ تھے خدا نے جن کے مقدر میں شہادت کو لکھ دیا سو وہ انہیں حاصل ہوگئی اور وہ اپنی ہمیشہ کی آرام گاہ کو چلے گئے، اور وہیں پر آرام کر رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تیرے اور ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اور تجھ سے ان کے خون کا قصاص لے گا، تو اس دن تمہیں پتا چلے گا کہ کون کامیاب و کامران ہے، اے مرجانہ کے بیٹے! تیری ماں تیرا سوگ منائے!!''

یہ کلمات سن کر وہ سخت طیش میں آگیا اور (الملہوف ص ۶۷ کے مطابق) اس نے ثانی زہراؑ کو قتل کر دینے کا فیصلہ کرلیا، یہ کیفیت دیکھ کر دربار میں موجود ایک شخص جس کا نام ''عمرو بن حریث'' تھا، نے کہا:

''چھوڑو امیر! یہ ایک عورت ہے اور عورت کی باتوں کا برا نہیں مناتے''

ابن زیاد نے زینب عالیہؑ سے مخاطب ہو کر کہا:

''خدا نے حسینؑ اور تمہارے پورے خاندان کے قتل سے میرے دل کو ٹھنڈا کیا ہے''

یہ سننا تھا کہ زینب عالیہؑ کی دھاڑیں نکل گئیں سیدہ مظلومہؑ نے روتے ہوئے کہا:

''مجھے میری جان کی قسم! تو نے ہمارے سردار کو شہید کر دیا، میری زندگی کی شاخ کو کاٹ ڈالا، ہماری جڑوں پر کاری وار کیا، لہٰذا اگر اس طرح کے کام سے تیرا دل ٹھنڈا ہوا ہے تو پھر تجھے اپنا مقصد و مقصود مل گیا ہے!!''

ابن زیاد بولا:

''یہ عورت بڑی مسجع اور مقفی باتیں کرتی ہے! اس کا باپ بھی اسی طرح کا ماہر شاعر، شمار ہوتا تھا''

(ارشاد شیخ مفید ص ۱۱۵ کے مطابق) زینب عالیہؑ نے فرمایا: ''ایک غم دیدہ اور ستم رسیدہ عورت کہاں اور سجع اور قافیہ کہاں؟! یہ جو باتیں میری زبان سے نکل رہی ہیں میرے درد بھرے دل کی آواز ہیں'' (مثیر الاحزان ص ۹۱ کے مطابق) بی بی نے فرمایا:

''مجھے تعجب تو اس شخص پر ہوتا ہے جو پاک امامؑ کے قتل کرنے کے بعد کہتا ہے کہ اس کا دل ٹھنڈا ہو گیا ہے اور اسے روحانی تسکین مل گئی ہے جبکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کل بروز جزا اس سے اس کا انتقام لیا جائے گا''

امام سجادؑ کے قتل کا حکم:

اب اس نے حضرت امام سجادؑ کی طرف منہ کر کے پوچھا کہ:

''یہ کون ہے؟''

اسے بتایا گیا کہ:

''امام حسینؑ کے صاحبزادے ''علی بن الحسینؑ'' ہیں'' اس نے کہا:

''کیا خدا نے علیؑ بن الحسینؑ کو قتل نہیں کیا؟''

امام سجادؑ نے فرمایا:

''میرا ایک اور بھائی تھا، جس کا نام بھی علیؑ بن الحسین (ع) تھا، جسے لوگوں نے شہید کر دیا'' عبید اللہ نے کہا:

''نہیں بلکہ خدا نے اسے قتل کیا ہے!''

تو امامؑ نے اس موقع پر قرآن کے سورہ زمر کی آیت ۴۲ تلاوت فرمائی:

''اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا، وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا'

خدا روحوں کو موت کے وقت پر قبض کرتا ہے......

یہ سن کر ابن زیاد غصہ سے آگ بگولہ ہو کر کہنے لگا: ''تم میرے سامنے جسارت کرتے ہو؟'' یہ کہا اور جلادوں کو حکم دیا کہ اسے لے جا کر قتل کر دو!!''

یہ سننا تھا کہ زینب عالیہؑ نے امامؑ کو اپنے گلے سے لگا لیا اور فرمایا:

''او ابن زیاد! اب تک تُو ہمارے خاندان کا کافی خون بہا چکا،
میں اپنے اس بچے کو قتل نہیں ہونے دوں گی، خدا کی قسم میں اس
سے ہرگز جدا نہیں ہوں گی، اگر تم اسے قتل کرنا چاہتے ہو تو پھر
مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کر دو!!''

(ارشاد شیخ مفید ۲ ص ۱۱٦ کے مطابق)

ابن زیاد نے پھوپھی بھتیجے کی طرف دیکھ کر کہا:

"عَجَباً لِلرَّحِمِ !!" رشتہ داری کتنی عجیب ہوتی ہے یہ عورت بھی اپنے بھتیجے کے ساتھ قتل ہو جانے کو پسند کرتی ہے، میرا خیال ہے کہ یہ جوان اسی بیماری ہی سے چل بسے گا۔

اتنے میں امام زین العابدینؑ نے پھوپھی کی طرف منہ کر کے فرمایا:

"پھوپھی اماں! اب ذرا مجھے اس سے باتیں کرنے دیں"

پھر آپ نے ابن زیاد کی طرف منہ کر کے فرمایا:

"اَبِالْقَتْلِ تُهَدِّدُنِي يَابْنَ زِيَادٍ ؟"

ابن زیاد کیا تم مجھے قتل کی دھمکیاں دے رہے ہو؟

اَمَاعَلِمْتَ اَنَّ الْقَتْلَ لَنَا عَادَةٌ وَّكَرَامَتُنَاالشَّهَادَةُ"

کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے اور خدا کی راہ میں شہادت، ہماری عزت اور بزرگی ہے!!

(الملہوف ص ٦٨) کے مطابق یہ سن کر ابن زیاد خاموش ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ امام سجاد اور اہلِ بیتؑ اطہار کو کوفہ کی مسجد اعظم کے پہلو میں موجود قید خانے میں منتقل کر دیا جائے۔

ابن زیاد اور سید الشہداءؑ کا سر:

(بحار الانوار ج ۴۵ ص ۱۱۸ کے مطابق) ابن زیاد کے پاس ایک چھڑی تھی جو وہ حضرت ابا عبد اللہ الحسینؑ کی مبارک آنکھوں اور دانتوں پر مار کر کہتا تھا:

"حسینؑ! تمہارے دانت کس قدر خوبصورت ہیں"

یہ منظر پیغمبرؐ کے صحابی زید بن ارقم سے دیکھا نہ گیا، بے ساختہ روتے ہوئے کھڑا ہو گیا اور ابن زیاد سے فرمایا:

"ہٹا لے اپنی اس چھڑی کو حسینؑ کے ہونٹوں اور دانتوں سے کیونکہ میں نے اپنی آنکھوں سے رسول پاکؐ کو ان لبوں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے" یہ سن کر ابن زیاد ملعون نے کہا "خدا تیری آنکھوں کو ہمیشہ رلاتا رہے اے دشمنِ خدا!! اگر تو بڈھا آدمی نہ ہوتا کہ جس کی عقل اسے جواب دے گئی ہے تو

تیری گردن بھی اڑا دیتا''

زید بن ارقم نے کہا:

''تجھے اس سے بھی بہتر بات بتاؤں اور وہ یہ کہ میں نے رسول پاکؐ کو دیکھا تھا کہ انہوں نے دونوں بھائیوں حسنؑ اور حسینؑ کو اپنے زانوؤں پر بٹھایا ہوا تھا کہ اپنا ہاتھ ان کے سر پر رکھ کر فرمایا:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْتَوْدِعُکَ اِیَّاهُمَا وَالصَّالِحَ الْمُؤْمِنِیْن'' خداوندا! میں اپنے ان دونوں پیارے بیٹے اور صالح اور شائستہ مومنین کو تیری امان میں دیتا ہوں' ابن زیاد! تو رسول خداؐ کے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے؟''

(تاریخ طبری ۵ ص ۲۳۰ میں ہے کہ) یہ کہہ کر زید بن ارقم روتے ہوئے دارالامارہ سے باہر آ گئے اور بآواز بلند فرمایا:

''ایک غلام، آزاد اور شرافت مآب انسان کا مالک بن چکا ہے، اے سرزمین عرب کے باسیو! اب کے بعد تم نے فرزند زہراؑ کو شہید کر کے اور ایک حرامزادے کو اپنا حاکم بنا کر ہمیشہ کے لئے غلامی مول لے لی ہے!''

ابن زیاد کی جسارت دیکھ کر امام مظلوم کی مظلومہ زوجہ جناب ربابؑ اپنی جگہ سے اٹھیں اور امامؑ کا مبارک سر اٹھا کر اپنے دامن میں لے کر بین کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

یَا حُسَیْنًافَلَانَسِیْتُ حُسَیْنًا، اَقْصَدَتْهُ اَسِنَّةُ الْاَعْدَآءِ غَادَرُوْهُ بِکَرْبَلَاءَ صَرِیْعًا لَاسَقَی اللّٰهُ جَانِبِی کَرْبَلَاءِ

اے حسینؑ مولا! میں کبھی آپ کو فراموش نہیں کروں گی، ان ستمگار ظالم دشمنوں کے نیزے کیونکر آپ کی جان عزیز پر پڑتے رہے؟ اس وقت آپ کربلا میں تن تنہا پڑے ہوئے ہیں، خدا کربلا کے دونوں اطراف کو سیراب نہ کرے۔

(نفس المہموم ص ۴۰۸ منقول از تذکرۃ الخواص)

زندانِ کوفہ

امالی شیخ صدوق مجلس ۳۱ حدیث ۳ میں ہے کہ:

اس کے بعد ابن زیاد ملعون نے حکم دیا کہ اہلِ بیتؑ کو دوبارہ زندان لے جایا جائے، اور ساتھ ہی اپنے قاصدوں کے ذریعہ ہر جگہ پر امام حسینؑ کی شہادت کی خبر پھیلا دی۔

تاریخ طبری جلد ۵ ص ۴۳۴ میں ہے کہ: شہادت حضرت امام حسینؑ کے بعد جب ''کاروانِ حریت'' کوفہ پہنچا تو ابن زیاد نے حکم دیا کہ انہیں زندان میں قید کر دیا جائے اور اہلِ بیتؑ قید خانے میں رہ رہے تھے کہ اچانک ایک دن قید خانے کے اندر ایک پتھر آ گرا، اس کے ساتھ ایک خط تھا جس میں لکھا ہوا تھا کہ: ''ابن زیاد کی طرف سے ایک تیز رفتار قاصد یزید کے پاس شام روانہ ہو گیا ہے جو اسے آپ لوگوں کے حالات سے مطلع کرے گا، قاصد فلاں دن کوفہ سے چلا گیا ہے اور فلاں مدت کے بعد شام پہنچے گا، اور اتنے دن قاصد کو واپسی کے لئے درکار ہوں گے، لہٰذا فلاں عرصے تک واپس آئے گا، چنانچہ اتنے دنوں کے بعد اگر تم نے تکبیر کی آواز سنی تو بس سمجھ لیجیے کہ آپ قیدیوں کے قتل کا حکم صادر ہو چکا ہے، اور اگر یہ نہ سنی تو پھر سمجھئے کہ انشاء اللہ سب ٹھیک ہے۔

ابھی اس قاصد کی واپسی سے دو یا تین دن باقی رہتے تھے کہ پھر اسی طرح کا ایک پتھر زندان کے اندر آ گرا، جس کے ساتھ ایک خط بندھا ہوا تھا جس میں لکھا ہوا تھا کہ اگر آپ لوگ کوئی وصیت کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں اس لئے کہ اب چند ہی دنوں میں قاصد واپسی کا جواب لے کر پہنچا ہی چاہتا ہے''

آخر کار وہ دن آن پہنچا، مگر نعرہ تکبیر بلند نہ ہوا، بلکہ یزید نے ابن زیاد کے نام خط لکھا کہ: ''قیدیوں کو دمشق بھیج دو''

ابن زیاد کا ___ یزید کے نام خط:

جیسا کہ ابھی بتایا جا چکا ہے کہ ابن زیاد نے یزید کو لکھا جس میں امام حسینؑ کی شہادت اور ان کے اہلِ بیتؑ کی اسارت کی خبر تھی، جب اسے یہ خط ملا تو اس نے ابن زیاد کو حکم دیا کہ امام حسینؑ اور دوسرے تمام شہداء کے سروں کو ان قیدیوں کے ہمراہ شام روانہ کر دیا جائے۔

چنانچہ ملہوف ص ۶۸ میں ہے کہ: یزید کے حکم کی تعمیل سے پہلے ابن زیاد نے حکم دیا کہ امام مظلوم حسین بن علی علیہ السلام کا سرنیزے پر سوار کر کے کوفہ کے تمام گلی کوچوں میں پھرایا جائے، اور ایسا ہی کیا گیا۔

کاروانِ حریت پر کوفہ میں کیا گزری؟:

ارشاد شیخ مفید جلد ۲ ص ۱۱۷ میں ہے کہ:

زید بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ مظلوم کربلا کا مقدس سر میرے پاس سے گزرا، جو نیزے کی نوک پر سوار تھا، جبکہ میں اپنی جگہ بیٹھا ہوا تھا، جب وہ میرے پاس سے گزرا تو وہ کچھ پڑھ رہا تھا، میں نے توجہ کے ساتھ کان لگا کر سنا تو وہ سورہ کہف نویں آیت کی تلاوت کر رہا تھا

''اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا''

کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ اصحابِ کہف و رقیم (غار اور کتبے والے) ہماری تعجب کے قابل نشانیوں میں سے تھے؟، خدا کی قسم میں یہ منظر دیکھ کر لرز گیا اور بلند آواز کے ساتھ کہا: ''فرزند رسولؐ! آپ کا مقدس سر اصحابِ کہف سے زیادہ حیران کن اور تعجب آور ہے''

دربارِ ابن زیاد اور عبداللہ بن عفیف:

سفینۃ البحار ۲ ص ۱۳۵: میں ہے کہ، عبداللہ بن عفیف ازدی کا شمار بزرگ شیعوں اور اپنے زمانے کے زاہدوں میں ہوتا ہے، ان کی ایک آنکھ جنگ جمل میں کام آئی جب وہ حضرت علیؑ کی طرف سے لڑ رہے تھے اور دوسری جنگ صفین اور حضرت امیرؑ کی نصرت میں کام آئی، اس کے بعد وہ مسجد کوفہ میں گوشہ نشین ہو چکے تھے، اور صبح سے لے کر شام تک عبادت الٰہی اور نماز میں مشغول رہتے۔

ارشاد شیخ مفید ۲ ص ۱۱۷ میں ہے:

جب کربلا کے قیدیوں کو کوفہ میں لایا گیا تو ابن زیاد نے پیش بندی کے طور پر کہ مبادا کوفہ میں کوئی شورش برپا ہو یا کوئی انقلاب وجود میں آجائے اس نے حکم دیا کہ سارے لوگ کوفہ کی جامع مسجد میں اکٹھے ہوں، جب سب اکٹھے ہو گئے تو اس نے منبر پر جا کر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''خدا کا شکر ہے کہ حق و حقیقت اور اہلِ حق کو اس نے فتح عطا فرمائی ہے، اور یزید اور اس کے پیروکاروں کو فتح و نصرت سے نوازا اور ___ نعوذ باللہ ___ کذّاب بن کذّاب کو قتل کر دیا''

چنانچہ عبداللہ بن عفیف کی غیرت برداشت نہ کرسکی اور وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور کہا:

''او مرجانہ کے بیٹے! کذاب تو ہے اور تیرا باپ اور وہ ہے جس نے تجھے اور تیرے باپ کو یہ منصب سونپا ہے، اے دشمن خدا! تم نے اولادِ انبیاء کو موت کے گھاٹ اتارا اور تو خود مومنین کے خلاف منبر پر جا کر اس طرح کی گستاخی کرتا ہے''

جب ابن زیاد نے اس طرح کے احتجاجی جملے سنے تو سخت طیش میں آ گیا اور کہنے لگا:

''یہ کون ہے؟''

عبداللہ بن عفیف نے کہا:

''اے خدا کے دشمن! میں ہوں!! تو نے ایک ایسے پاکیزہ خانوادے کو قتل کیا ہے جسے خدا نے ہر قسم کی پلیدی اور نجاست سے دور رکھا ہے، اس کے باوجود تیرا گمان ہے کہ تو مسلمان ہے؟ ہائے افسوس!! کہاں ہے مہاجرین وانصار کی اولاد؟ اس ملعون ابن ملعون سے خونِ حسینؑ کا انتقام کیوں نہیں لیتے جس پر اللہ کے رسولؐ نے اپنی مبارک زبان سے لعنت کی ہے؟''

یہ سن کر ابن زیاد کے غیظ وغضب میں مزید شدت آ گئی اور اس کی گردن کی رگیں پھول گئیں اس نے کہا:

''اسے میرے پاس لے آؤ!!''

یہ سن کر اس ملعون کے سپاہیوں نے ایک نہتے اور مظلوم شخص پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا اور اسے گرفتا کرنے کے لیے آگے بڑھے ہی تھے کہ قبیلہ ''ازد'' کے بزرگ جو ابن عفیف کے چچازاد بھائی ہوتے تھے، کھڑے ہو گئے اور اسے سپاہیوں کی گرفت سے چھڑا کر مسجد کوفہ سے باہر لے گئے۔

ابن زیاد نے اپنے سپاہیوں سے کہا:

''اس ازدی نابینا کو کہ جس کے دل کو خدا نے اس کی آنکھوں کی طرح اندھا کر دیا ہے، گرفتار کر کے میرے پاس لے آؤ!!''

جب قبیلہ ازد کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عفیف کو ابن زیاد کے سپاہی گرفتار کرنے کے لئے آ رہے ہیں تو وہ سب اکٹھے ہو گئے اور قبائل یمن کے کچھ لوگ ان کے ساتھ آ ملے اور باہم فیصلہ کیا کہ ابن عفیف کا دفاع کریں گے''

جب ابن زیاد کو معلوم ہوا تو اس نے مدد کے لئے قبائلِ مُضر کو طلب کیا اور انہیں محمد بن اشعث کی کمک کے لئے روانہ کر دیا، اور انہیں حکم دیا کہ ''مرتے دم تک جنگ جاری رکھنی ہے''

راوی کے بقول:

''فریقین کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہوئی اور کافی تعداد میں لوگ مارے گئے، انجام کار ابن زیاد کے سپاہیوں نے عبداللہ بن عفیف کے گھر کے دروازے کو توڑا اور اندر داخل ہو گئے''

عبداللہ کی ایک بیٹی تھی جو اس جنگ میں اس کی راہنمائی کر رہی تھی، جدھر سے کوئی حملہ آور آتا تو ادھر کی طرف وہ اس کی رہنمائی کرتی جاتی تھی، عبداللہ نے اپنی بیٹی سے کہا: ''گھبراؤ نہیں مجھے میری تلوار پکڑاؤ'' اس نے اسے تلوار پکڑا دی اور وہ اس کے ذریعہ اپنا دفاع کرنے لگا اور ساتھ ہی یہ شعر بھی پڑھتا جاتا تھا:

اَنَا ابْنُ ذِی الْفَضْلِ عَفِیْفِ الطَّاهِر
عَفِیفٌ شَیْخِیْ وَابْنُ اُمِّ عَامِر
کَمْ دَارِعٍ مِّنْ جَمْعِکُمْ وَحَاسِرٍ
وَبَطَلٍ جَدَلْتُهُ مُغَادِرٍ

میں صاحب فضل اور پاک سرشت عفیف کا بیٹا ہوں، عفیف جو میرا والد ہے اور ام عامر کا بیٹا ہے تمہارے کس قدر ایسے زرہ پوش، سر برہنہ اور تباہ کن پہلوان ہیں کہ جنہیں میں نے پچھاڑ دیا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ عبداللہ کی بیٹی نے اپنے باپ سے کہا: ''بابا جان! کاش میں مرد ہوتی اور عترت و اہلِ بیتؑ رسولؐ کے قاتلوں کے ساتھ جنگ کرتی!!''

ابن زیاد کے سپاہیوں نے اس پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا، چونکہ عبداللہ نابینا تھے لہٰذا اپنی بیٹی کی راہنمائی میں ان کے حملوں کو رد کرتے جاتے تھے، جہاں ان کی بیٹی کہتی وہیں پر حملہ کر دیتے تھے، آخر کار سپاہی اس کے نزدیک پہنچ گئے، یہ حالت دیکھ کر وہ خاتون رونے لگی اور کہا: ''وا ذلاہ! میرے بابا کو دشمنوں نے گھیر لیا ہے اور کوئی نہیں جو ان کو ظالموں سے چھڑائے!!'' مگر ابن عفیف اپنی تلوار بھی چلاتے جاتے تھے اور یہ اشعار بھی پڑھتے جاتے تھے۔

اُقْسِمُ لَوْ یَفْسَحُ لِیْ عَنْ بَصَرِیْ
ضَاقَ عَلَیْکُمْ مَوْرِدِیْ وَ مَصْدَرِیْ

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میری آنکھیں کھلی ہوتیں (نابینا نہ ہوتا) تو تم لوگوں پر آمد و رفت کے تمام راستے بند کر دیتا۔

بالآخر اس بطل حریت کو ظالم کے سپاہیوں نے گرفتار کر لیا اور ابن زیاد کے پاس لے گئے۔

آزاد اور قیدی کا مکالمہ:

ناظرین! جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وہ قیدی نہیں تھے جنہیں دشمنوں نے پابند رسن کیا ہوا تھا، بلکہ وہ آزاد تھے، اس لیے کہ ان کا ضمیر آزاد تھا، ان کا دل آزادانہ تھا، ان کا عمل آزادانہ تھا، درحقیقت قیدی تو وہ تھے جنہوں نے ان کو رسیوں یا زنجیروں میں جکڑا، کیونکہ وہ شیطان کی قید میں تھے، نفس امارہ کی قید میں تھے، مقام و منصب اور لالچ کی قید میں تھے، حکومت اور عہدے کی قید میں تھے، اس کا واضح ثبوت آپ کو یہیں پر مل جائے گا، ایک وہ ہے جو دشمن کے سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہے مگر کلمہ حق کہنے میں آزاد ہے، ایک وہ ہے جو تخت حکومت پر بیٹھا ہوا ہے مگر حق کا انکاری اور اقتدار کا پجاری ہے اور یزید عنید کا دست بستہ حلقہ بگوش غلام ہے اور عہدہ و اقتدار کا قیدی۔

آیئے اس مقام پر حقیقی معنوں میں ایسے ہی آزاد اور قیدی کی گفتگو سنتے ہیں۔

حضرت رسالتمآبؐ فرماتے ہیں:

''اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَآئِرٍ''

جابر بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا بہترین جہاد ہے،

تو لیجیے سنیے:

ابن زیاد نے عبداللہ بن عفیف کو دیکھتے ہی کہا: ''خدا کا شکر ہے کہ جس نے تجھے رسوا کیا ہے''

مگر اس آزاد مرد نے کہا:

''اے دشمن خدا اللہ نے مجھے کیونکر رسوا کیا ہے؟ خدا کی قسم اگر میری آنکھیں ہوتیں تو یاد رکھ کہ میں تمہاری زندگی کو تمہارے لیے تنگ اور تاریک کر دیتا''

ابن زیاد نے کہا:

تم حضرت عثمان کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

کہا:

''اے بنی علاّج کے غلام اور اے مرجانہ کے بیٹے! تجھے عثمان سے کیا غرض؟ اگر اس نے غلط کیا ہے یا ٹھیک، برا کیا ہے یا بھلا، اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے اور اللہ اپنے بندوں کا آقا و سرپرست ہے، وہ خود ہی اپنے بندوں کے درمیان عدل و انصاف کا فیصلہ کرے گا، البتہ تو مجھ سے اپنے اور اپنے باپ کے بارے میں پوچھ، یا یزید یا یزید کے باپ کے متعلق سوال کر!!''

ابن زیاد:___ خدا کی قسم! اب تجھ سے کسی قسم کا سوال نہیں کروں گا، بلکہ تجھے موت کا مزہ چکھاؤں گا۔

کہا:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ! میں نے خدا سے شہادت کی یہ آرزو اس وقت سے کی ہوئی ہے جب کہ تجھے ابھی تیری ماں نے جنم بھی نہیں دیا تھا، اور ساتھ ہی اس سے یہ دعا بھی کی تھی کہ مجھے اس شخص کے ہاتھوں شہادت کا شرف حاصل ہو جو دنیا کا قابلِ نفرت ترین شخص ہو اور جسے خدا بھی اپنا سب سے زیادہ دشمن رکھتا ہو، چونکہ نابینا ہو چکا تھا، اس لیے اپنی شہادت سے ناامید ہو گیا تھا، مگر اب خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ ناامید ہو جانے کے بعد مجھے شہادت کا شرف عطا کر رہا ہے اور میری دیرینہ دعا کو منظور فرما رہا ہے''

ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس کا سرتن سے جدا کر دیا جائے، چنانچہ اسی جگہ پر ہی اسی مظلوم اور حق گو انسان کا سر قلم کر دیا گیا اور اس کے بدن مطہر کو کوفہ کی شورہ زار جگہوں پر سولی پر لٹکا دیا گیا (بحار الانوار ج ۴۵ ص ۱۱۹، جبکہ ارشاد شیخ مفید کی روایت اس سے قدرے مختلف ہے)

ایک اور بطلِ جلیل کی جرأت:

مثیر الاحزان ص ۹۴ میں ہے کہ: اسی کوفہ میں شیعیانِ علی بن ابی طالب علیہ السلام میں سے ایک اور شخص جس کا نام جندب بن عبداللہ ہے، اسے ابن زیاد نے اپنے دربار میں طلب کیا، چنانچہ جب وہ دربار میں پہنچا تو ابن زیاد نے اسے کہا:

''اے دشمنِ خدا! آیا تو ابوتراب (علیؑ) کے دوستوں میں سے نہیں ہے؟''

اس نے کہا:

''ضرور ہوں اور اس پر نہ تو شرمندہ ہوں اور نہ معذرت خواہ ہوں'' اس نے کہا:

''میں تیرا خون بہا کر اپنے آپ کو خدا سے نزدیک کرنا چاہتا ہوں''

جندب نے کہا:

''ایسی صورت میں خداوند عالم تجھے ہرگز اپنے نزدیک نہیں کرے گا بلکہ مزید دور کر دے گا''

یہ سن کر ابن زیاد نے کہا:

''یہ ایک بڈھا آدمی ہے جس کی عقل جواب دے گئی ہے''

پھر اس نے حکم دیا کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔

عمر سعد کی پشیمانی:

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا!!

تاریخ طبری جلد ۵ ص ۲۳۶ میں ہے:

عمر سعد جب کربلا سے کوفہ واپس آیا اور دار الامارہ میں عبیداللہ بن زیاد کو ملنے گیا تو ابن زیاد نے سب سے پہلے۔ اسے یہی کہا: ''جو فرمان نامہ میں نے تجھے حسینؑ کے قتل کے لیے دیا تھا وہ کہاں ہے؟ مجھے واپس کرو!!'' اس نے کہا: ''وہ تو گم ہو گیا ہے''

کہا: ''ہر حالت میں مجھے واپس کرو''

عمر نے کہا:

''اسے میں نے محفوظ رکھا ہوا ہے تا کہ اگر کل قریش کی بوڑھی عورتیں مجھ پر اعتراض کریں تو وہ فرمان نامہ میں ثبوت کے طور پر انہیں دکھا سکوں اور اپنا عذر پیش کر سکوں''

عمر نے کہا:

''خدا کی قسم حسینؑ کے بارے میں میں نے تمہیں ایسی نصیحت کی تھی کہ اگر میرا باپ سعد بھی مجھ سے اس بارے میں مشورہ کرتا تو اسے یہی کہتا اور اس کا حق ادا کرتا''

اس وقت وہاں پر عبیداللہ کا بھائی ''عثمان بن زیاد'' بھی موجود تھا، اس نے کہا:

''عمر سچ کہتا ہے، کاش کہ زیاد کی تمام اولاد میں لڑکیاں ہی ہوتیں اور ان کے ناکوں میں ''نتھ'' ہوتی اس سے بہتر تھا کہ حسینؑ کو قتل کیا جاتا''

عبیداللہ بن زیاد نے بھی یہ سنا، مگر خاموش رہا۔

بہر حال بحار جلد ۴۵ ص ۱۱۸ میں ہے: ابن زیاد کے پاس سے عمر یہ کہتے ہوئے واپس آ گیا کہ خدا کی قسم جتنا خسارے میں، مَیں رہا اتنا کوئی اور نہیں، میں نے زیاد کے بیٹے کے کہنے پر خدا کی نافرمانی کی اور زبردست جرم کا ارتکاب کیا اور ساتھ ہی رشتہ داری کے بندھنوں کو بھی توڑا۔

نفس المہموم ص ۲۱۴ میں ہے:

اس کے بعد اہلِ کوفہ عمر سے دور دور رہنے لگے، وہ جس اجتماع کے پاس سے گزرتا تھا لوگ اس سے منہ پھیر لیتے تھے، جب وہ مسجد میں جاتا تو سارے لوگ اس سے نکل آتے جو بھی اسے دیکھتا دو گالیاں ضرور دیتا اس وجہ سے وہ خانہ نشین ہو گیا تھا اور امیر مختار کے دورِ حکومت میں گھر کے بستر سے گرفتار کر لیا گیا اور اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔

الاخبار الطوال ص ۲۳۲ میں ہے:

حمید بن مسلم کا کہنا ہے کہ میرا اسی عمر کے ساتھ یارانہ تھا، اور جب وہ کربلا کی مہم سے فارغ ہو کر واپس کوفہ آیا تو میں اس سے حالات معلوم کرنے کے لئے اس کے پاس گیا اس نے کہا:

"یار حمید! مت پوچھ!! کیونکہ مجھ سے بڑھ کر اور کوئی بدترین مسافر اپنے گھر کو نہیں لوٹا، کیونکہ رشتہ داری کے عظیم بندھن کو بھی توڑا، بہت بڑے گناہ کا ارتکاب بھی کیا اور ہاتھ بھی کچھ نہ لگا" ایسے لوگوں کے لئے کہا گیا ہے:

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

امیر مختار کی دربار میں پیشی:

مقتل الحسین مقرم ص ۳۲۹، اور ریاض الاحزان ص ۵۴ میں ہے:

جب ابن زیاد نے کاروانِ حریت کو دربار میں بلایا تو ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ:

"امیر مختار کو بھی دربار میں لایا جائے اور امیر مختار حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کے دن ہی سے ابن زیاد کی قید میں تھے، جب وہ دربار میں پہنچے تو دربار کی کیفیت بدلی ہوئی دیکھی اور وہ یوں کہ فوراً ہی اس کے سامنے حضرت سید الشہداءؑ کا سر مبارک لا کر رکھ دیا گیا جسے دیکھ کر مختار دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، اور ساتھ ہی ان کے اور ابن زیاد کے درمیان کچھ باتوں کا تبادلہ ہوا، جس پر مختار بڑی سختی کے ساتھ اس سے مخاطب ہوئے اور یہ بات ابن زیاد کو سخت ناگوار گزری اور وہ غضبناک ہو گیا اور حکم دیا کہ انہیں واپس قید خانے میں لے جایا جائے"

جبکہ بعض مورخین کے مطابق ابن زیاد نے امیر مختار کے منہ اور آنکھوں پر تازیانے برسانا شروع کر دئے جس کی وجہ سے ان کی ایک آنکھ بھی متاثر ہو گئی۔

مدینہ میں حسینؑ کی سنائی

بحارالانوار جلد ۴۵ ص ۱۲۱ میں ہے:

ابن زیاد نے جونہی حضرت سید الشہداءؑ کا سر یزید کے پاس شام روانہ کیا تو اس کے ساتھ ہی ایک شخص بنام ''عبد الملک بن ابی حارث'' کو مدینہ روانہ کر دیا تا کہ وہ وہاں جا کر شہادتِ حسینؑ کی خبر مدینہ کے گورنر عمرو بن سعید بن العاص کو بھی دے دے، شہادت کی خبر نہیں ''خوشخبری'' سنائے۔

عبدالملک کا کہنا ہے کہ میں سواری پر سوار مدینہ کی طرف جا رہا تھا، جب مدینہ پہنچا تو قریش میں سے ایک شخص نے مجھ سے پوچھا

''کیا خبر لائے ہو؟'' تو میں نے کہا:

''دربار چل کر خبر کو سننا''

یہ سن کر اس نے کہا: ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، خدا کی قسم حسینؑ مارا گیا'' اور جونہی میں گورنر کے پاس پہنچا تو اس نے فوراً ہی پوچھا:

''کوئی نئی تازہ خبر؟'' میں نے کہا:

''ایسی خبر ہے جو امیر کو شادکام اور مسرور کر دے اور وہ یہ کہ حسینؑ بن علیؑ کو قتل کر دیا گیا ہے''

اس نے کہا:

''شہر میں جا کر لوگوں کو بھی یہ خبر سناؤ'' چنانچہ میں نے شہر میں جا کر بلند آواز کے ساتھ لوگوں کو یہ خبر سنانی شروع کر دی، یہ سننا تھا کہ شہر میں کہرام مچ گیا، اور جس قدر نالہ وشیون اور گریہ و بکا اور عزا و ماتم کی آوازیں بنی ہاشم کے محلّہ سے بلند ہوئیں اتنا کسی اور مقام سے نہیں ہوئیں، پھر میں عمرو بن سعید کے پاس واپس آ گیا، جب اس نے مجھے دیکھا تو خوشی کے ترنگ میں آ کر ایک شعر پڑھا اور پھر کہا: ''ھٰذہ واعیۃ بواعیۃ عثمان'' یہ گریہ وشیون اور نالہ وزاری عثمان پر نالہ وزاری کے بدلے میں ہے۔

دل کی بات منہ پر:

شرح بن ابی الحدید میں ہے:

اس کے بعد وہ منبر پر آ گیا اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر لوگوں کو دی اور یزید کے لیے دعائیہ کلمات ادا کیے، خطبہ پڑھا پھر قبرِ رسولؐ کی طرف منہ کر کے کہا: ''یَوْمٌ بِیَوْمِ الْبَدْرِ'' آج کا دن بدر کے دن کے بدلے میں ہے، یعنی بتانا چاہتا تھا کہ ہم نے اپنے بدر کے مقتولوں کا بدلہ کربلا میں چکا لیا ہے جسے ابو عبیدہ نے اپنی کتاب ''المثالب'' میں بھی ذکر کیا ہے۔

غرض یہ سن کر ''عبداللہ بن سائب'' نامی ایک شخص کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا: ''اگر آج فاطمہ زہراؑ زندہ ہوتیں اور حسینؑ کے مقدس سر کو دیکھتیں تو یقیناً وہ رو دیتیں'' ___ مگر تم خوشیاں منا رہے ہو ___

یہ سن کر عمر بن سعید نے اس کی طرف منہ کر کے کہا: ''تیری نسبت ہم، فاطمہ زہراؑ کے زیادہ قریب ہیں، ہماری ان کے ساتھ زیادہ رشتہ داری ہے''

عبداللہ بن جعفر کا ردِ عمل:

بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۱۲۲ ہے:

جب حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور فرزندانِ عبداللہ بن جعفر ___ یعنی عون و محمد ___ کی شہادت کی خبر مدینہ میں پھیلی تو بہت سے لوگ جناب زینبؑ کے شوہر حضرت عبداللہ بن جعفر کے پاس تعزیت کے لئے تشریف لائے ان میں ان کا ایک قریبی عزیز بھی تھا جس کا نام ''ابو السلاس'' بتایا گیا ہے، اس نے کہا: ''بچوں کے غم کے یہ داغ ہمیں ابو عبداللہ حسینؑ کی وجہ سے دیکھنے پڑے ہیں!!'' اس کا یہ جملہ جب حضرت عبداللہ بن جعفر نے سنا تو سخت غصے ہوئے اور اپنا جوتا اٹھا کر اسے دے مارا اور اسے بڑی سی گالی دے کر کہا:

''او کمینے انسان! تمہیں شرم نہیں آتی حسینؑ کے بارے میں ایسی باتیں کر رہے ہو، خدا کی قسم اگر میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو ان کا ساتھ کبھی نہ چھوڑتا اور ان کے پائے رکاب میں شہید ہو جاتا، خدا گواہ ہے میں تہہ دل سے اپنے بچوں کی شہادت پر راضی ہوں، ان کی موت کا داغ برداشت کرنا میرے لیے بہت آسان ہے اس لیے کہ وہ میرے بھائی اور اپنے ماموں کی نصرت میں شہید ہوئے ہیں''

پھر انہوں نے حاضرین کی طرف منہ کر کے کہا: ''حسینؑ کی شہادت کا صدمہ میرے لئے بہت گراں اور دشوار ہے، میں پھر بھی خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اگرچہ میں خود ان کے ساتھ موجود نہیں تھا میرے بچوں نے یہ حق ادا کر دیا'' (تاریخ طبری جلد ۵ ص ۲۳۵)

امالی شیخ طوسی جلد ا ص ۸۸ میں ہے:

جب امام حسین علیہ السلام کی خبرِ شہادت مدینہ پہنچی تو حضرت عقیل بن ابی کی ایک بیٹی اپنی کچھ خواتین اور رشتہ داروں کو لے کر قبر رسولؐ پر آ گئیں اور مہاجرین وانصار کو مخاطب کر کے فریاد کی اور یہ نوحہ پڑھا:

مَاذَا تَقُولُونَ اِذَا قَالَ النَّبِیُّ لَکُمْ
یَومَ الْحِسَابِ وَصِدْقُ الْقَوْلِ مَسْمُوْعُ

بروز قیامت تم اپنے پیغمبر کو کیا جواب دو گے جب وہ تم سے سوال کریں گے؟ اس دن تو صرف سچی باتیں ہی سنی جائیں گی۔

خَذَلْتُمْ عِتْرَتِیْ اَوْ کُنْتُمْ غَیَّبًا
وَالْحَقُّ عِنْدَ وَلِیِّ الْاَمْرِ مَجْمُوْعُ

جب رسول خدا کہیں گے کہ تم نے میری آل وعترتؑ کو چھوڑ دیا تھا یا سرے سے موجود ہی نہیں تھے؟

اَسْلَمْتُمُوْهُمْ بِاَیْدِی الظَّالِمِیْنَ فَمَا
مِنْکُمْ لَهُ الْیَوْمَ عِنْدَ اللّٰهِ مَشْفُوْعُ

اس دن تو سارے کا سارا حق صرف صاحب امر کے پاس ہی ہوگا، تم لوگوں نے میری عترت وآل کو ظالموں کے سپرد کر دیا، آج تمہاری شفاعت کے لیے اللہ کے پاس کوئی چیز بھی نہیں ہے۔

مَاکَانَ عِنْدَ غَدَاةِ الطَّفِّ اِذْحَضَرُوا
تِلْکَ الْمَنَایَا وَلَا مِنْهُنَّ مَدْفُوْعُ

جبکہ وہ کل کے دن کربلا کے میدان میں شہداء کے پاس موجود تھے مگر پیغمبرؐ کی آل اور عترت کا کسی نے دفاع نہیں کیا۔

حضرت ام سلمہؓ:

بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۱۲۴ میں ہے:

شہر بن حوشب روایت کرتے ہیں کہ: ''ایک دن میں حرم رسولؐ ام المومنین ام سلمہ کے ہاں موجود تھا کہ اچانک ایک عورت نے بلند آواز کے ساتھ کہا: ''حسینؑ مارا گیا!!'' یہ سن کر حضرت ام سلمہؓ نے کہا: ''فَعَلُوْهَا مَلَأَ اللّٰهُ قُبُوْرَهُمْ

نارًا‘‘ خدا ان ظالموں کی قبروں کو آگ سے بھر دے آخر کار انہوں نے وہی کچھ کر دکھایا جس کا ہمیں اندیشہ تھا‘‘

ہاتف غیبی کی آواز:

ارشاد شیخ مفید ۲ص ۱۲۴ اور بحار الانوار جلد ۴۵ص ۲۳۶ میں ہے:

جس دن مدینہ کے گورنر عمرو بن سعید نے منبر پر جا کر خطبہ دیا تھا اور حسینؑ کی شہادت کی خبر لوگوں کو سنائی تھی، اسی رات کو مدینہ والوں نے ایک آواز کو سنا البتہ کسی بولنے والے کو نہیں دیکھا، جو کہہ رہا تھا:

اَیُّھَا الْقَاتِلُوْنَ جَھْلاً حُسَیْنًا

اِبْشِرُوْا بِالْعَذَابِ وَالتَّنْکِیْلِ

کُلُّ اَھْلِ السَّمَآءِ یَدْعُوْا عَلَیْکُمْ

مِنْ نَبِیٍّ وَمَلَاکٍ وَّقَتِیْلٍ

قَدْ لُعِنْتُمْ عَلٰی لِسَانِ ابْنِ دَاوٗدَ

وَمُوْسٰی وَصَاحِبِ الْاِنْجِیْلِ

او حسینؑ کی عظمت سے بے خبر حسینؑ کے قتل کرنے والو! تمہیں ذابِ الٰہی اور اس کی شدید سزا کی خوشخبری ہو، تمام اہلِ سماء تمہیں بددعا کر رہے ہیں خواہ وہ کوئی نبی ہے یا ملک اور شہید، تم پر سلیمان نبی حضرت موسیٰ اور حضرت موسیٰ صاحب انجیل بھی لعنت بھیج رہے ہیں۔

کامل الزیارات ص ۲۳۶ میں ہے کہ:

حلبی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ

’’جب سرکار شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا تو ہم اہلِ بیتؑ کے افراد نے ہاتف کو کہتے ہوئے سنا: آج اس امت پر بلائیں نازل ہو چکی ہیں، اب وہ کبھی خوشی اور مسرت کا منہ نہیں دیکھیں گے، اور یہ سلسلہ تمہارے قائم (آلِ محمدؐ) کے ظہور تک جاری رہے گا اور جب وہ ظہور کریں گے تو تمہارے دشمنوں کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں گے اور تمہارے دلوں کو ٹھنڈا کریں گے‘‘

مکہ میں خبر شہادت:

تاریخ طبری جلد ۵ص ۲۳۹ میں ہے کہ:

جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی خبرِ شہادت مکہ معظمہ پہنچی اور عبداللہ بن زبیر کو اس کا علم ہو گیا تو انہوں نے لوگوں کو ایک خطبہ دیا اور کہا:

''عراق کے لوگ بے وفا اور جفا کار ہیں، جبکہ کوفہ والے تو عراق کے بدترین لوگ ہیں، انہوں نے حسینؑ کو اپنے پاس اس لیے بلایا کہ ان کی اپنے امیر کے طور پر اطاعت کریں گے، اپنے تمام امور کی باگ ڈور انہیں کے ہاتھوں میں سونپ دیں گے، دشمنوں سے ان کا دفاع کریں گے، جن اسلامی معارف کو بنی امیہ نے تباہ و برباد کر دیا ہے دوبارہ زندہ کریں گے، لیکن جب وہ ان کے پاس گئے تو ان پر حملہ آور ہو کر انہیں شہید کر دیا، اور ان سے اس بات کا تقاضا کیا کہ ملعون نابکار ابن زیاد کی بیعت کریں، مگر حسینؑ نے عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی، خدا حسینؑ پر رحمت کرے اور اس کے قاتلوں کو ذلیل و رسوا کرے اور اس کے قتل کے حکم دینے والے پر لعنت کرے''

آیا اس مصیبت کے بعد جو بنو امیہ نے ابا عبداللہ الحسین پر ڈھائی ہے کوئی ان کے کسی عہد و پیمان پر اعتبار کرے گا؟ خدا کی قسم حسینؑ قائم اللیل اور صائم النہار دن کو روزے سے ہوتے اور رات کو عبادت میں بسر کرتے تھے، اور اس ظالم اور فاسق و فاجر کی نسبت خدا سے زیادہ قریب تھے، لہو و لعب کے ساتھ مشغول رہنے کی بجائے قرآن مجید کی تلاوت سے دل لگائے رکھتے تھے، ان کے دل میں خوف خدا تھا، مجالسِ ذکرِ خدا برپا کیا کرتے تھے، شکار اور کھیل کود میں وقت کو ضائع نہیں کیا کرتے تھے، افسوس کہ ان لوگوں نے حسینؑ کو شہید کر دیا ہے اور یقیناً وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ جائیں گے''

قمقام زخار ص ۵۴۳ میں ہے کہ:

جب ابن زیاد نے سید الشہداء حسین بن علی علیہ السلام کو شہید کر دیا تو ایک اعرابی بادیہ نشین نے کہا:

''دیکھو اس امت کے نابکار بیٹے نے اس امت کے رسولؐ کے فرزند ارجمند کو کیونکر شہید کر دیا!''

مذکورہ کتاب ہی میں ہے کہ: ابن خلکان نے عمر بن عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ''اگر میں اس گروہ میں شامل ہوتا جس نے حسینؑ کو شہید کیا ہے اور خداوند عالم میرا یہ گناہ معاف کر کے مجھے بہشت میں جانے کی اجازت بھی دے دیتا پھر بھی میں رسول پاکؐ کی ذات سے شرم کی وجہ سے ہرگز بہشت میں نہ جاتا''

ربیع بن خُثَیم کا ردِ عمل:

کتاب معجم رجال الحدیث جلد ۸ ص ۱۷۴ کے مطابق:

ربیع خُثَیم کا شمار ''زہاد ثمانیہ'' (آٹھ زاہدوں) میں ہوتا ہے اور حضرت امیر علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے، مگر جنگ صفین میں بعض وجوہات کی بنا پر شرکت نہ کر سکے اور حضرت امیر علیہ السلام سے اجازت لے لی تھی، ۶۱ ھ یا ۶۳ ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

مناقب ابن شہر آشوب ۳ ص ۳۸۴ میں ہے کہ:

جب حسینؑ کی خبر شہادت ان کو ملی تو رونے لگ گئے اور کہا:

''ایسے جواں مردوں کو ان لوگوں نے شہید کر دیا ہے، جنہیں اگر رسول پاکؐ دیکھ لیتے تو انہیں اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتے اور اپنی آغوش میں بٹھاتے''

نفس المہموم ص ۴۱۹ میں ہے کہ:

ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ ''ربیع بن خثیم نے بیس (۲۰) سال کا عرصہ خاموشی سے گزار دیا اور کسی سے بات نہیں کی، لیکن جب انہیں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر ملی تو کہا: ''اَوَقَدْ فَعَلُوْهَا آیا انہیں شہید کر دیا ہے؟'' پھر سورہ زمر کی آیت نمبر ۴۶ کی تلاوت کی اور مرتے دم تک کسی سے بات نہیں کی:

''اَللّٰھُمَّ فَاطِرِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ'' اے اللہ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی نہان و عیان کا جاننے والا ہے اور جس چیز کے بارے میں تیرے بندے اختلاف کرتے ہیں تو ہی اس کا فیصلہ کرے گا۔

ابن زیاد اور قیس بن عباد:

ریاض الاحزان ص ۳۰ میں ہے کہ:

ایک دن ابن زیاد نے قیس بن عباد سے جو اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے پوچھا:

''تم میرے اور حسینؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو''

تو قیس نے کہا:

''جب قیامت کا دن ہوگا تو حسینؑ کے نانا، بابا اور ماں آئیں گے اور خدا کی بارگاہ میں ان کی شفاعت کریں گے اور تمہارے نانا، باپ اور ماں بھی آئیں گے اور تمہاری سفارش کریں گے'' ابن زیاد نے جب یہ سنا تو اسے سخت غصہ آ گیا اور اسے اپنے پاس سے اٹھا دیا۔

حسن بصری:

کتاب انساب الاشراف جلد ۳ ص ۲۲۷ میں ہے کہ:

جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر حسن بصری کو ملی پہلے تو انہوں نے خوب گریہ کیا پھر فرمایا:

''یہ امت خوارترین امت ہے کہ جس کے نابکار بیٹے نے اپنے پیغمبرؐ کے فرزند ارجمند کو قتل کر ڈالا ہے''

آلا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡقَوۡمِ الظّٰالِمِيۡنَ وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا اَىَّ مُنۡقَلِب يَّنۡقَلِبُوۡنَ ●

اَلسَّلَامُ عَلَى الۡحُسَيۡنِ

وَعَلٰى عَلِيِّ بۡنِ الۡحُسَيۡنِ

وَعَلٰى اَوۡلَادِ الۡحُسَيۡنِ

وَعَلٰى اَصۡحَابِ الۡحُسَيۡنِ ●

یا حسین(ع)
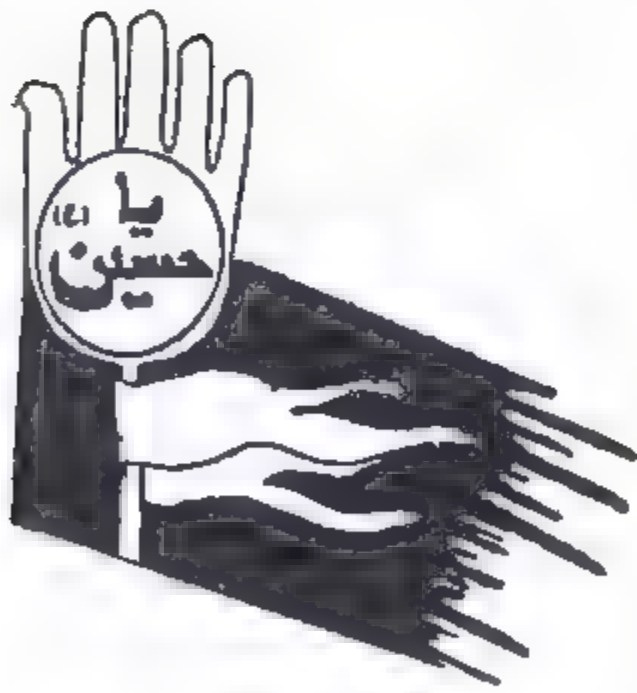
کوفہ سے شام تک کا سفر

کوفہ سے شام تک کا سفر

تاریخ طبری ۵ ص ۲۳۲ اور ارشاد شیخ مفید ۲ ص ۱۱۸ میں ہے کہ:

کاروانِ حریت ۱۲/ محرم ۶۱ھ کو کوفے میں پہنچا، تین دن قید میں رکھنے کے بعد ابن زیاد نے ۱۵ / محرم کو ابن زیاد نے زحر بن قیس کو بلا کر حضرت سید الشہداء ابا عبداللہ الحسین (ع) کے مبارک سر کو دوسرے شہداء کے سروں کے ساتھ یزید بن معاویہ کی طرف شام روانہ کر دیا، اور اس کے ساتھ ابو بردہ بن عوف ازدی اور طارق بن ابی ظبیان ازدی کو بھی روانہ کر دیا۔

جبکہ سید بن طاؤس کہتے ہیں کہ ابن زیاد کا خط یزید بن معاویہ کو ملا اور وہ خط کے مضمون سے مطلع ہوا تو اس نے خط کے جواب میں ابن زیاد کو حکم دیا کہ امام حسینؑ اور ان کے یار و انصار کے سروں کو قید عورتوں اور بچوں کے ساتھ شام روانہ کر دے چنانچہ ابن زیاد نے مُحفر بن ثعلبہ کو بلایا اور شہداء کے پاکیزہ سر اور مخدراتِ اہلِ بیتؑ اور بچوں کو اس کے حوالے کیا اور وہ انہیں غیر مسلم قیدیوں کی طرح قید کر کے مختلف شہروں اور قصبوں سے پھراتا ہوا شام لے گیا۔

ارشاد شیخ مفید ۲ ص ۱۱۹ میں ہے کہ: جب ابن زیاد نے امام مظلوم شہید کربلا حسین علیہ السلام کا مبارک سر یزید کے پاس شام بھیج دیا تو حکم دیا کہ اہلِ بیتؑ کی عورتوں اور بچوں کو شام لے جایا جائے، اور ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے گلے میں طوق اور زنجیر ڈالے جائیں اور ان کے پیچھے مجفر بن ثعلبہ اور شمر ذی الجوشن کو بھی روانہ کر دیا، اور وہ ان کے پیچھے پیچھے چل دیئے اور اس گروہ سے جا ملے جو امام حسینؑ کے سر کو لے کر روانہ ہو چکا تھا اور کوفہ سے لے کر شام تک حضرت امام زین العابدینؑ بالکل خاموش رہے اور کسی سے بات نہیں کی۔ بقولے

نہایت شوق سے سنتی ہے دنیا داستاں میری
زمین سے آسمانوں تک پہنچتی ہے فغاں میری
مگر ہیں آج کل موقوف سب سرگرمیاں میری
خموشی گفتگو ہے، بے زبانی ہے زباں میری

بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۱۴۵ میں ہے کہ:

حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ:
میں نے اپنے والد بزرگوار جناب امام زین العابدینؑ سے پوچھا کہ:
''آپ کو کوفہ سے شام تک کیونکر لے جایا گیا؟ تو انہوں نے فرمایا: ''مجھے ایک ایسے اونٹ کی پشت پر بٹھایا گیا جس پر کوئی چادر تھی نہ پالان، اور میرے والد بزرگوار سید الشہدا ءؑ کے مبارک سر کو نوکِ نیزہ پر سوار کیا گیا، اور ہماری خواتین کو ایسی سواریوں پر بٹھایا گیا جن کی پیٹھ پر چادر تک نہ تھی، ہمارے آگے اور پیچھے نیزہ برداروں کا پہرہ تھا، جب بھی ہم میں سے کوئی روتا تھا، تو اسے نیزوں کی انیوں سے خاموش کرایا جاتا تھا، اور اسی کیفیت کے ساتھ ہم دمشق پہنچے''
منتخب طریحی جلد۲ ص ۴۸۰ میں ہے کہ:
ابن زیاد نے، شمر بن ذی الجوشن، خولی بن یزید اصبحی، شبث بن ربعی اور عمرو بن حجاج زبیدی کو بلایا اور انہیں ہزار سواروں کا ایک لشکر اور ساتھ ہی زادراہ اور اخراجات سفر دے کر کاروانِ حریت کے ساتھ شام روانہ کر دیا اور ساتھ ہی انہیں یہ تاکید بھی کر دی کہ جس شہر و قریہ میں پہنچیں اسی میں ان قیدیوں کو پھرایا جائے اور خوب تشہیر کی جائے۔

کاروانِ حریت منزل بہ منزل

بروایتے ابن زیاد نے زحر بن قیس، محضر بن ابی ثعلبہ اور شمر بن ذی الجوشن کو حکم دیا کہ پانچ ہزار سواروں کے ساتھ شہداء کے سروں اور مخدرات عصمت کی عورتوں اور بچوں کو یزید کے پاس شام لے جائیں، چنانچہ کاروانِ حریت قاتلانِ حسینؑ وشہدائے کربلا کے پہرہ میں شام روانہ ہوا۔

کوفہ سے شام تک کتنی منزلیں ہیں جنہیں اس کاروان نے طے کیا یا جہاں پر انہوں نے پڑاؤ کیا، ان کی تعداد اور ترتیب کیا ہے؟ صحیح طریقے سے معلوم نہیں ہے، کیونکہ معتبر کتب میں اس سوال کا صحیح معنوں میں جواب نہیں ملتا، بہت سی کتب میں اس سفر کی کیفیت بھی مذکور نہیں ہے، البتہ ابن اثیر نے اپنی تاریخ کامل میں ان میں سے بعض منزلوں کو بیان کیا ہے، اور مقتل ابی مخنف میں ان کی ترتیب بھی درج کی ہے اور ہم یہاں پر قمقام زخار سے ان بعض واقعات کو ذکر کریں گے جو دورانِ سفر پیش آتے رہے۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بعض کتابوں میں کوفہ و دمشق (شام) تک چالیس چھوٹی بڑی منزلوں کا نام لیا گیا ہے، خواہ یہ کاروان یہاں اترا یا فقط یہاں سے اس کا گزر ہوا، بعض نے بارہ بتائی ہیں اور بعض نے بیس (۲۰)، جیسا کہ ابھی بتایا گیا ہے کہ ہم قمقام زخار سے ان کو بیان کریں گے البتہ درمیان میں چند ایک دوسری کتابوں سے بھی کچھ کا ذکر کریں گے۔

ا۔ دَیرِ عُروہ

یہ پہلی منزل تھی، یہاں پر عیسائیوں کا ایک عبادت خانہ ہے، کہتے ہیں کہ یہاں پر ابن زیاد کے فوجی جو امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک اٹھائے ہوئے تھے، اپنی سواریوں سے اترے، قیام کیا سرِ مبارک کو ایک دیوار کے ساتھ لگایا اور خود شراب و کباب کی محفل سجائی اور خوشیاں منانے لگے تھے کہ ناگاہ دَیر کی دیوار سے ایک ہاتھ ظاہر ہوا جس نے آہنی قلم سے خون کی روشنائی کے ساتھ یہ شعر لکھا:

اَتَــرۡجُــوۡا اُمَّۃٌ قَتَـلَــتۡ حُسَـیۡـنًــا
شَـفَــاعَۃَ جَـدِّہٖ یَـوۡمَ الۡـحِسَــابٖ

آیا جس امت نے حسینؑ کو شہید کیا ہے وہ روز حساب (قیامت کے دن) اس کے نانا کی شفاعت کی امید بھی رکھتی ہے؟

چنانچہ (بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۳۰۵ میں ہے کہ) وہ یہ منظر دیکھ کر ڈر گئے اور مقدس سر کو وہیں پر چھوڑ کر بھاگ گئے، اور پھر کافی دیر کے بعد واپس آ گئے، ابن حجر نے صواعق محرقہ میں بھی اسی کیفیت کو ذکر کیا ہے اور اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ:

''اس شعر کو کچھ لوگوں نے پیغمبر خاتم الانبیاء (ص) کی بعثت سے بھی تین سو سال پہلے ایک پتھر پر لکھا ہوا پایا، اسی طرح رومیوں کے ایک کلیسا میں یہ اشعار لکھے ہوئے تھے مگر کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ کس دور میں لکھے گئے تھے''

بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۲۳۶ میں تاریخ طبری سے نقل کیا گیا ہے کہ حسینؑ کے سر کو اٹھانے والوں نے شام جاتے ہوئے سب سے پہلی منزل پر فرشتوں کا یہ نوحہ سنا:

اَیُّھَــا الۡـقَــاتِـلُوۡنَ جَھۡلاً حُسَیۡـنًــا
اِبۡشِـــرُوۡا بِــالۡـعَـذَابِ وَالتَّـنۡـکِیۡـلٖ

اے حسینؑ کو قتل کرنے والے جاہلو! تمہیں خدا کے عذاب اور ایذا کی خوشخبری ہو تمام اہلِ سماء تم پر نفرین کر رہے ہیں چاہے وہ کوئی نبی ہے یا رسول یا ملک اور شہید، تمہیں حضرت سلیمان بن داؤدؑ، حضرت موسیٰؑ اور صاحبِ انجیل حضرت عیسیٰؑ کی زبان پر لعنت کی گئی ہے۔

سلیمان بن یسار راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو ایک پتھر ملا جس پر یہ اشعار لکھے ہوئے تھے:

لَابُـدَّانَ تَـرِدَ الۡـقِیَــامَۃَ فَــاطِـمَۃُ
وَقَـمِیۡـصُھَــا بِـدَمِ الۡـحُسَیۡنِ مُـلَطَّـخٗ
وَیۡـلٌ لِـمَـنۡ شُـفَـعَـآئُـہٗ خُـصَـمَـآئُـہٗ
وَالـصُّـوۡرُ فِی یَوۡمِ الۡقِیَــامَۃِ یُـنۡـفَـخٗ

یقیناً قیامت کے دن حضرت فاطمۃ الزہراؑ آئیں گی، جبکہ ان کا کرتا خون حسینؑ سے رنگین ہوگا، لعنت

ہے ایسے لوگوں پر جن کی شفاعت کرنے والے اس کے دشمن ہوں جب قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا۔

۲۔ تکریت

تکریت کے بارے میں مراصد الاطلاع ا ص ۲۶۸ میں ہے کہ: ''یہ ایک شہر ہے جو بغداد اور موصل کے درمیان واقع ہے البتہ بغداد سے زیادہ نزدیک ہے دریائے دجلہ کے مغرب میں بغداد سے تین فرسخ کے فاصلے پر ہے''

کامل بہائی میں ہے کہ جب ابن زیاد کے فوجی حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو کوفہ سے باہر لے آئے تو انہیں عرب قبائل سے اس بات کا خطرہ لاحق ہو گیا کہ ان کے اندر ابھی تک جو تھوڑی بہت دینی غیرت موجود ہے شاید انہیں اس بات پر آمادہ کر دے کہ وہ ان سے حضرت سید الشہداء کے سر کو چھین لیں۔ لہٰذا وہ اصل راہ سے ہٹ کر دوسرے غیر معروف راہ سے چلنے لگے۔

ابو مخنف کے بقول: وہ اس مقدس سر کو ''حصّاصہ'' نامی گاؤں کے ___ جو قصر بن ہبیرہ ___ کے نزدیک اور کوفہ کے بند و بستی علاقہ میں شمار ہوتا ہے ___ مشرقی راستے سے ہوتے ہوئے ''تکریت'' سے گزرے، چونکہ وہاں کے حاکم کو اپنے آنے کی اطلاع پہلے ہی سے کر دی تھی، لہٰذا اس نے بہت سے لوگوں کو جھنڈے دے کر ان کے استقبال کے لئے روانہ کر دیا، اور اگر کوئی شخص ان فوجیوں سے سر کے بارے میں سوال کرتا تو وہ کہتے کہ: ''(نعوذ باللہ) ایک خارجی کا سر ہے''

ناظرین! ان کے تعارف کے اس انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سر کے صحیح معنوں میں تعارف کرانے سے خائف تھے لہٰذا وہ امام الشہداءؑ کا ___ نعوذ باللہ ___ خارجی کے عنوان سے تعارف کراتے تھے۔

مگر ایک نصرانی چونکہ پہلے سے سر کو اس کیفیت میں دیکھ چکا تھا اور جواب بھی سن چکا تھا، لہٰذا اس نے کہا:

''جیسا کہ یہ لوگ تعارف کرا رہے ہیں اس طرح نہیں ہے بلکہ یہ حسینؑ بن علیؑ اور فرزند زہراؑ کا سر ہے، میں بذاتِ خود کوفہ میں تھا کہ جب اسے شہید کیا گیا، چنانچہ دوسرے نصرانیوں کو جب اس حقیقت کا علم ہو گیا تو انہوں نے فرزند زہراؑ کے احترام کے پیشِ نظر اپنے ناقوس توڑ ڈالے اور کہنے لگے: ''خداوندا! ہم اس قوم کی بدبختی اور نافرمانی سے تیری پناہ مانگتے ہیں جنہوں نے تیرے پیغمبرؐ کے نواسے کو شہید کر دیا ہے''

جب کوفیوں نے یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے بیابان کا راستہ اختیار کرتے ہوئے یہاں سے کوچ کیا۔

۳۔ وادی النخلہ

(بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۲۳۶ میں ہے کہ):

یہ قافلہ رات کے وقت وادی النخلہ میں پہنچا، مراصد الاطلاع جلد ۳ ص ۳۶۳ میں ہے کہ موصل کے مشرق اور خازر کے نزدیک ''نخلاء'' نامی جگہ کو شاید وادی النخلہ کہتے ہیں، یہاں پر ساری رات جنات کی عورتوں کے مخدرات عصمت کے اس غم میں نوحے کی صدائیں سنتے رہے:

نِسَاءُ الْجِنِّ یَبْکِیْنَ مِنَ الْحُزْنِ شَجِیَّاتٖ

وَاسْعَدْنَ بِنُوْحٍ لِلنِّسَآءِ الْهَاشِمِیَّاتٖ

وَیَنْدُبْنَ حُسَیْنًا عَظُمَتْ تِلْکَ الرَّزِیَّاتٖ

وَیَلْطَمْنَ خُدُوْدًا کَالدَّنَانِیْرِ نَقِیَّاتٖ

وَیَلْبَسْنَ ثِیَابَ السُّوْدِ بَعْدَ الْقَصِیَّباتٖ

یعنی جنات کی عورتیں رنج وغم کے عالم میں بنی ہاشم کی خواتین پر نوحہ سرائی کر رہی ہیں، اور حسینؑ اور اس پر نازل ہونے والی عظیم مصیبت پر بھی نوحے پڑھ رہی ہیں۔ اور اپنے اشرفیوں جیسے صاف و شفاف چہروں پر طمانچے مار رہی ہیں، اور اپنے عمدہ اور نفیس لباس کے بعد سیاہ پوش ہو چکی ہیں۔

۴۔ مرشاد

یہ کاروان وادی النخلہ سے چل کر اگلی منزل مرشاد پر پہنچا، اس شہر کے زن ومرد قافلہ کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آ گئے، جب انہوں نے قیدیوں کی حالت زار دیکھی تو ان کے گریہ وبکاء کی آوازیں بلند ہونے لگیں اور وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، اب ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں وہ قاتلان حسینؑ پر حملہ نہ کر دیں، لہٰذا وہ یہاں پر رکے بغیر اگلی منزل کی طرف چل دیے۔

۵۔حران

کاروانِ حریت چلتے چلتے حران نامی ایک جگہ کے نزدیک پہنچ گیا، اس شہر کی چوٹی پر یحیٰی خزائی نامی یہودی کا مکان تھا، وہ استقبال کے لئے آیا اور قیدیوں کا تماشہ دیکھنے لگا، اور اس کی نگاہ حضرت امام حسینؑ کے مبارک سر پر پڑگئی، اس نے دیکھا کہ آپ کے مبارک لبوں سے کوئی آواز آ رہی ہے، اس نے جب کان لگا کر سنا تو وہ سورہ شعراء کی آیت ۲۲۷ کی تلاوت کر رہا تھا:

''وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَىَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ''

اور عنقریب ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام کو پلٹ جائیں گے۔

یہ منظر دیکھ کر یحیٰی حیران و پریشان ہو گیا، اس نے پوچھا

''یہ کس کا سر ہے؟'' کہا کہ

''حسینؑ بن علیؑ کا'' اس نے کہا:

''اس کی ماں کا نام کیا ہے؟''

کہا کہ:

''فَاطِمَةُ الزَّهْراء بِنْتُ رَسُولِ اللّٰه'' یہ سن کر یہودی نے کہا:

''اگر اس کا دین برحق نہ ہوتا، یہ کرامت اس سے ہرگز ظاہر نہ ہوتی''

اس نے یہ کہا اور زبان پر کلمہ جاری کر دیا اور مسلمان ہو گیا اپنے سر پر موجود عمامہ کے کئی ٹکڑے کیے اور بے مقنع و چادر سیدانیوں کے سر پر ڈالے، اور ایک قیمتی پوشاک جو خود زیب تن کیے ہوئے تھی اتار کر حضرت امام سجادؑ کی خدمت میں پیش کی ساتھ ہی ایک ہزار درہم آقا کی خدمت میں اخراجات کے لیے ہدیہ کیے۔

سر کے لیے متعین سپاہیوں نے یہ دیکھا تو بلند آواز سے کہا:

''خلیفہ کے دشمنوں کی امداد اور حمایت کر رہے ہو؟ پرے ہٹ جاؤ ورنہ تمہیں قتل کر دیں گے'' یحیٰی نے دفاع کے لیے نیام سے تلوار نکالی، سپاہیوں نے اس پر حملہ کیا اس نے بھی پانچ سپاہیوں کو جہنم رسید

کیا اور خود بھی شہید ہو گئے، اس شہید مظلوم کا مقبرہ دروازہ ''حران'' میں ''یحیٰ شہید'' کے نام سے معروف اور دعاؤں کی قبولیت کا مقام ہے۔

۶۔ موصل

(مراصد الاطلاع ۳ ص ۱۳۳۳ کے مطابق) ایک قدیمی اور مشہور شہر ہے جو دریائے دجلہ کے کنارے واقع ہے، اس کے درمیان جرجیس نبیؑ کی قبر بھی ہے،، چنانچہ یہ کاروان صبح دم ''کُحیل'' سے ہوتے ہوئے ''جہنیہ'' پہنچا ''کُحیل'' تکریت سے آگے دریائے دجلہ کے کنارے ایک بہت بڑا شہر تھا لیکن اس وقت اس کے نشانات مٹ چکے ہیں۔ (معجم البلدان ۴ ص ۴۳۹) اور مراصد الاطلاع کے مطابق موصل کے مغرب میں اس کے نواحی علاقوں میں سے ایک شہر کا نام ہے اور دریائے دجلہ کے کنارے واقع ہے اور موصل سے اس کا ایک منزل کا فاصلہ ہے، یہیں پہنچ کر انہوں نے موصل کے حاکم کو اپنے آنے کی اطلاع دی، جس کی وجہ سے اس نے حکم دیا کہ شہر کو سجایا جائے اور کچھ لوگ شہر سے باہر یزیدیوں کا استقبال کریں، مگر بہت سے لوگ کہنے لگے کہ حتماً یہ حسینؑ بن علیؑ ہی کا سر ہے جنہیں ــــ نعوذ باللہ ــــ خارجی کہہ رہے ہیں، اسی لئے چار ہزار لوگ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے تا کہ ان سے امامؑ کا سر لے کر یہیں دفن کریں اور اس پر زیارت گاہ تعمیر کریں، اور اپنے حاکم کو بھی قتل کر دیں۔

ایک روایت کے مطابق: اس شہر کے سردار کا نام سلیمان بن یوسف تھا، اس کے دو اور بھائی بھی تھے، جن میں سے ایک جنگ صفین میں مولا امیر المومنین علیہ السلام کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور دوسرا اس شہر کی حکومت میں اس کا شریک تھا، شہر کے دو دروازے تھے ایک پر سلیمان کا حکم چلتا تھا اور دوسرے پر اس کے بھائی کا، سلیمان چاہتا تھا کہ شہداء کے سروں کو اس سے متعلقہ دروازے سے لے جایا جائے جبکہ اس کا دوسرا بھائی اپنے سے متعلقہ دروازے سے چاہتا تھا، جس کے نتیجہ میں ان میں جنگ چھڑ گئی اور سلیمان مارا گیا، اور ایک عجیب وحشتناک سماں پیدا ہو گیا جس سے ڈر کر شمر اور اس کے ہم رکاب سپاہی شہر کو ترک کرنے پر مجبور ہو گئے۔

جبکہ ایک اور روایت کے مطابق ان لوگوں نے کہا:

''تَبًّا لِقَوْمٍ کَفَرُوا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ أَ ضَلَالَۃٌ بَعْدَ ھُدیً؟ اَم شَکٌّ بَعْدَ یَقِیْنٍ؟ ایسی قوم کے لیے ہلاکت ہے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئی، آیا ہدایت کے بعد گمراہی اور یقین کے بعد شک؟

کوفیوں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو اپنے راستے کو تبدیل کر لیا او''تلِ اعفر'' اور جبل ''سنجار'' سے ہوتے ہوئے ''نصیبین'' جا پہنچے۔

یاد رہے کہ مراصدالاطلاع ج ا ص ۲۶۸، کے مطابق ''تلِ اعفر'' کو ''تل یعفر'' بھی کہتے ہیں اور وہ ایک قلعہ ہے جو ''سنجار'' اور ''موصل'' کے درمیان واقع ہے اور اس سے ایک دریا بھی گزرتا ہے۔

جبکہ ''سنجار''، ''جزیرہ'' کے نواح میں ایک مشہور شہر کا نام ہے جو، پہاڑ کے دامن میں واقع ہے، یہاں سے موصل اور نصیبین کا تین، تین روز کی راہ کا فاصلہ ہے۔ (قمقام زخار ص ۵۵۱)

۷۔ نصیبین

معجم البلدان ج ۵ ص ۲۸۸ کے مطابق بلاد جزیرہ میں سے ایک شہر ہے جو موصل سے شام جانے والے قافلوں کے راستے میں واقع ہے، یہاں سے موصل کا چھ دن کے سفر کا فاصلہ ہے، چنانچہ جب یہ کاروان نصیبین کے قریب پہنچا تو شمر نے شہر کی طرف ایک آدمی روانہ کیا تا کہ وہ امیرِ شہر کو قافلے کی آمد کی اطلاع بھی دے اور ساتھ ہی یہ پیغام بھی دے کہ شہر کو سجایا جائے تا کہ آلِ عصمت وطہارتؑ کے زخموں پر نمک چھڑکا جائے۔

امیرِ شہر کا نام منصور بن الیاس تھا، چنانچہ اس نے شہر کی تزئین وآرائش کا حکم دیدیا اور شہر کو خوب مزین کیا گیا، جس شخص کے پاس امام مظلوم کا مبارک سر تھا جب وہ شہر کے اندر جانے لگا تو اس کا گھوڑا باہر ہی رک گیا، اس نے دوسرا گھوڑا تبدیل کیا مگر وہ بھی نہ چلا، اسی طرح کئی گھوڑے تبدیل کئے گئے سب نے چلنے سے انکار کر دیا، مگر جب سرِ مبارک کی طرف نگاہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ زمین اس سر کے بوسے لے رہی تھی موصل کے رہنے والے ایک شخص ابراہیم موصلی نے اسے اٹھایا اور اسے خوب غور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ تو فرزند رسولؐ کا سر ہے، ان ملعونوں کو خوب لعنت ملامت کی۔

مگر شہر والوں کی بے غیرتی کا یہ عالم تھا کہ جب انہوں نے یہ صورت حال دیکھی تو اس سے سرِ مبارک کو چھین لیا اور ابراہیم موصلی کو شہید کر دیا اور سر کو شہر سے باہر ہی رکھا اور اندر نہ لے گئے۔

نفس المہموم کے مطابق جہاں پر مظلوم کربلا کا سر مبارک زمین پر گرا تھا وہیں پر آپ کی زیارت گاہ بنائی جا چکی ہے۔

قمقام زخار کے مطابق یہاں پر امام حسینؑ کے سر مبارک کو دیدارِ عام کے لئے شہر کے وسط میں رکھ دیا گیا، جس

کے دل خراش منظر کو دیکھ کر زینب کبریٰ (ع) کی طاقت جواب دے گئی اور بی بی معظّمہ نے بے ساختہ یہ اشعار پڑھنا شروع کر دیئے:

اَنُشْهَــرُ مَــابَيْـنَ الْبَــرِيَّةِ عَنْوَةً

ووالــدنــا اوحــىٰ اليــه جـليـل

کیا ظلم کی بنا پر مخلوق کے درمیان ہماری تشہیر کی جائے جبکہ ہمارے والد تو وہ ہیں جن پر خالق جلیل نے وحی نازل فرمائی ہے۔

كَـفَـرْتُـم بِـرَبِّ الْعَـرْشِ ثُـمَّ نَبِيِّــهِ

كَـأَن لَّـمْ يَجِئْكُمْ فِي الزَّمَانِ رَسُوْلُ

تم لوگوں نے عرش کے مالک خدا اور اس کے رسول کا انکار کر دیا ہے اور کافر ہو چکے ہو، تم نے سمجھ لیا ہے کہ گویا اس زمانے میں کوئی رسول نہیں آیا۔

لَـحَـاكُـمُ اِلٰـهُ الْعَرْشِ يَا شَرَّ اُمَّةٍ

لَـكُمْ فِي لَظَى يَوْمَ الْمَعَادِ عَوِيْلُ

اے بدترین امت! تم پر عرش کا مالک اللہ لعنت کرے، قیامت کے آتشِ جہنم کے شعلوں میں تمہاری آہ و فغاں بلند ہوگی۔

۸۔ عین الوردہ

یہ شہر علاقہ جزیرہ کے مشہور شہروں میں سے ہے، حران اور نصیبین کے درمیان واقع ہے، نصیبین سے اس کا پندرہ فرسخ کا فاصلہ ہے۔

''عین الوردہ کا واقعہ'' جو جماعتِ توابین اور شامیوں کے درمیان ہوا تھا، اسی جگہ معرض وجود میں آیا تھا۔

کاروانِ حریت دشمن کے پہرے میں یہاں صبح دم پہنچ گیا، اس شہر کے والی کو خبر دی گئی اس نے اور دوسرے شہر والوں نے یہی کہا کہ ''مقتولین کے سروں کو شہر کے اندر پھرایا جائے، چنانچہ طے پایا کہ وہ ''باب اربعین'' سے داخل ہوں گے اور مظلوم کے نورانی سر کو نوکِ نیزہ پر سوار کر کے عام لوگوں کے دیدار کے لئے شہر کے درمیان میں نصب کر دیں گے،

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ظہر سے عصر تک لوگ اس سر کا دیدار کرتے رہے، کچھ لوگ تو ___ نعوذ باللہ ___ خارجی کا سر سمجھ کر خوشیاں منا رہے تھے اور کچھ فرزند رسول کا سر جان کر آنسوؤں کے موتی نچھاور کر رہے تھے"۔

۹۔ رَقّہ

مراصد الاطلاع کے مطابق دریائے فرات کے کنارے ایک مشہور شہر ہے، اور "بلادِ جزیرہ" میں اس کا شمار ہوتا ہے، یہاں سے حران تک تین روز کا راستہ ہے۔

______ (مراصد الاطلاع ج ۲ ص ۶۲۶) ______

ابن زیاد کے فوجی' شہداء کے سروں کے ساتھ، اس کاروان کو عین الوردہ سے لے کر یہاں پہنچے، مگر یہاں پر قیام نہیں کیا اور اگلی منزل "جوسق" کی طرف چل دیئے۔

۱۰۔ جوسق

(مراصد الاطلاع جلد ا ص ۳۵۸ کے مطابق) جوسق کا اطلاق بہت سی آبادیوں پر ہوتا ہے، بغداد کے علاقہ میں ایک گاؤں ہے، نہروان کی بستیوں میں سے ایک بستی بھی ہے، مصر کے نواح میں ایک قصبہ ہے اور رے کے علاقہ میں ایک گاؤں اور ایک قلعہ کو بھی "جوسق" کہتے ہیں، چنانچہ لکھا ہے کہ یہ کاروان رقہ سے گزر کر "جوسق" نامی جگہ پر پہنچا، مگر یہاں پر بھی قیام نہیں کیا بلکہ آگے "بُسر" کی طرف بڑھ گیا۔

۱۱۔ بُسر

مذکورہ کتاب ہی میں ہے کہ "بسر" مملکت شام اور سرزمینِ دمشق میں اس کا گاؤں شما ہوتا ہے اور یہاں پر ایک قبر بھی ہے جسے پیغمبر خدا حضرت "الیسع علیہ السلام" کی قبر بتایا جاتا ہے۔

چنانچہ جب یہ کاروان "بُسر" کے قریب پہنچا تو یزیدیوں نے حلب کے والی کے نام ایک خط لکھا جس میں اسے

تمام حالات سے آگاہ کیا گیا اور یہاں پر قیام کئے بغیر آگے بڑھے اور رات کو ''دعوات'' جا پہنچے۔

۱۲۔ دعوات

اس جگہ کا نام صرف کتبِ مقاتل میں ذکر ہوا ہے، چنانچہ جب قافلہ کو لے کر جانے والے ''دعوات'' کے قریب پہنچے تو یزیدی کارندوں نے یہاں کے والی کو تحریر کیا کہ ہم حسینؑ کا سر اپنے ساتھ لائے ہیں۔

اس نے جب خط پڑھا تو حکم دیا کہ خوشی کے شادیانے بجائے جائیں اور کرنا و طبل اور شہنائیوں سے ''فاتح لشکر'' کا استقبال کیا جائے، اور وہ خود بھی استقبال کے لئے شہر سے باہر آ گیا اور یزیدیوں نے سر مبارک کو نوکِ نیزہ پر سوار کیا اور ''بابِ اربعین'' سے شہر کے اندر داخل ہوئے اور شہر کے بڑے چوک میں مظلوم کے مقدس سر کو ظہر سے عصر تک دیدارِ عام کے لئے نصب کئے رکھا، اس شہر میں بھی کچھ لوگ خوشیوں کے شادیانے بجا رہے تھے اور کچھ غم کے آنسو بہا رہے تھے۔

چنانچہ مظلوموں کا کاروان رات کو یہیں ٹھہرایا گیا، اور صبح کو اگلی منزل کی طرف چل پڑے ___ کتاب الدمعۃ الساکبہ جلد۵ ص ۶۵ ___ میں لکھا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام رو رو کر اس شعر کو پڑھ رہے تھے:

اَنَـا نِجْـلُ الْاِمَـامِ مَـابَـالَ حَقِّـیْ
ضَــائِــعٌ بَیْــنَ عُـصْبَةِ الْاَعْلَاجِ

میں امام کا فرزند ہوں، مگر کیا ہو گیا ہے کہ میرا حق ان کافروں کے درمیان ضائع کر دیا گیا ہے۔

۱۳۔ مشہد نقطہ

کاروانِ حریت نیزوں اور تلواروں کے پہروں میں چلتا رہا، یہاں تک کہ ''مشہد نقطہ'' میں پہنچ گیا، سر کے اٹھانے والوں نے یہ مقدس سر، ایک بڑے پتھر پر رکھ دیا، تو اتفاق سے اس مقدس سر سے خون کا ایک قطرہ ٹپکا اور اسی پتھر پر جم گیا، اس کے بعد ہر سال بروز عاشورا یہ خون جوش میں آ جاتا تھا، اور اطراف و نواح کے لوگ اس پتھر کے گرد جمع ہو کر مجالس عزا مظلوم کربلا کا ماتم اور عزاداری کیا کرتے تھے، اور یہ سلسلہ عبدالملک بن مروان کے دور تک جاری رہا، اس نے اپنے دورِ حکومت میں حکم دیا کہ اسے یہاں سے نامعلوم مقام کی طرف منتقل کر دیا جائے او ایسا ہی کیا گیا، جس کا آج تک

پتہ نہیں چل سکا، البتہ مومنین نے یادگار کے طور پر ایک پتھر رکھ دیا اور وہاں پر قبہ اور بارگاہ تعمیر کی گئی ہے جو مرجع خلائق کی حیثیت سے حسینؑ کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے، اور اکناف واطرافِ عالم سے مومنین اس کی زیارت کا شرف حاصل کرتے ہیں اور یہ حقیر بھی اس زیارت کے شرف سے مشرف ہو چکا ہے۔

مقتل الحسین مقرم ص ۳۴۶، کے مطابق اس جگہ کو ''نقطہ'' بھی کہتے ہیں اور ''مشہد نقطہ'' بھی۔

۱۴۔ حلب

ملک شام میں حلب نام کا ایک شہر ہے جو دمشق کے بعد ملک کا دوسرا بڑا شہر ہے، اس کے نزدیک ایک پہاڑ ہے جس کا نام ''جبل جوشن'' ہے، جس سے تانبا نکال کر دوسرے شہروں کو برآمد کیا جاتا تھا، اس کے کنارے ایک گاؤں تھا جس میں یہودی لوگ رہتے تھے اور ایک محکم فصیل اور مستحکم قلعہ میں زندگی بسر کرتے تھے، ان کا پیشہ حریر بانی (ریشمی کپڑے بنانا) تھا، اور ان کی ریشمی مصنوعات حجاز، عراق اور شام میں مشہور تھیں، اس گاؤں کا سردار عزیز بن ہارون نامی ایک شخص تھا جو ان یہودیوں کا سردار تھا، چنانچہ اس مقام کے سرسبز اور شاداب ہونے کی وجہ سے اس کاروان کو یہیں پر اترنے کا حکم دیا گیا۔

مورخین کے مطابق یہ کاروان اس مقام پر اترا تو جناب سید الشہداء کی ایک زوجہ محترمہ کے شکم اطہر سے بچہ ساقط ہو گیا، اور انہوں نے وہاں کے باشندوں سے آب ونان طلب کیا مگر ان لوگوں نے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ بدکلامی بھی کی، تو اس معظمہ نے انہیں نفرین کی جس کی وجہ سے کان سے تانبے کا خاتمہ ہو گیا اور اس سے استخراج کا عمل رک گیا، اور اس پہاڑ کے جنوبی حصے میں ایک جگہ ہے جسے ''مشہد السقط'' یا ''مسجد الدکۃ'' کہا جاتا ہے، اور ساقط ہونے والے بچے کا نام ''محسن بن حسینؑ'' ہے۔

بعض مورخین نے یہاں پر ''عزیز اور شیرین'' کی داستان کو ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ قیدیوں کی حالتِ زار کو دیکھ کر شیرین جو کسی دور میں حضرت شہر بانو زوجہ حضرت سید الشہداءؑ کی کنیز تھی اور بی بی نے اسے ایک نہایت ہی قیمتی خلعت دے کر آزاد کر دیا تھا اور ایک عرصے کے بعد وہ اپنے اسی وطن واپس آ گئی تھی، اور آج ان قیدیوں کی حالتِ زار کو دیکھ کر وہ کچھ لباس، غذا اور خوشبویات لے کر ان کے پاس آ گئی اور ان کی خدمت میں پیش کی، ادھر ساتھ ہی عزیز بن ہارون جو خواب میں حضرت موسیٰ اور ہارون کی زیارت کرنے کے بعد ان کے حکم کے مطابق مسلمان ہو گیا تھا قیدیوں کی نگرانی کے

لئے مقرر لوگوں کو ایک ہزار درہم دیئے اور خود حضرت امام سجادؑ کی خدمت میں دو ہزار دینار پیش کئے اور آپ کے سامنے کلمہ شہادتین پڑھا اور ساتھ ہی مظلومِ کربلا کے پاس جا کر کہا:

''السلام علیک یاابن رسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے نانا حضرت رسولِ خدا محمد مصطفیٰؐ خاتم الانبیاء ہیں، اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام نے آپ کو سلام کہا ہے''

تو زندہ جاوید شہید راہِ خدا کے سر سے صریح لہجے کے ساتھ آواز آئی ''اُن پر بھی خدا کا سلام ہو!''عزیز نے عرض کیا اے شہیدِ اعظم! میری استدعا ہے کہ میری شفاعت اپنے نانا رسول خداؐ سے فرمائیں اور مجھ سے راضی ہو جائیں!! تو جواب ملا چونکہ تم مسلمان ہو گئے ہو لہٰذا خدا اور اس کا رسولؐ تم سے راضی ہیں، اور چونکہ میرے اہلِ بیتؑ کے حق میں نیکی کی ہے لہٰذا میرے نانا، بابا اور اماں تم سے راضی ہیں اور چونکہ مجھے جناب موسیٰ و ہارون کا سلام پہنچایا ہے لہٰذا میں بھی تم سے راضی ہوں، اس کے بعد امام سجادؑ نے شیریں کو عزیز کے عقد میں دے کر خدا کے حوالے کیا، عزیز کے مسلمان ہو جانے کے بعد تمام قلعہ نشین بھی مسلمان ہو گئے۔

_____ اسے ریاض الاحزان اور چہرہ درخشان حسین بن علیؑ نے ذکر کیا ہے _____ واللہ اعلم بالصواب اس روایت کی ذمہ داری راوی کے سر ہے _____

۱۵۔ قنسرین

(معجم البلدان ج ۴ ص ۴۰۳) میں ہے کہ: ملک شام میں ''قنسرین'' نام کا ایک شہر ہے جو حلب اور حمص کے درمیان میں واقع ہے، اور یہاں پر ایک پہاڑ ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا حضرت صالحؑ کی قبرِ مبارک بھی یہیں پر ہے۔

کاروانِ حریّت حلب سے چل کر یہاں پہنچا، حضرت سید الشہداءؑ کے سر پر مامور سپاہیوں نے یہیں پر پڑاؤ کیا، یہاں پر نصاریٰ کا ایک بہت بڑا کلیسا ہے اور اس کے بڑے عالم کو ''راہب'' کہتے ہیں (بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۳۰۳ میں ہے کہ) اس نے کلیسا سے باہر آ کر دیکھا کہ اس مبارک سر سے نور کی شعاعیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں، وہ ان سپاہیوں کے پاس آیا اور انہیں دس ہزار درہم دے کر ان سے وہ مبارک سر لے کر کلیسا کے اندر چلا گیا، اندر جا کر اس نے غیب سے ایک آواز سنی:

''لائق صد تحسین ہے تو اور لائق صد تحسین ہے وہ جس نے اس سر کی حرمت کو پہچانا اور اس کی عزت کی!!''

راہب نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور کہا:

''اے پروردگار! تجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واسطہ!! اس مقدس سر کو اجازت دے کہ وہ مجھ سے باتیں کرے''

تو اس وقت وہ مبارک سر گویا ہوا:

''اے راہب! تم کیا چاہتے ہو؟!'' راہب نے پوچھا:

''آپ کون ہیں؟'' تو کٹے ہوئے سر سے آواز آئی:

''اَنَا ابۡنُ مُحَمَّدِ نِ الۡمُصۡطَفٰی'' میں محمد مصطفیٰ کا فرزند ہوں

''اَنَا ابۡنُ عَلِیِّ نِ الۡمُرۡتَضیٰ'' میں علی مرتضیٰ کا لخت جگر ہوں

''اَنَا ابۡنُ فَاطِمَۃَ الزَّھۡرَاء'' میں فاطمہ زہراؑ کا نور عین ہوں

''اَنَا الۡمَقۡتُوۡلُ بِکَرۡبَلَاء'' مجھے کربلا میں شہید کر دیا گیا،

''اَنَا الۡمَظۡلُوۡمُ ،اَنَا الۡعَطۡشَانُ'' میں وہ ہوں جس پر ظلم کئے گئے، میں وہ ہوں جسے پیاسا مارا گیا۔

یہ کہا اور خاموش ہو گیا، راہب نے اپنا منہ اس سر پر رکھ دیا اور کہنے لگا:

''میں اس وقت تک اپنا سر نہیں اٹھاؤں گا جب تک تو قیامت کے دن میری شفاعت کا وعدہ نہ کرے''

پھر اس کٹے ہوئے سر سے آواز آئی ''پہلے میرے نانا محمد مصطفیٰؐ کے دین اسلام کو قبول کرو اور کلمہ شہادت پڑھو تو راہب نے فوراً کہا: ''اَشۡھَدُ اَنۡ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوۡلُ اللّٰہِ'' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں'' اس کے بعد سر مبارک کی طرف سے شفاعت کی ذمہ داری لی گئی۔

جب صبح ہوئی تو یزیدیوں نے راہب سے وہ سر لیا اور اگلی منزل کے لئے چل دیے، اور جب وادی کے درمیان پہنچے تو دیکھا کہ وہ دس ہزار درہم پتھر بن چکے تھے۔

جبکہ صواعق محرقہ ص ۲۳۱ میں اس شہر کے واقعات کو یوں بیان کیا گیا ہے، راہب نے اپنے کلیسا میں جو اس پاکیزہ سر کو ملاحظہ کیا تو اس سے نورانی شعاعیں بلند ہو رہی تھیں، تو وہ اس لشکر اور سر کے محافظوں کے پاس آیا اور ان سے

پوچھا کہ: ''کہاں سے آئے ہو؟''

انہوں نے کہا:

''عراق سے حسینؑ کے ساتھ جنگ کر کے آ رہے ہیں''

پوچھا:

''اپنے پیغمبرؐ کے نواسے اور ان کے چچازاد بھائی کے فرزند کے ساتھ''

کہا: ''ہاں!!''

کہا:

''لعنت ہو تم پر! اگر حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ کی کوئی اولاد ہوتی فرزند یا دختر تو ہم انہیں آنکھوں میں جگہ دیتے اور تم ہو کہ یہ سلوک کر رہے ہو! اب میرا تم سے ایک تقاضا ہے اور وہ یہ کہ اپنے امیر سے کہو میرے پاس دس ہزار درہم ہیں جو مجھے میرے والد سے وراثت میں ملے ہیں مجھ سے لے لیں اور اپنے یہاں سے روانہ ہونے کے وقت تک یہ سر میرے پاس رہنے دیں''

اس نے اس کا یہ پیغام امیر تک پہنچایا وہ بھی اس بات پر راضی ہو گیا اور درہم لے کر سر کو اس کے سپرد کر دیا، اور راہب نے مقدس سر کو مشک اور کافور کے ساتھ معطر کیا اور ایک بیش قیمت کپڑے میں لپیٹ کر اپنی آغوش میں رکھ کر رونے لگ گیا اور ملعونوں کے کوچ کر جانے تک وہ روتا رہا راہب نے مقدس سر سے مخاطب ہو کر کہا: ''مولا! کل بروز قیامت آپ میری شفاعت اپنے نانا بزرگوار سے کرنا اور گواہ رہنا کہ میں اللہ کی وحدانیت محمد مصطفیٰ کی رسالت کی گواہی دے کر مسلمان ہو رہا ہوں ''

پھر اس نے لشکر سے مخاطب ہو کر کہا:

''میں تمہارے امیر کے ساتھ بات کرنا چاہتا ہوں!''

پس اس کے نزدیک آ کر کہا:

''میں تجھے خدا اور اس کے رسولؐ کی قسم دے کر کہتا ہوں، تم اب تک جو سلوک اس مقدس سر کے ساتھ کرتے آ رہے ہو، اب کے بعد اس سے ویسا سلوک نہیں کرنا اور اس مقدس سر کو صندوق میں رکھے رہو اور باہر نہ نکالو''

امیر نے کہا:

''ایسا ہی ہوگا''

پس راہب نے وہ سرانہیں واپس کر دیا اور خود کلیسا سے باہر نکل کر جنگلوں اور پہاڑوں میں عبادت کرنے لگ گیا، مگر اشقیاء نے سر کے ساتھ پہلے جیسا سلوک کرنا شروع کر دیا اور جب دمشق کے قریب پہنچے تو راہب کے عطا کردہ درہم ٹھیکریوں میں تبدیل ہو چکے تھے، ان کے ایک طرف سورہ ابراہیم کی آیت نمبر ۴۲ لکھی ہوئی تھی:

''وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهُ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ '' جو کچھ یہ ظالم لوگ انجام دے رہے ہیں خدا کو اس سے غافل مت جانو، اور دوسری طرف سورہ شعراء کی آیت نمبر ۲۲۷ لکھی ہوئی تھی ''وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلِبٍ يَّنْقَلِبُوْن '' اور عنقریب ظالم لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس ٹھکانے پلٹائے جائیں گے۔

۱۶۔ معرۃ النعمان

غرض یہ کاروانِ حریت چلتے چلتے ''معرۃ النعمان'' پہنچا اور (معجم البلدان ۵ ص ۱۶۵ کے مطابق) یہ شہر ''حماۃ'' اور ''حلب'' کے درمیان ''نعمان بن بشیر انصاری'' کے نام منسوب ہے، اس لئے کہ اس کا ایک فرزند یہاں پر مدفون ہے اور یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی قبرِ مبارک بھی یہیں ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کی قبر ''نابلس'' میں ہے۔

بہر حال جب یزیدی لشکر اس کاروان کو لے کر معرۃ النعمان پہنچا تو یہاں کے لوگوں نے یزیدیوں کی بڑی آؤ بھگت کی، اور ان کے قیام وطعام کے لئے پورا انتظام کیا، اور قافلے والے دن کا کچھ حصہ یہاں پر رہنے کے بعد اگلی منزل ''شیزر'' کے لئے روانہ ہو گئے۔

۱۷۔ شَیزر

معرۃ النعمان کے نزدیک شام کے علاقہ میں ایک شہر کا نام ہے، یہاں سے ''حماۃ'' کو ایک دن کا راستہ ہے۔

ریاض الاحزان کے مطابق جب کاروانِ حریت کو معرۃ النعمان سے لے کر شیزر کی طرف بڑھے تو یہاں کے ایک بزرگ نے کہا:

''جس ہستی کو یہ ملعون ــــ نعوذ باللہ ــــ باغی کہہ رہے ہیں، درحقیقت وہ نواسہ رسولؐ ہے''

یہ سن کر شیزر کے تمام جوان اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ ان ملعونوں کو اپنے شہر میں داخل نہیں ہونے دیں گے، چنانچہ جوانوں نے شہر میں داخل ہونے والے راستے کا واحد پل توڑ دیا، اور شہر کے گرد خندق میں لکڑیاں ڈال کر آگ جلا دی اور ہتھیار بند ہو کر اور دیوار بن کر سامنے کھڑے ہو گئے۔

خولی نے کہا:

''جوانو! کیا تم شام کے علاقہ میں رہنے سے تنگ آ گئے ہو؟''

انہوں نے کہا:

''تنگ نہیں آئے، البتہ نواسہ رسولؐ پر ہونے والے مظالم کی داستانیں سن کر زندگی سے ضرور اکتا گئے ہیں''

یزیدی فوج نے جب جوانوں کے یہ جذبات دیکھے تو شیزر میں داخل ہونے سے گریز کیا، البتہ یزید کو تمام کاروائی ارسال کر دی، یزید نے جوابی کاروائی کرتے ہوئے شیزر کے والی کو معزول کر کے اس کے گھر کے تمام مال واسباب کو لوٹ لینے کا حکم صادر کر دیا۔

۱۸۔ کفر طاب

(معجم البلدان ج۴ ص ۴۷۰) میں ہے کہ:

کفر طاب، معرۃ النعمان اور حلب کے درمیان ایک شہر کا نام ہے، یہاں کے باشندوں کے پینے کے لئے بارش کے پانی کو ایک مخصوص جگہ پر اکٹھا کیا جاتا تھا اور لوگ اسی سے استفادہ کرتے تھے۔

یہاں کے باشندوں نے بھی ''شیزر'' والوں کی طرف یزیدیوں کے لئے اپنے شہر کے راستے بند کر دیئے اور انہیں پانی تک نہیں دیا گیا اور کہا کہ:

''ہم تمہیں اس لئے پانی نہیں دیں گے کہ تم نے حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ کو پیاسا شہید کیا''

ریاض الاحزان میں ہے: یہاں کے نوجوانوں نے یزیدی فوج پر حملہ کر دیا، فوجِ یزید دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ایک حصہ قیدیوں اور شہداء کے سروں کو لے کر آگے چلا گیا اور دوسرا ان نوجوانوں سے لڑنے میں مصروف ہو گیا۔

جب کفر طاب والوں نے دیکھا کہ قیدی اور شہداء کے سر یہاں سے چلے گئے ہیں تو انہوں نے اپنی تلواریں نیام میں ڈال لیں اور لڑائی موقوف ہوگئی، چنانچہ اسی مختصر سی جنگ میں پانچ سو یزیدی واصلِ جہنم ہوئے اور ستر کفر طاب والوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔

جناب ام کلثومؑ نے کفر طاب والوں کی طرف سے اپنی حمایت اور دفاع کی کیفیت دیکھ کر امام سجادؑ سے اس شہر کا نام پوچھا تو امامؑ نے نام بتایا، اس وقت جناب ام کلثومؑ نے ان لوگوں کو ان الفاظ میں دعا کی:

"أَعْذَبَ اللّٰهُ شَرَابَهُمْ ،وَارْخَصَ اَسْعِارَهُمْ وَرَفَعَ اَيْدِى الظَّلَمَةِ عَنْهُمْ ، فَلَوْ اَنَّ الدُّنْيَا مَمْلُوْئَةً ظُلْمًاوَّ جَوْرًا لَّمَا اَنَالَهُمْ اِلَّاقِسْطًا وَّعَدْلًا"

خدا انہیں ہمیشہ میٹھے پانی سے سیراب کرتا رہے، کبھی اشیاء کی گرانی کا منہ نہ دیکھیں اللہ ظالموں کے ہاتھوں سے ان کو محفوظ رکھے، جب ساری دنیا ظلم و جور سے بھر جائے خدا انہیں عدل و انصاف کی پناہ میں رکھے۔

۱۹۔ سیبور

معاجم البلدان میں تو اس جگہ کا ذکر نہیں ہے مگر ارباب مقاتل نے شام کی راہ میں ایک منزل کے طور پر اسے ذکر کیا ہے (ریاض الاحزان ص ۸۳)

بہر صورت یزیدی فوجی کفر طاب سے نکل کر "سیبور" پہنچے، اور اس منزل پر بھی حضرت امام سجادؑ سے کچھ شعر نقل کئے گئے ہیں:

ادھر عثمان کے ہواداروں میں سے ایک بڈھے شخص نے اہلِ سیبور کو اکٹھا کر کے کہا:

"خبردار! کہیں آپ لوگ بھی دوسرے شہروں کے لوگوں کی طرح یزید کے لشکر والوں کو اپنے شہر میں نہ آنے دیں، بلکہ انہیں اندر آنے دیں تا کہ وہ یہاں سے گزر جائیں" مگر نوجوانوں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور اس علاقہ میں موجود رابطہ پل کو توڑ دیا، ہتھیار اٹھا کر جنگ کے لئے تیار ہو گئے، فریقین کا کافی جانی نقصان ہوا، سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیہا نے انہیں رزق و مال میں برکت اور اشیاء کی ارزانی پانی کے خوشگوار اور دشمن کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا دی، اور یہ بھی منقول ہے کہ

حضرت امام سجادؑ نے سیبور سے گزرتے وقت جو اشعار پڑھے ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

آلُ الرَّسُوْلِ عَلَى الْاَقْتَابِ عَارِيَةً
وَآلُ مَرْوَانَ يَسْرِي تَحْتَهُمْ نُجُبُ

آل رسولؐ تو بے کجاوہ اونٹوں پر سوار ہوں اور آل مروان اعلیٰ شان سواریوں پر ہوں۔

۲۰۔ حَماۃ

یہ کاروان ''سیبور'' سے ہوتا ہوا ''حماۃ'' پہنچا، معجم البلدان جلد۲ ص ۳۰۰ میں ہے: ''حماۃ'' حاء کی زبر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، ایک بہت بڑا شہر ہے، اس شہر کی کافی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں، اس کے بازار اور اطراف میں محکم فصیل ہے، اور یہاں سے حمص کا فاصلہ ایک دن کی راہ ہے اور دمشق کا فاصلہ قافلوں کے لئے پانچ روز کی راہ کا ہے۔

چنانچہ جب یہ کاروان سیبور سے یہاں پہنچا تو اس شہر کے باسیوں نے بھی ان کے لئے دروازہ بند کر دیا اور شہر کے اندر داخل ہونے سے روک دیا۔

ریاض الاحزان میں ہے کہ: کتب مقاتل میں سے ایک کتاب کے مؤلف کا بیان ہے کہ: ''میں سفرِ حج پر روانہ ہوا یہاں تک کہ ''حماۃ'' شہر پہنچ گیا، اس شہر کے ایک باغ میں ایک مسجد تھی جس کا نام مسجد ''العین'' ہے، میں اس مسجد کے اندر گیا، اس کی عمارتوں میں سے ایک میں دیوار پر پردہ لٹکا ہوا دیکھا، میں نے وہ پردہ ہٹایا تو دیکھا کہ دیوار میں ایک پتھر نصب ہے اور اس پر گردن کا نشان ثبت ہے جس پر خون خشک ہو چکا تھا، میں نے خادمِ مسجد سے پوچھا:

''یہ پتھر، اس پر گردن کا یہ نشان اس پر منجمد خون! یہ سب کیا ہے؟''

تو اس نے بتایا کہ:

یہ وہ پتھر ہے جس پر حضرت حسینؑ بن علیؑ کا مبارک سر اس وقت رکھا گیا تھا، جس وقت اسے شام لے جایا جا رہا تھا۔

۲۱۔ حمص

بہر حال یہ قافلہ ''حماۃ'' سے ''حمص'' آ گیا (مراصد الاطلاع جلد ۱ ص ۴۲۵ کے مطابق) دمشق اور حلب کے درمیان ایک بڑا شہر ہے، اس کے ساتھ ہی بلندی پر ایک قلعہ بھی ہے۔

اسی شہر میں خالد بن ولید اور اس کے بیٹے عبدالرحمٰن بن خالد اور عیاض بن غنم کی قبریں ہیں۔

غرض قافلہ اس شہر میں پہنچ گیا، چونکہ شہر کے والی کو پہلے سے مطلع کر دیا گیا تھا، اس لئے اس نے اطراف و اکناف سے لوگوں کو بلالیا تھا۔ والی حمص کی قیادت میں یہ لوگ جلوس کی صورت میں استقبال کی خاطر شہر سے کافی دور باہر چلے گئے، ان کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے جھنڈے تھے جن پر فتحِ یزید کے نعرے لکھے ہوئے تھے، اور خوشی کے تمام اسباب فراہم تھے۔

مگر جب حمص کے لوگوں کو اس بات کا علم ہوا تو سب ایک جگہ جمع ہو گئے اور عہد کر لیا کہ کاروانِ حریت کی پردہ داروں اور شہیدوں کے سروں کی حمص شہر میں تشہیر نہیں ہونے دیں گے۔

چنانچہ یہ لوگ اُس دروازے پر جا کر کھڑے ہو گئے جہاں سے اس کاروان کو لایا جانے والا تھا، جونہی والی حمص کی قیادت میں یہ قافلہ داخل ہونے لگا تو ان لوگوں نے والی شہر اور اس کے ساتھ جشن منانے والوں پر پتھراؤ شروع کر دیا، اچھے خاصے یزیدی بھی مارے گئے، اور خوشی غم میں بدل گئی، لوگوں نے ان کا پیچھا کیا تو وہ دوسرے دروازے سے اندر جانے لگے مگر لوگوں نے وہاں سے بھی انہیں نہیں جانے دیا، اور کہا:

> ''لَا کُفْرَ بَعْدَ الْاِیْمَانِ، وَلَا ضَلَالَۃَ بَعْدَ ھُدًی'' ایمان کے بعد کفر اور ہدایت کے بعد گمراہی، ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے کہ امام مظلوم کا سرِ مبارک اور اہلبیتِ عصمت وطہارتؑ کی پردہ داروں کی تشہیر کے لئے انہیں شہر کے اندر لایا جائے، چنانچہ وہ ''بعلبک'' کی طرف روانہ ہو گئے۔

۲۲۔ بعلبک

ایک قدیمی شہر ہے جس کا دمشق سے تین روز کا فاصلہ ہے اس میں عجیب و غریب عمارتیں اور عظیم الشان آثار پائے جاتے ہیں، اور محل بھی ہیں جو ایسے پتھر کے ستونوں پر استوار ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی۔ (مراصد الاطلاع ا ص ۲۰۷)

قمقام زخار ص ۵۵۰ میں ہے: جونہی امام حسین علیہ السلام کے سر کو اٹھانے والے بعلبک پہنچے اور اس کے والی کو اپنے آنے کی خبر دی تو اس نے بعلبک والوں کو ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر روانہ کیا، ان کے ہاتھوں میں جھنڈے تھے اور قیدیوں کا تماشہ دکھانے کے لئے اپنے گھر والوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے گئے۔

بحار الانوار میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی دکھیا بہن جناب ام کلثومؑ نے ان لوگوں کو بد دعا دی اور فرمایا: "اَبَادَ اللّٰهُ خُضرَوَاتِهِمْ وَلَا اَعْذَبَ اللّٰهُ شَرَابَهُمْ وَلَا رَفَعَ اللّٰهُ اَيْدِى الظَّلَمَةِ عَنْهُمْ" خدا ان کی آبادیوں کو برباد کرے انہیں میٹھا پانی پینا نصیب نہ ہو اور نہ ہی کبھی ظالموں کے ہاتھوں سے محفوظ رہیں۔

بحار میں ہے کہ جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے یہ الفاظ سنے تو رو دیئے اور کچھ اشعار پڑھے:

وَهُوَ الزَّمَانُ فَلَا تَفْنٰى عَجَآئِبُهُ
مِنَ الْكِرَامِ وَمَا تُهْدىٰ مَصَآئِبُهُ

یہ وہ زمانہ ہے جس کی عجب آفرینیاں بزرگ اور باعظمت لوگوں کی نگاہوں میں نہ ختم ہونے والی ہیں اور نہ ہی اس کے مصائب کی کوئی حد مقرر ہے۔

يُسْرىٰ بِنَا فَوْقَ اَقْتَابِ بِلَاوَطَاءٍ
وَسَآئِقُ الْعِيْسِ يَحْمِى عَنْهُ غَارِبُهُ

اے کاش ہمیں معلوم ہوتا کہ زمانے کے حوادثات ہمیں کہاں تک کھینچے لئے پھریں گے، ہمیں بے کجاوہ اونٹوں پر شہر و دیار پھرایا جا رہا ہے، اور اونٹوں کے پھرانے والوں کی پس پشت حمایت کی جا رہی ہے۔

كَأَنَّنَا مِنْ اُسَارَى الرُّوْمِ بَيْنَهُمْ
كَاَنَّ مَاقَالَهُ الْمُخْتَارُ كَاذِبُهُ

گویا ہم ان کے نزدیک روم کے قیدی ہوں کہ جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا، پیغمبر مختارؐ نے جو کچھ

فرمایا ہے ان کے نزدیک گویا وہ سب جھوٹ تھا۔

کَفَرتُم بِرَسُولِ اللّٰهِ وَيحَكُم
فَكُنتُم مِثلَ مَا ضَلَّتْ مَذَاهِبُهُ

لعنت ہو تم لوگوں پر جنہوں نے ہمیں قید کر کے رسول پاک کا عملی طور پر انکار کیا ہے، اور تمہاری کیفیت ان گمراہوں کی سی ہے جو تمام راستے گم کر چکے ہیں۔

بہر حال لشکرِ یزید نے وہ رات بعلبک میں گزاری اور صبح سویرے وہاں سے اگلی منزل کے لئے روانہ ہو گئے اور شام کے وقت ایک راہب کے دیر میں جا پہنچے اور یہیں پر رات گزاری۔

۲۳۔ دیرِ راہب

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ لشکر آگے بڑھا اور دیرِ راہب کا رخ کیا، ابو سعید شامی لشکرِ یزید کے ہمراہ تھا، وہ روایت کرتا ہے کہ: ایک دن شمر کو اطلاع ملی کہ ''نصر خزامی'' نام کا ایک شخص ان کے تعاقب میں ہے اور اس نے اپنا ایک عسکری دستہ تیار کر لیا ہے جو آدھی رات کو ان پر شب خون مار کر ان سے شہداء علیہم السلام کے سرہائے مبارک چھڑا کر لے جائے گا۔

اس خبر کے پہنچتے ہی لشکر اشقیاء میں اضطراب پیدا ہو گیا، باہمی مشورے کے بعد طے پایا کہ رات کو ''دیرِ راہب'' میں پناہ لی جائے، چنانچہ وہ اس دیر کے پاس پہنچے، راہب نے دیوار پر چڑھ کر ان سے پوچھا؟

''تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟''

شمر نے کہا:

''ہم یزید کا لشکر ہیں اور ہمیں ابن زیاد نے عراق سے شام بھیجا ہے''

راہب نے پوچھا:

''کس لئے جا رہے ہو؟''

شمر نے کہا:

''ایک شخص نے ــــــ نعوذ باللہ ــــــ یزید پر خروج کیا ہے اور یزید نے اس کو ختم کرنے کے لئے ایک لشکرِ جرار

اس کی طرف بھیجا جس نے اسے قتل کر دیا ہے، یہ رہے اس کے اور اس کے دوسرے رفقاء کے سر، اور ساتھ ہی اس کے پردہ دار بھی ہیں جنہیں ہم قید کر کے یزید کی طرف شام لے جا رہے ہیں''

راہب نے کہا:

''وہ سر کہاں ہیں ذرا میں بھی تو دیکھوں!''

نیزے برداروں نے سروں کو دیوار کے نزدیک بلند کر دیا، جونہی اس کی آنکھ حضرت سید الشہدا علیہ السلام کے مقدس سر پر پڑی اور اس سے نور کی شعاعیں بلند ہوتے دیکھیں جو آسمان کو چھو رہی تھیں، اسی طرح ان دوسرے سروں کے انوارِ مقدس سے بھی تو اس کے دل پر ایک قسم کی ہیبت طاری ہو گئی اور انہیں کہا: ''اس دَیر میں تمہارے رہنے کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، قیدیوں اور سروں کو دیر کے اندر بھیج دو اور تم دیوار کے پیچھے رہو، اور رات کو اپنے لئے پہرے کا بھی بندوبست کرو کہ مبادا تم پر کوئی حملہ کر دے، البتہ تمہیں قیدیوں اور سروں کی فکر نہیں کرنی چاہئے، شمر نے اس کی تجویز کو پسند کیا، چنانچہ انہوں نے سروں کو صندوقوں میں مقفل کیا، امام سجاد علیہ السلام اور قیدیوں کے ہمراہ سروں کو دیر کے اندر بھیج دیا اور خود باہر رہ گئے''

نصرانی نے قیدیوں کو مناسب جگہ پر ٹھہرایا اور سروں کو ایک خصوصی حجرے میں رکھا، رات کے کسی حصے میں اٹھ کر اس نے جو وہاں جا کر دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ مقدس سر سے نور کی شعاعیں بلند ہو کر آسمان سے باتیں کر رہی ہیں، ناگاہ اس نے دیکھا کہ حجرے کی چھت شگافتہ ہوئی اور نور کا ایک تخت زمین پر اترا اس تخت پر کچھ خواتین معظمات تشریف فرما تھیں اور ایک شخص بلند آواز سے کہہ رہا تھا: ''طَرِّقُوْا، طَرِّقُوْا رُؤُسَكُمْ وَلَاتَنْظُرُوْا'' راستہ دو، اور اپنے سروں کو جھکا لو اور اوپر مت دیکھو، اس نے کہا جب میں نے خوب غور سے دیکھا تو ہماری اماں حوا ہیں، ہاجرہ مادرِ اسماعیل ہیں، راحیل مادرِ یوسف ہیں، مادرِ موسیٰ بھی ہیں، آسیہ زنِ فرعون بھی ہیں، مریم بنت عمران ہیں، اور پیغمبر آخر الزمان کی خواتین ہیں، اور ہر ایک نے اس سر کو باری باری اپنے اپنے سینوں سے لگایا، بوسے دیئے، گریہ کیا اور اپنی جگہ پر رکھ دیا۔

ناگاہ میں نے دیکھا کہ ایک مرتبہ پھر ایسی آوازیں بلند ہوئیں اور نورانی تخت زمین پر اترا، صدا دی گئی کہ سب اپنی آنکھیں بند کر لیں کہ شفیعہ محشر آ رہی ہیں'' یہ سن کر میں لرزہ براندام ہو گیا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا، میں کسی کی صورت کو تو نہیں دیکھ رہا تھا البتہ گریہ و بکاء و نالہ و شیون کے درمیان ایک آواز آ رہی تھی:

''سلام ہو تجھ پر اے ماں کا مظلوم بیٹا!

سلام ہو تجھ پر اے ماں کا شہید بیٹا!

سلام ہو تجھ پر اے ماں کا غریب بیٹا!

سلام ہو تجھ پر اے ماں کا پردیسی بیٹا!

سلام ہو تجھ پر اے میری آنکھوں کا نور!

سلام ہو تجھ پر اے میرے سینے کا سرور!

ماں تیرے صدقے جائے میرا مظلوم بیٹا! میرا بیٹا فکر نہ کر میں تیرا انصاف تیرے قاتلوں سے لے کر رہوں گی''

''چنانچہ جب میں ہوش میں آیا تو وہاں پر موجود کسی کو بھی نہیں دیکھا''

راہب نے رات کو اسی پہر میں غسل کیا، عطر لگایا اور حجرے میں داخل ہو کر صندوق کا تالا توڑا اور امام مظلومؑ کے سر کو اس نے باہر نکالا، پھر اسے کافور و مشک اور زعفران سے دھویا، اور بڑے ادب و احترام سے اپنے اسے قبلہ گاہ کی طرف رکھا جدھر کو رخ کر کے وہ عبادت کیا کرتا تھا، بڑے ادب سے اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا: ''اے تمام عالم کے سردار کا سر! اور اے اولادِ آدم میں سب سے بہترین شخصیت! میں صرف اس قدر جانتا ہوں کہ تو ان لوگوں میں سے ہے جن کی تعریف خداوند عالم نے توریت اور انجیل میں کی ہے، لیکن میں تجھے اس ذات کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ جس نے تجھے اس قدر، قدر و منزلت عطا کی ہے کہ محرمان انجمن قدس ربوبی آسمان سے اتر کر تیری زیارت کر رہے ہیں، میرے ساتھ بات کر اور اپنی زبان سے مجھے بتا کہ تو کون ہے؟''

زندہ جاوید شہید راہِ خدا کی زبان میں جنبش آئی اور گویا ہوا:

''اَنَا الْمَظْلُوْم ، اَنَا الْمَغْمُوْم، اَنَا الْمَهْمُوْم ، اَنَا الْمَقْتُوْلُ بِسَيْفِ الْجَفَا ، اَنَا الْمَذْبُوْحُ مِنَ الْقَفَا''

میں مظلوم ہوں میں غم کا مارا ہوا ہوں، میں جفا کی تیغ کا مقتول ہوں، میں وہ ہوں جسے پسِ گردن شہید کیا گیا۔

راہب بزرگوار بولا:

''میں تیرے قربان جاؤں، مزید وضاحت کے ساتھ مجھے بتا کہ تیرا حسب و نسب کیا ہے؟''

تو کٹے ہوئے گلے سے بڑی فصاحت کے ساتھ آواز آئی:

''اَنَا ابْنُ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰى ، اَنَا ابْنُ عَلِيِّ نِ الْمُرْتَضٰى

اَنَا ابْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاء ، اَنَا الْحُسَيْنُ الشَّهِيْدُ الْمَظْلُوْمُ بِكَرْبَلَاء''

میں محمد مصطفیٰؐ کا نواسہ ہوں، میں علی مرتضیٰؑ کا نورِ نظر اور فاطمہ زہراؑ کے دل کا چین ہوں، میرا نام

حسینؑ ہے میں وہ شہید ہوں جس پر کربلا کے میدان میں ظلم کے پہاڑ ڈھائے گئے۔

یہ سنتے ہی اس راہب کی دھاڑیں بلند ہونے لگیں، آگے بڑھا، سر کو چوما، بوسے دیئے اور اپنا چہرہ اس پر رکھ کر عرض کیا: ''اس وقت تک اپنا چہرہ تجھ سے نہیں اٹھاؤں گا جب تک تو قیامت کے دن میری شفاعت کی حامی نہیں بھرے گا۔''

سر سے آواز آئی:

''اسلام کا کلمہ پڑھو، مسلمان ہو جاؤ پھر تمہاری شفاعت ہوگی''

راہب نے بلند آواز سے کہا:

''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه''

اس کے بعد اس نے کلیسا کے مکتب کے تمام شاگردوں کو جمع کر کے رات کو رونما ہونے والے تمام واقعات بیان کئے اور کہا: ''اسی خاندان میں ہی سعادت ہے اور بس!!'' وہاں پر موجود تمام ستر ا (۷۰) فراد نے اسلام قبول کیا، حسینؑ کے مصائب پر گریہ کیا، لباسِ عزاداری زیبِ تن کر کے حضرت سید سجاد امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیر کے تمام ناقوس اور گلے میں ڈالے جانے والے تمام ''زُنّار'' توڑ ڈالے اور سب نے امامؑ کے سامنے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گئے، امام سجاد علیہ السلام سے اجازت طلب کی کہ ان ظالموں اور ستمگاروں کو قتل کرنے کے لئے ان سے جنگ کرتے ہیں، مگر امامؑ نے انہیں اجازت نہیں دی اور فرمایا:

''خداوند عالم خود جبار و منتقم ہے وہی ان سے ہمارا انتقام لے گا''

چنانچہ شمر اور اس کا لشکر ساری رات دیوار کے باہر رہے اور صبح ہوئی تو شہداء کے سر اور مظلوم قیدیوں کو ہمراہ لے کر عسقلان کی طرف چل دیئے۔

۲۴۔ عسقلان

بعض روایات کے مطابق یزید کے فوجی اس کاروان کو ''بعلبک'' سے پہلے ''عسقلان'' لے گئے اور بعض کتب مثلاً ریاض الاحزان میں ہے کہ: ایسے سادہ لوح قاری جو صرف کوفہ سے شام تک کی راہ کو دیکھتے ہیں، ان کے خیال میں ''عسقلان'' کا، کاروانِ حریت کی راہ میں آنا انتہائی ناممکن ہے کیونکہ یہ جگہ اصل راستے سے بہت دور ہٹی ہوئی ہے، لیکن جب محققین ان حالات کا جائزہ لیتے ہیں جن میں مظلوموں کا یہ کاروان لایا گیا تو ان کے لئے راستہ سے بہت دور ہٹے

ہوئے شہر''عسقلان''میں آنا باعث حیرت نہیں رہتا۔

اس لئے کہ یزیدیوں کا کوفہ سے شام تک پہنچنا اس وقت مشکل ہو گیا تھا۔اور جیسا کہ آپ اس سے پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ مملکتِ شام کے شہروں میں،ملکِ عراق کے شہروں کی نسبت ان کو عوامی مزاحمت کا زیادہ سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ بعض مقامات پر تو جنگ و جدال کی صورت بھی پیدا ہو گئی تھی،اسی لئے وہ بچ بچا کر یہاں سے گزرنا چاہتے تھے اور جوں جوں دمشق نزدیک آتا جا رہا تھا،ان کے لئے مزاحمت بھی سخت ہوتی جانے لگی،لہٰذا وہ اصل راہ سے ہٹ کر کبھی دائیں طرف سفر کرتے اور کبھی بائیں جانب۔

غرض شمر اور اس کے ساتھی صبح سویرے دیرِ راہب سے''عسقلان''کی طرف چل دیئے،اس شہر کے والی کا نام ''یعقوب عسقلانی''تھا جو کربلا کی جنگ میں ابن زیاد کے لشکر میں شامل تھا اور اس عظیم جرم کے صلے میں اسے اس شہر کی حکومت دی گئی،چنانچہ اس نے اپنی رعایا کو حکم دیا کہ شہر کی خوب تزئین و آرائش کی جائے اور ناچ گانے کے آلات اس نے شہر کے باہر بھجوا دیئے تاکہ رقاص طائفے ناچتے گاتے ہوئے لشکرِ یزید کا استقبال کریں اور خود اپنے کمینہ فطرت بدمعاش دوستوں کے ساتھ ایک بالا خانے میں چلا گیا جہاں وہ شراب خواری اور میگساری میں لگ گئے اور شراب کے نشے میں بدمست ہو کر لہو و لعب میں مشغول ہو گئے اور بے بس و بے کس قیدیوں کا تماشہ دیکھنے کے لئے بے قراری کے لمحات گزارنے لگے،کہ اتنے میں کٹے ہوئے سروں کو شہر کے اندر لے آیا گیا،یہ منظر دیکھ کر وہ ایک دوسرے کو مبارک بادیاں دینے لگے۔

اتفاق سے شہر کے بازار میں باہر کا ایک تاجر بھی کھڑا ہوا تھا جس کا نام''زُریرِ خزاعی''تھا،اس نے دیکھا کہ لوگ ایک دوسرے کو مبارک سلامت کہہ رہے ہیں،اس نے پوچھا:

___:''کیا وجہ ہے کہ تم نے خوشی کا سماں کیا ہوا ہے،شہر کو مزین کئے ہو اور ایک دوسرے کو مبارک دے رہے ہو؟''

___:عراق میں ایک شخص نے یزید کے خلاف بغاوت کی ہے تو ابن زیاد نے ایک لشکرِ جرار کو بھیج کر اسے قتل کرا دیا ہے،اور اب اس کے اور اس کے ساتھیوں کے سروں کو اور اس کے اہلِ خاندان کو اسی شہر میں لایا جا رہا ہے،جسے بعد میں دمشق میں لے جائیں گے۔

___:وہ مسلمان تھا یا کافر؟ ___ نہ صرف مسلمان بلکہ مسلمانوں کا بھی سردار تھا۔

___:اس نے کس لئے بغاوت کی؟ ___ وہ کہتا تھا کہ میں رسول کا بیٹا ہوں اور یزید سے زیاد

ہ میں خلافت کا حقدار ہوں۔

____: اس کا نام ونسب کیا ہے؟____

خود ''حسینؑ'' ہے، اس کا بھائی ''حسنؑ'' ہے، بابا علیؑ ہے، ماں فاطمہ زہراؑ ہے اور نانا رسول خدا محمد مصطفیٰؐ ہے۔

زریر یہ سن کر کانپ گیا، اور دنیا اس کی آنکھوں میں تاریک ہوگئی اس کے بعد وہ جلدی سے قیدیوں کے پاس پہنچا ، جب اس کی نگاہ امام زین العابدین علیہ السلام پر پڑی تو اس کی دھاڑیں نکل گئیں، یہ دیکھ کر امامؑ نے اس سے پوچھا:

''اے شخص تم کیوں رو رہے ہو؟ دیکھ نہیں رہے ہو کہ تمام اہالیانِ شہر مسرور وخنداں ہیں؟''

____ میرے آقا! میں ایک مسافر ہوں جو تجارت کی غرض سے یہاں آیا ہوں، اور اس شہر میں آج ہی پہنچا ہوں، کاش کہ میرے قدم خشک ہو چکے ہوتے کہ یہاں نہ آپاتا اور آنکھیں اندھی ہو چکی ہوتیں کہ یہ منظر نہ دیکھتا۔

یہ کیفیت دیکھ کر امامؑ نے فرمایا: ''تجھ سے ہماری محبت کی خوشبو آتی ہے''

اس نے عرض کیا:

''آپ مجھے حکم فرمائیں کہ میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟''

امامؑ نے فرمایا:

''اگر کر سکتے ہو تو اس شخص کے پاس جاؤ جو میرے والد کے سر کو نیزہ پر لئے ہوئے ہے، اور اسے کہو کہ وہ سروں کو قیدیوں سے آگے اور دور لے جائے تا کہ لوگ سروں کو دیکھیں اور پردہ داروں کی طرف ان کی نگاہیں نہ اٹھیں''

زریر اس نیزے بردار کے پاس گیا اور اسے پچاس اشرفیاں دیں تا کہ سروں کو آگے لے جائے، اس ملعون نے اشرفیاں لیں اور سروں کو آگے لے گیا۔

زریر، یہ خدمت، سرانجام دینے کے بعد پھر امامؑ کے پاس حاضر ہوا اور کہا:

''قبلہ! اور کوئی خدمت!''

فرمایا:

''اگر تمہارے پاس لباس یا کپڑے ہوں تو لے آؤ کہ ان برہنہ سروں پر چادریں ڈالیں اور پھٹے پرانے لباس والوں کو لباس پہنائیں''

زریر بھاگتا ہوا گیا اور وافر مقدار میں لباس لے آیا اور ہر ایک قیدی کو اس سے متعلقہ لباس دیا، اور امام سجاد علیہ السلام کی

خدمت میں ''عمامہ'' پیش کیا۔

اسی اثناء میں اس نے دیکھا کہ خوشی کے شادیانے بجنے لگے اور شمر ملعون زور زور سے خوشی کے نعرے لگا رہا ہے، اور شہر کے لوگ بھی اس کے ساتھ خوشیاں منا رہے ہیں، زریر نے شمر کے پاس جا کر اس کے منہ پر تھوک دیا اور کہا:

''تجھے خدا سے شرم نہیں آتی کہ رسول خداؐ کے فرزند کو شہید کر کے اس کے سر کو نوکِ نیزہ پر اٹھائے ہوئے ہو؟''

پھر اسے سخت گالیاں دیں، یہ سن کر شمر ملعون نے بلند آواز کے ساتھ کہا:

''اسے پکڑ واور قتل کر دو''

چنانچہ اس مظلوم کو گرفتار کرلیا گیا اور اس پر اس قدر تشدد کیا گیا کہ بے ہوش ہو گیا، انہوں نے سمجھا کہ اب ختم ہو گیا ہے تو وہ وہیں پر اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ کر چلے گئے، مگر آدھی رات کو زریر ہوش میں آ گیا، اس نے خود کو بڑی مشکل کے ساتھ قریب کی مسجد بنام ''مسجد سلیمان النبی'' پہنچایا، وہاں پر دیکھا کہ کچھ لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کی عزاداری میں مصروف ہیں۔

ریاض الاحزان میں ہے کہ زریر، ہوش میں آنے کے بعد زخمی حالت میں خود کو اس قبرستان میں لے گیا جہاں پر انبیاء اور اولیائے ماسلف کے مزارات تھے، اس کے ایک کونے سے اسے کچھ لوگوں کے گریہ وبکاء کی آوازیں سنائی دیں، وہ ادھر کو ہولیا، جا کر دیکھا تو وہاں پر چند لوگ عزاداری میں مصروف تھے، زریر نے انؑ سے کہا:

''اللہ کے بندو! تمہارا پورا شہر خوشی میں ڈوبا ہوا ہے اور ہر شخص عید منا رہا ہے اور تم بیٹھے ماتم کر رہے ہو؟

کہیں تم میری طرح مسافر تو نہیں؟''

ان میں سے ایک شخص نے کہا:

''اے بندہ خدا! اگر تو محبانِ آلِ محمدؐ میں سے ہے تو آ اور عزاداری امام حسینؑ میں ہمارے ساتھ شریک ہو جا! اور اگر جاسوس ہے تو پھر جا کر یعقوب عسقلانی کو اس امر کی اطلاع کر دے، تاکہ وہ میں قتل کر دے اور اگر ان میں سے کوئی بھی نہیں تو پھر جا اپنی راہ لے اور ہمیں اپنا کام کرنے دے''

زریر نے اپنے جسم کے زخم دکھائے اور کہا: ''اے محبانِ آلِ محمدؐ! میرے جسم کے یہ زخم گواہ ہیں کہ میں نے محبتِ آلِ محمدؐ کی قیمت ادا کی ہے، اس کے بعد زریر نے انہیں سارا ماجرا سنایا، ان میں سے کچھ لوگ اٹھے اور اپنے اپنے گھروں میں گئے، کوئی کھانے پینے کا سامان لایا تو کوئی مرہم پٹی کا، اور پھر اس کے زخموں کی مرہم پٹی کی اور کھانا کھلایا۔

۲۵۔ مرزین

الغرض ملعون یزیدی فوجی کاروانِ حریت کو اور شہداء کربلا کے سروں کو لے کر آگے بڑھے اور ''مرزین'' نامی گاؤں پر پہنچ گئے، اور یہ ملک شام کا پہلا مضافاتی شہر ہے، اس کا حاکم ''نصر بن عتبہ'' نامی ایک شخص تھا، اس نے خود بھی خوشیاں منائیں، شہر کو زینت دی اور شہر کے لوگوں کو بھی خوشیاں منانے اور رقص و سرود کی محفلیں منعقد کرنے کا حکم دیا، قیدیوں اور سروں کے ساتھ ان لوگوں نے بدسلوکی کی آسمان سے ان پر بجلی گری جس کی وجہ سے کچھ لوگ جل کر راکھ ہو گئے، اور شہر کی تزئین و آرائش بھی ختم ہوگئی، اور یہاں کے لوگوں کو اب خوشیاں بھول گئیں اور اپنے مرنے والوں کا غم منانے لگ گئے اور قافلہ دمشق کی طرف بڑھ گیا۔

۲۶۔ دمشق

اموی دارالحکومت اور یزید کا پایہ تخت ہے، چنانچہ یزیدی فوجی یکم صفر ۶۱ھ کو کاروانِ حریت کو لے کر دمشق میں داخل ہوئے، جب وہ دروازۂ دمشق کے قریب پہنچے تو جناب ام کلثوم نے شمر سے کہا:

''ہمیں ایسے دروازے سے شہر کے اندر لے جاؤ جہاں پر لوگوں کی بھیڑ کم ہو اور شہداء کے سروں کو ہمارے اونٹوں سے آگے آگے رکھو تاکہ لوگوں کی نگاہیں شہداء کے سروں پر رہیں اور اہلِ بیتِ رسولؐ کے ناموس ان نامحرم لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ رہیں''

(مقتل الحسینؑ خوارزمی میں ہے کہ) شمر ملعون نے ان کے تقاضے کے بالکل برعکس عمل کیا، چنانچہ صاحب کتاب کامل بہائی نے، ابوریحان بیرونی نے ''الآثار الباقیہ'' میں اور کفعمی نے اپنی کتاب ''المصباح'' میں لکھا ہے کہ اہلِ بیتِ اطہارؑ کا کاروان حریت یکم صفر ۶۱ھ کو دمشق شہر میں داخل ہوا، اور اسے دروازۂ ''باب الساعات'' سے شہر کے اندر لے جایا گیا۔

اسے ''باب الساعات'' اس لئے کہتے ہیں کہ اس دروازے کے اوپر پیتل سے ایک جانور کا مجسمہ بنایا گیا تھا اور اس میں ایسا نظام مقرر کیا گیا تھا کہ جس سے دن رات کے اوقات کی تعیین کی جاتی تھی، جبکہ مقتل الحسین مقرم ص ۳۴۸ کے

مطابق: مقتل خوارزمی میں ہے کہ اہلِ بیتؑ کے اس کاروان کو ''باب توما'' سے لے جایا گیا، اور دمشق میں اس دروازے کے آثار اب بھی باقی ہیں۔

بہر حال قیدیوں کو شہر کے اندر لے جانے سے پہلے اسے خوب سجایا اور مزین کیا گیا، اور اُس دروازے کو خصوصی طور پر مزین کیا گیا تھا جس سے اس کاروان کو گزرنا تھا، اور شہر کے اندر لے جانے سے پہلے قیدیوں کو دروازے پر کافی دیر روکے رکھا گیا تا کہ لوگ جی بھر کر ان کا تماشہ دیکھ لیں حتیٰ کہ بعض روایات کے مطابق انہیں تین دن تک اسی دروازے پر روک کر رکھا گیا تھا، اس کے بعد شہر کی جامع مسجد کے نزدیکی دروازے سے لے جا کر انہیں وہاں ٹھہرایا گیا جہاں دوسرے قیدیوں کو ٹھہرایا جاتا تھا۔ (الملھوف ص ۷۳)
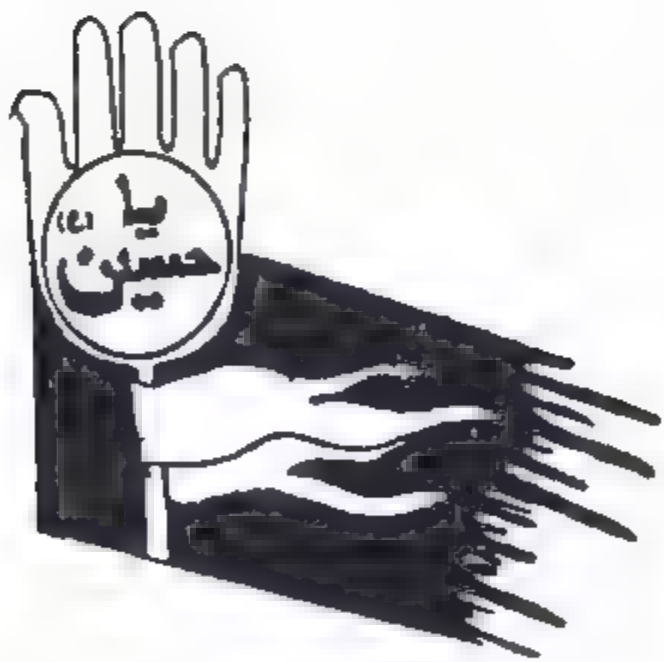
کاروانِ حریت کا دمشق میں داخلہ

کاروانِ حریت کا دمشق میں داخلہ

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ کربلا میں لٹے ہوئے ''کاروانِ حریت'' کو ۱۱/ محرم الحرام ۶۱ھ کے دن پابند سلاسل کر کے ۱۲/ محرم الحرام کو کوفہ میں لایا گیا اور کوفہ کی گلیوں اور بازاروں میں اس کی خوب تشہیر کی گئی اور اس کے بعد ابن زیاد کے دربار میں لایا گیا، بازاروں اور دربار میں اس کاروان کے افراد نے خطبے دیئے اور دربار ابن زیاد میں بہت سے ہولناک واقعات رونما ہوئے، جنہیں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے، اور ابن زیاد نے کوفہ میں تین دن قید رکھنے کے بعد یزید کے حکم پر ۱۵/ محرم کو یہ کاروان شام روانہ کر دیا، اور مختلف منزلوں سے گزرنے کے بعد یکم صفر ۶۱ھ کو شام کے دارالحکومت ''دمشق'' پہنچا۔

شامیوں کی نظریاتی کیفیت:

قبل اس کے کہ ہم یہاں پر دربارِ شام میں وقوع پذیر ہونے والے حالات کا تفصیلی تذکرہ کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر قدرے ان لوگوں کی نظریاتی تربیت پر روشنی ڈالیں اور بتائیں کہ ان کی نظریاتی تربیت کس طرح ہوئی اور ان کی اسلامی معلومات کس حد تک تھیں اور اسلام کے ساتھ ان کی کس حد تک وابستگی تھی؟

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ چالیس سال تک امیرِ شام نے شام اور اس کے اطراف اور نواحی علاقوں پر حکومت کی، چونکہ یہاں کے باشندے تازہ مسلمان ہوئے تھے اور جس دن سے عیسائیت کو چھوڑ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اسی دن سے ابوسفیان کے خاندان اور اس کے کٹھ پتلی حکمرانوں کے علاوہ اس خطے میں کسی اور کو نہیں پہچانتے تھے۔

اب آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اہلِ بیت علیہم السلام کی مخدرات عصمت اور شہدائے کربلا کے کٹے ہوئے سر، کس قسم کے علاقے میں لائے گئے؟ وہاں پر امیرِ شام نے لوگوں کی اخلاقی اور اسلامی تربیت اپنی مرضی سے کی تھی، لوگ تو ہوتے ہی ''اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ'' کے مصداق ہیں، ان کا دین وہی ہوتا ہے جو ان کے حکام اور بادشاہوں کا ہوتا ہے، ہمارے قارئین کو یاد ہوگا کہ جنگ صفین میں امیرِ شام نے مختلف چالوں اور چالبازیوں کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ لوگوں کو امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے خلاف، بغاوت پر اکسایا اور وہ امام عالیمقامؑ کے ساتھ جنگ کرنے پر

آمادہ ہو گئے، اور خود اس نے مولا علی (ع) کے خلاف وہ مسموم پروپیگنڈہ کیا کہ شام کے رہنے والے علیؑ اور اولادِ علیؑ کو واجب القتل جانتے تھے، اور منبر پر ایک طویل عرصے تک علیؑ اور ان کی اولاد کو گالیاں دی جاتی رہیں۔

یہی وجہ ہے کہ پیغمبرؐ کے اہلِ بیت علیہم السلام کو شام میں اس قدر سخت مصائب اور آلام کا سامنا کرنا پڑا کہ جب اہلِ بیتؑ کے عظیم فرد امام سجادؑ سے سوال کیا جاتا کہ آپؑ کے ساتھ کس جگہ پر سب سے زیادہ سخت گزری؟ تو وہ تین بار کہتے:

''الشام، الشام، الشام''

اور اسی ہی بارے میں ریاض الاحزان میں منقول ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے یہ شعر پڑھا:

فَیَا لَیْتَ لَمْ اَنْظُرْ دِمَشْقَ وَلَمْ یَکُنْ
یَرَانِیْ یَزِیْدُ فِی الْبِلَادِ اَسِیْرُ

اے کاش کہ میں دمشق کا منہ نہ دیکھتا، اور مجھے یزید ہر شہر و دیار میں اس حالت میں قیدی نہ دیکھتا۔

اس کے باوجود شام میں ایسے لوگ بھی رہتے تھے جو خاندان عصمت وطہارت کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے محبت کرتے تھے، اور بنوامیہ کے طرفداروں حتیٰ کہ امام حسین علیہ السلام کے سر کو اٹھانے والوں کے ساتھ مرنے مارنے پر اتر آتے تھے، لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے اور مخالفین کی تعداد بہت زیادہ۔

ہماری اس گفتگو کا شاہد (بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۱۲۹، احتجاج طبرسی جلد ۲ ص ۱۲۰ میں) وہ واقعہ بھی ہے کہ جب مخدرات عصمت وطہارت کو قید کر کے دمشق کی جامع مسجد کے دروازے پر لایا گیا تو فوراً ایک بوڑھا شامی آگے آیا اور بڑھ کر حضرت امام سجاد علیہ السلام سے کہتا ہے کہ:

''خدا کا شکر ہے کہ جس نے تمہیں قتل کیا اور تمہارا خاتمہ کر دیا اور یزید کو تم پر فتح عطا فرمائی اور شہروں کو تمہارے مردوں سے خالی کر دیا''

تو اس وقت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

''اے بزرگ! تو نے قرآن مجید کی تلاوت کی ہے؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں!''

امامؑ نے فرمایا: ''آیا سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۲۳ بھی پڑھی ہے؟

''قُلْ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی''

کہ اے پیغمبرؐ! ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے اجرِ رسالت نہیں مانگتا مگر یہ کہ میرے قرابتداروں کے ساتھ محبت کرو۔

کہا:

''جی ہاں پڑھی ہے''

امامؑ نے فرمایا:

''نبی اکرمؐ کے وہی قرابتدار ہم ہیں، اچھا یہ بتاؤ کہ تو نے سورہ انفال کی آیت/۴۱ بھی پڑھی ہے:

وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُم ......وَلِذِی الْقُرْبٰی''

یعنی جانے رکھو کہ تم جو منفعت حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ (خمس) اللہ کا ہے، اس کے رسول کا ہے اور اس کے قرابتداروں کا ہے۔

کہا: ''جی یہ آیت بھی پڑھی ہے''

امامؑ نے فرمایا:

''وہی قرابتدار ہم ہیں، اچھا یہ بتا کہ تو نے سورہ احزاب کی آیت ۳۳ بھی پڑھی ہے کہ:

''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا''

اے اہلِ بیتؑ! خدا کا تو بس یہی ارادہ ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاست کو دور رکھے اور تمہیں کماحقہٗ پاک و پاکیزہ رکھے۔

کہا: جی بالکل پڑھی ہے۔

فرمایا:

''بزرگ! وہی اہلِ بیتؑ رسولؐ ہم ہیں، جنہیں آیت میں طہارت کے ساتھ مختص کر دیا گیا ہے''

راوی کا بیان ہے کہ: وہ بوڑھا شخص خاموش ہو گیا اور اپنی کہی ہوئی باتوں پر اظہارِ ندامت کر رہا تھا، پھر اس نے امامِ مظلومؑ کی طرف منہ کر کے کہا:

تمہیں خدا کی قسم! واقعی تم وہی لوگ ہو؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''خدا کی قسم ہاں، ہم وہی لوگ ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم ہی خاندانِ عصمت وطہارت ہیں، مجھے اپنے نانا رسولؐ کی قسم، ہم انہی کا خاندان ہیں''

اب بوڑھے آدمی سے رہا نہ گیا، دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اپنا عمامہ سر سے اتار کر آسمان کی جانب منہ کر کے

بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

''خداوندا! میں آلِ محمدؐ کے تمام دشمنوں سے اظہارِ بیزاری کرتا ہوں خواہ وہ جنوں سے ہیں یا انسانوں سے''

پھر اس کے بعد امامِ عالی وقارؑ کی طرف رخ کر کے کہا: ''مولاؑ! کیا میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے؟'' امامؑ نے فرمایا:

''اگر تو توبہ کرلے تو خداوند کریم تجھے معاف کردے گا اور تو ہمارے ساتھ ہوگا''

اس نے فوراً توبہ کی اور کہا:

''میں نے جو کچھ کہا ہے اس سے توبہ کرتا ہوں''

راوی کا بیان ہے کہ جاسوسوں نے اس بوڑھے شخص کی توبہ کی خبر یزید بن معاویہ کو دی تو یزید نے اس کے قتل کا حکم صادر کردیا اور اس بے چارے کو شہید کردیا گیا۔

صحابیِ رسولؐ حضرت سہل بن سعد:

تاریخ اور مقتل کی کتابوں میں جب دربارِ شام کا ذکر ہوتا ہے تو صحابیِ رسولؐ حضرت سہل بن سعد ساعدی کا تذکرہ ضروری ہوتا ہے، قبل اس کے کہ ہم اس صحابی کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ کریں یہاں پر یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ ''الاستیعاب ۲ص ۶۶۴ میں ہے'' ان کا نام سہل بن سعد بن مالک ہے، انصاری ہیں اور قبیلہ ساعد سے ان کا تعلق ہے، حضرت رسالتمآبؐ کی رحلت کے وقت ان کی عمر پندرہ برس تھی،، حجاج بن یوسف کے دورِ حکومت تک بقید حیات تھے، کہا جاتا ہے کہ سو سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، اور یہ اصحابِ رسولؐ میں سے آخری صحابی تھے جو اس دنیا سے چل بسے، خود ان کا اپنا کہنا ہے کہ:

''اگر میں اس دنیا سے چلا گیا تو تم میرے سوا اور کسی شخص سے نہیں سنو گے جو براہِ راست کہے'' قال رسول اللہ'' ''اللہ کے رسولؐ نے یہ فرمایا ہے''، ۸۸ھ میں رحلت فرمائی۔

اب شام کے بازار اور دربار میں رونما ہونے والے کچھ واقعات انہی کی زبانی سنتے ہیں (تمقام زخار ص۵۵۶ میں ہے) وہ کہتے ہیں:

میں بیت المقدس کی طرف جارہا تھا کہ دمشق پہنچا، میں نے شہر کو دیکھا کہ اس کی نہریں پانی سے لبریز اور درخت

میوؤں سے لدے پھندے تھے، شہر کے در و دیوار حریر و دیبا کے پردوں سے مزین تھے، مرد ناچ گا رہے ہیں عورتیں دف اور طبل بجاتی گانا گاتی اِدھر اُدھر آ جا رہی ہیں، میں نے دل میں کہا:

''شامیوں کی کوئی ایسی عید نہیں ہے جسے ہم نہ جانتے ہوں! اتنے میں، میں نے ایک ٹولی کو آپس میں باتیں کرتے دیکھا تو ان سے پوچھا کہ: ''شامیوں کی کوئی ایسی عید بھی ہے جس سے ہم بے خبر ہیں؟''

تو انہوں نے کہا:

''بڑے میاں معلوم ہوتا ہے تم یا تو بادیہ نشین عرب ہو یا صحرائی باشندے!''

میں نے کہا:

''میں حضرت محمدؐ کا صحابی سہل بن سعد ساعدی ہوں''

تو وہ کہنے لگے:

''اے سہل! آیا آپ تعجب نہیں کرتے کہ نہ آسمان خون برساتا ہے اور نہ ہی زمین لوگوں کو نگلتی ہے''

میں نے تعجب کے ساتھ پوچھا:

''ایسا کون سا واقعہ رونما ہوا ہے کہ اس قدر عذاب نازل نہیں ہوتا؟''

انہوں نے کہا:

''وہ دیکھو! حسینؑ بن محمدؐ کا سر آ رہا ہے جسے عراق سے تحفہ کی صورت میں یہاں بھیجا گیا ہے''

میں نے کہا:

''تعجب ہے حسینؑ کا سر لایا جا رہا ہے اور لوگ خوشیاں منا رہے ہیں!! سر کو کس دروازے سے لایا جا رہا ہے؟''

انہوں نے ''باب الساعات'' کی طرف اشارہ کیا۔

ابھی ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ میں نے دیکھا:

یکے بعد دیگرے کئی جھنڈے نمودار ہونے لگے، پھر میں نے دیکھا کہ ایک نورانی اور خوبصورت سر ہے جو نوکِ نیزہ پر سوار لایا جا رہا ہے، مجھے یوں محسوس ہوا کہ وہ جیسے مسکرا رہا ہو، بتایا گیا کہ یہ سر حضرت ابوالفضل العباس بن امیر المومنین علی بن ابیطالبؑ کا ہے، اس کے بعد ایک اور سوار کو دیکھا جس کے ہاتھ میں نیزہ ہے اور اس پر فرزندِ رسولؐ، حسین بن علیؑ کا سر مبارک ہے اور حضرت رسول خداؐ سے اس کی شکل و صورت ملتی جلتی تھی گویا خود رسول خداؐ کا سر ہو، اس کے

دبدبے، رعب اور شکوہ وعظمت کی تو کوئی حد نہیں تھی، نور کی شعاعیں سورج کو شرما رہی تھیں، ریش مبارک پر خضاب سے معلوم ہوتا تھا کہ پیری کے عالم میں اسے تن سے جدا کیا گیا، پیشانی کشادہ اور لبوں پر مسکراہٹ کے آثار، آنکھیں مشرق کی طرف کھلی ہوئیں آسمان کو دیکھ رہی تھیں، ''وَالرِّیْحُ تَلْعَبُ بِلِحْیَتِہٖ یَمِیْنًا وَّشِمَالاً'' ہوا ریش مبارک کو کبھی دائیں متحرک کرتی کبھی بائیں، ''کَاَنَّہٗ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْہِ السَّلَامُ ۔'' ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے امیر المومنین علیؑ کا چہرہ مبارک ہو، اس سر کا نیزہ بردار عمرو بن منذر تھا۔

میں نے حضرت ام کلثومؑ کو دیکھا کہ ایک پھٹے پرانے کپڑے کے ذریعہ اپنے چہرہ کو ڈھانپنے کی کوشش کرتی ہیں مگر وہ کپڑا کفایت نہیں کرتا، پھر میں امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان پر اور ان کے اہلِ بیتؑ پر سلام کیا، اپنا تعارف کرایا اور پوچھا کہ میرے لائق حکم ہو تو ارشاد فرمایئے!!'' امامؑ نے فرمایا اگر کر سکتے ہو تو میرے والد کے نیزہ بردار کو کچھ دو تا کہ وہ امامؑ کے سر کو آگے لے جائے اور یہاں پر کھڑا نہ ہو کیونکہ ہمیں تماشائی اذیت دے رہے ہیں''

چنانچہ میں اس کے پاس گیا اور ایک سو درہم اسے دیئے کہ جلدی سے آگے بڑھ جائے اور خواتین سے دور جا کر رکے تا کہ وہ نامحرم کی نگاہوں سے محفوظ رہیں، اور یہی صورت حال اسی طرح جاری رہی حتیٰ کہ سروں کو یزید کے پاس دربار میں پہنچا دیا گیا۔

سہل بن سعد کا کہنا ہے کہ امام حسینؑ کا سر ایک طشت میں رکھ کر مجلسِ یزید میں لے آئے، اور میں بھی ان کے ہمراہ تھا اُس وقت یزید تخت پر بیٹھا ہوا تھا، اس کے سر پر تاج تھا جو در اور یاقوت کے نگینوں سے مرصع تھا، اس کے اطراف میں قریش کے بہت سے بوڑھے لوگ بیٹھے ہوئے تھے، سر مبارک کو لانے والا جب مجلسِ یزید میں اسے لے آیا تو آتے ہی یہ اشعار پڑھے:

اِمْلَأْ رِکَابِیْ فِضَّۃً وَّذَهَبَا

اَنَا قَتَلْتُ السَّیِّدَ الْمُحَجَّبَا

قَتَلْتُ خَیْرَ النَّاسِ اُمًّا وَّاَبَا

وَ خَیْرَهُمْ اِذْ یُنْسِبُوْنَ النَّسَبَا

میرے اونٹ کو سیم و زر کے ساتھ بار کر دے، کیونکہ میں نے ایک باشکوہ بادشاہ کو قتل کیا ہے، ایسے بادشاہ کو نہ جس کی ماں جیسی کوئی ماں ہے اور نہ ہی باپ جیسا کوئی باپ ہے، اور نسب و نسل کے لحاظ سے بھی اس کا کوئی ثانی نہیں۔

اس پر یزید نے اس سے پوچھا کہ اگر تو جانتا تھا کہ وہ اس قدر عظمت کا مالک ہے تو پھر اسے قتل کیوں کیا؟

اس نے کہا:

انعام حاصل کرنے کے لئے یزید نے حکم دیا کہ اس کو بھی قتل کر دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

قاتل کو کیوں قتل کیا گیا؟:

اس بارے میں مختلف وجوہات ہوسکتی ہیں،

۱۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ قدرت کا انتقام تھا جس ظالم نے انعام واکرام کے لالچ میں شہزادہ کونین کو بے جرم وخطا شہید کیا اور جس ملعون کی خوشنودی کے لئے اتنا بڑا اقدام کیا تو اسے ایسے ہی انجام سے دوچار ہونا چاہئے تھا، خود اسی کے ہاتھوں قتل ہونا چاہئے تھا، خدا اور سول، وانبیاء، واولیاء اور ملائکۃ اللہ کو ناراض کر کے جس کو خوش کیا تھا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یزید نے اس کو اس لئے قتل کیا کہ اس نے جو اشعار پڑھے تھے ان میں ایک تو امام شہید کی مدح وثنا کا پہلو بھی موجود تھا اور دوسرے علیؑ وفاطمہؑ کی توصیف کی گئی تھی کہ بنی امیہ کی جن سے ازلی دشمنی تھی، انہیں بھرے دربار میں ''خیر الناس'' (سب لوگوں سے بہتر) کے عنوان سے متعارف کرایا گیا۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ سر کو لانے والے نے یہ اشعار یزید کی بھری بزم میں اور دربار کے سرکاری اجلاس میں پڑھے، جس سے یزید کے غصے میں شدت آ گئی، ایک تو اہلِ بیتِ پیغمبرؐ کے ساتھ عداوت اور دشمنی کی وجہ سے، دوسرے حاضرین کے ردِعمل کے خوف سے کہ مبادا حقائق سے آگاہ ہو جائیں اور اس کے خلاف شورش برپا کر دیں اور اس کی اس بدکرداری سے لوگوں کے دل میں نفرت کے جذبات بھڑک اٹھیں۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ تھی کہ، حاضرین محفل کو فریب دینے اور حقائق پر پردہ ڈالنے اور اشعار پڑھنے والے کو جھٹلانے کے لئے کہ حقائق وہ نہیں جو تم کہہ رہے ہو، یعنی حسینؑ ان خوبیوں اور صفات کے مالک نہیں تھے، اسی لئے اس کا سر اڑا دیا گیا۔

امام سجادؑ کا مرثیہ:

جب حضرت امام زین العابدین، سید الساجدین علی بن الحسینؑ کو پابہ جولان دربار میں لایا جارہا تھا تو آپ نے اس وقت یہ اشعار بطور مرثیہ پڑھے:

اُقَـادُ ذَلِيْلاً فِـیْ دِمَشْـقَ كَـاَنَّـنِـیْ
مِنَ الـزَّنْـجِ عَبْـدٌ غَـابَ عَـنْـهُ نَصِيْـرُ

مجھے دمشق میں ایسی ذلت وخواری کے ساتھ لے جایا جارہا ہے گویا میں ان کے لئے زنجبار کا قیدی ہوں کہ جس کا کوئی یارومددگار نہیں ہے۔

وَجَـدِّیْ رَسُـوْلُ الـلّٰـهِ فِـیْ كُلِّ مَشْهَدٍ
وَشَيْـخِـیْ اَمِيْـرُ الْـمُـؤْمِنِيْـنَ اَمِيْـرُ

حالانکہ میرے نانا رسول خدا ہیں اور میرے دادا امیر المومنین ہیں جو سب کے امیر ہیں۔

فَيَـالَيْـتَ لَـمْ اَنْـظُـرْ دِمَشْـقَ وَلَـمْ يَكُنْ
يَـرَانِـیْ يَـزِيْـدُ فِـیْ الْبِلَادِ اَسِيْـرُ

اے کاش کہ میں دمشق کا منہ نہ ہی دیکھتا اور نہ یزید مجھے مختلف شہروں میں قیدی دیکھتا۔

مظلوم کے سر کے ساتھ ایک اور ظلم:

سہل بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے شہر میں ایک بالا خانے کو دیکھا کہ جس میں پانچ عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں جن کے ساتھ ایک کمر خمیدہ بوڑھی عورت بھی موجود تھی، جب امام مظلومؑ کا مقدس سران کے سامنے سے گزرا تو اس بڑھی عورت نے پتھر اٹھا کر مظلوم کے سر پر دے مارا جس سے تاہ خون جاری ہو گیا اور وہ زمین پر گر پڑا مجھ سے برداشت نہ ہو سکا اور اسے بددعا دی کہ:

''اَللّٰهُمَّ اهْلِكْهَا وَاَهْلِكْهُنَّ مَعَهَا، بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ اَجْمَعِيْنَ''

خداوندا! اس عورت کو بھی برباد کر اور اس کے ساتھ ان دوسری عورتوں کو بھی، تجھے محمد مصطفیٰؐ اور ان کی آل پاک کا واسطہ۔

جبکہ بعض روایات میں اس بددعا کی نسبت حضرت ام کلثومؑ کی طرف دی گئی ہے کہ بہن سے بھائی کے سر کی یہ کیفیت دیکھی نہ گئی اور بی بی نے درد بھرے لہجے میں انہیں بددعا دی (دمعۃ الساکبہ ۵ ص ۸۴)

طلحہ کے بیٹے کو امام سجادؑ کا جواب:

قمقام زخار ص ۵۷۰ میں ہے کہ ـــــ براہیم بن طلحہ بن عبید اللہ نے حضرت امام علی زین العابدین سید سجادؑ سے

کہا ''علیؑ بن الحسینؑ! بتاؤ فتح کس کو ہوئی ہے؟''

توامامؑ نے فرمایا:

''تھوڑا صبر کرو نماز کا وقت قریب آلینے دو اذان واقامت کے بعد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ فتح کس کو ہوئی ہے!!''

نوٹ: ایک وضاحت

اگرچہ بعض کتب میں یہ ملاقات مدینہ میں بتائی گئی ہے لیکن قمقام زخار اوراسی قسم کی دوسری کتابوں میں یہ ملاقات دمشق میں لکھی گئی ہے لہٰذا ہم بھی اسے یہیں پر بیان کرر ہے ہیں۔

دربار یزید میں داخلہ

دربار یزید میں داخلہ

جب کاروانِ حریت شام پہنچا، تو اسے سیدھا شہر کی جامع مسجد کی طرف روانہ کر دیا گیا، اور مسجد میں دربارِ یزید کے داخلہ کے لئے انتظار کرنے لگے، جب یزید کی طرف سے اجازت ملے گی تو دربار میں لے جائیں گے
(تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۳۴ میں ہے)

اسی اثنا میں ''مروان بن حکم'' مسجد میں آگیا اور اس نے واقعہ کربلا کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا، اسے بتایا گیا، اور وہ کچھ کہے بغیر چلا گیا۔

اس کے بعد اس کا بھائی یحیٰ بن حکم آیا، اس نے بھی کربلا کے حالات دریافت کئے، اسے بھی بتائے گئے، یہ سن کر وہ اپنی جگہ سے یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا:

''خدا کی قسم! تم قاتل لوگ قیامت کے دن محمد مصطفیٰؐ کی زیارت اور شفاعت سے بہت دور ہو گئے
اب کے بعد میں بھی تمہارا ہم دل کبھی نہیں ہوں گا، اور نہ ہی کسی معاملے میں تمہاری ہمراہی کروں گا''

کتاب، عقد الفرید ۴ ص ۱۶۹ کے مطابق آخر کار قیدیوں کو دربارِ یزید میں داخلہ کی اجازت ملی، اس وقت بارہ مردوں کے ہاتھ پسِ گردن بندھے ہوئے تھے اور تمام قیدیوں کو ایک ہی زنجیر میں جکڑا ہوا تھا، ایسی حالت میں انہیں دربار میں پیش کیا گیا۔

یزید اس وقت اپنے محل میں ایک بلند جگہ بنام ''جیرون'' میں بیٹھا ہوا تھا۔

یاد رہے کہ: ''مقتل الحسینؑ مقرم ص ۴۴۸ کے مطابق ''جیرون'' دمشق میں ایک خاص جگہ کا نام ہے جو ابتدا میں ''صابی'' مذہب کے لوگوں کی جائے عبادت تھی، پھر یونانیوں نے اپنے دین کی عظمت و سربلندی کے لئے اس جگہ کی تعظیم کے لئے کئی اقدامات کئے، اس کے بعد یہ جگہ بت پرستوں کے ہاتھ آگئی، اور ایک عرصے تک ان کے پاس رہی، اور اس عمارت کے دروازے کو ''جیرون'' کہتے ہیں، حضرت یحیٰ بن زکریا کے سر کو اسی باب ''جیرون'' پر لٹکایا گیا، پھر سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے مبارک سر کو ٹھیک اسی مقام پر لٹکایا گیا، اور وہ جگہ بظاہر اسی ''مسجد اموی'' میں ہے۔

(نفس المہموم ص ۴۳۵) میں ہے کہ:

جب بے گناہ شہیدوں کے سر اور کاروانِ حریت کی بے کس و بے بس بی بیاں یتیم بچے اور سید سجاد امام زین

العابدین علیہم السلام کو دربار میں لایا جارہا تھا تو وہ اس وقت سب کچھ دیکھ رہا تھا، اور کاروان اور سروں کو آتے دیکھ کر اس نے یہ اشعار گنگنانے شروع کئے:

لَمَّا بَدَتْ تِلْکَ الْحَمُوْلُ وَاشْرَقَتْ

تِلْکَ الشُّمُوْسُ عَلٰی رُبٰی جِیْرُوْنٖ

نَعِبَ الْغُرَابُ فَقُلْتُ صِحْ اَوْلَاتَصِحْ

فَلَقَدْ قَضَیْتُ مِنَ الْغَرِیْمِ دُیُوْنِی

جب وہ قافلے ظاہر ہوئے اور وہ آفتاب جیرون کی بلندی پر چمکے، تو جدائی کے کوّے نے چلانا شروع کر دیا، تو میں نے اسے کہا اب تو چلائے یا نہ چلائے میں نے اپنے مقروض سے اپنا قرضہ چکالیا ہے۔

جب اسراء کو دربار میں لایا گیا تو انہیں اس کے سامنے لا کھڑا کیا گیا، اسی اثنا میں امام سجادؑ نے فرمایا:

''یزید! کیا خیال ہے اگر رسول خداؐ اس مقام پر ہمیں یوں کھڑا دیکھیں تو تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں؟''

پھر ساتھ ہی حضرت سید الشہداءؑ کی ایک بچی نے جس کا نام فاطمہ صغریٰ ہے فریاد کرتے ہوئے کہا:

''یزید! آیا رسول کی بیٹیوں کو اسی طرح قید کیا جاتا ہے؟''

یہ سننا تھا کہ تمام درباری دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ یزید نے یہ کیفیت دیکھ کر حکم دیا کہ امام زین العابدینؑ کی ہتھکڑیاں کھول دی جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

کتاب اخبار الدول و آثار الاول قرمانی ص ۱۰۸ میں ہے:

اسی اثنا میں حضرت امام حسینؑ کا سر مبارک لایا گیا خوب دھلا ہوا، ریش اقدس میں کنگھی کی ہوئی۔ سونے کے ایک طشت میں سجا کر یزید کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا یزید کے ہاتھ میں چھڑی تھی جو وہ امامؑ کے مبارک دانتوں پر مارتا جاتا تھا اور یہ شعر بھی پڑھتا جاتا تھا:

نُفَلِّقُ هَامًا مِّنْ اُنَاسٍ اَعِزَّةٍ

علینا وهم کانوا اعق واظلما

ہم نے بڑے باعزت لوگوں کے سروں کو شگافتہ کر دیا ہے جو بہت ہی نافرمان اور زبردست ستمگار تھے۔

ارشادشیخ مفید جلد:۲ص:۱۱۹میں ہے

یہ سن کر یحییٰ بن حکم نے کچھ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ کچھ یوں ہے: ''جولوگ دریائے فرات کے کنارے تھے ہم سے زیادہ نزدیک ہیں غلام ابن زیاد کی نسبت جس کا نسب پست ہے۔ زیاد کی ماں سمیہ کی نسل تو، ریت کے ذرات کے برابر بے شمار ہو مگر پیغمبر خدا کی بیٹی کی نسل کو ختم کر دیا جائے'' یہ سن کر یزید نے اس کے سینے پر ہاتھ مار کر کہا:

''چپ ہو جاؤ''

پھر یزید نے درباریوں کی طرف منہ کر کے کہا:

''یہ شخص یعنی حسینؑ بن علیؑ کہتا تھا: میرا باپ یزید کے باپ سے، میری ماں اس کی ماں سے اور میرا نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں اور میں خود یزید سے بہتر ہوں'' اور یہی چیزیں اس کے قتل کا سبب بنیں۔ شاید اس نے سورہ آل عمران کی یہ آیت (۲۶) نہیں پڑھی کہ ((قلِ اللّٰھمّ مالکَ المُلکِ)) جسے ا حکومت دے۔

(بحارالانوار جلد:۴۵ص:۱۳۱)

لیکن کوئی نہیں تھا جو اسے کہتا کہ اس آیت کا سہارا تو فرعون اور نمرود جیسے بادشاہ بھی تو لے سکتے ہیں۔

اس کے بعد اس نے حضرت امام سجاد علی زین العابدینؑ کی طرف منہ کر کے کہا:

''حسینؑ کے بیٹے! تمہارے والد نے رشتہ داری کے رابطوں کو پیش نظر نہیں رکھا اور میرے مقام و منزلت کا خیال بھی نہیں کیا بلکہ میری سلطنت کے درپے ہو گیا، آخر کار خدا نے اس کے ساتھ وہی کیا جو تم نے دیکھ لیا۔''

یہ سن کر حضرت امام زین العابدینؑ نے قرآن مجید سے سورہ حدید کی آیت ۲۲ کی تلاوت فرمائی:

((مَا اَصَابَ مِن مُّصِیبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیٓ اَنفُسِکُمْ اِلَّا فِی کِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَأَهَا اِنَّ ذَالِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیر)) کوئی مصیبت زمین پر اور تم پر نہیں پڑتی مگر یہ کہ اس کے پیدا کرنے سے پہلے وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ اللہ کے لیے یقیناً یہ نہایت آسان ہے۔

یہ سن کر یزید نے اپنے بیٹے خالد بن یزید سے کہا:

''اسے جواب دو''

مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ کیا جواب دے! تو پھر خود اس نے جواب دیا:

((مَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ)) (شوریٰ:۳۰) اور تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ خود تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آتی ہے اور خدا بہت سی باتوں سے درگزر بھی کرتا ہے۔

ابن شہر آشوب کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

اے معاویہ، ہند اور صخر کے بیٹے! نبوت اور امامت ہمارے ہی خاندان اور ہمارے ہی بزرگوں کے پاس چلی آرہی ہے، تمہارے پیدا ہونے سے پہلے، یقین جانو کہ بدر، احد اور خندق کی جنگوں میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علَم میرے دادا علی بن ابی طالب کے ہاتھ میں تھا، جبکہ کفار کا جھنڈا تمہارے باپ اور دادا کے ہاتھوں میں تھا۔ پھر آپؑ نے یہ شعر پڑھا۔

(ارشاد شیخ مفید ج:۲ص:۱۲۰)

مَـاذَا تَـقُـوْلُوْنَ اِذْ قَـالَ الـنَّبِـیُّ لَـکُـمْ

مَـاذَا فَـعَـلْـتُـمْ وَاَنْـتُـم آخِـرُ الْاُمَـمِ

بِـعِـتْـرَتِـیْ وَبَـاهِـلِـیْ بَـعْـدَ مُـفْـتَـقَـدِیْ

مِنْهُمْ اُسَـارىٰ وَ مِـنْهُمْ ضُـرِّجُوْا بِدَمِ

جب پیغمبر خدا (ص) تم سے سوال کریں گے کہ تم نے آخری امت ہو کر میری عترت اور اہل بیتؑ کے ساتھ میرے بعد کیا سلوک کیا؟ تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟ تم نے ان میں سے کچھ کو تو قید کر لیا اور کچھ کو خون میں غلطان کیا۔

پھر آپ نے سلسلہ گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا:

اے یزید! تجھ پر افسوس ہے کہ اگر تو جان لیتا کہ تو نے کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے؟ اور میرے والد اہل بیت، بھائی اور چچاؤں کے ساتھ کتنا برا سلوک کیا ہے؟ تو یقیناً تو جنگلوں اور پہاڑوں میں اپنے آپ کو چھپاتا پھرتا اور خاک و خاکستر پر اپنی نشست و برخاست رکھتا اور ہائے واویلا کی آوازیں بلند کرتا کہ تو نے میرے والد اور فرزند علی و بتول کے سر کو شہر کے دروازے پر لٹکا دیا ہے۔ اس وقت ہم سرکار رسالتمابؐ کی امانت تمہارے درمیان موجود ہیں۔ اور تجھے کل بروز قیامت ذلیل و رسوا اور نادم و پشیمان ہونے کی خوشخبری دے رہے ہیں۔ اور رسوائی و پشیمانی کل قیامت کے دن اس وقت ہوگی جب تمام لوگ وہاں پر جمع ہوں گے۔

(بحار الانوار:۴۵ص:۱۳۵)

اسی کتاب کے ص: ۱۷۵ میں ایک اور روایت کے مطابق یزید نے علیا مخدرہ، ثانی زہرا حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی طرف منہ کر کے کہا:

''تم بھی کوئی بات منہ سے نکالو''

سیدہ زینبؑ نے امام سجاد علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

''یہ ہمارے ترجمان ہیں''

اس پر حضرت امام سجاد علیہ السلام نے کچھ اشعار پڑھے جن کا مطلب ہے کہ:

تم ہم سے یہ توقع نہ رکھو کہ تم تو ہماری بے عزتی کرتے رہو اور ہم تمہاری عزت کریں گے۔ اور تم ہمیں اذیت پہنچاتے رہو اور ہم تمہیں کچھ نہ کہیں اور خدا جانتا ہے کہ ہم تمہیں دوست نہیں رکھتے اور تمہیں اچھا نہیں سمجھتے اور نہ ہی تم کو اس بات پر ملامت کریں گے کہ تم ہمیں دوست رکھو۔''

یزید نے کہا:

اے جوان! تو نے سچ کہا مگر تیرے باپ اور نانا امیر بننا چاہتے تھے
مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے انہیں قتل کر دیا اور ان کا خون بہایا۔

فاطمہ بنت الحسینؑ کی مظلومی:

ارشاد شیخ مفید ج:۲ ص:۱۲۰ میں ہے کہ اسی اثنا میں میں ایک شامی نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی بچی جناب فاطمہ بن الحسینؑ کی طرف اشارہ کر کے یزید سے کہا: نعوذ باللہ ''یہ بچی کنیزی میں مجھے دے دے۔''

بچی یہ سن کر لرز گئی اور اپنی پھوپھی جناب زینبؑ سے لپٹ گئی اور رو کر کہا:

''پھوپھی! ایک تو یتیم ہوئی اب کنیز بھی بنائی جا رہی ہوں۔''

جناب عالیہ زینب سلام اللہ علیہا نے اس شامی کی طرف منہ کر کے فرمایا:

''کیا تمہاری جرات اور کیا یزید کی کہ اس بچی کو کنیزی میں لو!!''

یہ سن کر یزید نے کہا:

''خدا کی قسم اگر چاہوں تو ایسا کر سکتا ہوں اور اسے کنیزی میں دے سکتا ہوں!!''

علیؑ کی جرات میں زینبؑ عالیہ نے فرمایا:

''خدا کی قسم! ہرگز خدا نے تجھے ایسی قدرت و طاقت عطا نہیں کی، مگر یہ کہ تو کھلم کھلا کافر ہو جائے اور کسی دوسرے دین کو اختیار کر لے''

یہ سن کر یزید کو غصہ آ گیا اور کہنے لگا: تمہاری کیا جرات کہ تو میرے ساتھ اس طرح کی باتیں کرے، تیرا باپ اور بھائی دین سے خارج ہو چکے ہیں''

جناب زینبؑ نے فرمایا:

''اگر تو مسلمان ہے تو تجھے ماننا پڑے گا کہ تو اور تیرے باپ دادا نے ہی میرے باپ اور بھائی کا دیا ہوا دین اختیار کیا ہے!''

یزید نے کہا: نعوذ باللہ اے دشمن خدا تو سچ نہیں کہہ رہی!

زینب عالیہؑ نے فرمایا:

یزید! حکومت تیرے ہاتھ میں ہے تو جو چاہے کہہ سکتا ہے۔ اس لیے کہ تجھے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں اور ہم قیدی ہیں اس لیے تو ہماری ہر بات کو طاقت کے ذریعہ دبانا چاہتا ہے۔

اب یزید کو احساس ندامت ہوا اور وہ خاموش ہو گیا۔

بحار الانوار ص: ۱۳۶ میں ہے کہ: اس شامی نے یزید سے پوچھا کہ ''یہ بچی کون ہے؟''

یزید بولا:

''فاطمہ بنت الحسینؑ ہے اور یہ خاتون زینب بنت علیؑ بن ابی طالبؑ ہے''

شامی: وہی حسینؑ، جو علیؑ اور فاطمہؑ کا بیٹا ہے؟

یزید: ہاں، ہاں وہی!!

یہ سن کر اس نے کہا:

یزید! خدا تجھ پر لعنت کرے تو نے آل محمدؐ کو قتل کیا اور پھر ان کی اولاد کو قیدی بھی بنا لیا؟ اللہ کی قسم میں سمجھا تھا کہ یہ روم کے قیدی ہیں۔ یزید نے اسے کہا: خدا کی قسم! تجھے بھی انہیں کے ساتھ ملحق کئے دیتا ہوں! یہ کہا اور حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی جگہ پر اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

(کتاب الدمعۃ الساکبہ: ۵ص: ۱۰۵ میں ہے کہ)

اب یزید نے حکم دیا اس کی چوب خیزران کی چھڑی لائی جائے، چنانچہ وہ لائی گئی اور اس نے اہل بیت علیہم السلام کے سامنے مظلوم حسینؑ کے سر کی بے ادبی کرتے ہوئے ان کے لبوں اور دانتوں پر ضربیں مارنا شروع کر دیں۔ دکھیا بہن سے یہ منظر دیکھا نہ گیا، علیا زینبؑ نے اپنا منہ پر پیٹ کر فریاد کرنا شروع کر دی اور کہا:

''یَا حُسَیْنَاہ اَیَا حَبِیْبَ رَسُوْلِ اللّٰہِ! یَاابْنَ مَکَّۃَ وَ مِنٰی یَا ابْنَ فَاطِمَۃَ الزَّھْرَآءِ سَیِّدَۃِ النِّسَآءِ! یَا ابْنَ بِنْتِ الْمُصْطَفٰی...

ہائے حسینؑ! ہائے رسول خدا کے پیارے! اے مکہ و منیٰ کے فرزند! اے فاطمہ زہرا سیدۃ النساء کے فرزند! اے دختر رسول کے نور نظر!

محمد مصطفیٰؐ کی نواسی کا یہ نوحہ اس قدر جان سوز و جان گداز تھا کہ دربار میں موجود ہر دوست و دشمن دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ اور یزید لعین نے خود وہ مقدس سر اٹھا کر اپنے سامنے رکھا۔ ابھی اس نے سر کو سامنے رکھا ہی تھا کہ قصر شاہی سے ایک معظمہ کے دردناک آواز میں اس بین نے دربار میں موجود تمام لوگوں کے دلوں کو تڑپا دیا:

یَا حَبِیْبَاہُ! یَا سَیِّدَ اَھْلِ بَیْتَاہُ! یَا ابْنَ مُحَمَّدَاہُ! یَا رَبِیْعَ الْاَرَامِلِ وَالْیَتَامٰی! یَا قَتِیْلَ اَوْلَادِ الْاَدْعِیَآءِ!

اے محبوب حسینؑ! اے اہل بیت کے سردار حسینؑ اے محمد مصطفیٰؐ کے فرزند حسینؑ! اے بیواؤں اور یتیموں کی زندگی کی بہار حسینؑ! اے کمینے لوگوں کے ہاتھوں شہید ہونے والے حسین!

جب یزید (لعین) نے مخدرات عصمت کے رونے کی آواز اور ''واحسیناہ'' کی فریاد سنی تو قیدیوں کے زخموں پر نمک پاشی کرتے ہوئے اور شہداء کے قتل کی خوشی مناتے ہوئے یہ شعر پڑھا:

یَا صَیْحَۃً تُحْمَدُ مِنْ صَوَآئِحٍ   مَا اَھْوَنَ الْمَوْتَ عَلَی النَّوَآئِحِ

خواتین کی نوحہ و بکا کی یہ آوازیں میں کس قدر پسندیدہ ہیں اور کس قدر آسان ہے عزیزوں کی موت اور عورتوں کے لیے جو نوحے کر رہی ہوتی ہیں۔

اس کے بعد اس نے خیزران کی چھڑی کو پھر اٹھایا اور مظلوم کربلا کے لب و دندان کی توہین کرتے ہوئے یہ کافرانہ اشعار پڑھے:

لَیْتَ اَشْیَاخِیْ بِبَدْرٍ شَهِدُوْا
جَزَعَ الْخَزْرِجِ مِنْ وَّقْعِ الْاَسَل
لَاهَلُّوْا وَاسْتَهَلُّوْا فَرِحًا
ثُمَّ قَالُوْ یَا یَزِیْدُ لَا تَشَلّ
لَعِبَتْ هَاشِمٌ بِالْمُلْكِ فَلَا
مَلَكٌ جَآءَ وَلَا وَحْیٌ نَّزَل

اے کاش میرے وہ بزرگ آج ہوتے جو جنگ بدر میں مارے گئے۔ وہ قبیلہ خزرج کی چیخ و پکار کو سنتے جو نیزوں کی وجہ سے بلند ہو رہی ہے، تو اس وقت وہ خوش ہو ہو کر مجھے داد دیتے اور کہتے ''یزید! تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔'' بنی ہاشم نے ملک کے ساتھ ایک کھیل کھیلا ہے حالانکہ نہ تو کوئی فرشتہ آیا ہے اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔

لَسْتُ مِنْ خِنْدَفٍ اِنْ لَّمْ اَنْتَقِمْ
مِنْ بَنِیْ اَحْمَدَ مَا کَانَ فَعَلْ

میں اگر اپنے بزرگوں کا اولاد احمدؐ سے ان کے لیے انتقام نہ لوں، خندف کے خاندان سے نہ ہوں۔

بحار میں ہے پیغمبر خدا کے ایک صحابی نضلہ ابن عبید جو ابو برزہ اسلمی کے نام سے مشہور ہیں بصرہ کے رہنے والے تھے ۶۴ھ میں وفات پائی۔ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ تڑپ اٹھے اور کہنے لگے: ''یزید! تجھ پر افسوس ہے، تو حسینؑ بن زہراؑ کے دانتوں پر چھڑی مار رہا ہے۔ حالانکہ میں نے اپنی انہی آنکھوں سے حضرت رسالتمابؐ کو دیکھا ہے کہ وہ ان دانتوں اور لبوں کو بوسہ دے رہے تھے۔ اور ان دونوں بھائیوں حسنؑ اور حسینؑ سے فرما رہے تھے: ''تم دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہو! خداوند عالم تمہارے قاتلوں کو تباہ و برباد کرے گا۔ انہیں اپنی لعنت کا مستحق بنا دے گا اور ان کے لیے جہنم کو آمادہ کر دے گا''۔

یزید نے جب یہ باتیں سنیں تو غضب ناک ہو گیا اور حکم دیا کہ اسے دربار سے نکال دیا جائے۔

(بحار الانوار ج:۴۵ ص:۱۳۲)

یزید نے اپنے ظلم وستم کی کاروائی جاری رکھی اور چوب خیزران سے لبوں اور دانتوں کی بے ادبی کرتے ہوئے کہا:

''حسینؑ! کیسا پایا میرے اشعار پڑھنے اور رقص و سرود کی محفلیں سجانے کو؟

اتنے میں یزید کے محل سے ایک کنیز باہر نکلی اور جب اس دلخراش منظر کو دیکھا تو کہنے لگی:

''خدا تمہارے بدن سے تمہارے ہاتھ پاؤں جدا کرے اور آخرت کی آگ میں جلانے سے پہلے دنیا کی آگ میں جلائے! اے ملعون!! جن دانتوں کو رسول خداؐ چومتے نہیں تھکتے تھے تو چھڑی کے ساتھ ان کی توہین کر رہا ہے؟

یزید نے کہا:

''خدا تیرا سر تن سے جدا کرے یہ کیا کہہ رہی ہو؟

اس نے کہا:

او یزید! میں سوئی ہوئی تھی ابھی مجھے اچھی طرح نیند نہیں آئی تھی نیم بیداری کی حالت میں میں نے دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور نور کا ایک زینہ زمین پر اترا اور اس سے سبز رنگ کا لباس زیب تن کئے دو جوان اترے، زبرجد کی ایک بساط ان کے لیے بچھائی گئی جس کا نور مشرق و مغرب تک پھیل گیا۔ اچانک ایک میان قامت ماہ صورت انسان اس زینے سے اترا اور وہیں پر بیٹھ گیا۔ اور بلند آواز سے کہنے لگا: بابا آدمؑ آپ بھی اتریئے بابا ابراہیمؑ آپ بھی نیچے تشریف لایئے اے برادر موسیٰ! اور اے بھائی عیسیٰؑ آپ بھی تشریف لے آیئے! اس کے بعد میں نے ایک خاتون معظّمہ کو دیکھا جو سر کے بال کھولے کھڑی فریاد کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی: جناب حوا! جناب سارہ! بہن مریم! اماں خدیجہ! آپ بھی آیئے!! اتنے میں ہاتف نے آواز دی:

''یہ ہیں فاطمہ زہرا دختر رسول خدا، زوجہ علی مرتضٰی مادر حسین سید الشہداء، کشتہ جور و جفا در زمین کربلا صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

اس وقت فاطمہ زہراؑ نے رو کر کہا: اے بابا! آپ نہیں دیکھ رہے کہ آپ کی امت نے میرے بیٹے حسینؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟

یہ سن کر حضرت رسول خداؐ پر سخت گریہ طاری ہو گیا، جس کی وجہ سے وہاں پر موجود تمام انبیاء زور زور سے رونے لگے۔ حتی کہ فرشتوں کے رونے کی آوازیں بھی آنے لگیں۔ پھر حضور پاکؐ نے حضرت آدمؑ کی طرف منہ کر کے فرمایا:

بابا آدمؑ! آپ نہیں دیکھ رہے کہ میرے بعد ظالموں نے میرے لعل حسینؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟
قیامت کے دن انہیں میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی!!

حضرت آدمؑ پر گریہ طاری ہوگیا دوسرے انبیاء روتے رہے فرشتے بھی خاموش نہیں ہوئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ تقریباً اسی (۸۰) ہزار انسانوں کا ایک لشکر ہے جس کے آگے آگے ایک جوان ہے جس کے ہاتھ میں سبز رنگ کا علَم ہے اور ساتھ ہی بے شمار آتشیں اسلحہ ہے جسے وہ ہوا میں لہراتے ہوئے کہہ رہا ہے''اے آتشین اسلحہ! اس گھر والے یعنی یزید بن معاویہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے!!''یزید تو اس وقت میں نے تجھے دیکھا کہ تو چیخ چلا رہا تھا آگ! آگ!! اب آگ سے بچ کر کہاں جاسکتا ہوں!!

یزید نے جب اس کنیز کی زبانی خواب سنا تو کہنے لگا: تیرا ستیاناس! کیا بکواس کر رہی ہے، تو چاہتی ہے کہ مجھے لوگوں کے سامنے شرمسار کرے؟ پھر اس کے حکم کے مطابق اس کنیز کا سر قلم کردیا گیا۔ (ریاض الاحزان ص:۱۲۲)

یزید کی شراب خوری:

تمقام زخار ص:۵۷۷ میں ہے)''اس کے بعد یزید نے فقاع''یعنی جو کی شراب منگوائی اور خود بھی پینے لگا اور اپنے ہم پیالہ دوستوں کو بھی پلانے لگا اور ساتھ ہی کہنے لگا:

> ''یہ مبارک شراب ہے، اس کے منجملہ برکتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم اسے پہلی مرتبہ ایسی حالت میں پی رہے ہیں کہ ہمارے دشمن حسینؑ کا سر ہمارے دسترخوان پر ہے اور اسی وجہ سے ہمارا دسترخوان بچھا ہوا ہے اور ہم سکون کے ساتھ اور مطمئن ہو کر کھانا کھا رہے ہیں اور شراب پی رہے ہیں!!''

حضرت سکینہ بنت الحسینؑ فرماتی ہیں خدا کی قسم آج تک میں نے یزید سے بڑھ کر نہ کوئی کافر دیکھا ہے نہ ظالم اور نہ ہی سنگدل!!

سفیر روم کی داستان:

بحار:۴۵ص:۱۴۱ میں ہے: یزید کے دربار میں روم کا سفیر بھی موجود تھا۔ جو اس دردناک اور دلخراش منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے خود یزید سے پوچھا کہ یہ کس کا سر ہے جس کی تو اس قدر توہین کر رہا ہے؟ یزید نے بڑے تعجب کے ساتھ پوچھا: ''تم کس لیے پوچھ رہے ہو؟'' کہا:

جب میں روم واپس جاؤں گا اور مجھ سے تیرے دربار میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں پوچھا جائے گا تو مجھے اس ماجرا کی مسرت اور شادمانی کی وجہ معلوم ہونی چاہیے تاکہ بادشاہ روم کو بتاؤں اور وہ بھی تیری خوشیوں میں شریک ہو جائے۔

یزید: یہ حسین بن فاطمہ بنت محمدؐ کا سر ہے۔

سفیر: محمدؐ وہی جو تمہارے پیغمبر ہیں؟

____: ہاں، ہاں وہی!!

____: اس کے والد کا کیا نام ہے؟

____: رسول کے چچازاد اور داماد علی بن ابی طالبؑ

____: برباد ہو جاؤ اسی دین کے ساتھ جو تم نے اپنایا ہوا ہے!! اس سے تو میرا دین بہتر ہے، کیونکہ میرے والد حضرت داؤد علیہ السلام کے پوتے پڑپوتے ہیں میرے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے درمیان کئی نسلوں کا واسطہ ہے، لیکن میرے دین کے لوگ میرا بے حد احترام کرتے ہیں اور ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس گدھے پر صرف ایک بار سوار ہوئے تھے اس کا سم ہمارے کلیسا میں ہے، لوگ دور دراز سے اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں مگر تم ہو کہ اپنے پیغمبر کی اولاد کا خون بہا رہے ہو اور انہیں قتل کر رہے ہو پیغمبر کے اور جس کے درمیان میں صرف ایک بیٹی کا فاصلہ ہے۔ یہ تمہارا کیسا دین ہے؟

ملہوف ص: ۷۹ میں ہے کہ ایک اور روایت کے مطابق جب یزید نے اس کی یہ باتیں سنیں تو کہا: ''اس غیر ملکی نصرانی کو یہیں قتل کر دیا جائے کہ اس نے ہمیں اپنے ہی ملک میں رسوا کر دیا ہے۔''

جب سفیر نے یہ سنا تو کہنے لگا:

''اب جبکہ تم میرے قتل کا تہیہ کر ہی چکے ہو تو میری ایک بات کو خوب غور سے سن لو اور وہ یہ کہ ''میں نے گزشتہ شب رسول خداؐ کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ مجھے بہشت کی خوشخبری دے رہے تھے، میں اس خواب سے حیرت میں پڑ گیا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کا رسول مجھے جنت کی خوشخبری دے! اب اس خواب کی تعبیر مجھ پر ظاہر ہو رہی ہے اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ حضور پاکؐ کی خوشخبری بالکل صحیح تھی!''

اس کے بعد اس نے کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا، امام پاکؑ کے مقدس سر کو سینے سے لگایا اور بوسے دینے لگا اور رو رو کر نڈھال ہو گیا اس کے بعد اس شہید راہ خدا کو اپنا گواہ ٹھہرایا پھر اسے بھی شہید کر دیا گیا۔

مقتل الحسین مقرم میں ہے کہ سفیر روم کے قتل کے موقع پر حاضرین دربار نے مظلوم حسینؑ کے مقدس سر سے بلند آواز اور واضح الفاظ میں یہ سنا:

''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ'' قوت اور طاقت تو بس اللہ ہی کے لیے ہے۔

حضرت زینب عالیہ سلام اللہ علیہا کا خطبہ

(بحار الانوار ۴۵ص:۱۳۳ اور احتجاج طبرسی:۲ص:۱۲۲ میں قدرے مختلف عبارتوں کے ساتھ ہے)

عقیلہ بنی ہاشم، عالمہ غیر معلّمہ، فصاحت و بلاغتِ امیر المومنین علی بن ابی طالب کی ورثہ دار، شریکۃ الحسینؑ، ثانی زہرا، زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے جب یزید کی اس حد تک جسارت اور بے باکی کو دیکھا اور ساتھ ہی دربار کی فضا کو بہت ہی مناسب ملاحظہ کیا تو جلال میں آ گئیں اور علیؑ کی شیر دل بیٹی نے کھڑے ہو کر ایک ایسا تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جس سے دربار کے در و دیوار ہل گئے۔ اور دربار میں ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ ملاحظہ فرمایئے اس خطبے سے اقتباس شدہ چند جملے:

رسول زادی نے اللہ رب العالمین کی حمد و ثنا اور رسولؐ اور آل رسولؐ پر درود و سلام بھیجنے کے بعد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ:

((ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ اَسَآءُ وا السُّوْٓءٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُ وْنَ)) پھر جنہوں نے برا کیا ان کا انجام بھی برا ہوا۔ کیونکہ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ (روم:۱۰)

((اَظَنَنْتَ يَا يَزِيْدُ حَيْثُ اَخَذْتَ عَلَيْنَا اَقْطَارَ الْاَرْضِ وَآفَاقَ السَّمَآءِ فَاَصْبَحْنَا نُسَاقُ كَمَا تُسَاقُ الْاُسَارٰى، اِنَّ بِنَا عَلَى اللّٰهِ هَوَاناً وَّبِكَ عَلَيْهِ كَرَامَةً. وَاِنَّ ذَالِكَ لِعَظَمِ خَطَرِكَ عِنْدَهٗ فَشَمِخْتَ بِاَنْفِكَ وَ نَظَرْتَ فِيْ عِطْفِكَ جَذْلَانَ مَسْرُوْرًا. حَيْثُ رَأَيْتَ الدُّنْيَا لَكَ مُسْتَوْثِقَةً وَالْاُمُوْرَ مُتَّسِقَةً وَّحِيْنَ صَفَالَكَ مُلْكُنَا وَسُلْطَانُنَا.))

او یزید! اب جبکہ تو اپنے گمان کے مطابق ہمارے اوپر سختی کئے ہوئے ہے اور زمین و آسمان کے راستوں کو ہم پر بند کیا ہوا ہے اور نہ ہمارے لیے کوئی راہ چارہ چھوڑی ہے اور ہمیں قیدیوں کی مانند پھرا

رہا ہے۔اس سے تو نے یہ سمجھ لیا ہے کہ خدا نے تجھے عزت دی ہے اور ہمیں ذلیل کیا؟ اور تمہیں کامیابی عطا کی ہے اور یہ کامیابی اس لیے ہے کہ تو خدا کے نزدیک بڑا باآبرو ہے؟ جس کی بنا پر تو تکبر کر رہا ہے اور اکڑ کر چل رہا ہے اور ادھر ادھر تکبر اور خود پسندی کی وجہ سے دیکھ رہا ہے؟ اور تو غرور کر رہا ہے کہ دنیا نے تیری طرف رخ کر لیا ہے؟ اور اس نے تمہارے کاموں کو سنوار دیا ہے اور ہماری حکومت کو تمہارے ساتھ مختص کر دیا ہے؟

((فَمَهْلاً مَهْلًا! اَنَسِيتَ قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: وَلَايَحْسَبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِاَ نْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا اِثْمًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْن))

(سورہ آل عمران:۱۷۸)

یزید! ذرا آہستہ، ٹھہر ٹھہر کر، کیا تو نے خداوند تعالیٰ کا یہ قول فراموش کر دیا ہے جو اس نے فرمایا ہے کہ جو لوگ کافر ہو گئے ہیں انہیں یہ گمان نہیں کرنا چاہیے ہم نے انہیں جو ڈھیل دی ہے وہ ان کے لیے بہتر ہے؟ ہم نے انہیں اس لیے ڈھیل دی ہے تا کہ ان کا امتحان لیں اور وہ اپنے گناہوں میں مزید اضافہ کریں اور ان کے لیے توبہ کی گنجائش باقی نہ رہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

"أَمِنَ الْعَدْلِ يَابْنَ الطُّلَقَآءِ تَخْدِيْرُكَ حَرَآئِرَكَ وَاِمَآئَكَ وَسَوْقُكَ بَنَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ سَبَايَا قَدْ هَتَكْتَ سُتُوْرَهُنَّ وَاَبْدَيْتَ وُجُوْهَهُنَّ ،تَحْدُوْبِهِنَّ الْاَعْدَآءُ مِن بَلَدٍ اِلٰى بَلَدٍ، يَسْتَشْرِفُهُنَّ اَهْلُ الْمَنَاهِلِ وَالْمَنَاقِلِ ،وَيَتَصَفَّحُ وُجُوْهَهُنَّ الْقَرِيْبُ وَالْبَعِيْدُ وَالدَّنِيُّ وَالشَّرِيْفُ"

اے ہمارے نانا کے آزاد کردہ غلاموں کے بیٹے! کیا یہی انصاف ہے کہ تو اپنی عورتوں اور کنیزوں کو تو پردے میں بٹھائے رکھے لیکن رسولؐ کی پردہ داروں کو قید کر کے شہر بہ شہر پھرائے؟ ان کی ہتک حرمت کرے اور ان کے چہرے سے پردے ہٹا دے تا کہ لوگوں کی نگاہیں ان چہروں پر پڑیں، اور نزدیک و دور کے اور شریف اور کمینے ہر قسم کے لوگ ان کو دیکھیں، جبکہ ان کے ساتھ ان کے مرد بھی نہ ہوں، نہ کوئی مدد کرنے والا اور نہ حفاظت کرنے والا۔

"وَكَيْفَ يُرْتَجىٰ مُرَاقَبَةَ مَن لَّفَظَ فُوهُ اَكْبَادَ الْاَزْكِيَآءِ وَنَبَتَ لَحْمُهُ مِنْ دِمَآءِ الشُّهَدَآءِ ،وَكَيْفَ لَايُسْتَبْطَأُ فِي بُغْضِنَا اَهْلَ الْبَيْتِ مَن نَّظَرَ اِلَيْنَا بِالشَّنَفِ وَالشَّنَآنِ وَالْاَحَنِ

وَالْاَضْغَانِ، ثُمَّ تَقُوْلُ غَیْرَ مُتَأَثِّمٍ وَلَامُسْتَعْظِمٍ "لَاھَلُّوْا وَاسْتَھَلُّوْا فَرَحاً، ثُمَّ قَالُوْا یَا یَزِیْدُ لَاتَشَلْ" مُنْتَحِیًا عَلٰی ثَنَایَا اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ سَیِّدِ شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ، تَنْکُتُھَا بِمِخْصَرَتِکَ وَکَیْفَ لَاتَقُوْلُ ذَالِکَ وَقَدْ نَکَأْتَ الْقَرْحَۃَ وَاسْتَأْصَلْتَ الشَّافَۃَ بِاِرَاقَتِکَ دِمَآءَ ذُرِّیَّۃِ مُحَمَّدٍ (ص) وَنُجُوْمِ الْاَرْضِ مِنْ آلِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَتَھْتِفُ بِاَشْیَاخِکَ زَعَمْتَ اَنَّکَ تُنَادِیْھِمْ فَلَتَرِدَنَّ وَشِیْکًا مَوْرِدَھُمْ وَلَتَوَدَّنَّ اَنَّکَ شَلَلْتَ وَ بَکَمْتَ وَلَمْ تَکُنْ قُلْتَ مَاقُلْتَ وَفَعَلْتَ مَافَعَلْتَ.

ہمدردی اور دلسوزی کی امید اس شخص سے کیونکر وابستہ کی جا سکتی ہے، جس کی ماں نے پاکباز لوگوں کا کلیجہ چبایا ہو اور جس کا گوشت شہیدوں کے گوشت سے اگا ہو!! اور اس قسم کا سلوک اس شخص سے قطعاً دور نہیں جو ہمیں دشمنی کی نگاہوں سے دیکھتا ہو، یزید! اس قدر عظیم گناہ کو گناہ ہی شمار نہیں کرتا اور خود کو اس قبیح کارنامے اور ناپسندیدہ کردار پر غلط کار نہیں سمجھتا، بلکہ اپنے کافر بزرگوں پر فخر ومباہات اور ان کے یہاں پر موجود ہونے کی تمنا کرتا ہے کہ تیرے بے رحمانہ قتل وغارت اور کرتوتوں کو اپنی آنکھوں سے آکر دیکھیں اور خوش ہوں اور تیرا شکریہ ادا کریں۔

اے یزید! تو جوانانِ جنت کے سردار ابا عبداللہ الحسینؑ کے ہونٹوں پر چھڑی مار کر ان کی بے ادبی کر رہا ہے، ایسا کیوں نہ کرے اور کیوں نہ کہے؟ کیونکہ تو نے ہمارے زخموں کو ناسور میں بدل دیا ہے، اور محمد مصطفیٰؐ کی ذریت اور آلِ عبدالمطلبؑ میں سے روئے زمین کے جو روشن ستارے ہیں ان کا خون بہا کر تو نے انہیں بیخ وبُن سے اکھاڑ دینے کی کوشش کی ہے اور اب اپنے گمان کے مطابق اپنے بزرگوں کو پکار رہا ہے کہ وہ جواب دیں، تھوڑا صبر کر لو زیادہ دیر نہیں گزرے گی کہ تو خود ان کے ساتھ جا ملے گا، پھر تو اس بات کی آرزو کرے گا کہ اے کاش تیرے ہاتھ شل ہوتے اور تیری زبان گنگ ہوتی !!! اور یہ باتیں زبان پر نہ لاتا اور نہ ہی ایسے ایسے کرتوتوں کا ارتکاب کرتا!!......

غرض علیؑ کی بیٹی کا ایک ایک حرف یزید کے دل پر بجلی بن کر گر رہا تھا اب اس میں بات کرنے کی جرأت نہیں رہی تھی کہ سید زادی نے اپنے خطبے کو آگے بڑھاتے ہوئے اسے مزید رسوا کرنے کے لئے فرمایا:

"وَلَئِنْ جَرَتْ عَلَیَّ الدَّوَاھِیَ مُخَاطَبَتَکَ اِنِّیْ لَاَسْتَصْغِرُ کَ وَاسْتَعْظِمُ تَقْرِیْعَکَ وَاسْتَکْثِرُ تَوْبِیْخَکَ، وَلٰکِنَّ الْعُیُوْنَ عَبْرٰی وَالصُّدُوْرَ حَرّٰی اَلَافَالْعَجَبُ، کُلَّ

الْعَجَبِ لِقَتْلِ حِزْبِ اللّٰهِ النُّجَبَآءِ بِحِزْبِ الشَّيْطَانَ الطُّلَقَآءِ ، فَهٰذِهِ الْاَيْدِیْ تَنْطِفُ مِنْ دِمَآئِنَـا، وَالْاَفْـوَاهُ تَتَحَـلَّبُ مِن لُحُومِنَا، وَتِلْكَ الْجُثَثُ الطَّوَاهِرُ وَالزَّوَاكِیْ تَنْتَابُهَا الْعَوَاسِلُ وَتَعْفِرُهَا اُمَّهَاتُ الْفَرَاعِلِ"

یہ زمانے کی ستم ظریفی ہے اور مصائب زمانہ نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ مجھے ، تیرے جیسے (خبیث) شخص سے ہمکلام ہونا پڑ رہا ہے، لیکن یاد رکھ کہ میں تجھے ذرہ بھر بھی اہمیت نہیں دیتی، البتہ تیرے مصائب ومظالم کو بہت زیادہ سمجھتی ہوں اور تیری سخت سے سخت ترین مذمت کرتی ہوں، ہائے کیا، کیا جائے!! آنکھیں ہیں کہ آنسوؤں کے سیلاب بہا رہی ہیں اور دل ہیں کہ جلے جا رہے ہیں کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اللہ کا برگزیدہ گروہ، آزاد کردہ غلاموں کی اولاد کے شیطانی گروہ کے ہاتھوں قتل کر دیا جائے!! ہمارے خون کا ایک ایک قطرہ تمہارے ہاتھوں سے ٹپک رہا ہے اور ہمارے بدن کے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا تمہارے منہ سے گر رہا ہے، ادھر ان پاک و پاکیزہ اور مطہر اجسام پر سے صحرا کے درندے گزر رہے ہیں اور بیابان کے ٹیلوں کی ریت اور مٹی اڑ اڑ کر ان کو ڈھانپ رہی ہے......

علیؑ کی شیر دل بیٹی اپنی قلبی اور ذہنی حریت اور آزادی کا بھرے دربار میں اعلان کرتے ہوئے مسند اقتدار پر بیٹھے دشمن کو چیلنج کر کے کہتی ہیں:

"فَكِـدْ كَيْدَكَ وَاسْعَ سَعْيَكَ وَنَاصِبْ جُهْدَكَ فَوَاللّٰهِ لَاتَمْحُوْا ذِكْرَنَا ،وَلَاتُمِيْتُ وَحْيَنَا، وَلَا تُدْرِكُ اَمَدَنَا وَلَاتَرْحَضُ عَنْكَ عَارَهَا "

یزید! تم جو چالیں چل سکتے ہو چلو، جو کوششیں کر سکتے ہو کر لو، لیکن خدا کی قسم نہ تو تم ہمارے ذکر کو کبھی مٹا سکو گے، اور نہ ہی ہماری یاد کو دلوں سے محو کر سکو گے، نہ تو کبھی ہمارے جاہ وجلال تک تمہاری رسائی ہو سکتی ہے اور نہ تم اپنے دامن سے ظلم وستم کے داغ دھبے دھو سکتے ہو......

بطلِ حریت کی صاحبزادی اور فاتح کربلا کی فاتحہ کوفہ و شام بہن نے دشمن کے وجود پر ایک اور کاری اور آخری ضرب لگائی اور اسے ہمیشہ کے لئے بے چارہ کر کے رکھ دیا، فرماتی ہیں:

"وَهَلْ رَأْيُكَ اِلَّافَنَدٌ وَاَيَّامُكَ اِلَّاعَدَدٌ وَجَمْعُكَ اِلَّابَدَدٌ، يَوْمَ يُنَادِی الْمُنَادِ "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظَّالِمِيْنَ"

تیرا نکتہ نظر بے اعتبار اور ناپائیدار! تیری حکومت کا دورانیہ گنتی کے چند دن اور تیری مجتمع ٹولی کا انجام انتشار

وافتراق ہے، جس دن منادی ندا دے گا کہ "اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر"

آخر میں سیدہ معظمہ، علیؑ کی علیؑ بیٹی نے جس طرح خطبے کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور حضرات محمدؐ وآل محمدؐ پر درود وسلام سے کیا تھا اسی طرح اس کا اختتام بھی حمد وثنائے پروردگار پر اس طرح کیا کہ جس میں اس کی طرف سے اپنے اوپر نعمتوں اور احسانات کا تذکرہ کر کے عملی طور پر یزید کو بتلا دیا کہ تو اس قدر آسائشوں کے باوجود اپنے رب کو بھول چکا ہے، اور ہم مصائب وآلام کا شکار ہونے کے باوجود اس کی حمد اور اس کے لئے شکر بجالا رہے ہیں، شہزادیٔ کونین فرماتی ہیں:

"وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ الَّذِيۡ خَتَمَ لِاَوَّلِنَا بِالسَّعَادَةِ وَالۡمَغۡفِرَةِ ،وَلِآخِرِنَا بِالشَّهَادَةِ وَالرَّحۡمَةِ ،وَنَسۡأَلُ اللّٰهَ اَنۡ يُّكۡمِلَ اَهَمَّ الثَّوَابِ وَيُوۡجِبَ اَهَمَّ الۡمَزِيۡدِ وَيَحۡسِنَ عَلَيۡنَا الۡخِلَافَةِ اِنَّهُ رَحِيۡمٌ وَّدُوۡدٌ وَّنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ"

اور تمام تعریفیں ہیں اس اللہ رب العالمین کے لئے جس نے ہمارے پہلے کو تو سعادت اور مغفرت سے نوازا ہے اور آخری کو شہادت اور رحمت سے، میری اپنے خدا سے یہی دعا ہے کہ انہیں اجر جزیل عنایت کرے اور ان کی جزا میں مزید اضافہ فرمائے، وہ خود ہمارے لئے بہترین اور سب سے بڑا مہربان ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے"

یزید کا ردعمل:

اب یزید بوکھلا چکا تھا، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کیا جائے، اس کے پاس اب بات کرنے کے لئے کوئی دلیل اور منطق نہیں تھی، صرف وہی ظالم اور جابر حکمرانوں والا پرانا حربہ، قتل کی دھمکیوں پر اتر آیا۔

درباریوں کی طرف منہ کر کے کہا:

"کیا خیال ہے ان قیدیوں کو قتل نہ کر دیا جائے؟" ایک ملعون درباری نے خوشامدانہ لہجے میں کہا "ضرور انہیں موت کا مزہ چکھایا جائے!!"

مگر ایسی جگہوں پر کچھ منصف مزاج لوگ بھی ہوتے ہیں چنانچہ، قمقام زخار ص ۵۶۵ میں ہے: انصار میں سے ایک شخص نعمان بن بشیر جس کے والد بشیر بن سعد رسول خداؐ کے صحابی تھے، خود نعمان، معاویہ کے دورِ حکومت میں کوفہ کا گورنر تھا ۶۵ھ میں اسے حمص میں قتل کر دیا گیا۔

فوراً بول اٹھا:

''دیکھو یزید! اگر اس وقت یہاں پر رسول خدا(ص) ہوتے تو وہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے، تو جو سلوک ان کا ہوتا تم بھی وہی کرو''

امام محمد باقر علیہ السلام کا خطاب:

(اثبات الوصیۃ مسعودی ص ۱۷۰ میں ہے کہ) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا سن مبارک اس وقت صرف دو سال اور کچھ مہینے تھا، یزید کے سامنے کھڑے ہو گئے اور حمد وثنائے پروردگار کے بعد فرمایا:

''تمہارے جن درباریوں نے ہمارے قتل کا مشورہ دیا ہے انہوں نے فرعون کے درباریوں اور اطرافیوں کے خلاف کہا ہے، کیونکہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے بارے میں ان سے مشورہ لیا تو انہوں نے کہا: ''ارجہ وآخاہ وارسل فی المدائن حاشرین ''(اعراف/۱۱۱)

''موسیٰ اور اس کے بھائی کو مہلت دو اور شہروں میں قاصد بھیج کر جادوگروں کو اکٹھا کرو، جب جادوگر آجائیں تو پھر ان بھائیوں کا امتحان لو''

''مگر تیرے درباریوں نے ہمارے قتل کا مشورہ دیا ہے اور یہ بھی بلاوجہ نہیں ہے!''

یزید نے پوچھا:

''کیا وجہ ہے؟''

فرمایا:

''وہ عقل منداور دانا تھے، اور یہ تیرے درباری فریب خوردہ اور بے سمجھ! کیونکہ ناپاک نسل کے لوگوں کے سوا کوئی دوسرا شخص انبیاء اور اولاد انبیاء کے قتل کا ارتکاب نہیں کرتا''

یہ سن کر یزید اس قدر لاچار اور لاجواب ہو چکا تھا کہ ایک معصوم بچے کی باتوں کو سن کر سر کو جھکا دیا اور خاموش ہو گیا اور پھر حکم دیا کہ ''انہیں دربار سے باہر لا یا جائے''

یزید کی مزید رسوائی:

امام مظلومؑ کا سر یزید کے سامنے طشت میں ہے جس پر وہ بار بار چوبِ خیزران کے ذریعے اس کی توہین کر رہا ہے، مگر حسین مظلوم کی دو معصوم شہزادیاں تمام ماحول سے بے پرواہ اپنے شہید بابا کے سر کو دیکھ رہی ہیں، اب ان کو تاب ضبط نہیں رہ گئی تھی، ایک زوردار فریاد کے ساتھ یزید کی طرف منہ کر کے کہا:

''یَایَزِیْد ! اَبَنَاتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ سَبَایَا؟'' یزید! کیا رسول اللہؐ کی بیٹیوں کو بھی قید کیا جاتا ہے؟

یہ سن کر پورے دربار میں کہرام برپا ہو گیا، کسی میں یہ الفاظ سننے کی طاقت نہیں رہی تھی، دربار میں ہر طرف سے احتجاج کی آوازیں اٹھنے لگیں، یزید نے دیکھا کہ کاروانِ حریت کے ایک ایک فرد نے اس کے دربار کی ہیئت کو بدل ڈالا ہے، اور لوگوں کی ساری توجہ ان رسن بستہ افراد کی طرف ہو گئی ہے، وہ خود کو ان کا قیدی سمجھنے لگا، اور عملی طور پر ثابت کر رہا تھا کہ قیدی دراصل میں ہوں جو اگرچہ تختِ حکومت پر بیٹھا ہوا ہوں، اور آزاد درحقیقت یہ ہیں جو رسیوں اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، اب معذرت خواہی پر اتر آیا اور جب اس نے دربار کی حالت بدلی ہوئی دیکھی تو امام علیہ السلام کی صاحبزادیوں جناب فاطمہ اور سکینہؑ سے کہا:

''اِبْنَۃَ اَخِیْ !اَنَا لِھٰذِہٖ کُنْتُ اَکْرَہُ'' اے بھتیجی! جو کچھ تمہارے ساتھ سلوک کیا گیا ہے میں تو اس سے بالکل راضی نہیں تھا۔

ایک اور روایت کے مطابق اس نے ___ ابن مرجانہ ___ یعنی ___ ابن زیاد ___ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور اپنے تمام گناہوں کو بھی اس کی طرف منسوب کر دیا۔

___ ظاہر ہے کہ اس کا اس قسم کا رویہ کسی مہربانی اور احسان کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ جب افرادِ اہلِ بیتؑ کے ذریعہ سب حقائق دنیا کے سامنے آئے اور وہ رسوا ہوا تو اپنے رویے میں بھی تبدیلی پیدا کی، کیونکہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ اس نے پہلے تو خاندان مظلوم کربلا حسین علیہ السلام کے تمام افراد کو ایک زنجیر میں جکڑا ہوا تھا، اور وہ اسی حالت میں اس کے دربار میں پیش ہوئے اور اس نے اس حالت کو دیکھ کر فخریہ انداز میں اشعار بھی کہے، اور اپنے کافرانہ عقیدے کا اظہار بھی کیا، اور امام مظلومؑ کے ہونٹوں اور دانتوں پر خیزران کی چھڑی سے ظلم وستم بھی کیا۔

بہر حال جیسا کہ (جلاء العیون شبر۲ص۲۶۳ میں ہے) اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ امام مظلومؑ کے مقدس سر کو یزید کے محل پر لٹکا دیا جائے اور اہلِ بیت (ع) کو اس گھر میں لے جایا جائے جو قید خانہ بنا ہوا تھا، (ارشاد شیخ مفید۲ ص۱۲۲میں ہے کہ) وہ قید خانہ یزید کے محل کے پہلو میں تھا، چنانچہ امام زین العابدینؑ کو بھی مخدراتِ عصمت کے ساتھ اسی زندان میں بھیج دیا گیا۔

یزید کے گھر میں انقلاب:

جب کاروانِ حریت کے افراد کو قید خانہ لے جایا جا رہا تھا تو اس وقت بیبیوں اور بچوں کے گریہ وبکاء کی آوازیں

بلند ہوئیں اور یہ آوازیں ہر ایک جگہ تک پہنچ گئیں، اب شام شہر کے باسی بھی ان کے ہمنوا ہو کر ان کے گریہ و بکاء میں شریک ہو گئے۔

یزید کی عورتوں، معاویہ اور ابوسفیان کی اولاد نے اپنے زیورات اتار کر دور پھینک دیئے، عزاداری کے لباس زیب تن کر لئے اور اہلِ بیتِ اطہارؑ کے مصائب اور غم میں شریک ہو گئیں۔

ایک اور روایت کے مطابق بعید نہیں ہے کہ یزید نے حکم دیا ہو کہ قیدیوں کو اس کے حرم سرا میں لے جایا جائے، اس لئے کہ وہ اس طرح سے اپنی جھوٹی شان و شوکت کا مظاہرہ کیا جائے اور اپنے اہلِ خانہ کو بتائے کہ ''میں نے نواسۂ رسولؐ پر فتح پائی ہے اور یہ اس کے اہلِ بیتؑ ہیں جو قیدی بنا کر میرے پاس شام بھیجے گئے ہیں۔''

گویا گذشتہ دور میں یہ رواج تھا کہ مفتوح اور مغلوب دشمن کے اہلِ خاندان کو قید کر کے فاتح اور غالب شخص کے گھروں میں لے جایا جاتا تھا، تا کہ اس طرح سے فاتح کی قدرت نمائی کی جائے اور فتح و کامرانی کا اظہار کیا جائے۔

امام سجاد علیہ السلام کا خطبہ یا
دشمن پر ایک اور کاری ضرب

نفس المہموم ص ۴۵۰ میں ہے کہ:

جمعہ کے دن یزید نے اپنے ایک درباری خطیب یا دین فروش مولوی کو حکم دیا کہ منبر پر جا کر جس قدر ہو سکے علیؑ اور حسینؑ کی توہین و تحقیر کرے اور شیخین و یزید کی شان میں قصیدہ خوانی کرے، چنانچہ اس نے حکم کی تعمیل کی۔

اس پر امام سجاد علیہ السلام نے یزید سے فرمایا کہ:

''مجھے بھی اجازت دی جائے تا کہ میں بھی کچھ کہوں!''

مگر یزید نے بات نہ مانی، وہاں پر یزید کا بیٹا معاویہ موجود تھا، نے اپنے باپ سے کہا:

''اس مریض و ضعیف اور کمزور انسان کے خطبے نے کیا اثر کرنا ہے؟ بولنے دیں اسے''

یزید نے کہا:

تمہیں اس خاندان کی قابلیت اور صلاحیتوں کا علم نہیں، ان لوگوں نے علم اور فصاحت ایک دوسرے سے ورثے

میں لی ہے، مجھے ڈر ہے کہ اس شخص کا خطبہ شہر میں فتنہ کھڑا نہ کر دے اور اس کا وبال ہمارے گریبان کو آن پکڑے۔

اس لئے یزید نے تہیہ کر لیا کہ انہیں بولنے کی اجازت نہیں دے گا، مگر لوگوں نے اصرار کرنا شروع کر دیا کہ امام کو منبر پر جا کر خطبہ دینا چاہئے۔

یزید نے کہا:

اگر یہ منبر چلا گیا تو اس وقت تک نیچے نہیں اترے گا جب تک مجھے اور خاندان ابوسفیان کو رسوا نہیں کر دے گا۔

لوگوں نے کہا:

''یہ نوجوان کیا کر لے گا؟''

اس نے کہا:

''یہ وہ خاندان ہے جن کو گھٹی ہی علم کی دی جاتی ہے''

بہر حال لوگوں کے اصرار اور دباؤ کی وجہ سے یزید کو مجبوراً اس کی اجازت دینی پڑی، اب امام منبر پر تشریف لے گئے، اور خداوند عالم کی حمد و ثناء کے بعد ایسا خطبہ دیا کہ تمام دنیا بے قرار ہو کر بے ساختہ رونے لگ گئی (نفس المہموم ص ۴۵۰ میں ہے کہ) آپؑ نے فرمایا:

''اَيُّهَا النَّاسُ اُعْطِينَا سِتًّا وَفُضِّلْنَا بِسَبْعٍ ، اُعْطِينَا الْعِلْمَ وَالْحِلْمَ وَالسَّمَاحَةَ وَالْفَصَاحَةَ وَالشُّجَاعَةَ وَالْمَحَبَّةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ ،وَفُضِّلْنَا بِسَبْعٍ بِاَنَّ مِنَّا النَّبِيُّ الْمُخْتَارُ مُحَمَّدٌ وَّمِنَّا الصِّدِّيقُ وَمِنَّا الطَّيَّارُ وَمِنَّا اَسَدُ اللّٰهِ وَاَسَدُ رَسُولِهٖ وَمِنَّا سِبْطَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ''

اے لوگو! خدا نے ہمیں چھ خوبیاں عطا فرمائی ہیں اور سات فضیلتوں سے نوازا ہے، ہمیں علم، حلم، سخاوت، فصاحت، شجاعت اور مومنین کے دلوں میں محبت عطا فرمائی ہے، اور ہمیں ان وجوہات کی بنا پر دوسروں پر فضیلت سے نوازا ہے کہ:

اسلام کا عظیم الشان رسولؐ، اس امت کا صدیق ___ امیر المومنین علیؑ ___ بہشت میں فرشتوں کے ساتھ پرواز کرنے والا ___ جعفر طیار ___ اللہ اور اس کے رسول کا شیر ___ امیر حمزہ ___ اور رسول اکرمؐ کے دو بزرگوار نواسے ___ حسنؑ و حسینؑ ___ ہم ہی میں سے ہیں۔

''مَنْ عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي وَمَنْ لَّمْ يَعْرِفْنِي اَنْبَأْتُهُ بِحَسَبِي وَنَسَبِي '' میرے اس مختصر سے تعارف سے جو بھی مجھے پہچان گیا سو پہچان گیا اور جس نے ابھی تک نہیں پہچانا میں اسے اپنے حسب و

نسب سے متعارف کراتا ہوں تو..................

"اَيُّهَا النَّاسُ !اَنَا ابْنُ مَكَّةَ وَمِنىٰ ،اَنَاابْنُ زَمْزَمَ وَصَفَا ،اَنَا ابْنُ مَن حَمَلَ الرُّكْنَ بِاَطْرَافِ الرِّدَآءِ ،اَنَا ابْنُ خَيْرِ مَنِ ائْتَزَرَ وَارْتَدىٰ ،اَنَاابْنُ خيرمَنِ انْتَعَلَ وَاحْتَفىٰ اَنَاابْنُ مَن حَجَّ وَلَبّى ،اَنَا بْنُ مَن بَّلَغَ بِهِ جِبْرَائِيْلُ اِلىٰ سِدْرَةِ الْمُنْتَهىٰ ،اَنَاابْنُ مَنْ دَنىٰ فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْاَدْنىٰ ،وَاَنَاابْنُ مَن صَلّٰى بِمَلَائِكَةِ السَّمَآءِ اَنَاابْنُ مَن اَوْحىٰ اِلَيْهِ الْجَلِيْلُ مَااَوْحىٰ اِلَيْهِ الْجَلِيْل مَااَوْحىٰ ،اَنَاابْنُ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفىٰ، اَنَاابْنُ عَلِيِّ نِ الْمُرْتَضىٰ، اَنَاابْنُ مَنْ ضَرَبَ خَرَاطِيْمَ الْخَلْقِ حَتّٰى قَالُوْا لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰه"

میں مکہ ومنیٰ کا فرزند ہوں، میں زمزم اور صفا کا فرزند ہوں، میں اس ہستی کا فرزند ہوں جس نے اپنی ردا کے ساتھ حجر اسود کو اٹھایا اور اپنی جگہ پر نصب کیا میں سب سے بہترین طواف وسعی کرنے والے کا فرزند ہوں، میں بہترین حج کرنے والے اور بہترین تلبیہ کہنے والے کا فرزند ہوں، میں اس نبی کا فرزند ہوں جو براق پر سوار ہوا، میں اس رسول کا فرزند ہوں جسے راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی۔

میں اس کا فرزند ہوں جسے جبرائیل سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے، اور میں اس کا فرزند ہوں جو مقام قاب قوسین اوادنیٰ کی منزل تک جا پہنچا، میں اس کا فرزند ہوں جس نے آسمان کے فرشتوں کو نماز پڑھائی میں اس کا فرزند ہوں جس کی طرف رب جلیل نے وحی فرمائی ہے، میں محمد مصطفیٰ کا فرزند ہوں، میں علی مرتضیٰ کا فرزند ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے بڑے بڑے سرکشوں کی ناک زمین پر رگڑی آخر کار انہوں نے کلمہ توحید کا اقرار کیا۔

"اَنَا ابْنُ مَنْ ضَرَبَ بَيْنَ يَدَى رَسُوْلِ اللّٰهِ بِسَيْفَيْنِ، وَطَعَنَ بِرُمْحَيْنِ ،وَهَاجَرَالْهِجْرَتَيْنِ وَبَايَعَ الْبَيْعَتَيْنِ، وَقَاتَلَ بِبَدْرٍوَّحُنَيْنٍ ، وَلَمْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ ،اَنَاابْنُ صَالِحِ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَوَارِثِ النَّبِيِّيْنَ ، وَقَامِعِ الْمُلْحِدِيْنَ ، وَيَعْسُوْبِ الْمُسْلِمِيْنَ ، وَنُوْرِالْمُجَاهِدِيْنَ ، وَزَيْنِ الْعَابِدِيْنَ ، وَتَاجِ الْبَكَّائِيْنَ، وَاَصْبَرِالصَّابِرِيْنَ ، وَاَفْضَلِ الْقَائِمِيْنَ ، مِنْ آلِ يٰسِيْنَ ، رَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ،اَنَاابْنُ الْمُؤَيَّدِ بِجِبْرَائِيْلَ الْمَنْصُوْرِ بِمِيْكَآئِيْلَ"

میں اس کا فرزند ہوں جس نے رسول خداؐ کے سامنے دو تلواروں اور دو نیزوں کے ساتھ جنگ کی، جس نے دو بار ہجرت اور دو بار بیعت کی، بدر و حنین میں کافروں کے ساتھ لڑے اور پلک جھپکنے کی دیر کے لئے خدا کے ساتھ کفر نہیں کیا۔

میں صالح المومنین کا فرزند ہوں، میں وارث انبیاء کا فرزند ہوں، میں ملحدین کو تباہ کرنے والے اور مومنین کے سردار کا بیٹا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جو مجاہدوں کا نور ہے، عبادت گزاروں کی زینت ہے، گریہ کرنے والوں کا سرتاج ہے، سب صابروں میں سے بڑا صابر ہے، تمام نمازیوں سے افضل ہے، رب العالمین کے رسولؐ ___ یسین ___ کی آلؑ سے ہے، میں اس کا فرزند ہوں کہ جبرائیل نے جس کی تائید کی ہے، اور میکائیل نے جس کی نصرت کی ہے۔

"اَنَا ابْنُ الْمُحَامِیْ عَنْ حَرَمِ الْمُسْلِمِیْنَ ،وَقَاتَلَالْمَارِقِیْنَ وَالنَّاکِثِیْنَ وَالْقَاسِطِیْنَ، وَالْمُجَاهِدِ اَعْدَآئَهُ النَّاصِبِیْنَ ، وَافْخَرِمَنْ مَّشیٰ مِنْ قُرَیْشٍ اَجْمَعِیْنَ ،وَاَوَّلِ مَنْ اَجَابَ وَاسْتَجَابَ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ، وَاَوَّلِ السَّابِقِیْنَ ،وَقَاصِمِ الْمُعْتَدِیْنَ ،وَمُبِیْدِ الْمُشْرِکِیْنَ، وَسَهْمٍ مِّنْ مَرَامِی اللّٰهِ عَلَی الْمُنَافِقِیْنَ،وَلِسَانِ حِکْمَةِ الْعَابِدِیْنَ ،وَنَاصِرِ دِیْنِ اللّٰهِ وَوَلِیِّ اَمْرِ اللّٰهِ وَبُسْتَانِ حِکْمَةِ اللّٰهِ ،وَعَیْبَةِ عِلْمِهٖ، سَمِحٌ، سَخِیٌّ، بَهِیٌّ،بُهْلُوْلٌ، زَکِیٌّ ، اَبْطَحِیٌّ ،رَضِیٌّ ، مِقْدَامٌ ، هَمَّامٌ ، صَابِرٌ، صَوَّامٌ، مُهَذَّبٌ، قَوَّامٌ، قَاطِعِ الْاَصْلَابِ وَمُفَرِّقِ الْاَحْزَابِ، اَرْبَطِهِمْ عِنَانًا، وَاَثْبَتِهِمْ جِنَانًا، وَاَمْضَاهُمْ عَزِیْمَةً، وَاَشَدِّهِمْ شَکِیْمَةً، اَسَدٌبَاسِلٌ، یَطْحَنُهُمْ فِی الْحُرُوْبِ، اِذَاازْدَلَفَتِ الْاَسِنَّةُ،وَقَرُبَتِ الْاَعِنَّةُ طَحْنَ الرَّحیٰ ، وَیَذْرُوْهُمْ فِیْهَا ذَرْوَالرِّیْحِ الْهَشِیْمِ، لَیْثُ الْحِجَازِ وَکَبْشِ الْعِرَاقِ، مَکِّیٌّ مَّدَنِیٌّ، خِیْفِیٌّ عَقَبِیٌّ، بَدْرِیٌّ اُحُدِیٌّ، شَجَرِیٌّ مُهَاجِرِیٌّ"

میں اس کا فرزند ہوں جس نے مسلمانوں کے حرم کی حفاظت کی، اور مارقین و ناکثین و قاسطین کے ساتھ جنگ کی اور دشمنانِ خدا کے ساتھ لڑتے رہے۔

میں قوم قریش کی قابلِ فخر ترین شخصیت کا فرزند ہوں، میں اس ہستی کا بیٹا ہوں جس نے سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسولؐ کی دعوت پر لبیک کہا اور نبوت کی تصدیق کی، اس کا فرزند ہوں جو سابقین میں سب سے پہلا ہے، اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی کمر توڑنے والا ہے، مشرکین کو تباہ کرنے

والا ہے، میں اس کا فرزند ہوں جو منافقین کے سروں پر خدا کے برسنے والے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جو خدا کے عبادت گزاروں کی زبانِ حکمت ہے، جو دینِ خداوندی کا ناصر و مددگار ہے، جو اللہ کے امر کا ولی ہے، حکمتِ الٰہی کا بستان ہے، اللہ کے علم کا حامل ہے۔

میں اس کا فرزند ہوں جو جوانمرد اور سخی ہے، خوبصورت ہے، تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے، سید بزرگوار ہے، بطحا کا رہنے والا ہے، راضی برضائے الٰہی ہے، مشکلات میں آگے بڑھنے والا ہے، صابر ہے، ہمیشہ روزے سے رہنے والا ہے، ہر آلودگی سے پاک اور بہت بڑا نمازی ہے۔

میں اس کا بیٹا ہوں جس نے دشمن کی کمر توڑ کے رکھ دی، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے کفر کی تمام جماعتوں کو شکست دے کر تتر بتر کر دیا، جس کا دل ثابت و استوار، جس کا ارادہ محکم اور پائیدار ہے، جس کا وار بہت کاری ہے، جو شیر کی مانند شجاع ہے، حجاز کے بیشۂ شجاعت کا شیر ہے، عراق کے لوگوں کا سردار و رہنما ہے، مکی ہے مدنی ہے، خیفی اور عقبی ہے، بدری واحدی ہے، شجری اور مہاجر ہے۔

"مِنَ الْعُرُبِ سَیِّدُھَا وَمِنَ الْوَغیٰ لَیْثُھَا، وَارِثُ الْمَشْعَرَیْنِ، وَاَبُو السِّبْطَیْنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ، ذَاکَ جَدِّیْ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ!"

وہ عربوں میں ہو تو ان کا سردار ہوتا ہے اور میدانِ جنگ میں ہو تو شیر خدا ہوتا ہے، خدا کے دو مشعروں ___ مزدلفہ اور عرفات ___ کا وارث ہے، پیغمبرؐ کے دونواسوں ___ حسنؑ اور حسینؑ ___ کا والد ہے، لوگو! یہی میرا دادا علیؑ بن ابی طالب ہے۔

پھر فرمایا:

"اَنَا ابْنُ فَاطِمَۃَ الزَّھْرَاءِ، اَنَا ابْنُ سَیِّدَۃِ النِّسَآءِ" میں فاطمۃ الزہراءؑ کا فرزند ہوں! میں تمام عورتوں کی سردار کا فرزند ہوں۔

اسی طرح آپ اپنا تعارف کراتے رہے یہاں تک کہ دربار میں ایک کہرام برپا ہو گیا، لوگوں کی دھاڑیں بلند ہو ہو کر یزید کے تاج و تخت اور قصر و محل پر برقِ اجل بن کر گر رہی تھیں، یزید کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے جس سے دربار میں انقلاب آجائے، لہٰذا اس نے مؤذن کو اذان کہنے کا حکم دیدیا، مؤذن نے اذان کہنا شروع کر دی اور امامؑ نے خطبہ دینا بند کر دیا۔

جب مؤذن نے کہا:

''اَللّٰہُ اَکْبَرُ ،اَللّٰہُ اَکْبَرُ''

تو امامؑ نے فرمایا:

''اللہ سے بالاتر کوئی چیز نہیں، جب اس نے کہا:

''اَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ''

تو امامؑ نے فرمایا:

''میرا گوشت و پوست اور خون و جلد اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ ذات وحدہٗ لاشریک ہے۔

جب مؤذن نے کہا:

''اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ''

تو امامؑ نے منبر ہی کے اوپر سے یزید کی طرف منہ کر کے فرمایا:

''مُحَمَّدٌ ھٰذَا جَدِّی اَمْ جَدُّکَ یَایَزِیْد؟'' یزید! یہ محمد (مصطفیٰؐ) میرے نانا ہیں یا تیرے؟ اگر تو کہتا ہے کہ تیرے نانا ہیں تو غلط کہے گا اور کافر ہو جائے گا اور اگر کہتا ہے کہ میرے نانا ہیں، تو پھر تو نے اس کی عترت کو کیوں تہہ تیغ کیا؟

ایک اور روایت کے مطابق جب امامؑ نے: ''اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ ارَّسُوْلُ اللّٰہ '' سنا، تو آپؑ نے اپنا عمامہ سر سے اتار کر موذن سے فرمایا:

''تجھے اسی محمدؐ کی قسم! ذرا رک جا!!''

پھر امامؑ نے فرمایا:

''یزید! یہ محمدؐ تیرے نانا ہیں یا میرے؟ اگر تو انہیں اپنا نانا بتائے گا تو سب جانتے ہیں تو جھوٹ بول رہا ہے، اور اگر کہے گا کہ میرے نانا ہیں اور ہے بھی ایسا ہی تو پھر مجھے بتا کہ میرے بابا کو تو نے ظلم کی تلوار سے کیوں شہید کیا ہے؟ اس کے مال اور متاع کو کیوں لوٹا ہے؟ اور اس کے اہلِ بیتؑ کو کیوں قیدی بنایا ہے؟''

یہ جملے کہے اور اپنا گریبان چاک کر کے رونے لگے اور فرمایا:

''خدا کی قسم! اس وقت پوری دنیا میں صرف میں ہی ہوں جس کے نانا رسول اسلامؐ ہیں تو مجھے بتاؤ کہ اس شخص نے میرے والد کو بے جرم و خطا کیوں قتل کر دیا؟ کیوں ہمیں رومیوں کی مانند قیدی بنایا؟''

پھر آپؑ نے ارشاد فرمایا:

''اے یزید! اس قدر عظیم جرم کے ارتکاب کے بعد پھر بھی کہتا ہے کہ ''محمد، اللہ کے رسول ہیں!!! اور قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے؟'' افسوس ہے تجھ پر، قیامت کے دن میرے نانا اور بابا تیرے دامن گیر ہوں گے تو اس وقت تو کیا جواب دے گا؟''

یہ سن کر یزید نے مؤذن سے کہا:

''نماز کے لئے اقامت کہو!''

لوگوں میں سخت شور و غل کھڑا ہو گیا کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، کچھ لوگ نماز پڑھے بغیر کھسک گئے۔

(نفس المھموم ص ۴۵۱)

ایک اور روایت کے مطابق حریت کے پیکر امام مظلومؑ سید سجادؑ نے اپنا تعارف یوں کرایا:

''اَنَا ابْنُ الْحُسَيْنِ الْقَتِيْلِ بِكَرْبَلَاء، اَنَا ابْنُ عَلِيِّ نِ الْمُرْتَضٰى، اَنَا ابْنُ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰى، اَنَا ابْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ، اَنَا ابْنُ خَدِيْجَةَ الْكُبْرٰى، اَنَا ابْنُ سِدْرَةَ الْمُنْتَهٰى، اَنَا ابْنُ شَجْرَةَ الطُّوبٰى''

میں کربلا کی گرم ریت پر قتل ہونے والے حسینؑ کا فرزند ہوں، میں علیؑ مرتضٰی کا بیٹا ہوں، میں محمد مصطفٰیؐ کا پیارا ہوں، میں فاطمہ زہراءؑ کا راج دلارا ہوں، میں خدیجۃ الکبریٰ کا نورِ نظر ہوں، میں سدرۃ المنتھیٰ کا بیٹا ہوں، میں شجرہ طوبیٰ کا فرزند ہوں، میں اس کا فرزند ہوں جسے خاک و خون میں غلطان کیا گیا، میں اس کا فرزند ہوں جس کے غم میں جنات نے گریہ کیا، میں اس کا فرزند ہوں جس پر فضا میں پرندوں نے نوحے پڑھے اور ماتم کیا۔

امامؑ کے خطبے کا ردِ عمل:

حیاۃ الامام الحسینؑ جلد ۳ ص ۳۹۵ میں ہے:

جب کاروانِ حریت کے سالارِ اعظم نے اس قدر مؤثر اور بلیغ انداز میں خطبہ دیا تو حاضرینِ مسجد اس سے زبردست متاثر ہوئے، ان میں آزادی کے جذبات بیدار ہونا شروع ہو گئے، اور جرأت و جسارت ان کے اندر پیدا ہو گئی

، دربارِ یزید میں ایک بڑا یہودی عالم بھی موجود تھا، اس نے پوچھا:

___: یہ جوان کون ہے؟ یزید نے کہا:

___: علی بن الحسینؑ!

___: کون حسینؑ!

___: علی بن ابی طالبؑ کا بیٹا!

___: اس کی ماں کون ہے؟

___: محمدؐ کی صاحبزادی

___: سبحان اللہ! یہ تو تمہارے نبی کا بیٹا ہے جسے تم نے قتل کیا ہے؟ تم کیسے برے جانشین ہوا پنے پیغمبر کے؟ اگر ہمارے پیغمبر، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا کوئی فرزند ہمارے درمیان چھوڑا ہوتا تو ہم اس کا پرستش کی حد تک احترام کرتے، جبکہ کل تمہارے پیغمبر کا انتقال ہوا ہے، اور آج اس کے فرزند پر چڑھائی کر کے اسے قتل کر دیا ہے، لعنت ہے تم پر!! تم کیسی امتِ مسلمہ ہو؟!

یہ سن کر یزید کو غصہ آ گیا، اس کے حکم پر اس کو دربار میں خوب پیٹا گیا، پھر وہ کھڑا ہو کر کہنے لگا:

''اگر تم چاہتے ہو مجھے قتل کرو، تو مجھے اس کی فکر نہیں، کیونکہ میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ''جو شخص اولادِ پیغمبرؐ کو قتل کرتا ہے وہ ملعون ابدی ہوتا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے''۔

زوجہ یزید کا ردِ عمل:

بحارالانوار ج ۴۵ ص ۱۴۲ میں ہے کہ:

اس کے بعد یزید نے حکم دیا کہ امامؑ کے مقدس سر کو محل کے دروازے پر لٹکایا جائے، یزید کی بیوی ہند بنت عبداللہ بن عامر نے جب یہ سنا کہ یزید نے امام مظلومؑ کے سر کو اس کے گھر کے دروازے پر لٹکا دیا ہے تو اس نے دربار اور محل کے درمیان لٹکائے ہوئے پردے کو پھاڑا اور بغیر مقنعہ و چادر کے دربار میں آ گئی، اس وقت یزید نے کھلی کچہری لگائی ہوئی تھی، اس نے یزید سے کہا:

''یزید! تو نے فرزندِ زہراؑ بنت محمدؐ کا سر میرے گھر کے دروازے پر لٹکا دیا ہے؟''

یہ کیفیت دیکھ کر یزید اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنی عبا اس کے سر پر ڈال دی، اور کہا:

''ہاں اب تم حسینؑ پر گریہ وزاری کرو، خوب آنسو بہاؤ اس لئے کہ سارے قریشی اس پر رو رہے ہیں،
خدا عبیداللہ ابن زیاد کو غارت کرے اس نے حسینؑ کو قتل کرنے میں جلد بازی سے کام لیا ہے''

یزید کی پشیمانی پر تبصرہ!

ناظرین محترم! اس طرح کی باتیں اس امر کا سبب بنیں کہ جن کی رو سے یزید کا غرور ٹوٹ گیا اور اس کی خوشی عذر ومعذرت خواہی اور معافی تلافی میں بدل گئی۔

ابتداء میں تو وہ اس قدر مغرور ہو گیا تھا کہ امامِ مظلوم کے مبارک لبوں اور دانتوں پر چھڑی مار مار کر خوش ہوتا تھا اور خوشی کے اشعار پڑھتا تھا، اب وہ اس قدر بد بخت اور بے چارہ ہو چکا تھا کہ مظلوم کے قتل کی نسبت ابن زیاد کی طرف دے کر خود کو بری الذمہ قرار دینے لگ گیا۔

کتاب تذکرہ سبط ابن جوزی اور کامل ابن اثیر میں ہے کہ:

''جب امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک شام لایا گیا تو اسے دیکھ کر یزید بہت خوش ہوا، اور ابن زیاد کے اس اقدام کو سراہا اور اپنی خوشنودی کا اظہار کیا، اس کے لئے انعام واکرام اور ہدیئے بھیجے، لیکن ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ اپنے اس قابلِ نفرت فعل کے بارے میں لوگوں کی نفرت اور غصے کا احساس کرنے لگ گیا اس نے خود سن اور دیکھ لیا کہ لوگ اسے گالیاں دے رہے ہیں، لہٰذا وہ اپنے کردار اور گفتار پر اظہارِ پشیمانی کرنے لگ گیا اور کہنے لگ گیا:

''خدا ابن زیاد پر لعنت کرے اس نے حسینؑ پر اس قدر سختی کی کہ اس نے زندگی کو موت پر ترجیح دی اور شہادت کا راستہ اختیار کیا!''

وہ یہ بھی کہتا تھا کہ:

''میں نے ابن زیاد کا کیا قصور کیا تھا کہ اس نے مجھے یہاں تک پہنچا دیا کہ لوگ مجھ سے نفرت کر رہے ہیں؟ اور ہر نیک اور بد کے دل میں میرے بارے میں نفرت کا بیج بو دیا!''

(قمقمام زخار ص ۵۷۷)

جلال الدین سیوطی (تاریخ الخلفاء ص ۲۰۸ میں) کہتے ہیں:

''فَسُرَّ لِقَتْلِهِمْ اَوَّلاً ثُمَّ نَدِمَ لَمَّا مَقَتَهُ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی ذَالِکَ وَابْغَضَهُ النَّاسُ وَحَقَّ لَهُمْ اَنْ يُّبْغِضُوْهُ''

اولادِ رسول کو قتل کر کے پہلے تو وہ بہت خوش ہوا لیکن جب مسلمان اس کے اس اقدام پر ناراض ہوئے اور سخت غضبناک ہوئے تو پھر پشیمان ہوا اور اظہارِ ندامت کرنے لگا۔

البتہ یہ ایک تاریخی ریکارڈ ہے کہ حکامِ وقت چاہے وہ سربراہانِ مملکت ہوں، بادشاہ ہوں، وزیر اعظم ہوں یا کسی ملک کے صدر جب کوئی ایسا کارنامہ انجام دیتے ہیں، جس سے عوامی غیظ وغضب وجود میں آجاتا ہے تو وہ اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے اپنے کرتوتوں کی ذمہ داری دوسروں پر ڈالنا شروع کر دیتے ہیں۔

یزید عنید پلید کی بھی بعینہ یہی کیفیت ہے، جب اس کے دربار میں عقیلہ بنی ہاشم زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا، سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام کے بصیرت افروز خطبات، امام محمد باقر علیہ السلام کا آنکھیں کھول دینے والا مختصر مگر جامع خطاب، اور ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کا احتجاج، اس کی خود اپنی بیوی ہند بنت عبداللہ بن عامر اور دوسرے بہت سے افراد کا احتجاج اس حد تک موثر ثابت ہوئے کہ اسے مجبوراً اپنی سیاسی حکمت عملی میں تبدیلی کرنا پڑ گئی، اور اس کی ساری ذمہ داری ابن زیاد بدنہاد پر ڈالنا پڑی اور کہنا پڑا ''لَعَنَ اللّٰهُ ابْنَ مَرْجَانَةَ اِنَّهُ قَتَلَ'' خدا مرجانہ کے بیٹے پر لعنت کرے اس نے ہی نواسہ رسول (ص) کو قتل کیا ہے۔

یہاں پر یہ فیصلہ تو بعد میں کریں گے کہ کون قاتل ہے، کون نہیں؟ یزید قاتل ہے یا ابن زیاد؟ البتہ یہ فیصلہ تو یزید نے خود ہی کر دیا ہے کہ حسینؑ کا قاتل لعنتی اور ملعون ہے، اور یزید کے ہواخواہوں اور طرفداروں کے منہ پر خود یزید ہی نے ایسا طمانچہ مارا ہے جس کی ٹیسیں وہ قیامت تک یاد رکھیں گے، کہ قاتل ملعون ہے، اگر ثابت ہو جائے یزید قاتل ہے تو وہ ملعون ہے اگر ابن زیاد ہے تو وہ ملعون ہے، اور جو ملعون ہوتا ہے وہ کبھی نہ تو ''رَضِیَ اللّٰهُ عَنْه'' بن سکتا ہے اور نہ ہی ''رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْه''۔

حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے واقعہ کربلا کے بعد جب عبید اللہ بن زیاد شام آیا تو یزید نے اسے کافی انعام واکرام سے نوازا، مال ودولت سے اس کے خزانے بھر دیئے، اسے اپنے ساتھ حرم سرا میں لے گیا اور شراب کی ترنگ میں مست ہو کر کہتا تھا (جیسا کہ تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۴۶ میں ہے)

اِسْقِنِیْ شُرْبَةً تُرْوِیْ مَشَاشِیْ

ثُمَّ مِلْ فَاسْقِ مِثْلَهَا ابْنَ زِیَادٖ

صَاحِبِ السِّرِّ وَالْاَمَانَةِ عِنْدِیْ

وَلِتَسْدِيْدِ مَغْنَمِيْ وَجِهَادِيْ
قَاتِلِ الْخَارِجِيِّ اَعْنِيْ حُسَيْنًا م
وَمُبِيْدِ الْاَعْدَآءِ وَالْاَضْدَادِ

مجھے شراب کا جام پلا! جو میرے بدن کے ایک ایک حصے کو سیراب کردے، پھر مڑ کر اسی طرح کی شراب ابن زیاد کو بھی پلا۔

میرے نزدیک میرے رازوں کا امین اور دیانتدار شخص ہے اور میرے جنگ اور غنیمت کے امور کو بھی پختگی عطا کرتا ہے۔

(معاذ اللہ) خارجی یعنی حسینؑ کا قاتل ہے اور میرے تمام دشمنوں اور مخالفوں کا تباہ کرنے والا ہے۔

مورخ طبری (تاریخ طبری جلد۵ ص ۲۵۵ میں) لکھتے ہیں کہ:

"فَسُرَّ بِقَتْلِهِمْ اَوَّلاً وَحَسُنَتْ بِذَالِکَ مَنْزِلَةُ عُبَيْدِ اللّٰهِ عِنْدَهُ، ثُمَّ لَمْ يَلْبَثْ اِلَّاقَلِيْلاً حَتّٰی نَدِمَ قَتْلَ الْحُسَيْنِ(ع)"

پہلے پہل تو بہت خوش ہوا اور اس سے اس کے نزدیک ابن زیاد کی قدر و منزلت بڑھ گئی، لیکن ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اسے قتلِ حسینؑ پر پشیمان ہونا پڑا، حتیٰ کہ اسے کہنا پڑا:

"لَعَنَ اللّٰهُ ابْنَ مَرْجَانَةَ فَبَغَّضَنِيْ اِلَی الْمُسْلِمِيْنَ وَزَرَعَ لِيْ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعَدَاوة ،فَبَغَّضَنِيَ الْبِرُّ وَالْفَاجِرِ بِمَااسْتَعْظَمَ النَّاسُ مِنْ قَتْلِيْ حُسَيْنًا"

خدا مرجانہ کے بیٹے ــــ ابن زیاد ــــ پر لعنت کرے کہ اس نے ہر مسلمان کے دل میں میری دشمنی ڈال دی ہے اور اس کے دل میں میری عداوت کا بیج بو دیا ہے لہٰذا اب مجھے ہر نیک اور بد انسان دشمن سمجھتا ہے، اس لئے لوگ میرے حسینؑ کے قتل کرنے کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یزید کے بارے میں لوگوں کا غم و غصہ اور اس کی معاشرے میں رسوائی اور بدنامی نے اسے اپنی روش کو تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا۔

ایک قدردان کی امام سجادؑ سے ملاقات:

کتاب الملہوف ص ۸۱ میں منہال بن عمرو ــــ اور "احتجاج طبرسی ۲ ص ۱۳۴ میں صحابی رسول، مکحول ــــ کا نام

ہے، نام خواہ کسی کا ہو، اس کی ملاقات ایک مرتبہ بازارِ شام میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے ہوگئی، اس نے امامؑ کی خدمت میں عرض کیا:

''کَیْفَ اَمْسَیْتَ یَاابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ؟''

فرزندرسولؐ! آپؑ نے رات کیسے گزاری؟''

تو امامؑ نے فرمایا:

اس امت میں ہم ایسے رہ رہے ہیں جس طرح فرعون والوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم رہ رہی تھی کہ اس کے مردوں کو قتل، اور عورتوں کو بیوہ کر دیا جاتا تھا۔

اے عبد خدا! عجمیوں پر عرب فخر کرتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے ہیں اور قبیلہ قریش اس لئے فخر کرتا ہے کہ رسالت مآبؐ اس سے ہیں، حالانکہ ہم تو حضورؐ کی براہِ راست اولاد ہیں مگر ہمارے حق کو غصب کرلیا گیا اور ہمارا ناحق خون بہایا گیا اور ہمیں قیدی بنا کر در بدر پھرایا گیا، پس ہماری شکایت اپنے اللہ سے ہے ''فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ''

فاطمہ بنت الحسینؑ کی زبانی:

امالی شیخ صدوق مجلس ۳۱ حدیث ۴ میں ہے کہ:

حرث بن کعب، حضرت فاطمہ بنت الحسینؑ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''یزید نے ہمیں ایسی جگہ قید میں رکھا ہوا تھا جہاں سورج کی شعاعیں سیدھی ہم پر پڑتی تھیں جس کی وجہ سے ہمارے بدن کی جلد جل کر جھڑ چکی تھی''

شامیوں کی نفرت:

تاریخ طبری ۵/۲۳۳ میں ہے:

جوں جوں شامیوں پر اہلِ بیتِ رسولؐ کی عظمت اور یزید کے مظالم کی داستانیں کھل کر سامنے آتی گئیں اسی قدر ان کی یزید کے بارے میں نفرت بڑھتی گئی، حتیٰ کہ نوبت اس کی دشنام طرازی تک پہنچ گئی، اور جب یزید نے یہ کیفیت دیکھی تو قیدیوں کے ساتھ اپنے رویہ میں تبدیلی پیدا کرنا شروع کر دی، مختلف حیلے بہانوں سے امام زین العابدین علیہ السلام سے نرم طریقے سے گفتگو کرتا کبھی کہتا:

''آیئے ہمارے ساتھ مل کر کھانا کھایئے!''

مگر بہتر شہیدوں کی موت کا داغ دیکھنے والا ان کے قاتل کے ساتھ ایک دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتا؟

کبھی پوچھتا:

''مجھے آپ کے والد صاحب پر تعجب ہے کہ انہوں نے کس لئے تمام فرزندوں کے نام ''علیؑ'' رکھے ہیں؟ تو امامؑ فرماتے میرے والد کو اپنے والد گرامی حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے ساتھ حد درجہ محبت تھی اسی لئے انہوں نے اپنے ہر فرزند کا نام ''علیؑ'' رکھا ہے''

غرض اس طرح کی کئی اور باتیں کیں تا کہ کسی طرح دنیا کو معلوم ہو جائے کہ وہ قیدیوں کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آرہا ہے، لیکن ادھر وہ قیدی عورتوں اور بچوں کے ساتھ وہ اس قدر بے رحمانہ سلوک کرتا کہ انہیں غذا اور خوراک بالکل قلیل مقدار میں دیتا جس کی وجہ سے بیبیوں کو اپنے کھانے کا حصہ بچوں کو دینا پڑتا۔

ہند کا خواب:

اب یزید اندر سے کھوکھلا ہو چکا تھا، اس کی فتح کا نشہ کافور ہو چکا تھا، تسکینِ قلب کی خاطر مختلف ذرائع استعمال کرتا کبھی امام سجادؑ کے ساتھ نرم لہجے میں گفتگو، کبھی تنہائیوں میں دیوار کی طرف منہ کر کے اپنے نفس پہ لعنت اور ضمیر کو ملامت کرتا تھا، (بحار الانوار ۴۵ص ۱۹۶میں ہے) ہند زوجہ یزید کہتی ہے کہ:

''ایک رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دریچے کھل چکے ہیں اور آسمان سے ملائکۃ اللہ گروہ در گروہ نازل ہو کر امام عالی مقامؑ کے مبارک سر کے اطراف میں دائرہ بناتے اور یہ کہتے جارہے ہیں:

''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَااَبَاعَبْدِ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ''

تو اسی اثنا میں میں نے دیکھا کہ آسمان سے جیسے بادل کا ایک ٹکڑا زمین پر اتر آیا جس پر بہت سے مرد سوار تھے، ان کے درمیان ایک نورانی چہرے کے انسان کو دیکھا جیسے چودھویں کا چاند ہو، اس نے اپنے منہ کو حسینؑ کے ہونٹوں اور دانتوں پر رکھ دیا اور کہنے لگا:

''میرے لعل انہوں نے تیری شان کو نہیں پہچانا؟

تجھے تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کر دیا؟

میرے بیٹے! میں تمہارا نانا رسولؐ ہوں، یہ تمہارے بابا علی مرتضیٰؑ ہیں، یہ تمہارے بھائی حسنؑ ہیں، یہ تمہارے چچا جعفرؑ ہیں اور یہ عقیلؑ ہیں یہ حمزہؑ اور عباسؓ ہیں......‘‘ اس کے بعد یکے بعد دیگرے خاندانِ ہاشم کے افراد کا فرداً فرداً نام لیا۔

ہند کہتی ہے:

میں اس خواب سے گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور سیدھی مظلوم کے مبارک سر کے پاس گئی دیکھا تو اس سر کے اطراف میں نور کا حلقہ بنا ہوا ہے جس کی شعاعیں آسمان کو چھو رہی ہیں۔

میں پھر یزید کے پاس گئی معلوم ہوا کہ وہ ایک تاریک حجرے میں جا چکا ہے اور اپنا منہ دیوار سے لگائے کہہ رہا ہے:

’’مَالِیْ وَلِلْحُسَیْنِؑ؟‘‘ میں نے حسینؑ کے ساتھ یہ کیا کیا؟

جب میں نے اس کے چہرے کو اچھی طرح دیکھا تو بجھا بجھا اور اترا ہوا تھا، میں نے اپنا خواب اس سے بیان کیا وہ چپ سادھے سنتا رہا اور کچھ نہیں بولا۔

ایک معصوم بچی کا خواب:

کتاب نفس المہموم اور الدمعۃ الساکبہ اور دوسری کئی کتابوں میں تو اس بچی کا نام نہیں لکھا ہوا لیکن ریاض الاحزان ص ۱۴۴ میں بعض کتب سے نقل کے مطابق اس کا نام ’’فاطمہ صغریٰ‘‘ لکھا ہوا ہے جسے اردو مترجم نے ’’سکینہ بنت الحسینؑ‘‘ کا نام دیا، اور کتاب ریاحین الشریعہ جلد ۳ ص ۳۰۹ میں ’’دشتِ کربلا کی خواتین‘‘ کے عنوان کے ذیل میں اس کا نام ’’رقیہ بنت الحسینؑ‘‘ لکھا ہے جو قرین قیاس ہے، نام خواہ کوئی بھی ہو واقعہ مختلف عبارتوں کے ساتھ بیان ہوا ہے جسے نفس المہموم ص ۴۵۶ اور الدمعۃ الساکبہ ۵ ص ۱۴۱ سے نقل کیا جاتا ہے:

بعض روایات کے مطابق یزید نے اہلِ بیتِ حسین علیہ السلام کو ایسے زندان میں ٹھہرایا جو خرابے کی صورت میں تھا، اور خاندانِ نبوت و اہلِ بیتِ عصمت و طہارت کی محترم مخدرات نے حسینؑ اور اہلِ بیتؑ و انصارِ حسینؑ کی شہادت کو بچوں سے مخفی رکھا تھا ہوا اور انہیں بتایا ہوا تھا کہ وہ سفر پر گئے ہوئے ہیں، اور صورت حال ایسے ہی رہی کہ ایک رات امام حسین علیہ السلام کی ایک بچی کہ جس کی عمر ابھی مشکل سے چار سال ہوئی ہوگی، خواب میں اپنے بابا کے سر کو تختِ یزید پر اس طرح دیکھا کہ وہ اپنی چھڑی سے دندانِ مبارک کے ساتھ بے ادبی کر رہا ہے، اور مظلوم کا سر بارگاہِ خداوندی میں استغاثہ کر رہا ہے۔

بچی نے جب یہ صورت حال دیکھی تو اس سے رہا نہ گیا اور چیخ مار کر بولی:

''وَا اَبَتَاہُ''____ ہائے بابا____

اور بیدار ہوگئی، تمام بیبیاں بیدار ہوگئیں، سب نے مل کر رونا شروع کر دیا، بچے بھی بیدار ہوگئے اور وہ بھی ان کے ساتھ رونے لگ گئے۔

معصومہ کو ہر چند چپ کرانے کی کوشش کی گئی لیکن وہ خاموش نہ ہوئی وہ بار بار کہتی تھی:

''اَیْنَ اَبِیْ؟'' میرے بابا کہاں ہیں؟

''اَیْنَ قُرَّۃُ عَیْنِی؟'' میری آنکھوں کی ٹھنڈک کہاں ہیں؟

''انی رأیت رأسه بین یدی یزیدو هو ینکته''

میں نے اپنے بابا کے سر کو ابھی دیکھا ہے کہ یزید کے سامنے رکھا ہوا ہے، اور وہ اس پر چھڑی مار رہا ہے، ''اُحْضُرُوْہُ لِیْ لِاَتَزَوَّدُ مِنْہُ''

اسے میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس کے بوسے لوں!۔

اس پر تمام بیبیوں نے زور زور سے رونا شروع کر دیا، زندان میں ایک کہرام برپا ہوگیا، یہ آواز یزید کے کانوں تک پہنچی وہ بھی جاگ اٹھا اور رونے اور گریہ و بکاء کا سبب دریافت کیا تو اسے بتایا گیا کہ ''معصوم بچی اپنے بابا کے سر کا مطالبہ کر رہی ہے''

یزید نے کہا:

''لے جاؤ سر کو اور جا کر بچی کو دکھاؤ!!''

چنانچہ طشت میں رکھ کر رومال سے ڈھانپ کر وہ سر بچی کے سامنے پیش کیا گیا، تو بچی نے جب رومال ہٹایا تو سر کو دیکھ کر بے تاب ہوگئی، سر کو اٹھا کر آغوش میں رکھا، ریشِ مبارک کو دائیں بائیں سے بوسے دیئے، گلے کی کٹی ہوئی جگہ کو چوما، تازہ ٹپکے ہوئے خون سے ہاتھوں کو رنگین کیا اپنے منہ اور پیشانی پر خون ملا اور منہ پر منہ رکھ کر ان الفاظ میں بین کئے:

یَا اَبَتَاہُ مَنِ الَّذِیْ اَخْضَبَکَ بِدَمِکَ؟

بابا! آپؑ کو خون سے کس نے رنگین کیا؟

یَا اَبَتَاہُ مَنِ الَّذِیْ قَطَعَ وَرِیْدَکَ؟؟

بابا! کس نے آپؑ کے نازک گلے کی رگوں کو کاٹا؟

یَااَبَتَاهُ مَنِ الَّذِیْ اَیْتَمَنِیْ عَلٰی صِغْرِسِنِّی ؟

بابا! کس نے مجھے کمسنی میں یتیم کیا؟

یَااَبَتَاهُ مَن یَّقِیْ بَعْدَکَ نَرْجُوْهُ؟

بابا! آپؑ کے بعد ہماری کون حفاظت کرے گا کہ

ہم جس سے امیدیں وابستہ رکھیں

یَااَبَتَاهُ مَن لِلْیَتِیْمَةِ؟

بابا! اس یتیم بچی کو دلاسے کون دے گا؟

یَااَبَتَاهُ مَن لِّلنِّسَآءِ الْحَاسِرَاتِ؟

بابا! ان ننگے سر بیبیوں کا سہارا کون ہے؟

یَااَبَتَاهُ مَن لِّلاَرَامِلِ الْمُسْبِیَّاتِ؟

بابا! ان بیوہ اور قیدی بیبیوں کا کون پرسان حال ہے؟

یَااَبَتَاهُ مَن لِّلْعُیُوْنِ الْبَاکِیَاتِ؟

بابا! ان رونے والی آنکھوں کے آنسو کون پونچھے گا؟

یَااَبَتَاهُ لَیْتَنِیْ کُنْتُ لَکَ الْفِدَاءَ!

بابا! اے کاش میں آپ کے قربان ہو جاتی!

یَااَبَتَاهُ لَیْتَنِیْ دُسِّسْتُ فِی التُّرَابَ؟

بابا! اے کاش میں مٹی میں مل جاتی مگر تیری خون آلود

داڑھی کو نہ دیکھتی!

اس کے بعد اس معصومہؑ نے ایک مرثیہ پڑھا جس کے معنی یہ ہیں:

بابا! اے کاش میں آپ کے اوپر قربان ہو جاتی لیکن آپ کے سر کو

نوکِ نیزہ پر بلند شہر بہ شہر پھراتے نہ دیکھتی۔

رِجَالُنَا قُتِلُوْا! اَطْفَالُنَا ذُبِحُوْا نِسَآئُنَا سُلِبُوْا وَاَطْوَالُ اَحْزَانٍ

بابا! ہمارے مرد مارے گئے، ہمارے بچے ذبح کردیئے گئے، بیبیوں کے سروں سے چادریں اتارلی

گئیں اور غم کا عرصہ لمبا ہوگیا۔

اس کے بعد شہزادی خاموش ہوگئی سانسیں رک گئیں اور سر سے آواز آئی:

''یَابُنَیَّۃُ اِلَیَّ اِلَیَّ ھَلُمِّیَ !اَنَالَکِ بِالْاِنْتِظَارِ''

بٹی! جلدی کرو اور میرے پاس آجاؤ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

آواز کا بلند ہونا تھا کہ تمام اہلِ حرم میں پھر کہرام بپا ہوگیا، علیؑ کی بیٹی نے بچی کو ہر ممکن ہوش میں لانے کی کوشش کی مگر بچی خاموش!! بی بی نے نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تو فریاد کر کے کہا:

''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ''

میری بچی اس دنیا سے رخصت ہوگئی، غموں سے چھٹکارا حاصل کر کے سیدھی بابا کے پاس پہنچ گئی ہے۔

ناظرین! جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ قیدیوں کی وجہ سے شام کے حالات اس حد تک تبدیل ہو چکے تھے کہ اب یزید کے لئے نہ ''پائے رفتن نہ جائے ماندن'' کی کیفیت ہو چکی تھی۔

اب اس کے لئے قیدیوں کو زیادہ دیر تک اپنے پاس رکھنے کے لئے ناممکن ہوگیا تھا، دربار میں افراتفری، گھر میں انقلاب، قید خانے میں کہرام، عوام کے دلوں میں نفرت، جن قیدیوں کو وہ اپنے کرّ وفرّ کے اظہار کے لئے شام لایا تھا وہی قیدی اب اس کی ذلت و رسوائی کا موجب بن گئے تھے، سید سجادؑ اور زینب عالیہؑ کے خطبات، امام محمد باقر علیہ السلام کا مختصر خطاب، عیسائی اور یہودی مذہب کے لوگوں کی یزید کو تنبیہ اور پھر ان کا دربار میں قتل کر دیا جانا بچوں کا زندان میں شہید ہوجانا غرض اس طرح کے سارے اسباب مل کر روز بروز یزید کو رسوا تر اور اس کی حکومت کو کمزور تر کرنے لگ گئے تھے، اب اس کے لئے اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ کاروانِ حریت کے ان پاکیزہ افراد کو نہ صرف رہا کر دے بلکہ انہیں بحفاظت مدینہ بھی پہنچائے۔

امام سجاد علیہ السلام اور یزید کی گفتگو:

(الملہوف ۸۲، تمقام زخارص ۵۷۹ میں ہے)

جب یزید نے تہیہ کرلیا کہ کاروانِ حریت کو مدینہ واپس پہنچائے تو اس نے امام سجاد علیہ السلام کو اپنے پاس بلایا اور انہیں رہائی کی پیشکش کی تو امامؑ نے اس سے تین باتوں کا تقاضا کیا:

۱۔ ایک بار مجھے اپنے والدِ بزرگوار کی زیارت کرائی جائے۔

۲۔ کربلا میں ہمارا لوٹا ہوا مال واپس دیا جائے۔

۳۔ اگر تو نے میرے قتل کا تہیہ کر لیا ہے تو ایسا کر پہلے ان مستورات کو کسی قابلِ اطمینان شخص کے ہمراہ ان کے نانا کے حرم ____ مدینہ منورہ ____ لے جائے۔

یزید نے کہا:

''پہلی بات تو کسی صورت میں قابلِ عمل نہیں، دوسری بات کے بارے میں یہ ہے کہ ہم اس نقصان کی تلافی کے طور پر تمہیں اس کا کئی گنا دیں گے اور تیسری کے بارے میں یہ ہے کہ تمہارے علاوہ کوئی اور ان مستورات کو مدینہ نہیں لے جائے گا''

یہ سن کر امامؑ نے فرمایا:

''ہمیں تمہارے مال کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں وہ تمہیں مبارک ہو، جو مال ہم سے لوٹا گیا ہے، وہی ہمیں واپس کیا جائے! کیونکہ اس میں میری دادی جناب فاطمہ زہراؑ کا چرخہ، گلے کا ہار اور ایک کرتا بھی ہے''

یزید نے ان کے لوٹانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی اپنی طرف سے دوسو دینار بھی دیئے، مگر امامؑ نے اپنے پاس رکھنے کی بجائے اسی جگہ پر غریبوں میں تقسیم کر دیئے۔

اب یزید نے حکم دیا کہ کاروانِ حریت کو اس کے اپنے وطن یعنی مدینہ لے جایا جائے۔

''شام'' شہر میں عزاداری:

کامل بہائی میں ہے کہ جب اہلِ بیتؑ نے رہائی کے بارے میں سنا تو جناب ام کلثومؑ اور بعض روایات کے مطابق جناب زینب کبریٰؑ نے یزید سے تقاضا کیا کہ ہمیں اس شہر میں امام مظلوم حسینؑ کا سوگ منانے کی اجازت دی جائے، یزید نے بات مان لی اور حکم دیا کہ ''انہیں دار الحجارۃ'' لے جایا جائے تا کہ وہاں پر اپنے حسبِ منشاء لوگ سوگ منائیں اور عزاداری کریں''

چنانچہ اس جگہ پر اہلِ بیتؑ نے اپنے عزیزوں کی سات دن تک عزاداری کی اور سوگ منایا، ہر روز شہرِ شام کی عورتیں گروہ در گروہ ہو کر مخدراتِ عصمت کے پاس آتیں انہیں ان کے پیاروں کا پرسہ دیتیں اور ان کے شریکِ عزاء ہوتیں۔

تمقام زخار میں ہے کہ:

یہ کیفیت دیکھ کر مروان، یزید کے پاس گیا اور اسے اس جگہ پر اہلِ شام کے جمع ہو کر عزاداری سید الشہداء منانے سے آگاہ کیا اور کہا:

''شام کے لوگوں کے دلوں میں انقلاب آ چکا ہے اور اہلِ بیتؑ کا اب شام میں رہنا تمہاری حکومت کے لئے خطرے کی گھنٹی ہے، لہٰذا جتنا جلدی ہو سکے، انہیں مدینہ بھیجو، ورنہ تمہاری حکومت کی خیر نہیں!!''

قیدیوں کی شام سے رہائی:

اب کاروانِ حریت کا شام میں رکھنا یزید کے لئے بہت مشکل ہو گیا تھا، جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا یزیدی تخت و تاج اور حکومت کے خطرات میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، اس نے حکم دیا کہ اہلِ بیتؑ کو فوراً مدینہ لے جایا جائے۔

اب کاروانِ حریت نے مدینہ جانے کی تیاری کی مخدراتِ عصمت اور بچے کھچے بچوں اور خود امامِ سجادؑ کیلئے سواریوں کا بندوبست کیا گیا، جب یہ کاروان چلنے لگا تو یزید نے بیبیوں کو بہت سا مال دیتے ہوئے کہا:

''یہ آپ کے ان مصائب کے بدلے میں ہے جو تمہیں اس دوران در پیش آتے رہے!''

یہ سن کر جنابِ امِ کلثوم سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

''یزید! تو کس قدر بے شرم اور بے حیا ہے، ہمارے بھائی حسینؑ اور ان کے یار و انصار اور اہلِ بیتؑ کو تو قتل کرنے کے بدلے میں ہمیں مال و دولت دے رہا ہے، لعنت ہے تیرے اس مال پر اور تیری اس دولت پر، لے جا اسے ہمیں اس کی قطعاً ضرورت نہیں''

(الملہوف ۸۲، تمقام زخار ۵۷۹)

شام سے روانگی:

تمقام زخار ص ۵۷۹ میں ہے کہ:

اہلِ بیتِ اطہارؑ نے سات دن شام میں سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور ان کے جانثار ساتھیوں کا سوگ منایا اور عزاداری کی، پھر یزید کے حکم کے مطابق نعمان بن بشیر نے ان کے لئے وسائل سفر آمادہ کئے اور ایک امین شخص کے ذریعہ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔

یادرہے: یہ نعمان بن بشیر وہی شخص ہے جو جناب مسلم بن عقیل کے کوفہ تشریف لے جانے کے وقت یزید کی طرف سے وہاں کا گورنر تھا، پھر یزید نے اسے معزول کر کے اس کی جگہ عبید اللہ بن زیاد کو وہاں کا گورنر مقرر کیا، چونکہ نعمان، معاویہ اور یزید کا ہوادار اور خیر خواہ تھا، لہٰذا شام آ گیا، اور یزید کی ہلاکت کے بعد اس نے لوگوں کو عبد اللہ زبیر کی طرف بلایا مگر اہلِ حمص نے اس کی مخالفت کی اور ۶۴ ھ میں ''مرج رہط'' میں گھمسان کی جنگ ہوئی اسی جنگ میں وہ مارا گیا۔

(الاستیعاب ابن عبدالبر جلد ۴ ص ۱۲۹۶)

تاریخ طبری ۵ ص ۲۳۳ میں ہے:

چلتے وقت یزید نے امام سجادؑ کو بلا کر ان سے الوداعی ملاقات کی اور معذرت خواہانہ لہجے میں کہنے لگا:

''خدا ابنِ مرجانہ ___ یعنی ابن زیاد ___ پر لعنت کرے یہ
سب اسی کا کیا دھرا ہے...... وغیرہ تو جب وطن پہنچ جانا میرے
ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھنا اور اپنی ضروریات سے
مجھے آگاہ کرتے رہنا''

اس کے بعد اس نے نعمان بن بشیر کو دوبارہ بلا کر اہلِ بیتؑ کے بارے میں ایک بار پھر تاکید کی، اور بروایتے تیس سواران کے ہمراہ بھیجے تاکہ کاروانِ حریت کی حفاظت کریں ایک روایت میں ہے کہ خود نعمان بن بشیر کو اس کاروان کے ہمراہ بھیجا تاکہ کاروانِ حریت کی حفاظت کریں ایک اور روایت میں ہے کہ ''بشیر بن جذلم'' کو جیسا کہ عام مشہور ہے (قمقام زخار ص ۵۷۹)

یزید کی حسبِ ہدایات کاروانِ حریت کے ساتھ چلنے والے کاروان کو آرام آرام کے ساتھ لے چلے، نگہبانوں نے کاروان کو اپنی حفاظت میں لیا ہوا تھا، جب کہیں اترنے کی ضرورت پیش آتی تو وہ کاروان سے کافی دور قیام کرتا کہ اہلِ حرم آسانی کے ساتھ چل پھر سکیں یا پھر وضو کر سکیں، کیونکہ ان میں جتنے لوگ بھی تھے ان میں اکثر محبانِ اہلِ بیتؑ کی تھی، اور یہ لوگ اہلِ بیتؑ سے اس قدر دور جا بیٹھتے تھے کہ مخدراتِ عصمت و طہارت کو پردہ کے لئے کسی قسم کی کوئی دشواری نہ ہوتی تھی، دن کو آرام کرتے اور رات کو سفر کرتے۔

اربعینِ شہداء

کاروانِ حریت جب اس دوراہے پر پہنچا جہاں سے ایک راستہ عراق کو جاتا تھا اور دوسرا مدینہ کو، تو جنابِ سجادؑ کے حکم سے ان لوگوں نے عراق کا راستہ اختیار کیا اور یوں یہ کاروانِ حریت ایک بار پھر سرزمینِ کربلا پہنچ گیا، اس جگہ پر جہاں کاروانِ شہادت کو لوٹ گیا تھا اور قیدیوں کا یہی کاروان بنام حریت تشکیل پایا تھا۔

جابرِ بن عبداللہ سے ملاقات:

الملہوف ص۸۲ میں ہے:

جب کاروانِ حریت کربلا پہنچا تو وہاں پر دیکھا کہ جابر بن عبداللہ انصاری بھی بنی ہاشم اور اہلِ بیتؑ رسولؐ کے کچھ افراد کے ساتھ امام مظلوم سید الشہداء اور دوسرے شہیدانِ راہِ خدا کی زیارت کے لئے آپہنچے۔

یاد رہے کہ (کتاب الاستیعاب جلد ا ص ۲۱۹ کے مطابق) ان کا نام جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حزام انصاری ہے، ماں کا نام "نسیبہ بنتِ عقبہ" ہے، بیعتِ ثانیہ میں کمسن تھے، اس وقت مکہ میں اپنے والد کے ہمراہ تھے، بعض مورخین، انہیں جنگِ بدر میں بھی شریک سمجھتے ہیں، انہوں نے اپنے والد کے ہمراہ ۱۸ غزوات میں شرکت کی، اور حضورِ رسالت مآبؐ کی رحلت کے بعد جنگ صفین میں حضرت علیؑ کی معیت میں شرکت کی۔

جابر بن عبداللہ انصاری سے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث منقول ہیں، آخرِ عمر میں آنکھیں جواب دے گئی تھیں، ۹۴ سال کی عمر پائی، بقولے ۷۴ سال یا ۷۸ یا ۷۹ ہجری میں وفات پائی اور مدینہ میں دفن ہوئے۔

غرض دونوں قافلوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر سخت گریہ وزاری کی، خوب آہ وبکاء کی اب چونکہ رونے پر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی خوب جی بھر کر روئے سر وسینے پر ماتم کیا، نوحہ خوانی کی اور عزاداری کی مجلس برپا کی۔

رونے اور ماتم کی آوازیں سن کر اطراف کے دیہاتوں کی عورتیں بھی ان کے ساتھ عزاداری میں شریک ہوگئیں

زینب عالیہؑ مستورات کے حلقہ میں آ گئیں اور گریبان چاک کر کے غم ناک آواز اور دردناک لہجے میں بھائی کو مخاطب کر کے کہا:

”وَا اَخَاهُ! وَا حُسَيْنَاهُ! وَاحَبِيْبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ! وَابْنَ مَكَّةَ وَمِنىٰ، وَابْنَ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ، وَابْنَ عَلِيِّ نِ الْمُرْتَضىٰ، آه آه آه“

ہائے میرے بھائی! ہائے پیارے حسینؑ! ہائے رسولِ خداؐ کے محبوب حسینؑ! اے مکہ ومنیٰ کے فرزند! اے فاطمہ زہراؑ کے لعل! اے علی مرتضیٰؑ کے نورِ نظر! ہائے ہائے ہائے، یہ کہا اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑیں۔

جنابِ ام کلثومؑ کا بین :

جنابِ ام کلثوم نے اپنے منہ پر طمانچے مارنا شروع کر دیئے اور فریاد کر کے کہنے لگیں:
آج محمد مصطفیٰؐ، علی مرتضیٰؑ اور فاطمہ زہراؑ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔
ام کلثوم کی حالتِ زار دیکھ کر دوسری عورتوں نے بھی ماتم کرنا شروع کر دیا۔
دمعۃ الساکبہ ۵ ص ۱۶۲ میں ہے: حسین علیہ السلام کی ایک بیٹی نے (جس کا نام بعض کتابوں میں سکینہ لکھا ہے) جب یہ کیفیت دیکھی تو فریاد کرنے لگی

”وَامُحَمَّدَاهُ وَاجَدَّاهُ!!“

کس قدر سخت ہے یہ آپ کا صدمے برداشت کرنا جو آپؐ کی امت نے آپؐ کے اہلِ بیتؑ پر وارد کئے ہیں، انہیں شہید کرنے کے بعد ہمارے سروں سے چادریں بھی نہیں رہنے دیں“

عطیہ عوفی کی زبانی:

یاد رہے کہ عطیہ عوفی کو شیخ طوسیؒ نے اپنے رجال کی فہرست میں امیر المومنین علی علیہ السلام کے اصحاب میں شمار کیا ہے، یہ ”بُکالی“ کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں، جو ہمدان کا ایک قبیلہ ہے، انہوں نے قرآنِ مجید کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے جس کی پانچ جلدیں ہیں، انکا کہنا ہے کہ ”میں نے قرآنِ مجید کو تفسیر کے ساتھ ابن عباس کے سامنے تین بار پڑھا ہے لیکن صرف قرآن مجید کی قرأت ستر مرتبہ ان کے پاس پڑھی ہے“
ملاحظہ ہو تنقیح المقال ۲ ص ۵۲۳:

بہر حال یہی عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ:

قبرِ حسینؑ کی زیارت کے قصد سے جابر بن عبداللہ انصاری کے ساتھ چل کر بلا پہنچے، جابر دریائے فرات کے کنارے گئے اور وہاں پر غسلِ زیارت کیا، اور احرام باندھنے والوں کی طرح ایک چادر اوڑھی، پھر اپنے پاس رکھی ہوئی خوشبو سے خود کو معطر کیا، قدم قدم پر ذکرِ خدا کرتے ہوئے حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر کے نزدیک پہنچے، مجھے کہا: ''میرے ہاتھ کو حسینؑ کی قبر پر رکھ میں نے ان کے دونوں ہاتھوں کو قبر پر رکھا، ہاتھوں کے قبر کے نزدیک پہنچنے کی دیر تھی کہ وہ بے ہوش ہوگئے، میں نے ان کے چہرے پر پانی چھڑکا جس سے وہ ہوش میں آگئے،

اور تین مرتبہ کہا:

''یا حسینؑ! یا حسین! یا حسینؑ!''

پھر کہا:

''حَبِیْبٌ لَا یُجِیْبُ حَبِیْبَهٗ''

دوست کو دوست جواب نہیں دے رہا

پھر انہوں نے اپنے تئیں کہا:

''اس ذات سے جواب کی کیا توقع کی جاسکتی ہے جو خاک وخون میں غلطان ہو اور جس کے سر اور بدن میں جدائی واقع ہو چکی ہو''

پھر کہا:

''فَاَشْهَدُ اَنَّكَ ابْنُ خَیْرِ النَّبِیِّیْنَ، وَابْنُ سَیِّدِ الْمُؤْمِنِیْنَ، وَابْنُ حَلِیْفِ التَّقْوٰی، وَسَلِیْلِ الْهُدٰی وَخَامِسُ اَصْحَابِ الْكِسَآءِ، وَابْنُ سَیِّدِ النُّقَبَآءِ، وَابْنُ فَاطِمَةَ سَیِّدَةِ النِّسَآءِ......''

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سب سے بہترین پیغمبر کے فرزند ہیں، مومنین کے سردار کے بیٹے ہیں، خاندانِ ہدایت وتقویٰ کی اولاد ہیں، اصحابِ کساء میں پانچویں شخصیت ہیں، نقیبوں کے سردار کے فرزند ہیں، فاطمہ زہراؑ سید النساء کے نورِ نظر ہیں......

''وَمَا لَكَ لَا تَكُوْنُ هٰكَذَا وَقَدْ غَذَّتْكَ كَفُّ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَرُبِّیْتَ فِیْ حِجْرِ الْمُتَّقِیْنَ وَرُضِعْتَ مِنْ ثَدْیِ الْاِیْمَانِ وَفُطِمْتَ بِالْاِسْلَامِ فَطِبْتَ حَیًّا وَطِبْتَ مَیِّتًا، غَیْرَ

اَنَّ قُلُوبَ الْمُؤْمِنِینَ غَیْرُ طَیِّبَۃٍ لِفِرَاقِکَ، وَ لَا شَاکَۃٍ فِی الْخِیَرَۃِ لَکَ ،فَعَلَیْکَ سَلَامُ اللّٰہِ وَرِضْوَانُہُ وَاَشْھَدُ اَنَّکَ مَضَیْتَ عَلٰی مَا مَضٰی عَلَیْہِ اَخُوکَ یَحْیَ بْنِ زَکَرِیَّا"

اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ سرکار سید المرسلین کے مبارک ہاتھوں نے آپ کو غذا دی ہے اور آپ کی پرورش پرہیز گار آغوشوں میں ہوئی، ایمان کے سینے سے دودھ پیا اور اسلام کے ذریعے ہی آپ کی دودھ بڑھائی ہوئی، اس طرح سے پاکیزہ زندگی گزاری پاک و پاکیزہ حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، البتہ مومنوں کے دل آپ کے فراق کی وجہ سے غم میں ڈوبے ہوئے ہیں، مگر آپ کی کسی بھی نیکی میں کسی قسم کے شک کا شکار نہیں ہیں، پس آپ پر اللہ کا سلام اور رضوان ہو، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے بھی وہی راستہ اختیار کیا ہے جو آپ کے شہید بھائی حضرت یحیٰ بن زکریا نے اختیار کیا تھا!!

اس کے بعد جابر نے امامؑ کے جانثار ساتھیوں کے قبور کی طرف رخ کر کے کہا:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ اَیَّتُھَا الْاَرْوَاحِ الَّتِی حَلَّتْ بِفِنَاءِ الْحُسَیْنِؑ وَاَمَرْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَنَھَیْتُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ ، وَجَاھَدْتُمُ الْمُلْحِدِینَ وَعَبَدْتُمُ اللّٰہَ حَتّٰی اَتَاکُمُ الْیَقِینُ"

اس کے بعد انہوں نے کہا:

تم پر سلام ہو اے وہ ارواح جو حسینؑ کے آنگن میں نزول فرما چکی ہو، اور محو آرام! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نمازیں ادا کیں، زکوٰتیں دیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیا، منکرین خدا کے ساتھ جہاد کیا اور اللہ کی عبادت کرتے رہے حتیٰ کہ موت کا جام نوش فرمایا۔

اس کے بعد انہوں نے کہا:

"میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں جس نے اپنے پیغمبر (ص) کو برحق مبعوث فرمایا ہے، جن نیکیوں میں آپ وارد ہوئے ہیں ان میں ہم بھی شریک ہیں!!"

عطیہ نے کہا:

"جابر! ہم نے تو ان جیسا کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا!"

جابر نے کہا:

عطیہ!! میں نے اپنے محبوب پیغمبر خداؐ سے یہ فرماتے سنا:

''مَنْ اَحَبَّ قَوْماً حُشِرَ مَعَهُمْ ، وَمَنْ اَحَبَّ عَمَلَ قَوْمٍ وَّ اُشْرِكَ فِیْ عَمَلِهِمْ''

جو شخص جس گروہ کو دوست رکھتا ہوگا اسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور جو کسی قوم کے عمل کو دوست رکھتا ہوگا، وہ ان کے عمل میں شریک ہوگا۔ (بحار الانوار جلد ۶۵ ص ۱۳۰)

کربلا میں قیام:

کتاب الملہوف ص ۸۲ میں ہے:

خاندانِ رسالت کے داغ دیدہ افراد جب کربلا میں پہنچے تو اپنے عزیزوں اور پیاروں کی عزاداری میں مصروف ہوگئے، چونکہ کربلا سے کوفہ روانہ ہونے کے وقت انہیں رونے اور عزاداری کرنے کی اجازت نہیں تھی اس لئے وہ یہ حسرت دل میں لئے، پابند رسن ہو کر اور قیدی بنا کر کوفہ لے جائے گئے تھے، لیکن اب وہ سب پابندیاں اٹھائی جا چکی تھیں، عزاداری کی مکمل آزادی تھی، اسی لئے سید ابن طاؤس اپنی کتاب الملہوف ص ۸۲ میں لکھتے ہیں کہ:

''وَاَقَامُوْا الْمَاٰتَمَ الْمُقْرِحَةِ لِلْاَکْبَادِ''

ایسا ماتم کیا اور عزاداری برپا کی جس سے جگر پاش پاش ہو جاتا تھا، اور (ذریعہ النجات ص ۲۷۱ میں ہے کہ) یہ سلسلہ تین دن تک اسی طرح جاری رہا۔

کربلا سے روانگی:

کتاب الدمعۃ الساکبہ ۵ ص ۱۶۳ میں ہے کہ:

جناب امام سجاد علیہ السلام نے دیکھا کہ ان قبروں کے آس پاس ماتم وعزا کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو پھر نہ تو کوئی مستور زندہ رہے گی اور نہ ہی کوئی بچہ، رو رو کر، نوحے سرائی، ماتم داری اور عزاداری کی مجلسیں منعقد کر کے خود کو ختم کر دیں گے، للہذا آپؑ نے حکم دیا کہ مدینہ جانے کی تیاری کی جائے، امامؑ کے حکم کے مطابق سب تیار ہو گئے، امام حسین علیہ السلام کی ایک بچی روتے اور فریاد کرتے ہوئے تمام اہلِ حرم کو سید الشہداء کی قبر سے وداع کرنے کے لئے اپنے ساتھ لے آئی اور کہا:

بیبیو! سب مل کر آخری مرتبہ میرے شہید بابا کو الوداع کہو!''

چنانچہ سب بیبیوں نے قبر مقدس کے گرد جمع ہو کر دکھی دلوں، بہتی آنکھوں اور لرزتے ہاتھوں کے ساتھ مظلوم کربلا کو آخری سلام کیا اور وداع کی، اس موقع پر بچی نے مظلوم بابا کی قبر کو سینے سے لگا کر شدید گریہ کیا دھاڑیں مار مار کر روئی اور

یہ مرثیہ کہا:

آلَایَا کَرْبَلَاءِ نُوْدِعُکَ جِسْمًا
بِلَا کَفَنٍ وَلَا غُسْلٍ دَفِیْنًا
آلَایَا کَرْبَلَا نُوْدِعُکَ رُوْحًا
لِاَحْمَدَ وَالْوَصِیِّ مَعَ الْاَمِیْنَا

اے کربلا! ہم تیرے اندر ایسا جسم امانت چھوڑ کر جا رہے ہیں جو بغیر غسل وکفن کے دفن کیا گیا ہے!
اے کربلا! ہم تیرے پاس اپنی وہ یادگار چھوڑے جا رہے ہیں جو احمد مجتبیٰ اور ان کے وصی علی مرتضیٰ علیہ السلام کی روح ہے۔

اس کے بعد یہ کاروان، مدینہ کی جانب روانہ ہو گیا۔

اربعین کے بارے مختلف اقوال:

آگے چلنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں اپنے ناظرین کو یہ بتاتے چلیں کہ اسرائے آلِ محمدؑ نے اربعین یعنی شہدائے کربلا کا پہلا چہلم کس تاریخ اور کس سال منایا؟ تو قابلِ احترام ناظرین! اس بارے میں مورخین اور اربابِ مقاتل کے مختلف اقوال ہیں اور ہر ایک نے اپنے مؤقف میں دلائل پیش کیے ہیں، جنہیں ہم بالکل اختصار کے ساتھ اپنے ناظرین کی نذر کرتے ہیں۔

ناظرین! اگر دیکھا جائے تو چار مختلف قسم کے اقوال سامنے آتے ہیں،

۱۔ شام سے رہائی کے بعد اہلِ بیتؑ سب سے پہلے مدینہ گئے، اور پھر مدینہ سے کربلا کا سفر کیا اور امامِ مظلوم کا سر مبارک بھی اپنے ساتھ لائے اور سر مبارک کو بدن مطہر امام علیہ السلام کے ساتھ دفن کر دیا، البتہ یہ ۶۱ھ میں نہیں ہوا بلکہ اس کے دوسرے سال ہوا، اسے سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامۃ ص ۱۵۰ میں درج کیا ہے ابن ہشام اور بعض دوسرے مورخین بھی یہی کہتے ہیں۔

۲۔ اہلِ بیت اطہارؑ ۶۲ھ کو یعنی ایک سال بعد ۲۰ صفر کو کربلا پہنچے، اسے صاحب قمقام زخار نے نقل کیا ہے، ان کے مطابق اہل حرم کا ۶۱ھ یعنی ۲۰/ صفر کو کربلا میں پہنچنا مشکل بلکہ ناممکن اور خلافِ عقل ہے۔

۳۔ اہلِ بیتِ اطہارؑ کو اسی سال ۶۱ھ کی بیسویں صفر کو شام جانے سے پہلے کربلا لے جایا گیا، یعنی

گیارہ محرم ۶۱ھ کو قید کر کے کوفہ لے جائے گئے اور اتنا عرصہ کوفہ میں قید رہے پھر انہیں کربلا سے شام لے جایا گیا جب کربلا پہنچے تو وہ صفر کی بیسویں تاریخ تھی اور اہلِ بیتِ رسولؐ نے یہیں پر شہدائے کربلا کا چہلم منایا، اس قول کو مرحوم سپہر صاحب ناسخ التواریخ نے امام حسین علیہ السلام کے حالات میں ذکر کیا ہے۔

۴۔ اہلِ بیتِ اطہارؑ نے اسی سال یعنی ۶۱ھ کو شام سے مدینہ جاتے ہوئے بیس صفر کو کر پہنچ کر شہداء کا چہلم منایا، اسے صاحب تاریخ حبیب السیر نے اپنی کتاب میں، ابوریحان البیرونی نے اپنی کتاب ''الآثار الباقیہ'' میں، سید ابن طاؤس نے ''الملہوف'' میں، اور ابنِ نما نے مثیر الاحزان میں ذکر کیا ہے، ان کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ گیارہ محرم ۶۱ھ کو اسرائے اہلِ بیتؑ کو کربلا سے لے جایا گیا، ۱۲ محرم کو کوفہ پہنچے تین دن قید رکھنے کے بعد ابن زیاد نے ۱۵ / محرم کو شام روانہ کر دیا، اور یکم صفر ۶۱ھ کو شام پہنچے دو ہفتے سے زیادہ یزید کیلئے ان کا قید میں رکھنا ناممکن ہو گیا تھا، کیونکہ ان بے گناہ قیدیوں کی جوں جوں حقیقت حال واضح ہوتی گئی اور یزید کے جرائم سے پردہ اٹھتا گیا اور عقیلہ بنی ہاشم حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا حضرت ام کلثومؑ اور سب سے بالاتر حضرت امام سجادؑ کے خطبوں اور امام محمد باقرؑ کا بھرے دربار میں اسے مخاطب کر کے مدلل گفتگو کرنا، سفیرِ روم، یہودی، عیسائی علماء کا یزید کو سخت سست کہنا اور یزید کا انہیں قتل کرا دینا، یزید کے دربار میں مخدراتِ عصمت وطہارت کا کھلے سر پیش ہونا، معصوم بچیوں کا یزید سے مخاطب ہو کر انصاف کا تقاضا کرنا، یزید کے دربار میں کھلبلی مچ جانا اور افراتری کا وجود میں آجانا، یزید کے اپنے گھر میں انقلاب کا برپا ہونا، سیدانیوں کا اپنے عزیزوں کے غم میں عزاداری کا انعقاد کرنا، مروان کا یزید کو قیدیوں کے رہا کر کے مدینہ بھیجنے کا مشورہ دینا، یہ سب عوامل ایسے تھے جن کی بنا پر یزید کو مجبوراً اہلِ بیتؑ اطہار کو رہا کرنا پڑا، ورنہ اسے عوامی غیظ وغضب اپنی لپیٹ میں لے کر تباہ و برباد کر دیتا، لہٰذا وہ انہیں جلد رہا کرنے پر مجبور ہو گیا، چنانچہ اس نے مزید تاخیر کئے بغیر انہیں مدینہ رخصت کیا، اور یہ کاروانِ حریت ۲۰ صفر ۶۱ھ کو کربلا پہنچا جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں، اور تین دن تک کربلا میں سوگ مناتے اور مجالس عزا قائم کرتے رہے اور آخر کار امام سجادؑ کے حکم کے مطابق مدینہ روانہ ہو گئے۔
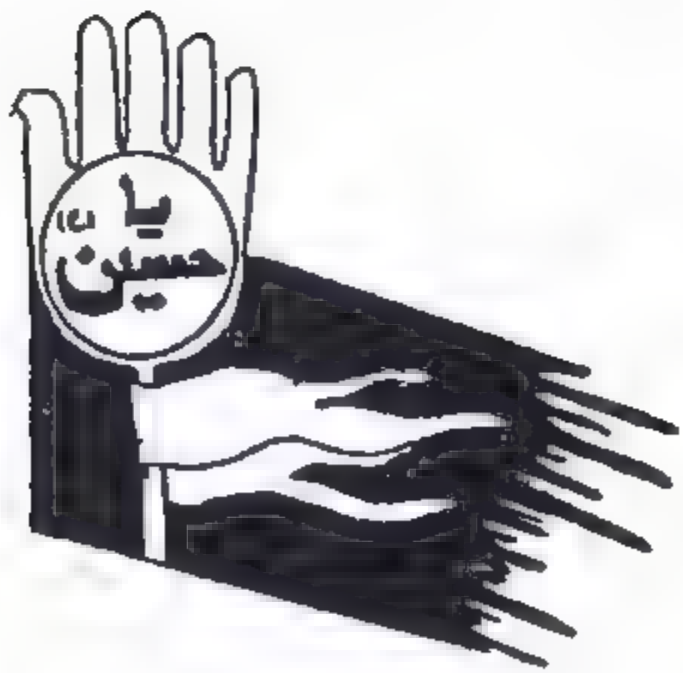
کاروانِ حریت کا مدینہ میں داخلہ

کاروانِ حریت مدینہ میں داخلہ

تمقام زخارص ۵۸۳ میں ہے کہ جب ''کاروانِ حریت'' کربلا سے مدینہ کو چلا، ابھی منزلیں طے کر رہا تھا کہ حضرت امِ کلثوم سلام اللہ علیہا نے اپنے نانا کے شہر مدینہ کو مخاطب کر کے رو رو کر ان الفاظ میں مرثیہ پڑھا:

۱. مَدِیْنَۃَ جَدِّنَا لَاتَقْبَلِیْنَا
فَبِالْحَسَرَاتِ وَالْاَحْزَانِ جِئْنَا

۲. خَرَجْنَا مِنْکَ بِالْاَھْلِیْنَ جَمْعًا
رَجَعْنَا لَارِجَالَ وَلَابَنِیْنَا

اے ہمارے نانا کے مدینہ! تو ہمیں قبول نہ کر، کیونکہ ہم حسرت اور غم واندوہ کے ساتھ واپس آ رہے ہیں، تجھ سے باہر جاتے وقت ہمارے تمام رشتہ دار ساتھ تھے، اب جبکہ ہم لوٹ رہے ہیں، نہ مرد رہے ہیں نہ بچے۔

۳. وَکُنَّا فِی الْخُرُوْجِ بِجَمْعٍ شَمْلٍ
رَجَعْنَا خَاسِرِیْنَ مُسَلَّبِیْنَا

۴. وَکُنَّا فِی اَمَانِ اللّٰہِ جَھْرًا
رَجَعْنَا بِالْقَطِیْعَۃِ خَائِفِیْنَا

جب ہم تجھ سے باہر نکلے تھے تو اس وقت ہم سب اکٹھے تھے، اب ہم اس حال میں واپس آ رہے ہیں کہ ہمارے سروں سے چادریں چھین لی گئیں اور ہمارا مال واسباب لوٹ لیا گیا۔
جب ہم یہاں سے گئے تھے تو اس وقت بظاہر اللہ کی امان میں تھے، اب جبکہ واپس لوٹ رہے ہیں ان پیمان شکنوں کے ظلم کا ڈر موجود ہے۔

۵. وَمَـوْلَانَـا الْـحُسَیْـنُؑ لَـنَـا اَنِیْـسٌ

۶. رَجَـعْـنَـا وَالْـحُسَیْـنُؑ بِـهٖ رَهِیْـنَـا

فَـنَـحْـنُ الـضَّـآئِـعَـاتِ بِلَا كَـفِیْلٍ

وَنَـحْـنُ الـنَّـآئِـحَـاتِ عَلٰى اَخِیْـنَـا

جب ہم یہاں سے گئے تھے تو اس وقت ہمارے مونس وغمخوار حسینؑ مولا تھے، اب ہم حسینؑ کو کربلا کی خاک کے سپرد کر کے آرہے ہیں۔

ہم سرگردان پھرائے جاتے رہے اور ہماری خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں تھا اور ہم اپنے بھائی پر نوحہ کرتی رہیں۔

۷. وَنَحْنُ السَّـآئِـرَاتُ عَلَـى الْمَطَایَا

نُشَـالُ عَلَـى الْـجِمَـالِ الْـمُبْغِضِیْنَا

۸. وَنَـحْـنُ بَـنَـاتُ یٰسِیْـنَ وَ طٰـهٰ

وَنَـحْـنُ الْبَـاكِیَـاتُ عَلٰـى اَبِیْـنَـا

ہمیں بے کجاوہ اونٹوں پر بٹھا کر چلایا گیا، اور ہمیں منہ زور اونٹوں پر سوار کر کے پھرایا گیا۔

ہم یاسین وطٰہ ـــــ محمد مصطفیٰؐ ـــــ کی بیٹیاں اور ہم اپنے بابا کے غم میں آنسو بہا رہی ہیں

۹. وَنَـحْـنُ الـطَّـاهِـرَاتُ بِلَا خِـفَـآءٍ

وَنَحْنُ الْمُخْلِصُوْنَ الْمُصْطَفُوْنَا

۱۰. وَنَـحْـنُ الـصَّـابِـرَاتُ عَلٰى الْبَلَایَـا

وَنَـحْـنُ الـصَّـادِقُوْنَ الـنَّـاصِحُوْنَ

یہ امر کسی سے مخفی نہیں ہے کہ ہم پاکیزہ خواتین ہیں، ہم ہی برگزیدہ اور منتخب خاندان کی بیبیاں ہیں۔

ہم ہی بلاؤں پر صبر کرنے والیاں ہیں اور ہم ہی راستگو اور دنیا کے خیر خواہ ہیں۔

۱۱. اَلَا یَـا جَـدَّنَـا بَـلَـغَـتْ عُـدَانَـا

مُـنَـاهَـا وَاشْتَـفَـى الْاَعْـدَآءُ فِیْـنَـا

۱۲۔ لَقَدْ هَتَكُوا النِّسَآءَ وَحَمَّلُوهَا
عَلَى الْأَقْتَابِ قَهْرًا أَجْمَعِينَا

اے نانا جان! ہمارے دشمن اپنی آرزوؤں تک پہنچ گئے ہیں اور ہمیں قتل کر کے انہوں نے اپنے دل ٹھنڈے کر لئے ہیں۔

انہوں نے خواتین کی بے حرمتی کی اور ان تمام کو زبردستی اونٹوں پر سوار کر دیا۔

علامہ مجلسیؒ نے اور بھی بہت سے اشعار لکھے ہیں جو بحار الانوار جلد ۴۵ ص ۱۹۷ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

قدرشناسی:

تاریخ طبری ج۵ ص ۲۳۳ کے مطابق:

روایت میں ہے کہ جب یہ کاروان مدینہ کے نزدیک پہنچا تو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ایک دختر جناب فاطمہ بنت علیؑ نے اپنی بہن جناب زینبؑ سے کہا:

''بہن! یہ شخص جو شام سے ہمارے ساتھ آیا ہے اس نے اپنی خدمت کا مکمل حق ادا کیا ہے، بہتر ہے کہ اسے کچھ انعام دیا دینا چاہئے!!''

زینب عالیہؑ نے فرمایا:

''بہن! خدا جانتا ہے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی چیز باقی نہیں رہی جو اس کو دے سکیں، سوائے ان چند زیورات کے''

میں نے کہا:

''یہی اسے دے دیں''

بی بی کہتی ہیں کہ:

میں نے اپنا دست بند اور بازو بند اتارا، اسی طرح بہن زینب عالیہؑ نے بھی ایسا کیا اور وہ زیورات اس شامی کو بھیج دیئے، ساتھ ہی معذرت خواہی بھی کی کہ اس کے علاوہ ہمارے پاس اور کچھ نہیں ہے، اور یہ تمہارا انعام ہے''۔

اس شخص نے وہ زیورات ہمیں واپس کر دیئے اور ساتھ ہی کہا:

''اگر میں یہ خدمت دنیوی صلے کے لئے بھی کرتا پھر بھی میں اس سے کم کا مستحق تھا، مگر میں نے یہ ساری غلامی محض رضائے الٰہی کی خاطر اور آپ کی سرکار رسالتمآب کی قرابتداری کی وجہ سے کی ہے''

بشیر کی مدینہ میں منادی:

غرض کاروانِ حریت آگے بڑھا، بشیر بن جذلم کا کہنا ہے کہ: ''ہم آرام آرام کے ساتھ چلتے رہے اور شہرِ مدینہ کے قریب پہنچ گئے، امام سجادؑ نے حکم دیا کہ اونٹ بٹھائے جائیں اور یہیں پر خیمے لگائے جائیں، اہلِ حرم کو خیموں کے اندر بٹھا دیا گیا''

امامؑ نے مجھے طلب فرمایا اور کہا:

''خداوند عالم تمہارے والد کو رحمت و مغفرت کرے بہت اچھا شاعر تھا، تو کیا تم بھی شعر کہنا جانتے ہو؟''

میں نے عرض کیا:

''جی ہاں، فرزند رسولؐ جانتا ہوں!''

فرمایا:

''ابھی شہر مدینہ چلے جاؤ اور سید الشہداء ابا عبداللہ الحسینؑ کی شہادت کی اور ہمارے مدینہ آنے کی خبر لوگوں کو سناؤ!''

اس نے کہا:

''میں گھوڑے پر سوار ہو کر جلدی سے شہر میں جا پہنچا، اور سیدھا روضہ رسول کا رخ کیا، جب قبرِ رسولؐ کے پاس پہنچا تو بلند آواز اور دردناک لہجے میں ان اشعار کو فی البدیہہ پڑھنا شروع کر دیا''

یَـا اَهْـلَ یَثْـرِبَ لَا مُـقَـامَ لَـکُـمْ
قُتِـلَ الْـحُـسَـیْـنُؑ وَادْمَـعِـیْ مِـدْرَارُ
اَلْـجِـسْـمُ مِـنْـهُ بِـکَـرْبَلَاءَ مُـضَـرَّجٌ
وَ الـرَّأْسُ مِـنْـهُ عَلَی الْقَنَاةِ یُدَارُ

اے مدینہ کے رہنے والو! اب تم اس شہر میں رہنے کے قابل نہیں رہے، اس لئے کہ حسینؑ مارے گئے

اوران لوگوں کے سوگ میں میری آنکھوں سے آنسو چھلک رہے ہیں۔

ان کا مقدس دھڑ تو کربلا میں خاک وخون میں غلطان ہے، اور سر کو نیزے پر سوار کر کے شہر بہ شہر پھرایا گیا ہے۔

بشیر کہتا ہے:

''پھر میں نے لوگوں کی طرف منہ کر کے کہا: ''لوگو! دیکھو وہ علی بن الحسینؑ زین العابدین اپنی ماؤں، پھوپھیوں، بہنوں اور بچوں کے ہمراہ مدینہ شہر سے باہر خیمہ لگائے ہوئے ہیں اور میں ان کا قاصد بن کر تمہارے پاس آیا ہوں تا کہ میں تمہیں ان حالات سے آگاہ کروں جو ان پر گزرے ہیں''

چنانچہ جب میں نے لوگوں تک یہ خبر پہنچائی تو شہر میں کوئی زن و مرد ایسا نہیں تھا جو گھر سے باہر نہ نکل آیا ہو! ان کی کیفیت یہ تھی کہ زار و قطار دھاڑیں مار کر رو رہے تھے، میں نے پوری زندگی میں آج کے جیسا دن نہیں دیکھا کہ جس میں سارے لوگ یکدل اور یک زبان ہو کر رو، نہ رہے ہوں، بلکہ مسلمانوں پر آج کے دن جیسا تلخ دن کبھی نہیں دیکھا

(نفس المہموم ص ۴۶۷)

اس وقت اچانک میں نے ایک خاتون کو امام حسینؑ پر یوں نوحہ سرائی کرتے سنا:

نَعـیٰ سَیِّـدِیْ نَـاعٍ نَعَـاہُ فَـاَوْجَـعَـا

وَاَمْـرَضَـنِـیْ نَـاعٍ نَعَـاہُ فَـافْـجَـعَـا

فَـعَیْـنِـیَّ جُـوْدَا بِـالـدَّمُـوْعِ وَاسْـکُـبَـا

وَجُـوْدَا بِـدَمْعٍ بَعْـدَ دَمْعِـکُـمَـا مَعَـا

عَلٰی مَنْ وَّھـیٰ عَرْشَ الْـجَلِیْلِ فَزَعْزَعَا

فَـاَصْبَحَ ھٰذَا الْـمَـجْدُ وَالـدِّیْـنُ اَجْدَعَا

عَـلَـی ابْنِ نَبِـی اللّٰـہِ وَابْـنِ وَصِیِّـہٖ

وَاِنْ کَـانَ عَـنَّـا شَـاحِـطُ الـدَّارِ اَشْـسَعَـا

ایک سنانی دینے والے نے میرے سید و سردار کی سنانی دی جس نے میرے دل کو درد میں مبتلا کر دیا اور یہ خبر مجھے دے کر بیمار کر دیا۔

اے میری دونوں آنکھو! آنسو بہاؤ اور خوب گریہ کرو، روؤ! اور مل کر پھر اور روؤ!!

اس شخصیت پر اشک بہاؤ جس پر پڑنے والی مصیبت نے رب جلیل کے عرش کو ہلا کر رکھ دیا اور دین
کے شکوہ وجلال کو بھی گھٹا دیا۔
اللہ کے نبی اور اس کے وصی کے فرزند پر ___ گریہ کرو ___ اگر چہ اس کی منزل اور اس کا مقام ہم
سے دور اور بہت ہی دور ہے۔

یہ اشعار کہنے کے بعد اس بی بی نے مجھے کہا:

''اے بندہ خدا! تو نے ہمارے غمِ حسینؑ کی مصیبت کی یاد کو پھر سے تازہ کر دیا ہے، اور جو زخم ابھی نہیں بھرے تھے پھر سے ہرے کر دیئے ہیں کہ اب ان کے بھرنے کی امید باقی نہیں رہی، خدا تجھے مغفرت فرمائے بتا تو سہی کہ تو ہے کون؟''

میں نے کہا:

''بی بی! میرا نام بشیر بن جذلم ہے مجھے میرے مولا علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام نے بھیجا ہے، تا کہ میں اہلِ مدینہ کو ان کی مدینہ تشریف آوری کی خبر سناؤں، اور اس وقت وہ حسینؑ کے اہلِ بیتؑ کے ساتھ مدینہ سے باہر فلاں جگہ پر قیام پذیر ہیں!''

کاروانِ حریت کا استقبال

بشیر کہتا ہے کہ:

''مدینہ کے تمام لوگ اکٹھے ہو کر کاروان کی طرف چل پڑے، اور میں نے بھی اپنے گھوڑے کو تیز دوڑانا شروع کر دیا، لیکن لوگوں کی بھیڑ اس قدر زیادہ تھی کہ مجھے راستہ حاصل کرنے کے لئے دشواری پیش آ رہی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں گھوڑے سے اتر کر پیدل چل دیا، اور خود خیامِ اہلِ بیتؑ کے پاس پہنچ گیا''۔

اس وقت امام سجاد علیہ السلام خیمہ کے اندر تھے، لوگوں کو آتا دیکھ کر باہر آ گئے آپ کے ہاتھ میں ایک رومال تھا جس میں آپ اپنے آنسو پونچھ رہے تھے، ایک شخص منبر لے آیا آپ اس کے اوپر تشریف لے گئے مگر آنسو تھے کہ رکنے میں نہیں آتے تھے، آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر لوگوں کی دھاڑیں نکل گئیں، ایک کہرام برپا ہو گیا، خواتین الگ سے گریہ و بکا میں مصروف تھیں،

لوگ ہر طرف سے آپ کی خدمت میں شہداء کربلا خصوصاً سید الشہداء کی تعزیت اور تسلیت عرض کررہے تھے، کان پڑی آوازش سنائی نہ دیتی تھی، شوروفغاں اور آہ نالہ کی آوازیں تھیں اور بس۔

امام سجاد علیہ السلام کا خطبہ:

اتنے میں امام سجاد علیہ السلام نے ہاتھ کے ساتھ خاموش ہونے کا اشارہ کیا، سب حاضرین زن و مرد خاموش ہوگئے، پھر امام علیہ السلام نے ان الفاظ میں خطبہ ارشاد فرمایا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ،اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ ، بَارِیءِ الۡخَلَآئِقِ اَجۡمَعِیۡنَ ، خدا وندرحمان ورحیم کے نام کے ساتھ، تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام مخلوق کو وجود کی نعمت عطا کرنے والا ہے،..................

"اَیُّھَا الۡقَوۡم ! اِنَّ اللّٰہَ وَلَہُ الۡحَمۡدُ، اِبۡتَلَانَابِمَصَآئِبَ جَلِیۡلَۃٍ ،وَثُلۡمَۃٍ فِی الۡاِسۡلَامِ عَظِیۡمَۃٍ ،قُتِلَ اَبُو عَبۡدِ اللّٰہِ الۡحُسَیۡنُ عَلَیۡہِ السَّلَامُ وَعِتۡرَتُہٗ، وَسُبِیَ نِسَآؤُہٗ وَصِبۡیَتُہٗ، وَدَارُوۡابِرَاۡسِہٖ فِی الۡبُلۡدَانِ مِنۡ فَوۡقِ عَالِی السِّنَانِ،وَھٰذِہِ الرَّزِیَّۃُ الَّتِیۡ لَامِثۡلُھَارَزِیَّۃٌ......"

اے لوگو! خداوندتعالیٰ نے ___ جس کی پھر بھی حمد ہے ___ بہت بڑی مصیبت اور دشمن کی طرف سے اسلام پر پڑنے والے شگاف کے ذریعہ ہمارا امتحان لیا، حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام اور ان کے اہلِ بیتؑ کے افراد کو شہید کر دیا گیا، اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا گیا، اور ان کے سر کو نوکِ سنان پر بلند کرکے جگہ جگہ پھرایا گیا، اور یہ وہ مصیبت ہے جس کے ساتھ کسی اور مصیبت کو مثال میں نہیں لایا جاسکتا۔

اے لوگو! تم میں سے کون شخص ہے جو ان کی شہادت کے بعد خوشی منائے؟ یا کون ایسا دل ہے جو اس کی وجہ سے مغموم نہ ہو، اور کونسی آنکھ ہے جو اپنے آنسوؤں کو روک سکتی ہو؟ اور انہیں بہنے نہ دیتی ہو؟ سات آسمان جن کی بنیادیں بڑی ٹھوس ہیں، ان کی شہادت پر روئے۔

سمندر اپنی موجوں کے ساتھ روئے، آسمانوں نے اپنے ارکان کے ساتھ گریہ کیا، زمین اپنی تمام جہات اور درخت اپنی ٹہنیوں کے ساتھ روئے، مچھلیاں سمندروں کی گہرائیوں میں روئیں، ملائکہ مقربین روئے اور تمام آسمانوں کے رہنے والوں نے نالہ وفغاں کیا۔

حاضرین! کونسا ایسا دل ہے جو ان کے قتل کی وجہ سے شگافتہ نہ ہوا ہو؟ اور کونسا ایسا کان ہے جس نے اسلام کے اس رخنے کے بارے میں نہ سنا ہو اور وہ پھٹا نہ ہو؟

اے لوگو! اب ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیا گیا، ہمیں پراگندہ کر دیا گیا، ہمیں وطن سے دور لے جایا گیا، اور شہروں اور آبادیوں سے دور رکھا گیا، گویا ہم تُرک و کابل کی اولاد ہوں کہ جنہیں کسی جرم کے بغیر سزا سنائی گئی ہے۔

"مَاسَمِعْنا بِهٰذَا فِي آبائِنَا الْاَوَّلِينَ" اپنے گذشتہ بزرگوں کے بارے میں ایسی کوئی بات نہیں سنی "اِنْ هٰذَا اِلَّا اخْتِلَاق" یہ تو صرف ان لوگوں کی تراشی ہوئی باتیں ہیں۔

خدا کی قسم! اگر رسول خداؐ انہیں ہمارے بارے میں حسنِ سلوک کی وصیت کے بجائے ہمارے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیتے تو وہ اس سے بڑھ کر ہم پر ظلم نہیں کر سکتے تھے، پس ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ "انا للہ وانا الیہ راجعون" کہ کس قدر عظیم، دردناک ہولناک، بھیانک، خوفناک، دل خراش اور تباہ کن مصیبتیں تھیں جو ہم پر پڑیں!!

ہم خداوند عالم سے اس کے اجر کے طلبگار ہیں، بے شک وہ بڑا غالب اور انتقام لینے والا ہے۔

(اللہوف ص ۸۴)

حضرت محمد حنفیہؒ:

بشیر روایت کرتا ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہؒ کو اہلِ بیتؑ کے شام سے مدینہ آنے کا علم نہیں تھا اور نہ ہی اپنے بھائی حسین (ع) کی شہادت سے مطلع ہوئے تھے، لیکن جب آپ نے یہ شور و غل سنا تو خود بھی زور زور سے رونے لگ گئے اور کہا:

"خدا کی قسم آج کے دن زلزلہ جیسے میں نے صرف رسول خدا (ص) کی وفات کے دن ہی دیکھا تھا، مجھے بتاؤ یہ شور و شین کیسا ہے؟"

چونکہ آپ اس وقت سخت بیمار تھے اور کسی کو یہ جرأت نہیں ہو پا رہی تھی کہ انہیں اصل بات بتائے، اس لئے کہ ان کی جان کا خطرہ تھا، مگر ان کا یہ اصرار بڑھتا گیا، آخر میں انہیں ان کے ایک غلام نے کہا:

"فرزند امیر المومنینؑ! آپؑ کے بھائی حسینؑ کوفہ گئے تھے مگر لوگوں نے ان کے ساتھ بے وفائی کی اور

ان کے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو شہید کردیا، وہ خود اس وقت اپنے اہلِ حرم اور پسماندگان کے ساتھ واپس لوٹ آئے ہیں "

انہوں نے اس سے پوچھا:

"تو پھر وہ ہمارے پاس کیوں تشریف نہیں لاتے"

کہا:

"وہ خود آپ کے منتظر ہیں!"

یہ سن کر وہ وہاں سے اٹھنے لگے لیکن نہیں اٹھ سکے، جب اٹھنے کی کوشش کرتے تو گر پڑتے اور کہتے: "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ "

گویا اب آپ کو اس مصیبت کا احساس ہو گیا تھا۔

کہنے لگے:

"خدا کی قسم! مجھے اس میں آلِ یعقوبؑ جیسے مصائب نظر آرہے ہیں! اَیْنَ اَخِیْ؟ (میرے بھائی کہاں ہیں؟)
اَیْنَ ثَمَرَةُ فُؤَادِیْ؟ (میرے دل کا میوہ کہاں ہے؟) اَیْنَ الْحُسَیْن؟ (مجھے بتاؤ میرا حسینؑ کہاں ہے؟)"

انہیں بتایا گیا کہ مدینہ سے باہر فلاں جگہ پر پڑاؤ ڈالے ہوا ہے، انہیں گھوڑے پر سوار کیا گیا، جبکہ خدام ان کے آگے آگے چل رہے تھے، انہیں مدینہ سے باہر لایا گیا، دیکھا کہ ہر طرف سیاہ علم ہی علم ہیں، پوچھا:

"یہ علم کیسے ہیں؟ خدا کی قسم امیہ کی اولاد نے میرے حسینؑ کو شہید کر دیا ہے"

یہ کہا اور ایک زوردار فریاد کے ساتھ گھوڑے سے زمین پر گرے اور بے ہوش ہو گئے۔

آپ کا ایک خادم امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

"مولا! ذرا اپنے چچا کا حال تو دیکھئے، جلدی جایئے کہیں روح پرواز نہ کر جائے!!"

یہ سن کر امام سجاد علیہ السلام آپ کی طرف چل دیئے، اس وقت ایک سیاہ کپڑا آپ کے ہاتھ میں تھا جس سے آنسو پونچھ رہے تھے، اپنے چچا کے بالین سر پہنچے، اور سر اپنی گود میں رکھا۔

محمد حنفیہ جب ہوش میں آئے تو امامؑ سے پوچھا:

"یَاابْنَ اَخِیْ ! اَیْنَ قُرَّةُ عَیْنِیْ ؟_اَیْنَ نُوْرُبَصَرِیْ ؟اَیْنَ اَبُوْکَ؟ اَیْنَ خَلِیْفَةُ اَبِیْ ؟اَیْنَ اَخِیْ الْحُسَیْنُ؟"

میرے بیٹے! مجھے بتاؤ میری آنکھوں کی ٹھنڈک کہاں ہیں؟ میری آنکھوں کا نور کہاں ہیں؟ تمہارے بابا کہاں ہیں؟ میرے باپ کے خلیفہ کہاں ہیں؟ میرے بھائی حسینؑ کہاں ہیں؟

امام سجادؑ نے فرمایا:

"یَاعَمَّاهُ !اَتَیْتُکَ یَتِیْماً!" چچا جان! مدینہ یتیم ہو کر واپس آیا ہوں، چند مصیبت کی ماری، اجڑی بیبیاں اور کچھ چھوٹے چھوٹے بچے اپنے ساتھ لایا ہوں اور بس!!

"چچا جان کیا بتاؤں؟ اگر آپ اپنے بھائی کو اس وقت دیکھتے تو کیا کرتے جب وہ بے یارومددگار ہو کر نصرت طلبی کر رہے تھے؟ مگر کسی نے ان کی مدد نہیں کی اور وہ بھوکے پیاسے مارے گئے!!"

محمد حنفیہ نے یہ سن کر ایک درد بھری چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔

(الدمعۃ الساکبۃ ۵/۱۶۴)

شہرِ مدینہ میں:

غرض کاروانِ حریت اب مدینہ شہر میں جانے کے لئے روانہ ہوا، جمعہ کا دن تھا جب یہ کاروان شہر کے اندر داخل ہوا، اہلِ بیتِ اطہارؑ سیدھے قبرِ رسولؐ پر گئے، مسجد نبوی سے خطیب جمعہ، نمازِ جمعہ کا خطبہ دے رہا تھا۔

اہلِ بیتؑ نے حسینؑ کے مصائب اور اپنے اوپر ڈھائے جانے والی مصیبتوں کو لوگوں کے سامنے بیان کیا، زخم ایک مرتبہ پھر تازہ ہو گئے، ہر ایک رنج وغم کی تصویر بنا ہوا تھا، سب شہدائے کربلا کے سوگ میں نوحہ سرائی کر رہے تھے، رو رہے تھے، پیٹ رہے تھے، ماتم کر رہے تھے، آج کا دن، رسول پاکؐ کے روزِ وفات کی صورت اختیار کر گیا، اس دن بھی مدینہ کے سب لوگ اکٹھے ہو کر عزاداری کر رہے تھے۔

جنابِ امِ کلثومؑ کا مرثیہ:

علیؑ کی مظلومہ بیٹی جنابِ ام کلثومؑ روتی، پیٹتی، آنسو بہاتی مسجد نبوی میں داخل ہوئی اور قبرِ پیغمبرؐ کی طرف منہ کر کے کہا:

''نانا بزرگوار! آپؐ پر سلام ہو! میں آپ کے حسینؑ کی سنانی لائی ہوں!!''

یہ سننا تھا کہ مقدس قبر رسولؐ سے زور کے ساتھ رونے کی آواز آئی، جب حاضرین نے رونے کی یہ آواز سنی تو سب کی دھاڑیں نکل گئیں اور مسجد کے درودیوار بھی رونے لگ گئے۔

سید سجادؑ کا پرسہ:

اس کے بعد امام زین العابدینؑ قبر پیغمبرؐ پر آئے منہ قبرِ مبارک پر رکھا رسولؐ کو حسینؑ کا پرسہ دیا اور جی بھر کے روئے۔ ____ (الدمعۃ الساکبہ ۵/۱۶۲) ____

جنابِ زینب کبریٰؑ کا نوحہ:

بحار الانوار ۴۵/۱۹۸ میں ہے:

زینب کبریٰؑ قبرِ پیغمبرؐ پر آئیں اور مسجد کے دروازے کو دونوں طرف سے پکڑ کر ان الفاظ سے فریاد کی:

''یَا جَدَّاہُ! اے نانا!! میں آپؐ کے پاس اپنے ماں جائے حسینؑ کی موت کی خبر لائی ہوں''

یہ کہا تھا کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش شروع ہوگئی رونا بند نہیں ہو رہا تھا، ایک آہ وفغاں تھی جو مسجد نبوی اور قبرِ رسولؐ سے بلند ہو رہی تھی، ادھر جب امام سجادؑ پر نظر پڑتی رنج وغم پھر تازہ ہو جاتا، بی بی نے زبانِ حال کو مخاطب کر کے کہا:

برخیزو حالِ زینبؑ خونین جگر بپرس
از دخترِ ستم زدہ حالِ پسر بپرس
ہمراہِ ما بہ دشتِ بلا گر نبودہ ای
من بودہ ام، حکایتِ شان سر بہ سر بپرس

نانا اٹھ! اور اپنی ستم رسیدہ اور غمدیدہ بیٹی زینبؑ کا حال پوچھ، اپنی مظلومہ بیٹی سے اپنے شہید مظلوم بیٹے کا حال پوچھو!!۔

نانا! اگر آپ ہمارے ساتھ دشتِ بلا وکرب وبلا میں نہیں تھے، میں تو تھی، انھیں ایک ایک کا تفصیلی حال بتاؤں کہ ہم پر کیا گزری!!

بی بی ام سلمہؓ کا اضطراب:

ناظرینِ محترم! قبل اس کے کہ ہم اس معظّمہ کی اضطرابی کیفیت بیان کریں قدرے ان کا تعارف مناسب سمجھتے ہیں۔(کتاب تنقیح المقال ۳/۲/۷۷ میں ہے) حضرت اِم سلمہ کا نام ہند دختر ابی امیہ ہے، انہوں نے دو ہجرتیں کی ہیں، ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ سرکارِ رسالت مآبؐ کے رشتہ ازدواج میں آنے سے پہلے ابو سلمہ کی بیوہ تھیں، ان سے چار اولادیں ہوئیں: سلمہ، عمر، درہ اور زینب، اہلِ بیتؑ رسولؐ سے ان کی عقیدت اور قلبی محبت مشہور ہے یزید کے دورِ حکومت میں انتقال فرمایا۔

غرض منادی کی ندا سن کرام المومنین ام سلمہؓ اپنے حجرے سے باہر آگئیں، ان کے ہاتھ میں وہ شیشی بھی تھی جس میں تربتِ حسینؑ تھی اور خون بن چکی تھی، جب اہلِ بیتؑ نے انہیں دیکھا اور خون رنگ مٹی کا مشاہدہ کیا تو ایک مرتبہ پھر ان کے گریہ میں شدت آگئی اور ان بیبیوں نے ایک ایک کر کے انہیں گلے لگایا اور بین شروع کر دیئے اور خوب جی بھر کر روئے۔

حضرت ام البنینؑ کا مرثیہ:

قبل اس کے کہ ہم ان کا مرثیہ نذرِ قارئین کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مختصر سا تعارف پیش کیا جائے، چنانچہ تنقیح المقال ۳/۷۰ فصل ''النساء'' میں ہے، کہ آپ کا نام فاطمہ بنت حزام بن خالد بن ربیعہ عامر ہے۔

روایات کے مطابق جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے بھائی جناب عقیل جو علم الانساب کے ماہر تھے، فرمایا:

''میرے لئے کسی ایسی خاتون کے رشتے کا انتظام کرو جس سے خداوند عالم مجھے شجاع اور دلیر فرزند عطا کرے جو میری شجاعت کا وارث ہو''

حضرت عقیلؓ نے عرض کیا:

''قبیلہ بنی کلاب کی خاتون جس کا نام فاطمہ بنتِ حزام ہے اس سے آپ ازدواج فرمائیں، کیونکہ تمام عربوں میں اس سے بڑھ کر شجاع کوئی اور قبیلہ میں نے نہیں دیکھا''

چنانچہ جناب امیر علیہ السلام نے ان کے ساتھ عقد فرمایا اور اللہ نے ان سے آپ کو چار فرزند عطا فرمائے، جن میں سب سے بڑے حضرت عباسؑ ہیں، جن کی کنیت ابوالفضل اور لقب قمرِ بنی ہاشمؑ ہے، ان کے باقی بھائیوں کے نام یہ ہیں، عبد اللہ، جعفر اور عثمان، اور انہی کی وجہ سے ان کی والدہ معظّمہ کو ''ام البنین'' کہا جاتا ہے، یعنی بیٹوں کی ماں۔

اس خاتونِ معظمہ کی قوتِ ایمانی کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب بشیر نے ان کے یکے بعد دیگرے فرزندان کی خبرِ شہادت سنانا شروع کی تو وہ ہر موقع پر فرماتی تھیں:

''مجھے اپنے بیٹوں کے نہیں حسینؑ کے متعلق بتاؤ!!

جب بشیر نے پھران کے کسی بیٹے کے بارے میں بتانا شروع کیا تو کہنے لگیں:

''تم نے میرے دل کی رگوں کو کاٹ دیا ہے، میرے بیٹے ہوں یا کسی اور ماں کا لال، حسینؑ پر قربان جائیں، مجھے حسینؑ کے بارے میں بتاؤ''

چنانچہ: حیاۃ الامام الحسینؑ ۴ / ۴۳۰ میں ہے کہ:

انہوں نے اپنے چاروں بیٹوں کی خبرِ شہادت سننے کے بعد معمول بنا لیا تھا کہ روزانہ قبرستان بقیع چلی جاتی تھیں اور اپنے پیاروں کے غم میں نوحہ و ماتم کیا کرتیں، مدینہ کی عورتیں بھی آپ کے پاس آپ کے غم میں شریک ہو جاتیں۔

حضرت ام البنینؑ کی عزاداری اس قدر دردناک ہوتی تھی کہ مروان بن حکم جیسا پکا دشمنِ اہل بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔

حضرت ام البنینؑ جب اپنے بچوں کو یاد کرتیں تو یہ مرثیہ پڑھتی تھیں:

یَا مَنْ رَأَی الْعَبَّاسَ کَرَّ

عَلٰی جَمَاهِیرِ النَّقَدْ

وَوَراهُ مِنْ اَبْنَاءِ حَیْدَرٍ

کُلُّ لَیْثٍ ذِی لُبَدْ

اُنْبِئْتُ اَنَّ ابْنِی اُصِیبَ

رَأْسِهٖ مُقْطُوعُ یَدْ

وَیْلِیْ عَلٰی شِبْلِیْ اَمَالَ

بِرَأْسِهٖ ضَرْبُ الْعَمَدْ

لَوْکَانَ سَیْفُکَ فِیْ یَدَیْکَ

لَمَا دَنٰی مِنْکَ اَحَدْ

اے وہ کہ جس نے میرے عباس کو دشمن کے ٹولے پر حملہ آور ہوتے دیکھا ہے اور اس کے پیچھے پیچھے حیدر کرار کے ببر شیر بیٹوں کو چلتا دیکھا ہوگا۔

مجھے بتایا گیا کہ میرے عباس بیٹے کا سر مجروح اور ہاتھوں کو قطع کر دیا گیا ہے، ہائے افسوس کہ میرے شیر عباس کے سر پر گرز مار کر اس کے سر کو شدید زخمی کر دیا گیا۔

عباسؑ! اے کاش کہ تیرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو یقیناً کوئی بھی دشمن تمہارے نزدیک نہ آتا۔

پھر کہتی تھیں:

لَاتَدْعُوَنِّیْ وَیَکِ اُمَّ الْبَنِیْنِ
تُذَکِّرِیْنِیْ بِلُیُوْثِ الْعَرِیْنِ
کَانَتْ بَنُوْنٌ لِّیْ اُدْعیٰ بِهِمْ
وَالْیَوْمَ اَصْبَحْتُ وَلَامِنْ بَّنِیْنِ
اَرْبَعَةٌ مَثَلُ نُسُوْرِالرُّبیٰ
قَدْ وَاصَلُواالْمَوْتَ بِقَطْعِ الْوَتِیْنِ

بیبیو! اب کے بعد مجھے ام البنین ــــ بیٹوں کی ماں ــــ کہہ کر نہ پکارا کرو! اس سے تم مجھے بیشۂ شجاعت کے شیروں کی یاد دلاتی ہو!! مجھے ام البنین اس وقت کہا جاتا تھا جب وہ اس دنیا میں تھے، اب وہ نہیں رہے تو میں ام البنین کیسے کہلاؤں گی۔

میرے چار بیٹے عقابوں کی مانند تیز پرواز تھے اب ان کی شہ رگ حیات کٹ چکی ہے اور جامِ شہادت نوش فرما چکے ہیں۔

مدینہ میں اہلِ بیتؑ کی عزاداری:

(کتاب نفثۃ الصدور ص ۶۶۳ میں ہے کہ) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے ایک فرزند سے روایت ہے کہ:

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد مخدرات عصمت وطہارت نے مدت تک سیاہ لباس زیب تن کئے رکھا انہیں سردی اور گرمی کی قطعاً کوئی فکر نہیں تھی، سید الشہداء علیہ السلام اور ان کے دوسرے یار و انصار کی یاد میں مجالس عزا برپا کیا کرتی تھیں اور حضرت امام علی بن الحسین علیہ السلام ان کے لئے غذا خوراک کا بندوبست کیا کرتے تھے۔

جناب ربابؑ کی وفاشعاری:

اس معظمہ کی وفاشعاری کا تذکرہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مختصر کا تعارف کرادیا جائے، چنانچہ ابوالفرج اصفہانی عوف بن خارجہ سے نقل کرتے ہیں کہ خلافتِ ثانیہ کے زمانے میں ایک نصرانی اسلام قبول کرنے کی غرض سے مدینہ آیا اور اپنا نام امرؤالقیس بتایا اسے اسلام کی تعلیمات بتائی گئیں اور وہ مسلمان ہوگیا۔

جب وہ مسلمان ہوکر واپس جانے لگا تو سرِ راہے اس کی ملاقات حضرت امیر علیہ السلام سے ہوگئی جبکہ جناب حسنین علیہما السلام بھی ان کے ہمراہ تھے حضرت امیر علیہ السلام نے اس سے تعارف کراتے ہوئے فرمایا:

"...... یہ دونوں میرے فرزند ہیں ان کی ماں کا نام فاطمہ زہراؑ ہے جو رسول خداؐ کی بیٹی ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کو دامادی کا شرف بخشیں"

امرؤالقیس نے کہا:

"یا علیؑ! میری تین بیٹیاں ہیں، جن میں سب سے چھوٹی "رباب" کو آپ کے فرزند "حسینؑ" کے عقد میں دیتا ہوں۔

چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا رشتہ جناب رباب سے ہوگیا، اللہ نے جناب رباب کو دو بچے عطا فرمائے ایک فرزند دوسری دختر، بیٹے کا نام عبداللہ رکھا گیا جو عام طور پر علی اصغرؑ کے نام سے مشہور ہیں، اور بیٹی کا نام سکینہؑ رکھا گیا۔

نفس المہموم ص ۵۲۷ کے مطابق ہشام بن سائب کلبی کا کہنا ہے کہ جناب رباب کا برگزیدہ خواتین میں شمار ہوتا ہے، اور ان کے والد امرؤالقیس کا شمار عرب کے شریف اور عظیم خاندانوں میں ہوتا ہے، حضرت رباب کو امام حسین علیہ السلام کے نزدیک اعلیٰ مقام حاصل تھا، اور آپ کی ان پر ہمیشہ نظرِ عنایت رہتی، ان کے اور ان کی بیٹی جناب سکینہ کے بارے میں امامؑ کے یہ اشعار بہت، معروف ہیں:

لَعَمْرُکَ اِنَّنِی لَاُحِبُّ دَارًا
تَکُوْنُ بِهَا السَّکِیْنَةُ وَالرُّبَابُ
اُحِبُّهُمَا وَاَبْذُلُ جُلَّ مَالِیْ
وَلَیْسَ لِعَاتِبٍ عِنْدِیْ عِتَابُ

تیری جان کی قسم! میں اس گھر کو دوست رکھتا ہوں جس میں سکینہ اور رباب ہوں، میں ان کو دوست رکھتا ہوں اور اپنا مال خرچ کرتا ہوں، اور عتاب کرنے والے کو میرے نزدیک عتاب کا حق حاصل نہیں ہے۔

روایات میں ہے کہ جناب رباب کو شام سے واپس آنے کے بعد اشراف عرب کی طرف سے اچھے اچھے رشتے آتے رہے مگر آپ نے حسینؑ کی محبت میں سب کو ٹھکرا دیا اور ہمیشہ روتی رہیں، اور آخری دم تک کبھی سایہ میں نہیں بیٹھیں اور اسی حالت میں اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کی۔

تمقام زخارص ۶۵۳ اور نفس المہموم ص ۵۲۸ کے مطابق: آپ نے مظلوم امامؑ شوہر کی شہادت کے سلسلے میں ایک مرثیہ پڑھا، جو آپ کی نذر کیے دیتے ہیں:

اِنَّ الَّـذِیْ کَـانَ نُـوْرًا یُّسْتَـضَـآءُ بِـهٖ
بِـکَـرْبَلَاء قَتِیْـلٌ غَیْـرُ مَـدْفُـوْن
سِبْطُ النَّبِـيِّ جَـزَاکَ اللّٰـهُ صَـالِحَةً
عَـنَّـا وَجُـنِّبْـتَ خُسْـرَانَ الْـمَـوَازِیْـنِ
قَـدْ کُـنْـتَ لِـیْ جَبَلًا صَعْبًا اَلُـوْذُ بِـهٖ
وَکُـنْـتَ تَـصْـحَـبُـنَـا بِـالرَّحِمِ وَالـدِّیْـنِ
مَـنْ لِّـلْیَتَـامـیٰ وَمَـنْ لِّـلسَّـآئِلِیْـنَ وَمَـنْ
یَـغْـنِـیْ وَیَـأْوِیْ اِلَیْـهِ کُـلُّ مِسْکِیْـنِ
وَالـلّٰـهِ لَا اَبْتَـغِـیْ صِهْـرًا بِـصِهْـرِکُـمْ
حَتّٰـی اُغَیَّـبَ بَیْـنَ الـرَّمْـلِ وَالـطِّیْـنِ

جس نور کے وجود سے روشنی حاصل کی جاتی تھی وہ کربلا میں مارا گیا ہے اور اس کی لاش کو دفن نہیں کیا گیا۔

اے فرزند رسولؐ! اللہ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے اور میزان کے خسارے سے دور رکھے۔

آپ میرے لئے ایک مضبوط پہاڑ کی مانند تھے کہ جس سے مجھے پناہ ملی ہوئی تھی اور آپ ہی ہمارے مہربان اور صاحب دین ساتھی تھے۔

اب یتیموں اور سوالیوں کا کون رہا ہے؟ اور کون ایسا ہے کہ جس کا مسکین قصد کریں گے اور اس کے پاس آ کر پناہ لیں گے؟

خدا کی قسم اب میں زمین میں مدفون ہونے تک کسی کو اپنا شوہر نہیں بناؤں گی۔

حضرت عقیلؓ کی صاحبزادی کا مرثیہ:

شیخ مفید ارشاد ۲/ ۱۲۴ میں فرماتے ہیں کہ: "جب جناب عقیل کی صاحبزادی جناب ام لقمان کو امام مظلوم کی سنائی ملی تو تو وہ اپنی دوسری بہنوں ام ہانی، اسماءؑ، رملہؑ، اور زینب (ع) کو ساتھ ملا کر قبر رسولؐ پر گئیں اور رو رو کر یہ مرثیہ پڑھا:

عَیۡنِیۡ اَبۡکِیۡ عَبۡرَۃً وَ عَوِیۡلٖ

وَانۡدُبِیۡ اِنۡ نَدَبۡتِ آلَ الرَّسُوۡلِ

سِتَّۃٌ کُلُّھُمۡ لِصُلۡبِ عَلِیٍّ

قَدۡ اُصِیۡبُوۡا وَ خَمۡسَۃٌ لِعَقِیۡلٖ

اے میری آنکھ اشکوں اور آہوں کے ساتھ گریہ کر، اور اگر نوحہ مرثیہ کہنا ہے تو پھر آل رسولؐ پر ہی مرثیہ اور نوحہ کہو، ان چھ افراد پر جو علیؑ کی صلب سے ہیں اور پانچ افراد کیلئے جو اولادِ عقیل ہیں۔

العقد الفرید ۴/ ۷۰ ا میں ہے کہ اس کے بعد انہوں نے مہاجرین وانصار سے مخاطب ہو کر کہا:

مَاذَا تَقُوۡلُوۡنَ اِذۡ قَالَ النَّبِیُّ لَھُمۡ

یَوۡمَ الۡحِسَابِ وَصِدۡقِ الۡقَوۡلِ مَسۡمُوۡعٗ

جب بروز حساب ___ یعنی قیامت کے دن ___ پیغمبران (قاتلوں) سے پوچھیں گے کہ میری عترت اہلِ بیتؑ کے ساتھ تم نے کیا سلوک کیا؟ تو تم کیا جواب دو گے؟ اس دن تو صرف سچی بات سنی جائے گی۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام کا گریہ:

کتاب الملہوف ص ۸۷، بحار الانوار ۴۵/ ۱۴۹ میں ہے کہ:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام چالیس برس تک اپنے بابا کے مصائب میں روتے رہے، دن کو روزے سے ہوتے اور رات کو عبادت میں مصروف رہتے، بعض اوقات ایسا ہوتا کہ ملازم افطار کے وقت کھانا تیار کر کے آپ کی خدمت میں لے جاتا مگر جب آپ کی نظر کھانے پر پڑتی تو رقت طاری ہو جاتی اور روتے روتے غشی کر جاتے اور فرماتے ہیں:

''کیونکر پانی پیوں جبکہ میرا بابا تین دن کا پیاسا مارا گیا؟''

امام علیہ السلام کا ایک خادم بیان کرتا ہے کہ:

اک دن میں نے دیکھا کہ امام علیہ السلام صحرا کی طرف گئے اور ایک پتھر کے تختے پر عبادت میں مشغول ہو گئے اور سر کو سجدہ میں رکھ کر کہنے لگے:

''لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تَعَبُّدًا وَّرِقًّا، لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِيْمَانًا وَّصِدْقًا''

خادم کا کہنا ہے کہ:

میں نے شمار کیا تو یہ ذکر ہزار مرتبہ رو رو کر دہرایا گیا، اور جب سر سجدے سے اٹھایا تو میں نے عرض کیا:

''مولاؑ! ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ آپکا رونا کم ہو؟''

فرمایا:

''افسوس ہے! تو نے انصاف نہیں کیا، حضرت یعقوب نبیؑ کے بارہ بیٹے تھے، ان میں سے ایک ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تھے تو اس قدر روئے کہ آپ کے بال سفید ہو گئے تھے، کمر جھک گئی تھی، بینائی جواب دے گئی تھی، جبکہ میری حالت یہ ہے کہ میری آنکھوں کے سامنے باپ، بھائی چچے اور دوسرے قریبی رشتہ داروں کے سر تن سے جدا کر دیئے گئے اور لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔

کتاب حیاۃ الامام الحسینؑ میں ہے کہ: امامؑ نے فرمایا:

جب بھی عاشور کا دن آتا ہے یا اپنی پھوپھی پھوپھیوں، ماؤں اور بہنوں کو دیکھتا ہوں تو میرا غم تازہ ہو جاتا ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں''

اصحابِ رسولؐ کی عزاداری میں شرکت:

کتاب حیاۃ الامام الحسینؑ ۳/ ۴۲۸ میں ہے کہ:

اہلِ بیتِ اطہارؑ کے مدینہ میں واپس آنے کے بعد تمام بنی ہاشم بھی سید الشہداء کے سوگ میں ان کے شریک ہو گئے، اور تین سال تک عزاداری اور نوحہ سرائی کرتے رہے اور حضرت مسعد بن مخرمہ اور ابو ہریرہ جیسے حضرت رسول خداؐ کے صحابی چھپ چھپ کر ان کے نوحے اور مرثیے سنا کرتے تھے، اور سن سن کر گریہ کیا کرتے تھے۔

حضرت زینب کبریٰ کی عزاداری:

اسی کتاب میں ہے کہ:

حضرت شریکۃ الحسینؑ ثانی زہراؑ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا ہمیشہ اپنے بھائی اور دوسرے شہداء کے غم میں نوحہ سرائی اور ماتم داری میں مصروف رہتیں، آپ کی آنکھوں سے آنسو کبھی خشک نہیں ہوتے تھے، جب اپنے بھتیجے امام سجادؑ کی طرف دیکھتیں غم واندوہ میں اضافہ ہو جاتا، اور دل خراش مصائب آپ کے دل کو مجروح کر دیتے اور دل کے زخم ہمیشہ تازہ رہتے، امامؑ بھائی کی شہادت کے بعد صرف دو سال تک زندہ رہیں اور پھر اپنے خالق حقیقی کو جا ملیں۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

یہاں پر ''کاروانِ حریت'' کے واقعات اپنے اختتام کو پہنچے، وصلی اللہ علی محمد وآل محمدؐ

"اَلسَّلَامُ عَلَی الْحُسَيْن
وَعَلٰی عَلِیِّ بْنِ الْحُسَيْن
وَعَلٰی اَوْلَادِ الْحُسَيْن
وَعَلٰی اَصْحَابِ الْحُسَيْن"

M 1 (29.07.12 - Th MRD

کلیة الواعظین جامعة الکوثر اسلام آباد کے افتتاح کی خوشی میں

واعظین، مقررین اور مبلغین کے لیے انمول تحفہ

عالمِ عرب کی شہرہ آفاق تفسیر

تَفسِیرُ المُعِین

للواعظین والمتعظین

حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ محمد علی فاضل مدظلہ العالی

کے قلم سے ترجمہ ہو کر بہت جلد منظرِ عام پر آرہی ہے

کتاب محدود تعداد میں شائع ہو رہی ہے۔

اپنے آرڈر سے ابھی مطلع کریں

ناشر:

مکتبۃ الہادی

جامعۃ الکوثر۔ اسلام آباد

حوزہ علمیہ جامعہ امام جعفر صادق علیہ السلام

تعارف:
جنوبی پنجاب کے ضلع راجن پور جیسے ہر لحاظ سے پسماندہ ترین علاقے میں ملتِ تشیع کے لیے عظیم دینی درسگاہ جامعہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا قیام نعمتِ عظمیٰ ہے۔ پاکستان کی مشہور و معروف علمی شخصیت سرکار علامہ محمد علی فاضل مدظلہ العالی نے 1987ء میں اس ادارے کی تاسیس فرمائی۔ ابتدائی طور پر کرایہ کے مکان سے تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا۔ شب و روز کی انتہائی محنت سے جامعہ کی زمین خرید فرما کر عمارت کی تعمیر جیسی کٹھن ذمہ داری کو سرانجام دیا اور آج عالیشان مدرسہ، دو منزلہ مسجد و امام بارگاہ اسی انتھک محنت کا نتیجہ ہیں۔

قلمی خدمات:
ادارہ ہذا اور اس کے بانی و سرپرست کی طرف سے تصنیف، ترجمہ و تالیف شدہ کئی دینی کتب مقبول عام ہو چکی ہیں اور تمام مکاتب فکر کے نزدیک شہرت خاصہ رکھتی ہیں۔ نیز ملکی اور بین الاقوامی جرائد میں ادارہ ہذا کے سرپرست، پرنسپل، مدرسین اور فارغ التحصیل علماء کرام کے مضامین وقتاً فوقتاً چھپتے رہتے ہیں۔

علمی و تدریسی خدمات:
جامعہ امام جعفر صادقؑ کا شمار ملک کے بڑے مدارس میں ہوتا ہے اور یہاں سے فارغ التحصیل علماء کراچی سے آزاد کشمیر تک ملک کے چاروں صوبوں سندھ، خیبر پختونخواہ، پنجاب اور بلوچستان میں دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور دینی اداروں میں بطور مدیر، مدرس، خطیب اور مبلغ خدمات میں مصروف عمل ہیں۔

حوزہ علمیہ زینبیہؑ:
ساتھ ہی دخترانِ ملت جعفریہ کے دینی شعور کو بیدار کرنے کے لیے حوزہ علمیہ زینبیہ کا قیام بھی نعمت عظمیٰ سے کم نہیں ہے اور الحمدللہ اس ادارہ نے مختصر ترین عرصہ میں وسائل کے نہ ہونے کے باوجود بہت سی خواتین کو زیور تعلیم سے آراستہ کر کے ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

جامعہ کو کسی شخصیت کی سرپرستی حاصل ہے نہ اس کے نام کوئی رقبہ اراضی وقف ہے،
صرف مخلص مومنین کے تعاون سے خیر کا یہ سلسلہ جاری ہے۔

آپ سے تعاون کی اپیل کی جاتی ہے۔

برائے رابطہ: جامعہ امام جعفر صادقؑ راجن پور پنجاب پاکستان۔
فون: +92331-9727212
+92344-9137545

ناشر: مکتبۃ الہادی جامعۃ الکوثر فیض احمد فیض روڈ H-8/2 اسلام آباد

رابطہ: maktabatulhadi@gmail.com/ 051-2522758/0333-6446072